منگل 29 رمضان المبارک 1445 مجری 09 اپریل 2024 عیسوی

بسم اللہ الرحمان الرحیم ط

الحمد للہ رب العالمین۔

اللھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمدٍ و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ و بارک و سلِّم ط (تین مرتبہ)

ربّنا یسّرلنا ھٰذالکتاب و لا تُعَسِّرْہُ و تَمِّمْہُ بالخیرِ و بک نستعین یا فتّاحُ یا علیمُ (تین مرتبہ)

آمین ثم آمین

اللھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمدٍ و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ و بارک و سلِّم ط (تین مرتبہ)

علامہ ابن حاجب نے کافیہ کو مفصّل سے اخذ کیا ہے۔

مصنف رح کے حالات: صاحب کافیہ کا نام عثمان کنیت ابو عمرو اور لقب جمال الدین ہے۔ آپ 570 ھجری میں مصر کی بستی (اسنانہ) میں پیدا ہوئے۔ آپ کی شہرت ابن حاجب رح کے نام سے ہے۔

حاجب عربی زبان میں سیکرٹری کو کہتے ہیں، اور نیز دربان کو بھی کہتے ہیں۔ آپکے والد رح گورنر کے سیکرٹری تھے۔ اسی لئے آپ ابن حاجب رح کی کنیت سے مشہور ہوئے۔ (حاجب: رکاوٹ)

آپ نے اپنے وقت کے مشہور علماء سے علم حاصل کیا۔ علم فقہ، اُصول فقہ، اور نحو وغیرہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ بڑے متقی اور پرہیز گار تھے۔ آپکے درس کی بے انتہا شہرت تھی۔ علماء اور طلباء دور کا سفر طے کر کے آپ کے درس میں حاضر ہوا کرتے۔ مذہب کے اعتبار سے آپ مالکی ہے۔ اور جامعہ دمشق کے زاویہ مالکیہ کے اندر یہ درس دیا کرتے تھے۔ فقہ اور اصول فقہ کے بڑے ماہر تھے۔ بڑے فصیحُ اللّسان تھے۔

آپ نے علم نحو کے اندر کافیہ جیسی عظیم الشان کتاب لکھ کر علمی اور فنّی دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے بے انتہا مقبولیت نصیب فرمائی۔ اس کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ علماء نے سو کے قریب اسکے حواشی اور شروح لکھے ہیں۔ اور سینکڑوں سال گزرنے کے باوجود اسکی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اور آج بھی مدارس اسلامیہ میں داخل درس ہے۔

اسی طرح آپ نے صرف کے اندر شافیہ نامی کتاب لکھ کر علم کے ایوانوں میں زلزلہ برپا کر دیا۔ یہ صرف کی مشکل ترین کتابوں میں سے ہے۔

آپکی وفات 16 شوّال 646 ھجری میں ہوئی۔ اللہ ہم سب کو اُن جیسا تقویٰ، علم اور مقبولیت نصیب فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

ھٰذا ھوالمرام واللہ اعلم بحقیقۃ الکلام۔

درس 2۔

الف لام کی اقسام: الف لام دو قسم پر ہے۔ الف لام اسمی اور الف لام حرفی۔

الف لام اسمی: الف لام اسمی وہ ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں پر داخل ہوتا ہے۔ یہ دراصل اسم موصول ہوتا ہے جو الف لام کی صورت میں آتا ہے۔ تو چونکہ یہ اسم موصول ہے اس لئے اسے الف لام اسمی کہتے ہیں۔ پس "الضَّاربُ" بمعنیٰ

"الذی یَضْرِبُ" کے ہے،یعنی "وہ جو کہ پٹھائی کرتا ہے۔"اور "اَلْمَضْرُوبُ" بمعنیٰ "الّذی یُضْرَبُ" کے ہے۔یعنی وہ جسکی پٹھائی کی جاتی ہے۔

الف لام حرفی: الف لام حرفی وہ ہے جسکے ذریعے کسی اسم کو معرفۃ بنایا جاتا ہے۔اس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔یہ چار قسم پر ہے۔الف لام جنسی،الف لام استغراقی،الف لامی عہد خارجی اور الف لام عہد ذہنی۔

1۔ الف لام جنسی۔ الف لام جنسی وہ ہے جس کے ذریعے کسی جنس، ماہیت اور حقیقت کی طرف اشارہ کیا جائے، اور اس سے افراد مراے نہیں ہوتے۔ جیسے "الرجلُ خیرٌ من المرأۃِ" یعنی جنس رجل جنس امرءۃ سے بہتر ہے۔ یہاں افراد مراد نہیں۔ اگر افراد مراد ہو تو پھر یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ جنس امرأۃ کے بہت سے افراد مردوں سے بہتر ہیں۔ جیسے حضرت عائشہ صدیقہ[رض] ، کہ اُن کا مقام تو اتنا اعلیٰ اور ارفع کہ بعض والا کوئی مرد بھی اُن کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ یا جیسے ایک مومنہ عورت کہ وہ تمام دنیا کے کافر مردوں سے بہتر ہے۔

2۔ الف لام استغراقی۔ وہ ہے جس کے ذریعے کسی جنس کے تمام افراد کی جانب اشارہ کیا جائے، جیسے قرآن مجید میں ہے، "اِنَّ الانسانَ لفی خُسْرٍ ط الّالذین اٰمَنُوْا۔" یہاں الانسان پر الف لام استغراقی ہے۔ ترجمہ۔ یقیناً تمام انسان خسارے میں ہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے۔

3۔ الف لام عہد خارجی۔ وہ ہے جس کے ذریعے کسی جنس کے متعین فرد یا افراد کی طرف اشارہ کیا جائے مثلاً آپ کہتے ہیں، جاءَنی رجلٌ فاکرمتُ الرجلَ۔ یعنی میرے پاس ایک آدمی آیا، تو میں نے اُس آدمی کا اکرام کیا۔ یہاں پہلے جملے میں رجلٌ کا ذکر آیا اور رجلٌ نکرہ ہے، تو اب وہ متعین ہو گیا تو دوسرے جملے میں الرجل (الف لام کے ساتھ) اسی متعین رجل کی طرف اشارہ کیا گیا۔

4۔ الف لام عہد ذہنی۔ وہ ہے جس کے ذریعے کسی جنس کے فرد غیر معین کی طرف اشارہ کیا جائے۔ جیسے قرآن میں ہے۔ "اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَہُ الذِّئْبُ" پارہ 12 سورۃ 12 آیت 12۔

حضرت یعقوب[ع] نے اپنے بیٹوں سے حضرت یوسف[ع] کے بارے میں فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ اسے کوئی بھیڑی کھا جائے گا۔ تو یہاں "الذِّئبُ" پر الف لام عہد ذہنی ہے۔ یعنی ذہن میں جنس بھیڑئیے کے ایک فرد کا تصوّر کر کے الف لام کے ذریعے اسکی طرف اشارہ کر دیا گیا۔

نیز یہ بات یاد رکھئے کہ وہ اسم جس پر الف لام عہد ذہنی داخل ہو، وہ لفظوں کے اعتبار سے تو معرفہ ہو جاتا ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے نکرہ ہی رہتا ہے۔ لہٰذا الذئبُ کا ترجمہ "کوئی ایک بھیڑیا" ہے۔

کبھی کبھار الف لام حرفی کو صرف لفظ کو مُزَیَّنْ کرنے اور خوبصورت و حسین بنانے کے لئے لایا جاتا ہے۔ جیسے نام ہے علی، اس پر الف لام داخل کر کے العلی کہتے ہیں۔ یا جیسے الزبیر۔ تو الف لام حرفی تو لفظ کو معرفۃ بنانے کے لئے لاتے ہیں لیکن زبیر اور علی وغیرہ جیسے نام یہ تو پہلے ہی معرفۃ ہے، تو یہاں الف لام کو صرف لفظ کو مُزَیَّنْ کرنے کے لئے لایا گیا۔

ھٰذا ھو المرام واللّٰہُ اعلمُ بحقیقۃِ الکلامِ۔

درس 3۔

مبتدا خبر میں مطابقت کے لئے چار شرائط ہیں۔

شرط اوّل۔ خبر مشتق کا صیغہ ہو۔ اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل، ظرف، اسم آلہ وغیرہ۔ لہذا "الکمة لفظٌ" کا اعتراض ختم ہوا۔ کہ الکلمة مبتدا مؤنث ہے اور لفظٌ خبر مذکر ہے۔ کیوں کہ یہاں پہلی شرط نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ لفظ مشتق نہیں بلکہ مصدر ہے۔

شرط ثانی۔ اُس مشتق میں کوئی ضمیر ہو جو اُس مبتدا کی جانب لوٹ رہی ہو۔ مثلًا زینبُ قائمَةٌ۔ یہاں قائمةٌ اسم فاعل کا صیغہ ہے جو کہ مشتق ہے۔ پہلی شرط پوری ہوئی۔ اور قائمَةٌ کے اندر ھی ضمیر ہے جو کہ زینب کی طرف لوٹ رہی ہے۔ دوسری شرط بھی پوری ہوئی۔ قائمةٌ خود اسم فاعل ہے اور ھی ضمیر اسکا فاعل ہے۔ فعل معروف کے لئے فاعل اور فعل مجہول کے لئے نائب الفاعل چاھئے، اور وہ اُس کے اندر ھو ضمیر ہوگی۔ لیکن کبھی کبھار ضمیر اس میں نہیں ہوتی جب فاعل یا نائب فاعل آگے خود آ جائے۔ جیسا کہ ضَربَ زیدٌ ۔ اب ضربَ کے اندر ضمیر نہیں اور آگے اسم ظاہر اسکا فاعل خود آ رہا ہے۔

ضُربَ کے اندر ھو ضمیر نائب الفاعل ہے۔ اور ضُربَ زیدٌ میں اب ضُربَ کے اندر کوئی ضمیر نہیں کیونکہ زید نائب الفاعل خود آ رہا ہے۔ اسی طرح اسم فاعل کا صیغہ بھی فاعل کو چاہتا ہے اور اسم مفعول کا صیغہ نائب الفاعل کو چاہتا ہے۔ تو ضاربٌ کے اندر ھو ضمیر اس کا فاعل ہے۔ اور مضروبٌ کے اندر ھو ضمیر اس کا نائب الفاعل ہے۔ اور کبھی کبھی ضاربٌ کے لئے اسم ظاہر فاعل بنتا ہے اور مضروبٌ کے لئے بھی اسم ظاہر نائب الفاعل بنتا ہے۔ اسی صورت میں انکے اندر ضمیر نہیں ہوتی۔

زیدٌ ضاربٌ۔ زیدٌ مبتدا، ضاربٌ صیغہ اسم فاعل اسکے اندر ھو ضمیر جو کہ لوٹ رہی ہے زیدٌ مبتدا کو۔ تو دونوں شرطیں پوری ہوئی۔ کیونکہ ضاربٌ مشتق کا صیغہ بھی ہے اور اسکے اندر ضمیر بھی ہے جو کہ لوٹ رہی ہے مبتدا کو۔

زیدٌ ضاربٌ ابوهُ۔ زیدٌ مبتدا، ضاربٌ صیغہ اسم فاعل اور آگے ابوهُ اسکا فاعل آ رہا ہے، اور ضاربٌ کے اندر ضمیر نہیں۔ ابو مضاف ھا ضمیر مضافٌ الیہ، مضاف اور مضافٌ الیہ ملکر فاعل۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر خبر۔

خبر دراصل ضاربٌ ہے جو کہ مشتق ہے۔ پہلی شرط پائی گئی۔ اور ضاربٌ کے اندر کوئی ضمیر نہیں تو دوسری شرط نہیں پائی گئی۔ معلوم ہوا مطابقت شرط نہیں ہے۔ اگر ہو رہی ہو تو الگ بات ہے۔

زیدٌ ضاربَةٌ اُمُّهُ : ضاربَةٌ کے لئے اُمُّهُ فاعل۔

نوٹ۔ فاعل اگر مذکر ہو تو اسم فاعل بھی مذکر لانا پڑے گا، جیسا کہ ابوهُ فاعل مذکر ہے اسی لئے ضاربٌ مذکر لایا۔ اور اُمُّهُ فاعل مؤنث ہے تو اسم فاعل کو بھی مؤنث لایا۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ "زیدٌ ضاربَةٌ اُمُّهُ" یہ جملہ غلط ہے۔ کیونکہ اس میں مبتدا "زیدٌ" مذکر ہے اور خبر "ضاربَة" مؤنث ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ ضاربَةٌ میں یہاں کوئی ضمیر نہیں جو مبتدا کو لوٹے، جب یہ دوسری شرط پوری نہ ہو تو اب مطابقت بھی شرط نہیں۔

مثال: زیدٌ ضاربَةٌ ۔ یہاں ضاربَةٌ مشتق کا صیغہ ہے۔ پہلی شرط پوری ہے۔ ضاربة کے اندر ایک ضمیر ہے جو کہ لوٹ رہی ہے زید کو۔ دوسرا شرط بھی پورا ہوا۔ لیکن وہ ضمیر "ھیَ" مؤنث کا ضمیر ہے اور زید مذکر ہے۔ ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں۔ لہذا یہ جملہ صحیح نہیں ہے۔

شرط ثالث۔ وہ مشتق ایسا وصف نہ ہو جو خاص ہو مؤنث کے ساتھ۔ مثلاً "الامرأةُ طالقٌ" وہ عورت طلاق والی ہے۔ یہاں تیسری شرط نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ یہ وصف مؤنث کے ساتھ خاص ہے۔ لہذا طالقة لکھنے کی ضرورت نہیں۔ لہذا اب بھی مطابقت ضروری نہیں۔ اسی طرح "الامرأةُ حاملٌ" بھی ہے۔

شرط رابع۔ وہ مشتق ایسا صیغہ نہ ہو جو مذکر اور مؤنث کے لئے یکساں رہتا ہو۔ اور وہ مشتق جو مذکر اور مؤنث کے لئے یکساں رہتے ہیں چار ہیں۔

1۔ وہ فَعِیل جو بمعنیٰ مفعول کے ہو۔ جیسے جَرِیحٌ بمعنیٰ مجروحٌ یعنی زخمی۔

2۔ وہ فعول جو بمعنیٰ فاعل کے ہو۔ جیسا صَبُوْرٌ بمعنیٰ صابر۔ یعنی صبر کرنے والا۔

3۔ مبالغہ کا صیغہ جیسے ضَرَّابٌ۔ ضاربٌ میں مبالغہ کرنے سے ضَرَّاب بنتا ہے۔

4۔ وہ اسم تفضیل جو مِنْ کے ساتھ استعمال ہو۔

نوٹ۔ اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ اور اسم تفضیل ان کے اندر ضمیر ہوتے ہیں، جو کہ مبتدا کی طرف لوٹتے ہیں۔

1۔ الامرأة جریحٌ، الرجلُ جریحٌ (جریحٌ بروزن شریفٌ)

یہاں پہلا شرط پورا ہے، کیونکہ یہ مشتق کا صیغہ ہے۔ دوسری شرط بھی پورا ہے، کیونکہ اس میں ایک ضمیر ہے جو کہ لوٹ رہی ہے مبتدا کو۔ (جریحُ صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔) تیسری شرط بھی پوری ہے کیونکہ جریحٌ مؤنث کے ساتھ خاص نہیں۔ لیکن چوتھی شرط اس میں نہیں پایا جاتا کیونکہ یہ ایسا صیغہ ہے جو مذکر اور مؤنث کے لئے یکساں ہے۔ لہذا یہاں مطابقت ضروری نہیں۔

2۔ الرجلُ صبورٌ، الامرأة صبورٌ۔ 3۔ الرجل ضرابٌ، الامرأةُ ضرَّابٌ،

4۔ الرجلُ اَکْبَرُ منْکَ، وہ آدمی تم سے بڑا ہے۔ اور "الامرأة اکبرُ منکَ" وہ عورت تجھ سے بڑی ہے۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ الامرة مؤنث ہے۔ یہاں اکبرُ (مذکر) کی جمع کُبْریٰ (مؤنث) کا صیغہ استعمال کرو۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اسم تفضیل جب مِنْ کے ساتھ استعمال ہو جائے تو مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے یکساں ہوں گے۔ نیز یہ مذکر، مؤنث، مفرد، تثنیہ، جمع سب کے لئے ایک جیسا ہوگا۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئیگی۔لہٰذا "الصلوٰة خَیْرٌ مِنَ النوم" کا اشکال ختم ہوا۔ الصلوٰة مؤنث ہے اور خیر مذکر ہے۔ یہاں "خیر" اسم تفضیل مِنْ کے ساتھ آ رہا ہے اور جب اسم تفضیل مِنْ کے ساتھ ہو تو وہ سب کے لئے یکساں ہوتا ہے۔

درس 4۔

بسم اللہ الرحمانِ الرحیمط

الکلمةُ لفظٌ مصنف علامہ ابن حاجبح نے بسم اللہ کے بعد "الکلمةُ لفظٌ" کہا۔ جبکہ ہمارے باقی مصنفین کا جو طریقہ ہے، وہ بسم اللہ کے بعد الحمد للہ کو ذکر کرتے ہیں۔ اُس نے الحمد للہ کو ذکر نہیں کیا اسکی کیا وجہ ہے؟ کیونکہ حدیث شریف آتی ہے جو کہ بسم اللہ کے بارے میں بھی ہے اور الحمدللہ کے بارے میں بھی ہے۔ "کلُّ امرٍ ذی بالٍ لم یُبْدَأْ فیه ببسم اللہ فهو اَبْدَأُ" اور اسی طرح "کلُّ امرٍ ذی بالٍ لم یُبْدَأ

فیه بالحمد لله فهو ابتر"۔ جواب یه که مصنفؒ نے یہاں کتاب میں ذکر نہیں کی لیکن یقینًا اُس نے زبان سے ضرور پڑھی ہوگی۔

الکلمةُ لفظٌ وُضِعَ لِمَعْنًی مفردٍ۔ الکلمةُ کے اندر الف لام حرفی ہے۔ اور یہ الف لام جنسی ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ کلمہ کی تعریف ہو رہی ہے اور تعریف جنس کی ہوتی ہے، حقیقت کی ہوتی ہے، ماہیت کی ہوتی ہے افراد کی نہیں۔ جبکہ استغراقی، عہد ذہنی اور عہد خارجی سے افراد مراد ہوتے ہیں۔ لفظٌ نکرة ہے۔ اور جب نکرة کے بعد فعل آتا ہے تو وہ نکرہ موصوف بنتا ہے اور وہ فعل صفت بنے گا۔ اور اسی طرح نکرة کے بعد جار مجرور آ جائے تو وہ بھی عمومًا اُس نکرة کے لئے صفت بنے گا۔ تو یہاں بھی وُضِعَ پورا جملہ صِفَتْ بنے۔اور یاد رکھے موصوف صفت کا ترجمہ کرتے وقت موصوف سے پہلے عمومًا "ایسا" یا "ایسی" کا لفظ لاتے ہیں۔

(نوٹ۔ صِفَةٌ عربی میں تائے تانیث سے ماقبل ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے۔)

الکلمةُ لفظٌ: کلمہ ایسا لفظ ہے۔ لفظٌ موصوف ہے، اس لئے اس سے پہلے "ایسا" کا لفظ لایا۔ وُضِعَ : کہ اُسے وضع کیا گیا ہو۔ لمعنًی: ایک معنیٰ کے لئے، مُفْرَدٍ جو مفرد ہو۔یہاں معنًی موصوف ہے اور مفردٍ اسکی صفت ہے۔ لمعنًی مفردٍ: ایسے معنیٰ کے لئے جو مفرد ہو۔ یہاں مفرد مرکب کے مقابلے میں آیا ہے۔ مفرد میں یہاں تینوں اعراب پڑھنا جائز ہے۔ یعنی مفردًا، مفردٌ اور مفردٍ۔

اگر آپ اسکو مفردٌ پڑھتے ہیں تو پھر یہ صفت بنے گا لفظٌ کی۔ تو پھر لفظٌ موصوف، وُضِعَ لمعنیً صفت اوّل اور مفردٌ صفت ثانی بنے گا۔ اب ترجمہ یوں ہوگا، "کلمہ ایسا لفظ ہے جسے وضع کیا گیا ہو ایک معنیٰ کے لئے، اور (کلمہ) ایسا لفظ ہے جو مفرد ہو"۔

اور مفردٍ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ تو پھر یہ معنیٰ کی صفت بنے گا۔ معنیٰ پر لام جارّہ داخل ہوا ہے جس کی وجہ سے معنیٰ مجرور ہوا۔ تو معنیٰ موصوف ہے مجرور ہے تو اسکی صفت مفردٍ بھی مجرور ہوا۔ اب عبارت یوں ہوا۔ "الکمةُ لفظٌ وُضِعَ لمعنًی مفردٍ" کلمہ ایسا لفظ ہے جسے وضع کیا گیا ہو ایسے معنیٰ کے لئے جو مفرد ہو۔

معنًی سولہ اقسام میں اسم مقصور ہے۔ اسم مقصور وہ ہوتا ہے جس میں الف مقصورة آ جائے۔ الف مقصورة کبھی لفظًا ہوتا ہے اور کبھی تقدیرًا۔ یہاں "معنیً" میں الف مقصورة تقدیرًا موجود ہے۔ اور موسیٰ کے اندر الف مقصورة لفظًا موجود ہے۔ معنًی اصل میں معنَیٌ بروزن مَفْعَلٌ تھا۔ یاء متحرک ماقبل فتحہ کو الف سے بدلا تو مَعْنَانْ ہوا۔اب الف اور نون کے درمیان التقائے ساکنین علیٰ غیر حدِّہٖ آیا جس میں اوّل ساکن مدّہ تھا تو اسے گرایا تو مَعْنًی رہ گیا۔

اسی طرح فَتًی، عصًا یا عصًی اسم مقصور ہے۔ الف لام کے آنے سے وہ تنوین گرے گا تو اَلْمَعْنٰی، اَلْفَتٰی، اَلْعَصٰی وغیرہ رہ جائے گا۔ مَعْنَیٌ پر جب الف لام داخل ہوا تو نون تنوین گر گیا اور المَعْنَیُ رہ گیا۔ پھر یاء متحرک ماقبل فتحہ کو الف سے بدلا تو اَلْمَعْنٰی ہوا۔ اسم مقصور کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے۔

تیسری ترکیب۔ مفردًا کی صورت میں یہ حال بنے گا۔ اور آگے چل کر صاحب کافیہ بتلائے گا کہ "حال" فاعل یا مفعول کی حالت بیان کرتا ہے۔ اور حال کا اعراب منصوب ہوتا ہے لہذا اسکو مفردًا پڑھیں گے۔ اب یہ کس سے حال ہے؟ تو دیکھو وُضِعَ کے اندر ھو ضمیر ہے جو کہ اس کا نائب الفاعل ہے۔ اور وہ ھو ضمیر لفظٌ کو راجع ہے تو اُس ھو ضمیر سے مفردًا حال واقع ہو رہا ہے۔ اس صورت میں ترجمہ ہوگا۔ " کلمہ ایسا لفظ ہے جس وضع کیا گیا ہو اس حال میں کہ وہ مفرد ہو"۔ یعنی وہ لفظ مرکب نہ ہو۔

چوتھی ترکیب۔ یا مفردًا کو حال بنا دے معنیٰ سے۔ پھر وُضِعَ لِمعنًی مفردًا اُس کو وضع کیا گیا ہو ایک معنیٰ کے لئے اس حال میں کہ وہ معنیٰ مفرد ہو۔

اشکال۔ اوپر گزرا کہ حال، فاعل یا مفعول کی حالت بیان کرتا ہے۔ لیکن یہاں معنًی نہ فاعل ہے اور نہ مفعول ہے بلکہ مجرور ہے۔

جواب۔ یہ مفعول بہ ہے۔ یاد رکھو فعل متعدی مفعول کو نصب دیتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی ہم نے فعل کو متعدی کرنا ہوتا ہے ایک مفعول کی طرف لیکن وہ فعل اُسکو براہ راست نصب نہیں دے سکتا، اس لئے کہ وہ فعل لازم ہوتا ہے۔ اب چونکہ فعل لازم مفعول کو چاہتا نہیں۔ لیکن ایک چیز ہے جسکو ہم مفعول بنانا چاہتے ہیں مثلًا مَرَّ: گزرنا، یہ فعل لازم ہے۔ مَرَرْتُ: میں گزرا، یہ فعل لازم ہے۔ یہ کسی مفعول کو چاہتا نہیں لیکن میں بتلانا چاہتا ہوں کہ میں زید پر گزرا۔ اب میں زید کو مفعول بنانا چاہتا ہوں لیکن مَرَرْتُ زید کو نصب نہیں دے سکتا۔ کیونکہ یہ فعل لازم ہے۔ اب مجبوری بن گئی، میں زید کو مفعول بنانا چاہتا ہوں وہ بن نہیں سکتا۔ یعنی مَرَرْتُ زیدًا کہہ نہیں سکتا میں۔ پھر حروف جارّہ کی مدد لیتے ہیں۔ اب ایک حرف جر "با" لے آؤ اور اسکو زید پر داخل کرو تو بِزَیدٍ بن گیا۔ اب یہ مَرَرْتُ کے ساتھ جُڑ سکتا ہے۔ یعنی مَرَرْتُ بزیدٍ: میں زید پر سے گزرا۔

اب یاد رکھو کہ یہ حروف جارّہ جن پر داخل ہوں اور وہ جس فعل وغیرہ سے متعلق ہو تو یہ بھی دراصل مفعول ہیں لیکن حرف جر کے واسطے سے مفعول ہیں۔

اسی طرح مثال کے طور پر میں کہتا ہوں کہ میں نے زید کی لاٹھی سے پٹھائی کی۔ ضربتُ زیدًا: میں نے زید کی پٹھائی کی۔ اب میں اس لاٹھی کو بھی مفعول بنانا چاہتا ہوں، لیکن ضَرب متعد ہے ایک مفعول کی طرف اور وہ ایک مفعول زید آ چکا ہے اور میں عصٰی کو بھی ضرب کے لئے مفعول بنانا چاہتا ہوں تو اس صورت میں حرف جر کی مدد لینا ہوگا۔ تو جملہ یوں ہوگا۔ "ضربتُ زیدًا بالعَصٰی"۔ اب یہ عصیٰ ضربتُ کا مفعول بنا لیکن براہ راست نہیں بلکہ بواسطہ حرف جر کے۔

تو یہ جو جو حروف جارّہ کے مدد سے متعلق ہوگا کسی فعل وغیرہ سے، تو یہ اُس فعل وغیرہ کے لئے مفعول ہوگا لیکن مفعول بہ غیر صریح۔ ایک جس پر نصب آ رہا ہے وہ مفعول بہ صریح ہوتا ہے۔ زیدًا یہاں مفعول بہ صریح ہے۔ اور بالعصٰی مفعول بہ غیر صریح ہے۔ پس مجرور مفعول بہ غیر صریح ہوتا ہے۔

پس لِمَعْنًی مُفْرَدًا میں مَعْنًی بھی مفعول بہ ہے لیکن مفعول بہ غیر صریح ہے۔ اور مفعول بہ سے حال آیا کرتا ہے اور اس سے بھی مفردًا حال کا آنا صحیح ہوا۔

درس 5۔ جملہ کا اعراب محلًا ہوتا ہے، کیونکہ جملہ مبنیات میں سے ہے۔ اور جب آپ جملہ کو کسی سے جُڑنا چاہتے ہو تو درمیان میں ربط لے آؤ۔ اور اس ربط کو عائد کہتے ہیں۔ مثلًا لفظٌ موصوف تھا اور "وُضِعَ

لمعنًی" پورے جملہ کو ہم لفظٌ کے لئے صفت بنانا چاہتے ہیں تو وُضِعَ کے اندر جو ضمیر ہے اُسکو لفظٌ کی طرف لوٹاؤ۔ عائد عام طور پر ضمیر ہوتا ہے۔

الکمة میں الف لام جنسی تھا جس نے کلمہ کی ماہیت بتا دی۔ اب کلمہ کے افراد کون کونسے ہیں۔ تو وہ اسم ہے، فعل ہے اور حرف ہے۔

و ھی اسمٌ و فعلٌ و حرفٌ ھیَ ضمیر راجع ہے الکلمةُ کی طرف۔ یہاں ھیَ مبتدا ہے اور اسمٌ و فعلٌ و حرفٌ اس کے لئے خبر ہے۔ یہاں مبتدا مؤنث ہے اور خبر مذکر۔ اسمٌ مذکر ہے۔

مؤنث کی چار علامتیں ہیں۔ 1۔ تائے ملفوظہ، 2۔ تائے مقدرة، 3۔ الف مقصورة، 4۔ وہ الف ممدودة جو تانیث کے لئے ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی بھی خبر کے اندر موجود نہیں۔

تو یاد رکھو جب ضمیر، خبر اور مرجع کے درمیان آ جائے تو یہاں پر مرجع کی رعایت رکھنا بھی جائز اور خبر کی رعایت رکھنا بھی جائز ہے۔ یہاں مرجع "الکمة" مؤنث ہے تو ضمیر آپ مؤنث بھی لا سکتے ہیں، اور خبر ہے مذکر یعنی اسمٌ و فعلٌ و حرفٌ تو ضمیر آپ مذکر بھی لا سکتے ہے۔

اب یہاں ایک اشکال ہوتا ہے، وَ ھِیَ اسمٌ و فعلٌ و حرفٌ میں ھِیَ جو کہ الکلمِة کو راجع ہے۔ یعنی کلمہ اسم اور فعل اور حرف ہے۔ یعنی ایک ہی چیز اگر اسم بھی ہو، فعل بھی ہو اور حرف بھی ہو تو وہ کلمہ ہے ورنہ کلمہ نہیں۔ اور کلام عرب میں ایسا کوئی کلمہ نہیں جو بیک وقت اسم بھی ہو، فعل بھی ہو اور حرف بھی ہو۔

جواب اسکا یہ ہے کہ تقسیم دو قسم پر ہے۔

1۔ تقسیم الشئ الی اَجْزَائِہٖ، 2۔ تقسیم الشئ الی افرادہٖ

1۔ مثلاً چائے، دودھ اور چینی اور پتی اور پانی کا نام ہے۔ یہ ساری چیزیں چائے کی اجزا ہے۔ تو یہ تقسیم الشئ الیٰ اجزائِہٖ ہے۔ اور یاد رکھو جب شے کی تقسیم اجزاء کی طرف ہو تو عطف مقدم ہوتا حکم پر یا حمل پر۔ حکم اور حمل کا ایک معنیٰ ہے۔ چائے مبتدا ہے، اور دودھ اور چینی اور پتی اور پانی اسکا خبر ہے۔ اور یہ تقسیم الشئ الیٰ اجزائہٖ ہے۔ تو پہلے عطف کرنا ہوگا۔ یعنی سب کو ملانا ہوگا پھر اس کا حمل مبتدا یعنی چائے پر ہوگا۔

اگر ہم حمل کو مقدم کرے عطف پر اور یوں کہے کہ چائے دودھ ہے، تو یہ صحیح نہیں۔ یا چائے پتی ہے وغیرہ تو یہ صحیح نہیں بنتا۔

تو تقسیم کی اسی صورت میں عطف سے پہلے حمل کرنا جائز نہیں۔ پس جب شے کی تقسیم اجزا کی طرف ہوتا ہے تو عطف مقدم ہوتا ہے حمل پر۔

2۔ اور یاد رکھو جب شے کی تقسیم اُس کے افراد کی طرف ہو تو پھر حمل مقدم ہوتا ہے عطف پر۔

اور یہاں وَ ھی اسمٌ و فعلٌ و حرفٌ میں کلمہ کی تقسیم ہوتی ہے افراد کی طرف۔ اسم بھی کلمہ کا فرد ہے، فعل بھی اور حرف بھی۔ تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ اسم کلمة ہے۔ فعل کلمة ہے۔ حرف کلمة ہے۔ اور یہ مطلب نہیں کہ تینوں ملکر کلمہ بن جاتا ہے۔ یعنی یہ اجزاء کی طرف تقسیم نہیں کیونکہ یہاں افراد کا حمل

صحیح بنتا ہے۔ اور پہلی مثال میں اجزاء کا حمل درست نہیں بنتا۔ تو اِس صورت میں پہلے حمل ہوگا اور بعد میں عطف۔

درس 6۔

لِاَنَّهَا اِمَّا اَنْ تَدُلُّ عَلٰی معنًی فی نَفْسِها اَوْ لَا: یہاں سے مصنفؒ دلیل حَصَرْ ذکر کر رہے ہیں۔ حَصَرْ کا معنیٰ ہے بند کرنا۔ پیچھے مصنفؒ نے بتایا ھی اسمٌ و فعلٌ و حرفٌ یعنی کلمة کی تین قسمیں ہیں۔ تو کلمه کو تین قسموں میں بند کر دیا۔ اب دلیل فرما رہے ہیں که کلمه کو کیوں تین قسموں میں بند کیا۔ لِاَنَّهَا میں هَا ضمیر راجع ہے کلمه کو۔ اس لئے که کلمه جو ہے، اِمَّا اَنْ تَدُلُّ یا تو وہ دلالت کرے گا، عَلٰی معنًی فی نفْسِهَا ای عَلٰی معنًی ثابتٍ فی نفسها، یه فی نفسها جار مجرور ہے اور نکرة کے بعد جب جار مجرور آتا ہے تو عمومًا یه اس کے لئے صفت بنتا ہے۔ ترجمه: "اس لئے که کلمه یا تو وہ دلالت کرے گا ایسے معنٰی پر جو اُس کی ذات میں ہوگا"۔ اَوْ لَا ای اَوْ لَا تَدُلُّ یا دلالت نہیں کرے گا۔ جیسا که مِنْ یه ابتدا کے لئے آتا تو ہے لیکن اگر اکلا ہو تو پھر ابتدا پر دلالت نہیں کرے گا۔

الثانی الحَرفُ جو دلالت نہیں کرتا وہ حرف ہے۔ پھر جو دلالت کر رہا ہے ود دو حال سے خالی نہیں۔ اُس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانه ملا ہوا ہوگا یا نہیں۔ اگر زمانه ملا ہوا ہو تو یه فعل ہے اور اگر زمانه نہیں ملا تو اسم ہے۔ تو یه وجه حصر ہے۔

حصر دو قسم پر ہے۔ ایک حصر عقلی دوسرا حصر استقرائی۔ حصر عقلی وہ ہے جو دائڑ ہو بین النفی و الاثبات۔ استقراء کا معنیٰ ہے تلاش و جستجو۔ تو حصر استقرائی وہ ہے که ایک چیز کو آپ چند اقسام یا انواع میں بند کر دے۔ اس لئے که تلاش کرنے کے بعد آپ کو یہی قسمیں ملی۔ آپ نے تلاش کیا لیکن کوئی اور قسم نہیں ملا۔ اور یہاں مصنفؒ نے حصر عقلی بیان کیا۔ کیونکه حصر عقلی میں نفی یا اثبات ہوتا ہے۔ جیسا که انہوں نے فرمایا که کلمه ایسے ذات پر دلالت کریگا جو اُس کے ذات میں ہوں یا دلالت نہیں کریگا جو اُس کے ذات میں نه ہو۔ تو یه نفی اور اثبات آیا۔ تو یه حصر عقلی ہے۔

وَ الاوَّلُ اِمَّا اَنْ یَقْتَرِنَ باحد الازمنة الثلاثةِ اور اوّل جو دلالت کر رہا ہے یا تو ملا ہوا ہوگا تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ اَوْ لَا یا تین زمانوں کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہوگا۔ الثانی اَلْاسمُ ثانی اسم ہے۔ اس کو "الثانی لِسْمُ" پڑھنا ہے۔ کیونکه الف لام کا ہمزہ بھی وصلی ہے اور اِسْم کا ہمزہ بھی وصلی ہے۔ تو درج عبارت میں دونوں گر گئے۔ اور لام کو کسرہ کی حرکت دی۔ وَ الْاَوَّلُ الْفِعْلُ اور پہلا فعل ہے۔ و قد عُلِمَ بِذَالکَ اور تحقیق جان لیا گیا اسکے سبب سے۔ ذالک کے ذریعے دلیل حصر کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی دلیل حصر کے ذریعے سے اس کو جان لیا گیا۔ حدُّ کُلِّ واحدٍ منها اُس میں سے ہر ایک کی تعریف۔ حد: تعریف، جامع مانع تعریف حد کہلاتی ہے۔ یعنی اسم، فعل اور حرف تینوں کی تعریف جان لیا گیا، اس دلیل حصر سے۔ یعنی حرف جو ہوگا وہ ایسے معنیٰ پر دلالت نہیں کرے گا جو اُس کے ذات سے حاصل ہو۔ اور اسم اور فعل دلالت کرے گا۔ پھر اسم کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی ایک زمانه اُس کے ساتھ ملا ہوا

نہیں ہوگا۔ اور فعل کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ اُسکے ساتھ ملا ہوا ہوگا۔ دلیل حصر کے ذریعے ہمیں اس کا پتہ چلا۔

جامع مانع: تعریف کا جامع مانع ہونا ضروری ہے۔ جامع: جمع کرنے والی، مانع: منع کرنے والی، یعنی جامع ایسی تعریف ہو جو سارے افراد کو جمع کر دے۔ کوئی بھی فرد خارج نہ ہو، آپ اسم کی تعریف کرتے ہیں تو ایسے لفظ لائیں کہ وہ دنیا کے ہر اسم پر صادق آئے۔ گویا آپ نے سارے اسم اُس تعریف میں جمع کر دئیے۔

مانع: اور تعریف مانع ہونی چاہئے۔ کوئي غیر اس میں نہ آئے۔ اور ایسا تعریف نہ کرو کہ کوئی فعل اسم کی تعریف میں داخل ہو۔ یعنی تعریف ایسا ہونا چاہئے کہ اپنوں کے لئے جامع اور غیر کے لئے مانع۔

قیمتی نُکتہ: اَلْاَزْمِنَةُ. الثلٰثةُ آیا۔ یہاں اَلْاَزْمِنَةُ موصوف ہے اور الثلثةُ اُسکی صفت۔ یہ گول تا اکثر تانیث کے لئے آتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی تذکیر کے لئے بھی آتی ہے۔ ثَلٰثَة سے لے کر عشرة تک جو تاء ہے یہ تذکیر کے لئے ہے۔ جیسا کہ تین آدمی ثَلٰثَة رجالٍ اور تین عورتیں ثَلٰثُ نِسْوَةٍ۔ پانچ کتابیں خَمْسَةُ کُتُب، چونکہ کتاب مذکر ہے۔ کُراسةٌ کاپی یہ مؤنث ہے۔ تین کاپیاں: ثَلَاثُ کُرَّاسَاتٍ۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ ثَلاثة سے لے کر عَشَرَة تک یہ تاء تذکیر کے لئے ہے۔ اور صرف یہ تاء ہے جو کہ تذکیر کے لئے آ رہا ہے۔ اب دیکھو اَلْاَزْمِنَةُ میں یہ تاء تانیث کے لئے ہے اور الثَلٰثة میں یہ تاء مؤنث کے لئے ہے۔ اب موصوف، صفت میں مطابقت نہ رہا۔ یعنی موصوف مؤنث آئی اور صفت مذکر۔

جواب یاد رکھو جب یہ عدد صفت بن کر آتا ہے تو موصوف کے مفرد کے تابع ہوتا ہے۔ یہاں موصوف ازمنة ہے اور اَزمنة کا مفرد زَمَانٌ ہے۔ اور زَمانٌ چونکہ مذکر ہے اس لئے الثلثة بھی مذکر لے کر آیا۔

مؤنث موصوف کی مثال: المسلماتُ الثلاثُ: یہاں مسلماتٌ کا مفرد مسلمة جو کہ مؤنث ہے الثلاثُ بھی مؤنث تو موصوف صفت میں مطابقت آئی۔

درس 7۔ اب مصنفؒ کلام کے بارے میں بتلائے گا۔ تو کہتے ہیں، الکلامُ ما تَضَمَّنَ کلمتَیْنِ بالاسنادِ کلام وہ لفظ ہے (ما سے مراد لفظ ہے) جو مُتَضَمِّنْ ہو دو لفظوں کو اسناد کے ساتھ ہو۔ یعنی دو کلمے ہوں گے تو کلام حاصل ہوگا۔ اور وہ دو کلمیں اسناد کے ساتھ ہو۔ تب کلام حاصل ہوگا۔ ایک مبتدا بن جائے گا اور دوسرا ضمیر۔ یا ایک فعل بن جائے گا اور دوسرا فاعل۔

اور وہ کلمیں کبھی حقیقتًا پائے جائیں گے اور کبھی حُکْمًا ہوں گے۔ حقیقتًا جیسے زیدٌ رجلٌ۔ مبتدا خبر۔ اور حکمًا دو کلموں کی مثال جیسے اِضْرِبْ۔ اضرب ایک فعل ہے اور اسکے اندر ایک فاعل انت چھپا ہوا ہے، جو کہ اس کا فاعل ہے۔ تو فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ بن رہا ہے۔

اسناد: وہ نسبت کرنا ہے ایک کلمہ کی دوسرے کلمہ کی طرف اس طور پر کہ مخاطب کو فائدہ تامّہ حاصل ہو۔ زیدٌ رجلٌ میں رجل کا اسناد کیا کیا زید کی طرف۔ اور اس سے ایک خبر معلوم ہوا۔ اسکو اسناد کہتے ہے۔ کلمتین سے مراد یہ ہے کہ کم از کم دو کلمیں ہونی چاہئے۔ زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ کلام جتنا بھی لمبا ہے آخر میں یا تو مبتدا خبر بنے گا یا اسی طرح فعل اور فاعل سے کلام پورا ہوگا۔ باقی چیزیں تو زائد ہیں۔ تو دراصل دو چیزوں سے کلام بنا۔ وَ لَا یَتَاَتّٰی ذالک اور حاصل نہیں ہوتا کلام اِلّا

فی اسمین او اسمٍ و فعلٍ مگر یہ کہ کلام دو اسموں میں ہو یا ایک اسم اور فعل میں ہو۔ کلمہ کی تین قسمیں ہیں۔ اسم، فعل اور حرف۔ اور کلام دو کلموں سے مل کر بنتا ہے تو یہاں چھ صورتیں بن جاتی ہیں۔ یعنی "دونوں اسم"، "دونوں فعل"، "دونوں حرف"، "اسم اور فعل"، "اسم اور حرف"، اور "فعل اور حرف"۔ ان چھ صورتوں میں سے صرف دو صورتوں سے کلام بن سکتا ہے۔ یعنی یا تو دونوں اسم ہو یا ایک اسم اور دوسرا فعل۔

اس لئے کیونکہ کلام میں ایک مسند ہوتا ہے اور ایک مسند الیہ۔ اسم مسند بھی ہو سکتا ہے اور مسند الیہ بھی۔ اور فعل مسند تو بن سکتا ہے لیکن مسند الیہ نہیں بن سکتا۔ اور حرف نہ مسند بن سکتا ہے اور نہ مسند الیہ۔ کلام کے لئے مسند الیہ ضروری ہوتا ہے۔ یعنی اسم کلام کے لئے ضروری ہوا۔ اب مسند کی ضرورت ہے کلام کو پورا کرنے کے لئے تو مسند فعل بھی ہو سکتا ہے اور اسم بھی۔ (اِسمینِ کا ہمزہ وصلی ہے۔ یتاتّٰی: حاصل ہونا، ذٰلک سے مراد کلام ہے۔)

اَلْاسمُ اسم وہ ہے مَا دلَّ جو دلالت کرے علیٰ معنًی ایسے معنیٰ پر فی نفسِہٖ جو اُس کی ذات میں ہو، غیرِ مُقْتَرِنٍ باحدِ الازمنةِ الثلٰثَةِ اور ملا ہوا نہ ہو تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کے ساتھ۔ اسم کی یہی تعریف دلیل حصر سے معلوم ہوئی تھی۔ وَ مِنْ خَوَّاصِہٖ اور اسم کے خواص میں سے ہیں۔ خوّاص یہ خاصّة کی جمع ہے۔ خاصّة: الخاصّةُ ما یُوْجَدُ فی الشئِ و لَا یُوْجَدُ فی غیرِہٖ۔ خاصّہ اُسے کہتے ہے جو ایک چیز میں پایا جائے اور دوسرے چیزوں میں نہ پایا جائے۔

مصنفؒ نے پہلے اسم کی تعریف کی، اب اسم کی خواص ذکر کریں گے۔ پہلے تعریف کی۔ تعریف سے ایک چیز ذہن میں ممتاز ہو جاتی ہے۔ اور خاصّے سے خارج میں ممتاز ہوتی ہے۔ یعنی تعریف سے ذہن میں پہچان آ جاتی ہے اور خاصّوں سے یعنی کچھ علامتوں میں سے خارج میں اسم کی پہچان ہو جائے گی۔ علماء نے اسم کے تقریبًا بیس (20) خاصّے ذکر کئے ہیں۔ لیکن صاحب کافیہ یہاں چند ایک کو ذکر فرمائیں گے۔

دُخُوْلُ اللامِ و الْجَرِّ و التَّنْوِینِ وَالاِضَافَةِ والاسنادُ الیہ اور اسم کے خواص میں سے ہیں لام کا داخل ہونا، یعنی لام تعریف کا داخل ہونا، و الجرِّ ای دُخُول الجرِّ۔ جر کا عطف لام پر کرے۔ اور اسم کے خاصّوں میں سے ہے جر کا داخل ہونا۔ والتنوینِ ای دُخول التنوین، عطف اُسی لام پر، اور اسم پر تنوین کا آنا۔

والاضافةِ اس کا عطف دُخول پر کرنا ہے لام پر نہیں۔ یعنی اسم کے خاصّوں میں سے اضافت ہے۔ یعنی اسم کی اضافت کی جاتی ہے۔ اور وہ مضاف بنتا ہے۔ الاضافة کی عطف اللام پر نہیں کی جاتی۔ ورنہ معنیٰ میں خرابی آئے گا۔ جیسا کہ دُخُول الاضافةِ کرے تو اس کا معنیٰ ہوگا۔ اسم کے خاصّوں میں سے ہے اضافت کا داخل ہونا۔اور اضافت اسم پر داخل نہیں ہوتی بلکہ اسم کی اضافت کی جاتی ہے۔

لام تعریف، جرّ اور تنوین اسم پر داخل ہوتے ہیں۔ داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یا شروع میں آئیں گے یا آخر میں۔ اور اسم کی اضافت کی جاتی ہے۔

وَ الاسنادُ الیه اور اسم کی طرف اسناد کیا جاتا ہے۔ یعنی اسم مسند الیه واقع ہوتا ہے۔ اس کا عطف بھی دُخول پر ہوا۔ یہاں الجر اور التنوین اسکو آپ مجرور بھی پڑھ سکتے ہیں اور مرفوع بھی۔ مرفوع ہونے کی صورت میں اسکا عطف دُخول پر ہوگا۔ مجرور ہونے کی صورت میں اللام پر عطف ہوگا۔

قیمتی بات۔لام تعریف اور اضافت اسم کے بڑے خاصّے شمار ہوتے ہیں۔ ان دونوں کو بڑے خاصّے اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اسم کو بدلتے ہیں۔ مثلًا غلام: کوئی غلام، یہ اسم ہے، نکرة ہے اور ہر ایک غلام پر صادق آتا ہے۔ اور اَلْغُلَام: وہ غلام، اس سے کوئي خاص غلام مراد ہوگا۔ ہر غلام نہیں۔ تو الف لام سے اسم کے مدلول میں تبدیلی آئی۔ پہلے اسکی دلالت عام تھی اب اس کی دلالت خاص ہوئی۔

اضافت سے بھی مدلولِ اسم بدل جاتی ہے۔مثلًا غلام: کوئی غلام، یہ ہر غلام پر صادق آتا تھا، اب اسکی اضافت کرو جیسا کہ غلام زیدٍ۔ اب یہ خاص ہوا اور ہر غلام پر صادق نہیں آئے گا۔ جبکہ باقی خواص سے مدلول میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

مصنفؒ نے اسم کا آخری خاصّہ یہ ذکر کیا کہ اسم مسند الیه واقع ہوگا۔

اشکال: ضربَ فِعْلٌ: ضربَ فعل ہے۔ میں ضربَ مسند الیه واقع ہوتا ہے حالانکہ ضربَ تو فعل ہے۔ اور "فی حرفٌ": فی حرف ہے۔ اس مثال میں "فی" مسند الیه واقع ہوا، حالانکہ "فی" تو حرف ہے۔

جواب۔ یہاں ضَرَبَ اور فی تاویل لفظ کے ہیں۔ یعنی یہ والا لفظ ضربَ جو ہے اور فی جو ہے۔

اگر ضربَ فعلٌ میں ضربَ سے مراد فعل لیا جائے تو پھر اس کا ترجمہ یوں بنے گا۔ "اُس نے پٹھائی کی فعل ہے"۔ حالانکہ ہم نے لکھا ضرَبَ فعل ہے۔ اور ضربَ کا ترجمہ نہیں کیا، تو ضربَ سے مراد یہاں اسم ہے۔ تو ضربَ فعلٌ ای ھٰذا اللفظُ فعلٌ۔ اور ھٰذا یہ بھی اسم ہے۔ اللفظُ یہ بھی اسم ہے۔ لہٰذا مسند الیه ہوا۔

فی حرفٌ: فی حرف ہے۔ یہاں بھی فی سے ھٰذا اللفظ مراد ہے۔ اگر لفظ مراد نہیں ہوتا اور فی حرف مراد ہوتا تو پھر ترجمہ یوں بنتا "میں حرف ہے"۔ کوئي بھی اسکا ترجمہ ایسا نہیں کرتا۔ معلوم ہوا یہاں فی بطور حرف نہیں آیا بلکہ فی کا لفظ مراد ہے۔ بلکہ یوں سمجھو کہ وہ جو عبارتوں میں حرف "فی" استعمال ہوتا ہے اُس کا نام ہم نے "فی" رکھا۔ اب یہ علم بن گیا۔اور علم اسم ہوتا ہے۔

اسی طرح وہ جو عبارتوں میں "ضرب" آتا ہے اس کا نام ہم نے "ضرب" رکھا۔ اب ضرب علم بن گیا اور علم اسم ہوتا ہے۔ اب یہ نام ہے اور نام میں کوئي تبدیلی نہیں کی جاتی۔ مثلاً زیدٌ قائمٌ : زید کھڑا ہے۔ زید کا کوئی ترجمہ نہیں ہوا۔ اسی طرح ضربَ فعلٌ میں ضربَ کا کوئی ترجمہ نہیں ہوا۔ معلوم ہوا کہ مسند الیه اسم ہی بن سکتا ہے کوئی فعل یا حرف مسند الیه نہیں بن سکتا۔

و ھو معربٌ و مبنیٌّ اسم دو قسم پر ہے۔ ایک معرب اور ایک مبنی۔

درس 8۔

فالمُعْرَبُ المرکب الذی لم یُشْبِهْ مَبْنیَّ الاصلِ پس معرب ایسا اسم ہے جو جوڑا گیا ہے۔ مرکب سے مراد جوڑا ہوا۔ یعنی غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ وہ ایسا اسم ہے جو مبنی الاصل کے مشابہ نہیں۔ معرب کے لئے دو شرطیں ہیں جو غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہو، یعنی ترکیب میں واقع ہو، اور مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو۔ اور ایسے ترکیب میں واقع ہو جس میں اسکے ساتھ اسکا عامل بھی ہو۔ پس معلوم ہوا جس اسم کو غیر کے

ساتھ نہیں جوڑا گیا وہ معرب نہیں۔ مثلاً لفظِ غلام۔ اس وقت مبنی ہے، کیونکہ ترکیب میں واقع نہیں۔ اور غلامُ زیدٍ میں نے غلام پر رفع پڑھا ہے۔ حالانکہ کوئی عامل موجود نہیں جو غلام کو رفع دے سکے۔ لہذا غلامُ زیدٍ میں غلامُ کہنا درست نہیں۔ اور زیدٍ کہنا درست ہے کیونکہ اس کا عامل غلام موجود ہے۔ تو صحیح غُلَام زیدٍ ہوگا۔ نیز غلام پر نصب اور جر بھی نہیں پڑھ سکتے کیونکہ عامل موجود نہیں۔ پس غلام کے میم کو ساکن پڑھیں گے۔

یہ تو پہلا شرط ہوا کہ معرب ایسا اسم ہو جو ترکیب میں ایسا واقع ہو کہ اسکا عامل بھی اُسی ترکیب میں موجود ہو۔

دوسرا شرط یہ ہے کہ معرب مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو۔ مبنی الاصل تین چیزیں ہیں۔ 1۔ فعل ماضی، 2۔ امر حاضر معروف، 3۔ تمام حروف۔ ہر مشابہت مراد نہیں بلکہ کچھ خاص مشابہتیں مراد ہیں۔

مثلًا معرب بھی لفظ ہے اور مبنی الاصل بھی لفظ ہے۔ تو لفظ ہونے میں مشابہت آئی لیکن یہ مشابہت مراد نہیں۔ اور ایک مشابہت ہے محتاج ہونے میں۔ حرف جو کہ مبنی الاصل ہے، اپنی معنیٰ ادا کرنے میں غیر کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی طرح اسم موصول صلہ کا محتاج ہوتا ہے اور اسم اشارہ مشارٌ الیہ کا محتاج ہوتا ہے۔ تو محتاج ہونے میں اسم اشارہ اور اسم موصول کا مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت آئی۔ لہذا یہ دونوں بھی مبنی بن جائیں گے۔

مثلا جاء هٰؤُلَاءِ: یہ آئے۔ میں هٰؤُلَاءِ ترکیب میں واقع ہے یہ جاء کے لئے فاعل ہے لیکن یہ معرب نہیں بلکہ مبنی ہے۔ لہٰذا دوسرا شرط نہیں پایا گیا۔ اگر یہ مفعول بن جائے تب بھی هٰؤُلَاءِ ہوگا اور اگر مجرور بھی بن جائے تو تب بھی هٰؤُلَاءِ ہوگا۔ جیسا رَأَيْتُ هٰؤُلَاءِ اور مررتُ بهٰؤُلَاءِ۔

لہذا یہاں دو شرطیں ہیں۔ ایک وجودی یعنی ترکیب میں ہونا اور دوسرا عدمی شرط ہے یعنی مبنی کا نہ ہونا۔ عدمی کا مطلب ہے نہ ہونا۔

وَ حُكْمُهُ اَنْ يَّخْتَلِفَ اٰخِرُهُ باختلافِ العواملِ لفظًا اور تقديرًا۔ وَ حُكْمُهُ اور معرب کا حکم اَنْ يَّخْتَلِفَ اٰخِرُهُ کہ مختلف ہوگا معرب کا آخر باختلافِ العواملِ عوامل کے بدلنے سے لفظًا اور تقديرًا یا لفظًا تبدیل ہوگا یا تقدیرًا تبدیل ہوگا۔ لفظًا تبدیلی کی مثال: جاءَ زيدٌ، رَأَيْتُ زيدًا، مررتُ بزيدٍ تقدیرًا تبدیلی کی مثال: جاءَ موسىٰ، رَاَيْتُ موسىٰ، مررتُ بموسىٰ۔ الاعرابُ ما اعراب وہ چیز ہے۔ اِخْتَلَفَ اٰخِرُهُ کہ بدلتا ہے معرب کا آخر بهٖ اُس چیز کی سبب سے، یعنی اعراب وہ ہے جس سے معرب کا آخر بدلتا ہے۔ لِيَدُلَّ تا کہ یہ دلالت کرے، على المعانى المُعْتَوِرَةِ ایسے معانی پر: المعتوِرَة اسم فاعل پڑھنا بھی صحیح ہے اور المعتوَرَة اسم مفعول پڑھنا بھی صحیح۔ مُعْتَوِرَة: پے در پے آنے والے، مُعْتَوَرَة: پے در پے لائے گئے۔ جو پے در پے آ رہے ہیں۔ عليه اُس معرب پر۔ جیسا کہ جاء زيدٌ میں زید پر رفع ہے تو اس رفع نے فاعلیت پر دلالت کی۔ رايتُ زيدًا میں نصب نے مفعولیت پر دلالت کی۔ اور مررتُ بزيدٍ میں جر نے مضاف الیہ ہونے پر دلالت کی۔

وَ اَنْوَاعُهُ رفعٌ و نصبٌ و جرٌّ اور اسکے انواع رفع، نصب اور جر ہیں۔ ہمارے پاس تین قسم کے نام ہیں۔

1۔ ضَمٌّ، فَتْحٌ، کَسْرٌ 2۔ ضَمَّةٌ ، فَتْحَةٌ ، کسرةٌ 3۔ رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ۔ یہ پہلا ضم، فتح اور کسر خاص ہے مبنی کے ساتھ۔ یہ استعمال ہوتے ہیں مبنی کے ساتھ۔ اور رفعٌ، نصبٌ اور جرٌّ یہ خاص ہے معرب کے ساتھ۔ اور ضمة، فتحة اور کسرة یہ دونوں کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔

فالرَّفْعُ عَلَمُ الفاعِلِيَّةِ پس رفع علامت ہے فاعل ہونے کی والنَّصْبُ عَلَمُ المفعُوْلِيَّةِ اور نصب علامت ہے مفعول ہونے کی وَالجرُّ عَلَمُ الاِضافةِ اور جر علامت ہے اضافت کی یعنی مضافٌ الیہ ہونے کی۔

نوٹ۔ یہاں فاعلیة اور مفعولیة کے آخر میں یاء اور تاء ملائی گئی ہے۔ کبھی کبھی مصدر کے آخر میں یاء اور تاء ملائی جاتی ہے اور وہ صفت بن جاتا ہے۔ جیسا کہ خَصَّ یَخُصُّ خُصُوصًا اسکے آخر میں یاء اور تاء ملاتے ہیں تو خُصوصِیة بن جاتا ہے۔ اور کبھی صفت کے آخر میں یاء اور تاء ملائی جاتی ہے تو وہ مصدر بن جاتا ہے۔ جیسا کہ ضارب: پٹھائی کرنے والا، ضاربیة: ضارب ہونا، ضارب کے ساتھ یاء اور تاء ملائی گئی تو مصدر بن گیا۔ اسی طرح مضروب: جس کی پٹھائی کی جائے اور مضروبیة: مضروب ہونا، یعنی جس کی پٹھائی کی گئی ہو وہ ہونا۔ پس مضروبٌ صفت تھی اور آخر میں یاء اور تاء ملنے سے مصدر بن گیا۔

پس فاعلیة اور مفعولیة یہ دونوں مصدر ہیں۔ کیونکہ فاعلٌ اور مفعولٌ کے آخر میں یاء اور تاء ملائی گئی ہے۔ اور اسکا ترجمہ بھی "فاعل ہونا" اور "مفعول ہونا" بن گیا۔

اشکال: اس پر اشکال ہوتا ہے کہ فاعلیة اور مفعولیة کے اندر یاء اور تاء آخر میں لائے گئے اور اضافة کے اندر آخر میں یاء کیوں نہیں گیا تاء کے ساتھ۔

جواب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اضافةٌ پہلے سے مصدر ہے۔ اَضَافَ یُضِیْفُ اِضَافَةً۔: پس وہ (فاعلیة اور مفعولیة) تو مصدر نہیں تھے اس لئے اس کے آخر میں یاء اور تاء لگائی مصدر بنانے کے لئے۔ اور یہ (اِضافة) تو پہلے سے مصدر ہے اس لئے یاء اور تاء لگانے کی ضرورت نہیں۔

درس 9۔ سولہ اقسام جو نحو میر میں تھے، صاحب ہدایة نے اُسے نو (9) قسموں میں تقسیم کیا تھا۔ اُستاد محترم محمد زمیر روحانی بازی مدظلہ العالی نے یہ درس ہدایة النحو سے پڑھایا۔ جسکو میں نے صفحہ نمبر 8 سے لے کر صفحہ نمبر 12 تک ہدایة النحو میں تفصیل سے لکھیں ہیں۔

درس 10۔ والعَامِلُ مَا عامل وہ چیز ہے بِهٖ يَتَقَوَّمُ کہ جس کے ساتھ قائم ہوتا ہے، یعنی جس کے ذریعے حاصل ہوتا ہو، المعنٰی وہ معنیٰ، اور وہ معنیٰ یا تو فاعلیت والا ہے، یا مفعولیت والا اور یا مضافٌ الیہ والا۔ المُقْتَضِی جو تقاضا کرنے والا ہو۔ اور یہ معنیٰ یعنی فاعلیت، مفعولیت اور مضافٌ الیہ ہونا تقاضا کرتا ہے۔ یعنی یہ اعراب کا تقاضا کرتا ہے۔ لِلْاِعْرَابِ اعراب کا، عامل وہ ہے جس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے وہ معنیٰ جو اعراب کا تقاضا کرتا ہے۔

مثلا جاءنی زیدٌ، میں جاء کی وجہ سے زید میں فاعلیت آئی۔ اور اِس فاعلیت نے تقاضا کیا کہ اس پر رفع آنا چاہئے۔ تو یہ جاء عامل ہے۔ کیونکہ اسکی وجہ سے زید پر فاعلیت آئی اور پھر اس فاعلیت نے آگے رفع کا تقاضا کیا۔ اسی طرح ضربتُ زیدًا میں ضربتُ کی وجہ سے زید میں مفعولیت کا معنیٰ آیا۔ اور پھر اس

مفعولیت نے تقاضا کیا کہ زید پر نصب آنا چاھئے۔ اور مررتُ بزیدٍ میں بھی اسی طرح ہے۔اور یہ زید جو مضافٌ الیہ ہوا یہ با کے سبب سے ہوا اور آگے اس مضافٌ الیہ نے جر کا تقاضا کیا۔

آگے مصنفؒ اعراب کی قسمیں بیان فرما رہے ہیں۔ نحو میر میں ہم نے سولہ قسمیں پڑھی تھی۔

[1،2] فَالْمُفْرَدُ الْمُنْصَرِفُ پس مفرد منصرف جو ہے۔ صاحب کافیہ نے مفرد منصرف کہا۔ اس میں صحیح اور قائم مقام صحیح دونوں آ گئے۔ جبکہ صاحب ھدایۃ النحو نے مفرد منصرف صحیح اور مفرد منصرف جاری مجریٰ صحیح میں تقیسم کیا تھا۔ [3]والْجَمْعُ الْمُكَسَّرُ المنصرفُ اور جمع مُکَسَّر منصرف جو ہے۔ بالضمةِ رفعًا ای بالضمَّةِ حالَ کونہٖ مرفوعًا: رفعًا حال ہے۔ یعنی ان تینوں کا اعراب حالت رفعی میں ضمۃ کے ساتھ ہوگا۔ و الفتحةِ نصبًا ای بالفتحةِ حالَ کونہٖ منصوبًا۔ اور ان تینوں کا اعراب حالت نصب میں فتحۃ کے ساتھ ہوگا۔ والكسرةِ جرًا ای بالکسرةِ حالَ کونہٖ مجرورًا۔ اور ان تینوں کا اعراب حالت جرّی میں کسرۃ کے ساتھ ہوگا۔

رفعًا مصدر ہے اور مصدر کبھی اسم فاعل کے معنیٰ میں آتا ہے اور کبھی اسم مفعول کے معنیٰ میں آتا ہے۔ اور یہاں مرفوعًا اسم مفعول کے معنیٰ میں آیا۔ رفعًا ای مرفوعًا، نصبًا ای منصوبًا، جَرًّا ای مجرورًا۔

[4] جمعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالمُ المؤنث مضاف الیہ ہے اس لئے اس پر کسرۃ پڑھو، اور السّالمُ یہ جمعُ کی صفت ہے۔ کیونکہ وہ جمع سالم ہونا چاھئے۔ اگر یہاں مراد یہ ہوتا کہ مؤنث سالم ہے تو پھر یہ مؤنث کی صفت بنتا۔ اور جمع مرفوع ہے تو السّالم بھی مرفوع ہوگا۔ جمع نکرۃ تھا لیکن معرفت کی طرف اضافت کرنے سے یہ بھی معرفۃ بنا، پس اس کا صفت "السالم" بھی معرفۃ لایا۔ جمع کی مؤنث، ایسی جمع جو کہ سالم ہو۔ ان کا اعراب بالضمةِ والكسرةِ ان کا اعراب ضمۃ اور کسرۃ کے ساتھ آئے گا۔ بالضمةِ رفْعًا ای بالضمةِ حالَ کونہٖ مرفوعًا، والکسرةِ نصْبًا و جرًّا ای والکسرةِ حالَ کونِہٖ منصوبًا و حالَ کونِہٖ مجرورًا۔

[5] وَ غيرُ المنصرفِ بالضمة والفتحة بالضمةِ رفعًا والفتحةِ نصبًا و جرًّا ای بالضمةِ حالَ کونِہٖ مرفوعًا والفتحَةِ حالَ کونِہٖ منصوبًا و مجرورًا۔ غیر منصرف کا اعراب حالت رفعی میں ضمۃ کے ساتھ اور حالت نصبی اور جرّی میں فتحہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

اسمائے ستہ، مُکَبَّرہ، مُوَحَّدَہ مضافہ الیٰ غیر یائے متکلم کی طرف کا اعراب۔ [6]ابوک و اخوک و حموکِ و هنوکِ و فوک و ذو مالٍ مضافةً الی غیر یاء المتکلم اس حال میں کہ یہ مضاف ہو یائے متکلم کے علاوہ کی طرف۔ یہاں صاحب کافیہ نے اسمائے ستہ کا نام نہیں لیا بلکہ چھ کے چھ ذکر کئے۔ دوسری شرط مکبَّرہ ہو، یعنی مُصَغَّر نہ ہو۔ مصنفؒ نے مکبر ذکر نہیں کئے بلکہ صیغیں مکبر والے لائے۔ اور کسی بھی صیغے کا تصغیر نہیں لایا۔ اَخٌ بھائی اسکا تصغیر اُخَیَّ ہے۔ تیسرا شرط موحَّدہ کو بھی ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ لفظوں سے پتہ چلتا ہے کہ تمام صیغیں مفرد ہیں اور تثنیہ یا جمع نہیں ہے۔ اور آخری شرط کو الفاظ میں ہی ذکر فرمایا۔ کہ یہ یائے متکلم کے غیر کی طرف مضاف ہو۔ بالواو ای بالواوِ رفْعًا و الالف ای والالف نصْبًا والیاءِ ای والیاءِ جَرًّا، حَم: خاوند کی طرف سے قریبی رشتہ دار۔ هن: ایسی چیز کہ جس کا ذکر قبیح ہو۔

اَلْمُثَنَّی و کلا مضافا الیٰ مُضْمَرٍ و اِثنان و اِثنتان[7,8,9] اسی طرح تثنیه، کلا جو که ضمیر کی طرف مضاف ہو، اثنانِ اور اثنتانِ کا اعراب۔ نیز کِلَا جب اسم ظاہر کی طرف مضاف ہو تو پھر اعراب تقدیری ہو جاتا ہے۔ بالالفِ ای بالالف رَفْعًا والیاءِ ای والیاءِ نصبًا و جَرًّا

جمعُ المذکرِ السالمُ[10,11,12] جمع مذکر سالم کا اعراب و اُولُو اور اُولُو کا اعراب۔ اولو میں ہمزہ کے بعد واو ہونا چاہئے۔ کتابت کی غلطی سے واو رہ گیا اور اُلُو لکھا۔ اس کو حالت رفعی میں اولو اور نصبی جرّی میں اُولی لکھتے ہیں۔ اگر ہمزہ کے بعد واو کو نہ لکھا جائے، تو پھر اولی کو کوئی الیٰ بھی پڑھ سکتا ہے۔ تو فرق کے لئے اولی کے ہمزہ کے بعد واو بڑھایا۔ اور جب ایک حالت میں واو لایا تو تبعًا دونوں حالتوں میں بھی واو کو بڑھایا، کہ تمام حالتیں یکساں ہو جائیں۔ و عشرون و اَخَواتُها عشرونَ اور انکے مشابہ کلمات کا اعراب، یعنی ثلاثونَ سے لے کر تسعونَ تک۔ بالواو ای بالواو رفْعًا والیاء والیاءِ نصْبًا و جرًّا۔ یعنی ان کا اعراب حالت رفعی میں واو کے ساتھ اور حالت نصبی جرّی میں یاء کے ساتھ ہوگا۔

التقدیرُ فیما تَعَذَّرَ تقدیری اعراب اُس اسم میں آئے گا کہ جس اسم میں اعراب مُتَعَذِّر یعنی ناممکن ہو جائے۔

کعصا[13] جیسا کہ عصًا۔ عصا کے آخر میں الف ہے اور الف اعراب کو جگہ نہیں دیتا۔ یہ اسم مقصور ہے۔ و غلامِی[14] غلامی میں بھی یا پر اعراب نہیں آ سکتا۔ کیونکہ اعراب آنے سے پہلے غلام کی اضافت کی گئی یائے متکلم کی طرف، اور یاء اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتا ہے۔ اب اس کو ہم رفع، نصب یا جر نہیں دے سکتے کیونکہ کسرہ پہلے سے آ چکا ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ چلو حالت رفعی اور نصبی میں تو تقدیری اعراب ہے لیکن یہ مان لو کہ یہی وہ کسرہ ہے جو حالت جرّی میں عامل کی وجہ سے آیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جو کسرہ ہے یہ یاء کی وجہ سے پہلے سے آیا ہے۔ اب اسکو اعراب والا کسرہ قرار دینا صحیح نہیں۔ غلامی سے مراد وہ اسم ہے جو کہ مضاف ہو یائے متکلم کی طرف علاوہ جمع مذکر سالم کے۔

مُطْلَقًا تینوں حالتوں میں، یعنی تینوں حالتوں رفعی، نصبی اور جرّی میں تقدیری اعراب ہوگا۔ اَوْ اِسْتُثْقِلَ یا اُس اسم کے اندر اعراب تقدیری ہوگا کہ جس میں اعراب کا لانا ممکن تو ہے لیکن ثَقیل ہو جاتا ہے۔ اسکا عطف ہے تَعَذَّرَ پر۔ استُثقل کا ہمزہ وصلی ہے۔ کقاضٍ[15] جیسا کہ قاضٍ۔ قاضی کے اندر اعراب کا لانا ممکن تو ہے لیکن ثقیل ہے۔ جاءنی القاضِیُ، اور مررتُ بالقاضِیِ یہ ممکن تو ہے لیکن ثقیل ہے، کیونکہ یاء پر ضمة اور کسرة کا آنا ثقیل ہے۔ یہ اسم منقوص ہے۔ رفعا و جرًّا قاضی کے اندر تقدیری اعراب حالت رفعی اور جرّی میں آئے گا۔ اور حالت نصبی میں فتحہ لفظی آئے گا۔ و نَحْوُ مُسْلِمِیَّ[16] اور مُسلِمِیَّ جیسے اسم جو ہے رفعا حالت رفع میں اعراب تقدیری آئے گا۔ یہاں پر بھی مُسْلِمُوْیَ پڑھ سکتے ہیں لیکن ثقیل ہو جائے گا۔ تو اس میں واو کو یا کیا اور یا کا یا میں ادغام کیا اور یا کے ماقبل کو کسرہ دیا تو مُسْلِمِیَّ ہوا۔

پیچھے مصنفؒ نے بتلایا کہ تقدیری اعراب دو جگہوں میں آئے گا۔ ایک جہاں اعراب کا لانا ممکن نہ ہو اور دوسرا جہاں اعراب لانے سے ثقل پیدا ہوتا ہے۔ ان دو جگہوں کے علاوہ باقی تمام جگہوں میں لفظی

اعراب آئے گا۔ اب مصنفؒ وہی بتلاتے ہیں۔ و اللفظیُّ فیما عَدَاهُ:: لفظی اعراب ان دو کے علاوہ میں ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ عداهُ میں تو مفرد کی ضمیر راجع ہے، اور یہ عداهما ہونا چاهئے۔ تو جواب یہ ہے کہ اُن دو میں "اَوْ" آیا ہے۔ جیسا کہ گزرا "فیما تعذَّرَ اَوْ استثقل"، ان میں "او" آیا ہے۔ تو جب دو چیزوں میں عطف اَوْ کے ساتھ آئے تو اُن کی طرف مفرد کی ضمیر لوٹائی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اَحَدُ الاَمْرَیْن کی تاویل میں ہے۔ اور "اَحَد" مفرد ہے اور اسکی طرف مفرد کی ضمیر لوٹائی جاتی ہے۔ تو عبارت یوں بن گئی، کہ تقدیری اعراب احد الامرین میں سے کسی ایک صورت میں آئے گا۔ اور وہ دو چیزیں جہاں اعراب کا لانا ممکن ہی نہ ہو یا اعراب لانے سے ثقل پیدا ہوتا ہو۔

درس 11۔ غیرُ المنصرفِ مَا غیر منصرف وہ اسم ہے فیه عِلَّتَانِ جن میں دو علتّیں ہوں مِن تسعٍ ای مِن عللٍ تسعٍ، یہاں موصوف مخذوف ہے۔ نو علتوں میں سے۔ اَوْ واحدةٌ منها یا اُن نو میں سے ایک ہو،ایسی ایک، ها ضمیر راجع ہے تسعٍ کو۔ تَقُوْمُ مَقَامَهما جو اُن دو علتّوں کے قائم مقام ہو۔ و هی اور وہ یہ ہیں۔ شِعْرٌ --

عدلٌ و وصفٌ و تانیثٌ و معرفة و عُجْمةٌ ثم جَمْعٌ ثم ترکیبُ

والنونُ زائدةً من قبلها الفُ و وزنُ فعلٍ و هٰذا القولُ تقریبُ::

معرفة سے مراد علمیت ہے۔ عجمة کے بعد ثمّ لایا اور اسی طرح ترکیب سے پہلے بھی ثم لایا۔ جب کہ باقی جگہوں میں واو لے آیا تھا۔ یہ ثم صرف شعر کے وزن کے لئے لایا۔ اور اس کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔ اگر واو کو لاتے تو پھر وہ وزن برقرار نہیں رہتا۔

والنونُ زائدةً اور نون ہے اس حال میں کہ وہ زائد ہے۔ زائدة نون سے حال بن رہا ہے۔ اور نون حرف ہے، اور حرف مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اور زیادہ تر مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ من قبلها اس نون سے پہلے ، ها ضمیر نون کو راجع ہے۔ الفُ الف ہو۔ یہ الف فاعل ہے زائدة کا۔ کیونکہ زائدة اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے۔ عمومًا اسم فاعل میں ضمیر ہوتی ہے۔ لیکن کبھی کبھار وہ فاعل آگے ظاہر بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے یہاں زائدةً کے اندر اب ضمیر نہیں کیونکہ آگے الف اسم ظاہر اسکا فاعل آ رہا ہے۔ اور یہ الف بھی زائدة ہو۔ تو معلوم ہوا کہ الف اور نون دونوں زائد ہوں۔

نیز زائدة کو نون کے لئے صفت بھی بنایا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ والنونُ زائدةٌ ۔ اس پر اشکال یہ آتا ہے کہ النونُ معرفة ہے اور زائدةٌ نکرة ہے۔ تو موصوف صفت میں تعریف اور تنکیر میں مطابقت نہ رہی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم النونُ میں الف لام عہد ذہنی والا مراد لے، تو پھر النون لفظوں کے اعتبار سے معرفة تو ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے نکرة ہے۔ اور ہم نے صفت میں معنیٰ کی رعایت رکھ لی۔ تو اس کو صفت بنانا بھی جائز ہے۔ اور صفت کی صورت میں بھی فاعل الف ہی ہوگا۔ الف اسم فاعل آیا۔ تو زائدة صفت بحال متعلقّہٖ ہوا۔ اسکی تفصیل نیچے درج ہے۔

صفت: صفت اُسے کہتے ہے، جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو اُس کے متبوع میں پایا جائے یا اُس کے متبوع کے متعلِّق میں پایا جائے۔ جیسا کہ رجلٌ قائمٌ میں یہ قائمٌ قیام پر دلالت کرتا ہے، اور یہ قیام، رجل میں پایا جاتا ہے۔ تو یہاں قائمٌ صفت اسکے متبوع رجل میں پایا گیا۔ اور رجلٌ قائمٌ ابوهُ میں قیام کی صفت متبوع کے

متعلق یعنی ابوهُ میں پایا گیا۔ اور اس کو صفت بحال متعلقّہٖ کہتے ہے، جبکہ پہلی صورت کو صفت بحالہٖ کہتے ہے۔

و وزنُ فعلٍ اور وزن فعل ہے۔ و ھٰذا القولُ تقریبُ: اور یہ قول تقریبی ہے۔ یعنی درستگی کے قریب ہے۔ ای مُقرَّبٌ الی الثواب۔ تقریب مصدر ہے، اور مصدر کبھی اسم فاعل کے معنیٰ میں آتا ہے اور کبھی اسم مفعول کے معنیٰ میں آتا ہے۔ تو یہاں اس کو اسم مفعول کے معنیٰ میں لے لیں۔ و ھذا القولُ مُقَرَّبٌ: اور یہ قول قریب کیا گیا ہے۔ کس کے قریب کیا گیا ہے، الی الثواب: یعنی درستگی کے قریب ہے ۔ یا یہ قول مُقَرَّب الی الاذھان فی الحفظ ہے۔ یعنی ذھنوں کے قریب کیا گیا ہے یاد کرنے میں۔ یعنی اس کو یاد کرنا آسان ہے۔ اور یہ اس لئے آسان ہے کیونکہ یہ شعر کی صورت میں ہے۔ اور شعر آدمی کو جلدی یاد ہو جاتا ہے۔ اور تا دیر یاد رہتا ہے۔

صاحب کافیہ نے نو علتیں بیان کی۔ اس میں علماء کے اور بھی کئی اقوال ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک 10 علتیں ہیں۔ بعض کے نزدیک گیارہ علتیں ہیں۔ جبکہ بعض کے نزدیک دو علتیں ہیں۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ صرف دو علتیں ہیں۔ تو صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ باقی بھی اقوال ہیں لیکن درستگی کے قریب یہ نو والا قول ہے۔

آگے صاحب کافیہ غیر منصرف کی مثالیں ترتیب سے ذکر کر رہے ہیں۔ مثلُ عمرَ یہ عدل کی مثال ہے۔ ایک اس میں عدل اور دوسرا علمیت ہے۔ اس لئے غیر منصرف ہوا۔ و احمرَ یہ وصف کی مثال ہے اور دوسری علّت اس میں وزن فعل ہے۔ احمَرَ بروزن اَفْعَلَ= اکرَمَ و طلحةَ. تانیث لفظی کی مثال ہے۔ طلحة میں تانیث لفظی اور علمیت ہے۔ تانیث کی دو قسمیں ہیں۔ تانیث لفظی اور تانیث معنوی۔ تانیث لفظی تائے تانیث، الف مقصورة اور الف ممدودة سے آتی ہے۔ و زینبَ اس میں تانیث معنوی اور علمیت ہے۔ و ابراھیمَ اس میں علمیت اور عُجمہ ہے۔ و مساجدَ یہ جمع منتہی الجموع کا صیغہ ہے۔ اور یہ سبب دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ و معدیکَرِب اس میں ایک سبب ترکیب ہے اور دوسرا سبب علمیت ہے۔ و عمرانَ اس میں ایک سبب الف نون زائدہ تان ہے اور دوسرا سبب علمیت ہے۔ و احمدَ اس میں ایک سبب وزن فعل اور دوسرا علمیت ہے۔

و حُکْمُہُ اَنْ لا کسرةَ و لا تنوینَ اور غیر منصرف کا حکم یہ ہے کہ ان پر نہ کسرة آئے گا اور نہ تنوین۔ یہ عبارت لا حولَ و لا قوّة کی طرح ہے۔ جیسے وہاں پانچ وجہیں پڑھنا جائز تھا تو یہاں بھی پانچ وجہیں پڑھنا جائز ہے۔ کیونکہ یہاں لائے نفی جنس ہے اور اس کا تَکرار بھی ہے۔ اور لائے نفی جنس کے ساتھ نکرة بھی ملا ہوا ہے۔ یعنی تکرار اسم بھی ہو۔ اور پانچ صورتیں یہ ہے۔ 1۔ لا کسرةَ و لا تنوینَ، 2۔ لا کسرةَ و لا تنوینًا، 3۔ لا کسرةَ و لا تنوینٌ، 4۔ لا کسرةٌ و لا تنوینَ 5۔ لا کسرةٌ و لا تنوینٌ۔

یہ ایک نئی بات ہے جس کو ہم نے ھدایة النحو میں پڑھی نہیں۔ و یجوزُ صَرْفُہُ اور غیر منصرف کو منصرف پڑھنا بھی جائز ہے۔ للضرورةِ ضرورت کی بنا پر۔ یعنی ضرورت شعری کی بنا پر۔ کیونکہ اشعار کے اندر ایسے بہت سے اُمور کی اجازت ہے جنہیں عام کلام کے اندر استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ نوٹ: الضَرُورَةُ

تَرُدُّ الاشیَاءَ الیٰ اُصُوْلِهَا: اور یه یاد رکھو که غیر منصرف کو ضرورت کی وجه سے منصرف پڑھنا جائز ہے، لیکن منصرف کو ضرورت کی وجه سے غیر منصرف پڑھنا جائز نہیں۔ کیونکه منصرف اصل ہے اور غیر منصرف اصل نہیں۔ اَوْ لِلتناسُبِ یا مناسبت کی بنا پر۔ کبھی کبھا غیر منصرف کی منصرف کے ساتھ مناسبت آ جاتی ہے، جس کی وجه سے اس غیر منصرف کو پھر منصرف پڑھنا جائز ہوتا ہے۔ مناسبت کا مطلب ہے که غیر منصرف، منصرف کے پڑوس میں آ جاتا ہے، جس سے غیر منصرف کو بھی منصرف پڑھا جاتا ہے۔ جیسا که قرآن مجید میں ہے، سَلَاسِلًا و اغلَالًا۔ اغلالًا یه منصرف ہے۔ اور سَلَاسِلَ بروزن مساجدَ=فواعِلَ (وزن صوری) ہے۔ اور جمع منتہی الجموع کا صیغه ہے۔ اور غیر منصرف ہونے کی وجه سے اس پر تنوین نہیں آنا چاهئے تھا۔ اور "سلاسلَ و اغلالًا" ہونا چاهئے تھا۔ لیکن اس کو اغلالًا کے ساتھ مناسبت کی وجه سے غیر منصرف بنایا۔ مثلُ سَلاسلًا و اغلالًا

کبھی کبھار ایک علّت دو کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اب صاحب کافیہ رح اُس کو بتلانا چاہتے ہیں۔ و ما یَقُومُ مَقَامَہُمَا اور وہ علّت جو قائم مقام دو علتوں کے ہوتی ہے۔ وہ دو ہیں۔ اَلْجَمْعُ جمع ہونا، یعنی جمع منتہی الجموع کا صیغه۔ وَاَلِفَا التَّانِیْثِ اصل میں "الِفانِ التانیث" تھا۔ نون تثنیه اضافت کی وجه سے گر گیا۔ تانیث کے دو الف ہیں۔ ایک الف ممدودة اور ایک الف مقصورة۔ اور الفا میں الف التقائے ساکنین کی وجه سے گر جائے گا۔ الجمعُ مرفوع لفظًا ہے۔ تثنیه کی حالت رفعی الف نون کے ساتھ آتا ہے۔ اور الف سے ماقبل ہمیشه فتحه ہوتا ہے۔ اور حالت نصبی اور جرّی یاء اور نون کے ساتھ آتا ہے۔ جبکه یاء کا ماقبل مفتوح ہوگا۔ یہاں پر الفا کا اعراب مرفوع تقدیری ہوگا۔ حالانکه مرفوع لفظًا ہونا چاهئے تھا۔ لیکن یه اعراب کی وہ قسم ہے جس کو ذکر نہیں کیا گیا۔ اور یه استعمال کے لحاظ سے انتہائی قلیل ہے۔ یا تاویل کر کے اُنہی میں سے کسی ایک میں داخل کر دیں گے۔ الفا میں ہم الف پر تلفظ نہیں کرتے کیونکه یه التقائے ساکنین کی وجه سے گر گیا، تو اس وجه سے اسکا اعراب تقدیری ہوا۔ یه اسی طرح ہے جیسا که "جاءنی اَخُو الحسن"۔ یہاں اَخُو کا اعراب مرفوع تقدیرا ہے۔ کیونکه اَخُو کی واو پر ہم تلفظ نہیں کرتے کیونکه الحسن کے ساتھ اجتماع ساکنین کی وجه سے اخو کا واو گر چکا ہے۔ پس معلوم ہوا جب ہم اعراب پر تلفظ نہیں کریں گے تو اعراب لفظی نہیں ہوگا بلکه تقدیری ہوگا۔

درس 12۔

فالعَدْلُ خُرُوْجُهُ پس عدل جو ہے وہ نکلنا ہے اسم کا عن صیغتِهِ الاصلِیَّةِ اپنے اصل صیغه سے۔ صیغه اصلی سے مراد وہ صیغه ہے که جس کا تقاضا قانون کر رہا ہے۔ ضابطه اور قانون صیغے کے ایک شکل کا تقاضا کرتا ہے۔ اور اُنہیں اُس شکل سے نکال کر ایک اور شکل میں لے جائے تو اُس کو عدل کہتے ہیں۔ عدل کا معنیٰ ہے پھیرنا۔ جیسا که عمر کی اصل عامر ہے۔ عامرٌ اسم فاعل کا صیغه ہے۔ اور اسم فاعل ایک ضابطے کے تحت اُس کا خاص وزن ہے۔ ثلاثی مجرد سے فاعلٌ وزن پر آتا ہے۔ تو عامِرٌ صیغه اصلی ہے، تو اس کو اس وزن سے نکالا اور ایک نئی شکل عمر دے دی گئی۔

تحقیقا کَثُلٰثَ و مَثْلَثَ و اُخَر و جُمَع او تقدیرا کعمر و باب قَطَامَ فی تمیم

عدل دو قسم پر ہے۔ ایک عدل تحقیقی ہے اور ایک عدل تقدیری ہے۔ عدل تحقیقی وہ ہے جس کے آپ کے پاس کوئی دلیل موجود ہے۔ اور عدل تقدیری وہ ہے جس کی کوئی دلیل موجود نہ ہو۔ تقدیر کا مطلب ہے فرض کرنا۔ مثلًا نحویوں کا قانون ہے کہ جس اسم میں دو علتیں یا ایک سبب قائم مقام دو سببوں کے ہوں تو وہ غیر منصرف ہوگا۔ اب نحویوں کو کچھ کلمات ایسے ملے کہ جس میں ایک علّت تو موجود ہے لیکن دوسرا کوئی علّت موجود نہیں اور عرب اسے غیر منصرف پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ عمر اور زفر۔ ان میں صرف ایک ہی علّت علمیت موجود ہے۔ اور دوسرا کوئی علت موجود نہیں۔ لہذا نحویوں نے اپنے ضابطہ کو بچانے کے لئے اس میں ایک علت کو فرض کیا، اور وہ علّت عدل ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور علت فرض بھی نہیں کر سکتے تھے۔ حالانکہ نحویوں کے پاس ان کا کوئی دلیل نہیں۔

عدل تحقیقی وہ ہے جس کا آپ کے پاس کوئی دلیل ہو۔ جیسا کہ ثُلٰثَ اور مَثْلَثَ۔ یہ دس تک ایسے چلتے ہیں۔ ثُلاثَ، رباعَ، خُماسَ، سُدَاسَ۔۔۔ اور مَثْلَثَ، مَرْبَعَ، مَخْمَسَ، مَسْدَسَ۔۔ ثُلَاثَ اور مَثْلَثَ: تین تین، یہ دونوں غیر منصرف ہیں۔ ایک تو اس کے اندر وصفیت ہے اور دوسرا اس کے اندر عدل ہے۔ اور عدل بھی عدل تحقیقی ہے۔ ثُلَاثَ کا معنیٰ ہے تین تین۔ یہاں لفظ تو ایک ہے اور معنیٰ دو ہیں۔ حالانکہ لفظ ایک ہو تو معنیٰ ایک ہوتا ہے۔ اور لفظ دو ہوں تو معنیٰ بھی دو ہوتے ہیں۔ تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ثَلَاثَ اصل میں ثَلَاثَةٌ. ثَلَاثَةٌ تھا۔ پھر اس کو پھیر کر ایک نئی صورت دے دی گئی۔ ان دو کو ملا کر ایک نئی صورت بنا دی، اور وہ ثُلَاثَ ہے۔ تو اس میں عدل آیا اور اس کا دلیل اس کا معنیٰ ہے۔ ثلاث معدول ہے، اور ثلاثة ثلاثة معدول عنه ہے۔

اسی طرح اُخَرُ بروزن فُعَلٌ ہے۔ اور یہ اسم تفضیل اُخْریٰ بروزن فُعْلیٰ کی جمع ہے۔(ضُرْبیٰ ضُرْبَیَاتٌ و ضُرَبٌ)۔ اور یہ غیرُ یعنی علاوہ کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ اس میں ایک وصفیت ہے اور دوسرا سبب عدل تحقیقی ہے۔ اسم تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں۔ مِنْ، اضافت اور الف لام کے ساتھ۔ اور یہ اُخَرُ جہاں آئے گا تو یہ ان تینوں میں سے کسی کے ساتھ بھی استعمال نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ ان تین طریقوں میں سے کسی ایک سے معدول ہے۔ اصل میں تھا "اُخَرُ مِنْ" تو اُس سے معدول کیا۔ اور مِنْ کے بغیر کیا۔ اور یا یہ اصل میں اَلْاُخَر یعنی الف لام کے ساتھ۔ پھر اس کو پھیر کر اُخَر بنایا گیا۔ اور باقی رہی اضافت والی صورت تو یہ اُس سے معدول نہیں۔(اس کو آپ اگلی کتابوں میں پڑھیں گے۔ کیونکہ اگر مضاف الیہ کو گرایا جائے تو اُسکی جگہ پر یا تو دوسرے مضاف الیہ کو لاتے ہیں یا تنوین لے آتے ہے، یا الف لام وغیرہ لے آتے ہیں۔)

آگے جُمَعْ آیا۔ جُمَعْ جمع ہے جَمْعَاء کی۔ اور جُمْعَاءُ مؤنث ہے اَجْمَعُ بروزن اَفْعَلُ کی۔ افعلُ وزن اسم تفضیل اور صفت مشبہ دونوں کے لئے آتا ہے۔ اَفْعَلُ صفت مشبہ کی جمع فَعْلَاء کی وزن پر آتا ہے۔تو اَجْمَعْ کی جمع جَمْعَاء آتی ہے۔ اور جَمْعَاء کے بھی دو وزن آتے ہیں۔ اس میں صفت مشبہ کی مؤنث بھی جَمْعَاء بروزن فَعْلَاء آتی ہے۔ اور کبھی اسمِ محض بھی فَعْلَاء کی وزن پر آتی ہے۔ تو اَجْمَعُ ہے صفت اور اس صفت کی جمع جَمْعَاء آئے گی۔ اور یہ فَعْلَاء وزن ویسے بھی اسم میں آ جاتا ہے جیسے صَحْرَاء بروزن فَعْلاء۔ اور جب فَعْلَاء جمع ہو صفت مشبہ کی تو اِسکی جمع آتی ہے فُعْلٌ (عین ساکن)۔ اور اگر یہ فَعْلَاء اسم محض ہو تو اسکی جمع فَعَالیٰ و فَعْلَوٰة۔

اور یہاں جَمْعَاء کی جمع جُمَعْ آئی۔ یہ تو طے ہے کہ یہ جَمْعَاء کی جمع ہے۔ اور وہ جَمْعَاء (صفت مشبہ والی) کی جمع تین آتی ہیں۔ ایک جُمْعٌ آنا چاھئے اگر یہ صفت مشبہ کی جمع مؤنث ہو، یا اس کی جمع جَمَاعیٰ اور جَمْعَوٰۃ آتی ہے، اگر یہ اسم محض ہوں۔ معلوم ہوا فَعْلَاء جب بھی آئے تو اس کی جمع ان تین (فُعْلٌ، فَعَالیٰ یا فَعْلَوٰۃ) میں سے کوئی ایک ہونا چاھئے۔ اور یہ جُمَعْ جمع ہے جَمْعَاء کی۔ اور یہ ان تین اوزان میں سے کسی بھی وزن پر نہیں۔ معلوم ہوا یہ اِن تین اوزان میں سے کسی ایک سے معدول ہے۔ اور یہ دلیل ہمارے پاس موجود ہے تو اس وجہ سے یہ عدل، عدلِ تحقیقی ہوا۔

اسی طرح باب قَطَامَ ہے بنو تمیم کی لغت میں۔(یہ بھی نئی بات ہے۔) باب قطام سے مراد وہ فَعَال وزن ہے جس میں چار شرطیں پائی جائے۔ 1۔ اسم ہو صفت نہ ہو۔ 2۔ علم ہو۔ 3۔ علم بھی مؤنث ذات کا ہو۔ 4۔ آخر میں را نہ آتی ہو۔ تو اس قسم کا جو اسم ہوتا ہے تو بنو تمیم والے اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں۔ اور اس میں ایک سبب علمیت اور دوسرا سبب عدل تقدیری ہے۔ جبکہ باقی عرب اسکو مبنی پڑھتے ہیں۔ اور قَطَامِ پڑھتے ہیں۔

نوٹ: ھدایۃ النحو کے مطابق عدل، عَلَمْ اور وصف کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے اور وزن فعل کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ عدل کے چھ اوزان ہیں اور ان میں سے کوئی بھی وزن فعل نہیں۔ پس عدل کے اوزان اور وزن فعل کے اوزان آپس میں جمع نہیں ہوتے۔ عدل کے اوزان "مَفْعَلْ، فُعَالْ، فَعَّالْ، فُعَلْ، فَعْلْ، اور فِعْلْ" ہیں۔

درس 13۔

الوصفُ شَرْطُهُ ان یکون فی الاصل وصف کے لئے شرط یہ ہے کہ ہونا چاھئے وہ اصل وضع کے اندر۔ یعنی کہ باعتبار وضع اصل میں وصف ہو۔ اور یہ اصل وضع میں وصف ہونا یقینی ہو وھمی نہ ہو۔فلا تَضُرُّهُ الغَلَبَةُ. ای الغلبةُ الاسمیةُ : پھر اُسے غلبہ اسمیت نقصان نہیں دیتا۔ غلبہ اسمیت: تخصیصُ اللفظِ ببعضِ ما وُضِعَ لهُ:لفظ کا خاص کر دینا اپنے بعض موضوع لہ کے ساتھ۔ یعنی لفظ کا اپنے کچھ افراد کے ساتھ خاص کر دینا۔ جیسا کہ عربی کے اندر اَسْوَد کا لفظ وضع تھا ہر کالی چیز کے لئے۔ لیکن بعد میں اسکی تخصیص آئی بعض افراد کے ساتھ۔ جیسا کہ کالے سانپ کا نام ہی "اَسْوَد" رکھا۔ تو اس میں غلبہ اسمیت آ گیا۔ عَلَمْ کا ایک فرد ہوتا ہے اور اسم کے بہت سے افراد ہوتے ہیں۔ مثلا سانپ کے ایک نوع کا نام ہی اسود ہو گیا۔ تو ہر کالے سانپ پر آپ کہہ سکتے ہیں، ھٰذا اسودٌ۔ تو یہ اسود اسم ہے علَم نہیں۔

پس اگر اصل وضع میں صفت ہو تو اگر بعد میں اس پر غلبہ اسمیت آ بھی جائے تو یہ وصفیت کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، اور یہ پھر بھی غیر منصرف کا سبب بنے گا۔ پس اَسْوَدْ اب بھی غیر منصرف ہے۔ اس میں ایک وصف ہے اور ایک وزن فعل ہے۔ اسود بروزن اکرم۔

اور اگر ایک لفظ اصل وضع میں وصف نہ ہو، اور بعد میں وصف بنا۔ تو اب یہ وصف تو ہے لیکن غیر انصراف کا سبب نہیں بنے گا۔ جیسا کہ مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ اَرْبَعٍ۔ یہ اربع کو نسوۃ کے لئے صفت بنایا۔ اب یہ لفظوں میں بھی صفت بنا اور وزن فعل بھی ہے۔ تو یہ کہنا چاھئے تھا، "مررتُ بنسوةٍ اَرْبَعَ"۔ لیکن یہ صفت غیر منصرف کا سبب نہیں بنے گی۔ کیونکہ غیر منصرف کے لئے وہ وصف معتبر ہے جو اصل وضع میں وصف ہو۔ کیونکہ اربعَ کا لفظ وضع تھا اصل میں ایک عدد چار کے لئے۔

فلذلک اسی وجه سے صُرِفَ منصرف ہوگا۔ اربع فی مررت بنسوةٍ اربعٍ اَربعٍ منصرف ہوگا "مررتُ بنسوة اربع" میں۔ وَ امْتَنَعَ اور صرف مُمتنع ہوگا۔ یعنی غیر منصرف ہوگا۔ اَسْوَدُ و اَرْقَمُ للحیَّةِ اسود اور ارقم جو سانپ کے لئے ہے۔اسود: کالا سانپ، ارقم: چھتکُبریٰ سانپ، جس پر کالے اور سفید دھبے ہوں۔ وَ اَدْهَمُ لِلْقَیْدِ اور اسی طرح صرف ممتنع ہے اَدْهَم کی جو بیڑی کے لئے ہے۔۔یعنی ادھم غیر منصرف ہوگا۔ ادھم اصل وضع میں تھا سیاہ چیز کے لئے۔ لیکن بعد میں یہ بیڑی کا نام رکھ دیا۔ بیڑی جو قیدی کو پہناتے ہیں۔ وَ ضَعُفَ مَنْعُ اَفْعٰی للحیة اور ضعیف ہے منع صرف اَفعیٰ کے لئے جو کہ ایک سانپ کا نام ہے۔ و اَجْدَلٍ للصَّقْرِ اور ضعیف ہے غیر منصرف پڑھنا اجدل کے لئے۔ یہ نام ہے شِکرے کا۔ و اَخْیَلٍ لِلطَّائرِ اور ضعیف ہے منع صرف اَخْیَل جو کہ نام ہے ایک پرندے کا۔ اَفْعیٰ ، اجدل اور اخیل میں وصفیت اور وزن فعل دونوں ہیں، لیکن اس کا غیر منصرف پڑھنا ضعیف ہے۔

دیکھو افعیٰ سانپ کا نام ہے۔ کیوں ضعیف ہے۔ اس لئے کہ ان کا اصل وضع میں وصف ہونا یقینی نہیں وھمی ہے۔ افعیٰ میں شبہ پڑھتا ہے، شائد یہ بھی وصف ہے، صفت مشبہ ہے۔ فَعْوَةٌ سے بنی ہے۔ اور فَعوة خُبْث یعنی خباثت کو کہتے ہے۔ اور یہ افعیٰ ایک خطرناک اور زہریلہ قسم کا سانپ ہے۔ تو چونکہ اُس سانپ میں بھی خباثت ہے، تو ہو سکتا ہے شائد افعیٰ فعوة سے بنایا ہو۔ لیکن یہ بات قطعی طور پر طے نہیں۔ اور جب قطعی طور پر طے نہیں تو اسکا غیر منصرف پڑھنا بھی ضعیف ہے۔

اسی طرح اَجْدَل شِکرے کا نام ہے۔ اس میں وھم ہے شائد یہ جَدَلٌ سے ماخوذ ہو۔ جدل: طاقت، قوة۔ کیونکہ شِکرہ بھی عقاب کا ایک قسم ہے اور بڑا طاقتور پرندہ ہے۔ اور دوسرے پرندوں کا شکار کرتی ہیں۔ تو ہو سکتا ہے اس جدل سے صفت بنائی ہو اجدل۔ اب جو بھی طاقت والا ہے وہ اجدل کا فرد ہے۔ پھر اس کو خاص کر دیا شِکرے کے ساتھ۔ اور یہ بات قطعی نہیں۔ لہذا اسکا غیر منصرف پڑھنا ضعیف ہے۔

اسی طرح اَخْیَل شائد یہ بنا ہے خِیْلَان سے۔ خیلان جمع ہے خال کی۔ اور خال کہتے ہے داغ یا نشان کو۔ یہ ایک پرندہ ہوتا ہے جس کے جسم پر بڑے نشان ہوتے ہیں۔ اَخیل: داغوں والا۔ عرب والے اس پرندے کو بڑا منحوس سمجھتے ہیں۔ حتی کہ ضربُ المثَل بنا ہے اس کا نام نحوست میں۔ اگر کہنا ہوں کہ کوئی بڑا ہی منحوس ہے تو "فلانٌ اَشْحَمُ من اخیل" کہ فلان تو اخیل پرندے سے بھی بڑا منحوس ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کوّے کی خاص قسم ہے۔

هدایة النحو میں ہم نے پڑھا تھا کہ وصف علمیت کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ علم دلالت کرتا ہے ذات معین پر اور وصف دلالت کرتا ہے ذات غیر معین پر۔ اور یہ دونوں آپس میں ضدّین ہیں۔

درس 14۔ التانیثُ بالتاءِ تانیث بالتاء جو ہے۔ شَرْطُهُ العَلَمِیَّةُ اُس کے لئے شرط علمیت ہے۔ یعنی وہ اسمِ مؤنث عَلَم ہونا چاھئے۔ پھر وہ مُؤثِّر ہوگی۔ چاھے وہ عَلَم مذکر کا نام ہو یا مؤنث کا نام ہو۔ جیسے فاطمة، طلحة میں یہ تا غیر انصراف کی سبب بنے گی۔ ایک اس میں علمیت ہے اور ایک تائے تانیث تو اب یہ غیر منصرف ہیں۔ نیز جب علَم کے ساتھ تائے تانیث آ جائے تو یہ وجوبًا غیر انصراف کا سبب بنے گا۔ والمعنویُّ کذلک اور معنوی بھی اسی طرح ہے۔ یعنی اس کے لئے بھی علمت شرط ہے۔ اگر ایک لفظ مؤنث معنوی بھی

ہے اور اسکے اندر علمیت بھی آگئی تو اس کو غیر منصرف پڑھنا جائز ہے۔ اور اگر ایک لفظ مؤنث معنوی بھی ہو اور علمیت کے ساتھ ساتھ اس کے اندر تین شرطوں میں کوئی شرط بھی پائی گئی تو اس کو غیر منصرف پڑھنا پھر واجب ہے۔ اور وہ تین شرطیں یہ ہیں۔

و شَرْطُ تَحَتُّمُ تَاثِيرِهِ تانیث معنوی کی تاثیر کے یقینی یا وُجوبی ہونے کی شرط، ما ضمیر راجع ہے تانیث معنوی کو۔تاثیر: دوسرے پر اثر ڈالنا، تحتم: ختمی ہونا،یقینی ہونا، وجوبی ہونا۔ [1]الزيادةُ على الثلثةِ تین حروف پر زیادہ ہونا ہے۔ [2]او تَحَرُّكُ الاوسطِ اور درمیان والے حرف کا متحرک ہونا ہے۔ [3]اَوْ العُجْمَةُ. یا عجمی ہونا ہے۔ فَهِنْدٌ يَجُوزُ صَرْفُهُ پس ہند کی صرف جائز ہے۔ یعنی اس کو منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ ہندٌ کے اندر تانیث معنوی موجود ہے۔ کیونکہ اس کے اندر تا، الف ممدودہ اور الف مقصورہ موجود نہیں۔ یعنی یہ نام عورت کا ہے۔ تو تانیث معنوی اور علمیت دونوں اس کے اندر آ گئے۔ تو اس وجہ سے یہ منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ اور تین شرطوں میں سے کوئی شرط بھی اس کے اندر نہیں۔ یعنی یہ تین حروف سے زیادہ بھی نہیں۔ اس کا درمیان والا حرف بھی متحرک نہیں اور یہ عجمی بھی نہیں۔ اگر ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک یہاں پورا ہوتا تو پھر اس کو غیر منصرف پڑھنا واجب ہوتا۔ و زينبُ و سَقَرُ و ماهُ وجُورُ مُمْتَنِعٌ ای ممتنعٌ صرفُها۔ اور زینب، سقر، ماہ اور جور یہ ممتنع ہے۔ یعنی اس کی صرف ممتنع ہے۔ اور ان کو غیر منصرف ہی پڑھیں گے۔ زینب میں تانیث معنوی، علمیت اور تین شرطوں میں سے پہلا شرط پایا گیا۔ یعنی یہ تین حروف سے زیادہ ہے۔ تو اسکو وجوبًا غیر منصرف پڑھیں گے۔ سَقَرُ یہ دوزخ کے ایک طبقے کا نام ہے۔ اس میں تانیث معنوی، علمیت اور درمیان والا حرف متحرک ہے۔ اس لئے یہ وجوبًا غیر منصرف ہے۔ ماہُ اور جورُ یہ شہروں کے نام ہیں۔ ان میں تانیث معنوی، علمیت اور عجمہ ہے۔ اس وجہ سے ان کو غیر منصرف پڑھنا واجب ہے۔

اگر تانیث معنوی کی مذکر کا نام رکھا جائے تو کیا پھر یہ تانیث معنوی اثر انداز ہوگا کہ نہیں۔ تو صاحب کافیہ بتلا رہے ہیں کہ ہاں اب بھی اثر انداز ہوگی۔ لیکن ایک شرط اب بھی اس کو پورا کرنا چاہئے اور وہ تین حروف سے زائد ہونا ہے۔ جیسا کہ قَدَمٌ کا لفظ عربی میں مؤنث ہے۔ اب اگر یہ کسی کا نام رکھا جائے، تو کیا یہ تانیث معنوی اثر انداز ہوگی یا نہیں۔ کیونکہ ایک اس میں تانیث معنوی ہے، دوسرا علمیت ہے لیکن یہ تین حروف سے زائد نہیں، پس لہٰذا اسکو منصرف پڑھا جائے گا۔ اور عَقْرَبٌ بچھو کو کہتے ہے، یہ لفظ مؤنث سماعی ہے۔ اب ایک آدمی کا نام عقرب رکھا گیا۔ تو یہ تانیث معنوی وُجُوبًا اثر انداز ہوگی کیونکہ ایک اس میں تانیث معنوی ہے، دوسرا علمیت اور تیسرا یہ کہ یہ تین حروف سے زائد ہے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ چوتھا حرف تاء کے قائم مقام ہو جائے گا۔ فان سُمِّيَ بهِ مُذَكَّرٌ پس اگر تانیث معنوی کے ساتھ نام رکھا جائے کسی مذکر کا فشرطُهُ الزيادةُ على الثلثةِ تو اُسکی شرط زائد ہونا ہے تین حروف پر۔ فَقَدَمٌ مُنْصَرِفٌ پس قدم منصرف ہے۔ و عَقْرَبُ مُمْتَنِعٌ اور عقرب ممتنع ہے۔ یعنی ممتنع عن الصرف ہے۔ یعنی غیر منصرف ہے۔

درس 15۔

المعرفۃُ شرطُها ان تکونَ علمیۃً معرفۃ کی شرط یہ ہے کہ عَلَمیت ہونا چاہئے۔ پھر یہ غیر منصرف کا سبب بنے گا۔ معرفۃ کی کئی اقسام ہیں ان میں سے صرف علمیت غیر انصراف کا سبب بنتا ہے۔ غیر انصراف کا اصل سبب تو معرفۃ ہے لیکن معرفۃ کے اندر صرف علمیت غیر انصراف کا سبب بنتا ہے۔

اَلْعُجْمَۃُ عجمۃ جو ہے۔ شرطُها اس کے مؤثر ہونے کا شرط یہ ہے اَنْ تکونَ عَلمیۃً فی العُجْمَۃِ علمیت کا ہونا عُجمۃ کے اندر۔ یعنی عجمی زبان میں وہ عَلَم ہو۔ اور جب عجمی زبان میں علم ہو تو پھر عربی میں آ کر اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوگی۔ اور تبدیلی نہ آنے سے اس میں ثِقل آیا۔ و تَحَرُّکُ الاوسطِ اور دوسرا شرط یہ کہ درمیان والا حرف متحرک ہو او الزیادۃِ علی الثلثۃِ یا تین حروف پر زیادہ ہونا۔ فَنُوْحٌ منصرفٌ پس نوح منصرف ہے۔ کیونکہ اس میں دوسری شرط نہیں پائی جاتی۔ و شَتَرُ و ابراهیمُ ممتنعٌ اور شَتَرَ اور ابراهیمُ یہ صرف سے ممتنع ہیں۔ یعنی غیر منصرف ہیں۔ شتَرُ ایک قلعہ کا نام ہے۔ تو ایک اس میں عجمۃ ہے اور دوسرا علم۔ اس طرح ابراهیم میں بھی ایک عجمۃ ہے اور دوسری علمیت۔

درس 16۔

الجَمْعُ اسباب منع صرف میں سے ایک سبب جمع ہے۔ شرطُهُ صیغۃُ منتہَی الجموعِ شرط اس کے لئے یہ ہے کہ جمع منتہی الجموع کا صیغہ ہونا چاہئے۔ جمع منتہی الجموع وہ ہوتا ہے جس پر جمع مکسَّر کی انتہا ہو جاتی ہے۔ یعنی آگے اسکی جمع مکسَّر نہیں آتی۔ جمع منتہی الجموع کا یہ معنیٰ نہیں کہ آگے اس کی جمع نہیں آتی۔ اس کی جمع آگے آ جاتی ہے لیکن جمع مکسَّر نہیں آتی وہ جمع سالم ہوگی۔اور پھر اس جمع سالم کے آگے جمع مکسَّر نہیں آ سکتا۔ بغیر هاءٍ اور یہ جمع منتہی الجموع اس حال میں کہ هاء کے بغیر ہوں۔ یعنی اس صیغے کے ساتھ تائے تانیث نہ ملے جو بحالت وقت هاء بن جاتی ہے۔ یہ تائے تانیث کا شرط اس لئے لگا کہ جب تائے تانیث ساتھ مل جاتی ہے تو یہ مفرد کا وزن بن جاتا ہے۔ اور مفرد کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس کا نقصان ہو گیا۔ تو اب یہ مؤثر نہیں ہوگی۔ جیسے فِرْزِیْن: شطرنج میں وزیر، یہ سب سے خطرناک ہوتا ہے۔ آٹھ طرف کو چل سکتا ہے۔ اور جب تک رُکاوٹ کوئی بیچ میں نہ آئے تو یہ ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف چل سکتا ہے۔ اسکی جمع فَرَازِنَۃٌ آتی ہے۔ یہ فرازنۃ جمع منتہی الجموع ہے لیکن اس کے ساتھ تاء تانیث ملی ہوئی ہے جس کی وجہ سے اسکی مشابہت مفرد کے ساتھ آیا۔ مثلاً عَلَانیۃٌ یا کراهیۃٌ مفرد ہیں۔ تو اس مشابہت کی وجہ سے اب یہ غیر منصرف کا سبب نہیں بنے گا۔ کمساجدَ جیسا کہ مساجدَ ہے۔ اس میں الف جمع کے بعد دو حروف ہیں۔ و مصابیْحَ اور مصابیحَ۔ اس میں الف جمع کے بعد تین حروف ہیں۔ اور ان میں سے درمیان والا ساکن ہے۔ و اَمّا فَرَازِنَۃٌ فَمُنصَرِفٌ اور باقی فرازنۃ جو ہے وہ منصرف ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اس نے تا کو قبول کیا ہے۔

اب کچھ اشکالات ہیں۔ اور صاحب کافیہ اسکے جوابات ذکر کریں گے۔

اشکال یہ ہوا کہ اے صاحب کافیہ آپ نے فرمایا کہ غیر منصرف کا ایک سبب جمع ہے۔ ہاں اُس جمع کے لئے آگے شرط یہ ہے کہ وہ صیغہ جمع منتہی الجموع کا ہو۔ تو حضاجر کا لفظ علَم جنس ہے ضَبُعْ کے لئے۔ ضبع: بِجُّو، کوئی جانور ہے۔سُنا ہے اس کا پیٹ کافی بڑا ہوتا ہے۔ تو اس بجّو کے لئے اسم جنس

حضاجر ہے۔ جیسا کہ حیوان ناطق کے لئے اسم جنس انسان ہے۔ اسم جنس جس کا اطلاق کثیر اور قلیل سب پہ ہوتا ہے۔ اور کبھی جنس کے لئے کوئی علم رکھتا ہے، وہ بھی اسم جنس کی طرح ہوتا ہے۔ اُسکا اطلاق بھی کثیر اور قلیل سب پر ہوتا ہے۔ پس فرق یہ ہے کہ یہ اسم جنس ہے اور وہ علم جنس۔ یہ نکرۃ ہے اور وہ معرفۃ۔ پس حَضاجر یہ علم جنس ہے اور اس کا اطلاق ایک بچو پر بھی ہوتا ہے اور زیادہ بجو پر بھی ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا یہ جمع نہیں۔ کیونکہ جمع وہ ہوتا ہے جس کا اطلاق تین سے کم پر نہیں ہوتا۔ اور اس کا اطلاق تو ایک پر بھی ہوتا ہے۔ اور آپ نے کہا غیر منصرف کا سبب جمع ہونا ہے۔ معلوم ہوا غیر انصراف کا اصل سبب ہے جمع ہونا اور پھر جمع کے لئے آگے شرط یہ ہے کہ وہ صیغہ جمع منتہی الجموع کا ہو اور بغیر ھاء کے ہو۔ تو اصل سبب جمع ہونا ہے۔ اور یہ حضاجر جمع کا صیغہ نہیں جبکہ عرب اسے غیر منصرف پڑھتے ہے۔ البتہ حضاجر جمع منتہی الجموع کا وزن ہے۔ اور یہ وزن شرط ہے۔ اور اس شرط کے لئے مشروط یہ ہے کہ جمع کا صیغہ ہو۔ یہاں حضاجر میں مشروط ہی نہیں تو پھر تو شرط کو نہیں دیکھا جاتا۔ یعنی صیغہ اگر جمع ہی نہیں تو جمع منتہی الجموع کے وزن کو نہیں دیکھا جائے گا۔

صاحب کافیہ اسکا جواب دیتے ہیں۔ صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ جمع ہونا عام ہے۔ چاھے فی الحال جمع ہو چاھے اصل میں جمع ہو۔ یہ حضاجر اس وقت تو علم جنس ہے، لیکن اصل میں یہ حَضْجَرٌ کی جمع تھی۔ حَضجر: بڑے پیٹ والا، پھر اسکی جمع حضاجر آئی: بڑے پیٹ والے۔ پھر اس "حضاجر" لفظ کو اٹھا کر علم جنس بنایا۔ تو اصل میں یہ جمع تھی اور پھر اس جمع کو علم جنس بنایا گیا۔ تو یہ جمعیت سے منقول ہو کر علم ہو گیا۔ اب ایک بھی ہو تو اس پر بولا جاتا ہے حضاجر، اور زیادہ بھی ہو تو اس پر بھی بولا جاتا ہے حضاجر۔ پس معلوم ہوا کہ حضاجر فی الحال تو جمع نہیں لیکن اصل میں جمع ہے۔

و حَضَاجِرُ عَلَمًا لِلضَّبُعْ اور حضاجر اس حال میں کہ یہ علم ہے بِجُّو کے لئے۔ غیرُ منصرفٍ غیر منصرف ہے لانَّهُ منقولٌ عنِ الجَمعِ اس لئے کہ یہ منقول ہے جمع سے۔

آگے صاحب کافیہ ایک اور اشکال کا جواب دیتے ہیں۔ سراویل: شلوار، یہ بھی انسان کی طرح اسم جنس ہے۔ اسکا اطلاق بھی قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے۔ اور اسکے اندر بھی جمعیت نہیں۔ نہ تو یہ فی الحال جمع ہے اور نہ اصل میں جمع ہے۔ حالانکہ اکثر نحویین کے نزدیک یہ غیر منصرف ہے۔ تو صاحب کافیہ اس اشکال کے بارے میں دو جوابات ذکر فرمائیں گے۔

و سراويلُ اذا لم يُصْرَفْ اور سراویل کہ جب وہ غیر منصرف ہو۔ و هو الاكثر اس حال میں کہ وہ اکثر ہے۔ یعنی اکثر نحوی اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں۔ فقد قيل تو تحقیق کہا گیا ہے۔ اَعْجَمِيٌّ کہ یہ لفظ عجمی ہے۔ حُمِلَ علىٰ مَوَازِنِـهٖ اس لئے یہ لفظ محمول ہے اپنے ہم وزنوں پر۔ سراویل بروزن مَصابیح۔ تو بس یہ حقیقتا جمع نہیں بلکہ حکما جمع ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ صاحب کافیہ یہ بتلانا چاھتے ہیں کہ جمع عام ہے، چاھے حقیقتا جم ہو چاھے حکما جمع ہے۔ سراویل یہ حقیقتا تو جمع نہیں لیکن صورتا جمع ہے۔ و قيل عربيٌّ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ عربی لفظ ہے۔

جَمْعُ سِرْوَالَةٍ تقديرا یہ سِروالةٌ کی جمع ہے تقدیرا، سِرْوالة: کپڑے کا ٹکڑا، سَراویل: کپڑے کے کئی ٹکڑے، کیونکہ شلوار بھی کپڑے کے کئی ٹکڑوں سے مل کر بنی ہے۔ اور یہ سراویل کو ہم نے فرض کیا کہ یہ سروالۃ کی جمع ہے، جبکہ حقیقت میں یہ سروالۃ کی جمع نہیں۔ تو اس سوال کا جواب بھی اس پر ہے کہ جمع ہونا عام ہے چاھے حقیقتا ہو چاھے تقدیرًا ہو۔ اور اسی سے مُسَرْوَلٌ ہے۔ وہ کبوتر جس کے پیروں پر پَر ہوتے ہیں۔ مُسَرْوَلٌ: یعنی اُس کبوتر نے شلوار پہنی ہوئی ہے۔ اس کو لکھا کبوتر کہتے ہے۔

درس 17۔ و اذا صُرِفَ فلا اِشکالَ اور اگر اس منصرف پڑھا جائے پھر تو کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ یہ جمع ہی نہیں۔

وَ نَحْوُ جوارٍ اور جوار جیسے الفاظ جو ہیں۔ رفعًا ای حالَ کونہٖ مرفوعًا۔ رفعًا یہ مصدر ہے۔ رفع بمعنیٰ مرفوع کے۔ و جَرًّا ای حالَ کونہٖ مجرورًا، جر بمعنیٰ مجرور کے۔ کقاضٍ قاض کی طرح ہے۔ یعنی جوار جیسے الفاظ حالت رفعی اور حالت جرّی میں قاضٍ کی طرح ہے۔ جیسا کہ حالت رفعی اور جرّی میں: جاءَنی قاضٍ اور مررتُ بقاضٍ ہیں۔ قاضٍ اصل میں قاضِیٌ تھا۔ پھر قاضِیْن ہوا پھر قاضٍ ہوا۔ اسی طرح حالت جرّی میں قَاضِیٍ تھا۔ پھر قاضِیْنَ اور پھر قاضٍ ہوا۔ اور حالت نصبی میں رایتُ قَاضِیً ہے۔ اس میں یا نہیں گرے گا۔ کیونکہ یا پر فتحہ ثقیل نہیں ہوتا۔

جوارٍ جیسے الفاظ سے مراد ہر وہ جمعِ ناقص ہے، جو جمع منتہی الجموع کے وزن پر ہو۔ تو جوارٍ بھی اس طرح ہے، کہ حالت رفعی اور حالت جرّی میں اسکی یاء گر جائے گی۔ جوارٍ حالت رفعی میں جوارِیٌ اور حالت جرّی میں جوارِیٍ تھا۔ یا پر ضمہ اور کسرہ ثقیل ہونے کی وجہ سے یا کی حرکت گر جائے گی۔ پھر التقائے ساکنین کی وجہ سے یا گر جائے گی۔ اور جوارٍ رہ جائے گا۔ تو حالت رفعی اور حالت جرّی میں جاءنی جوارٍ، مررتُ بجوارٍ آئے گا۔ اور حالت نصبی میں رایتُ جوارِیَ ہوگا۔ تنوین نہیں آئے گی کیونکہ غیر منصرف ہے۔

حالت نصبی میں بالاتفاق یہ غیر منصرف ہے۔ اور یہ جواریَ بروزن صوری فواعلَ ہے۔ اور حالت رفعی اور حالت جرّی میں جوار منصرف ہے یا غیر منصرف۔ اس کے بارے میں علماء کے دو گروہ ہیں۔

بعض علماءؒ فرماتے ہیں کہ جوارٍ اس وقت منصرف ہے جبکہ بعض کے نزدیک یہ اس وقت غیر منصرف ہے۔ دونوں کے اپنے اپنے دلائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جوارٍ کا وزن اس وقت سلامٍ اور کلامٍ والا ہے۔ اور سلام اور کلام مفرد ہیں۔ جیسے وہ فرازنة، جو کہ علانیة (مفرد) کے وزن پر آیا تھا، اور غیر منصرف کا سبب نہیں بنا تھا۔ اسی طرح یہاں بھی یہ سلامٍ اور کلامٍ والا وزن بن گیا، یعنی مفرد والا وزن بن گیا۔ اور جب یہ مفرد کا وزن بن گیا تو اس کو ہم نے حکم بھی مفرد والا دیا۔ تو جب وہ منصرف ہے تو یہ بھی منصرف ہے۔ کیونکہ جوارٍ سے یا چلی گئی ہے۔ اور اب جوارٍ جمع منتہی الجموع کا وزن نہیں۔ اگر وہ یاء باقی رہتی تو یہ وزن صوری جمع منتہی الجموع والا ہوتا۔ تو پھر اس کو غیر منصرف کا حکم دیتا۔

اس پر اشکال ہوتا ہے، کہ بھئی آپ پہلے تو یہ بتائیں کہ یہ یاء گئی کیسے؟ کیونکہ جب یاء تھی تو یہ جمع منتہی الجموع کا وزن تھا، اور یہ غیر منصرف کا وزن ہوتا ہے۔ اور اس پر تنوین نہیں آتا۔ اور جب تنوین نہیں آتا تو یاء اور نون کے درمیان تو التقائے ساکنین آیا ہی نہیں۔ اور جب التقائے ساکنین آیا ہی نہیں تو یہ یاء کیسے گری؟

تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اعلال مقدَّم ہے منع صرف پر۔ (اعلال: حرفِ علّت کے اندر جب کوئی تبدیلی کی جائے تو اسے اعلال کہتے ہے۔ اور جب ہمزہ میں کوئی تبدیلی کی جائے تو اسے تخفیف کہتے ہے۔) اعلال پہلے ہوتا ہے۔ جب اعلالات مکمل ہو جاتے ہیں تو کلمہ کی صورت ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔ اس کے بعد ہم اس پر حکم لگاتے ہیں کہ یہ منصرف ہے یا غیر منصرف۔ نیز کلمہ میں اصل منصرف ہے۔ تو یہ کلمہ پہلے جَوَارِیٌ تھا۔ یاء پر تنوین اس لئے پڑھا کہ کلمہ میں اصل منصرف ہونا ہے۔ پہلے اس میں اعلال ہوگا پھر اس پر ہم حکم لگائیں گے کہ یہ منصرف ہے یا غیر منصرف۔ جوارِیٌ میں یاء پر ضمة ثقیل تھا تو ضمہ کو گرایا، پھر

التقائے ساکنین کی وجہ سے یاء بھی گر گئی۔ تو جَوَارٍ رہ گیا۔ اعلال کے بعد اس کا صورت ہی مفرد والا بن گیا۔ اب اس پر جمع کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ پس اعلال مقدم ہے منع صرف پر۔ اور جب اعلال کیا گیا تو اب منع صرف کی گنجائش ہی نہ رہی۔

دوسرے مذہب والے کہتے ہیں، یہ حالت رفعی اور جرّی میں بھی غیر منصرف ہے۔اِن کے نزدیک یاء لفظوں سے تو گر گئی ہے، لیکن تقدیرًا اب بھی موجود ہے۔ اور جب یاء تقدیرًا موجود ہے، تو الف جمع کے بعد اب بھی دو حروف ہیں۔ اور یہ جمع منتہی الجموع کے وزن ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ یہ علماء فرماتے ہیں کہ منع صرف مقدم ہے اعلال پر۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اچھا منع صرف مقدم ہے اعلال پر تو وہ یاء کدھر گئی؟ کیونکہ وہ یاء تو نون تنوین کے ساتھ التقائے ساکنین کی وجہ سے گر گئی۔ اور جب منع صرف مقدم ہو، تو یہ صیغہ "جوارِیُ" غیر منصرف کا ہوا اور پھر اس میں تنوین سرے سے آئی ہی نہیں، تو پھر التقائے ساکنین آیا ہی نہیں، اور جب التقائے ساکنین آیا ہی نہیں تو یاء گری کیسی؟

وہ فرماتے ہیں کہ اعلال پر منع صرف مقدم ہے۔ حالت رفعی میں یہ صیغہ جوارِیُ تھا۔ پھر یاء پر ضمہ ثقیل تھا تو گرا دیا اور جوارِیْ رہ گیا۔ اور پھر وہ جو ضمة گرایا تھا تو اُسکے عوض یاء کو تنوین دی تو جوارِیٌ ہو گیا۔ تو سوال یہ ہے کہ آپ نے یہ تنوین کیوں دیا؟ جواب یہ دیتے ہیں کہ تنوین کی وجہ سے اجتماع ساکنین آئے گا۔ اور پھر یاء گر جائے گی اور کلمہ خفیف رہ جائے گا۔ اور جوارٍ بن گیا۔

درس 18۔

التركيبُ اسباب منع صرف میں سے ایک ترکیب ہے۔ بعض اوقات دو اسم مل جاتے ہیں، اور ایک کلمہ بن جاتا ہے۔ اس کو ترکیب کہتے ہے۔ شرطهُ العلميةُ اس کی شرط یہ ہے کہ اسکے اندر علمیت ہو۔ یہ وُجوبی شرط ہے۔ وَ اَنْ لا يكون باضافةٍ و لا اسنادٍ اور نیز اضافت بھی نہ ہو اور اسناد بھی نہ ہو۔ یہ دوسری شرط ہے۔ یہ عدمی شرط ہے۔ عدم: نہ ہونا۔ عبدْ اور لفظ اللہ ملنے سے عبدُ اللہ بن جاتا ہے۔ عبدُ اللہ میں ترکیب ہے۔ لیکن اضافت بھی ہے۔ لہٰذا یہ ترکیب مؤثر نہیں۔ اور عبد اللہ منصرف ہے۔

اسم کے دو بڑے خاصے ہیں۔ ان میں ایک الف لام کا داخل ہونا اور دوسرا اضافت ہے۔ اور یہ اسم کے بڑے خاصّے اس لئے ہیں کہ یہ مدلول اسم کو بدل دیتے ہیں۔ جیسا کہ غلام ہر غلام پر بولا جاتا ہے، اور الغلام سے کوئی خاص غلام مراد ہوتا ہے۔ اور اسی طرح غلامُ زیدٍ سے خاص غلام مراد ہے۔ نیز اضافت کی وجہ سے غیر منصرف بھی منصرف بن جاتا ہے۔

اور اسناد بھی نہ ہو کیونکہ اسناد سے یہ جملہ بن جاتا ہے۔ اور جملہ مبنی ہوتا ہے۔ اور ہماری بحث تو معرب کے اندر ہو رہی ہے۔ تو یہ ہمارے بحث سے ہی خارج ہو جائے گا۔ بعض علماء کے نزدیک جملہ مبنی الاصل ہے۔ جیسا کہ ہم نے پڑھا تھا کہ ایک عورت کے بالوں کے دونوں چوٹیاں سفید ہو گئی تھی۔ تو اس کا نام ہی شَابَ قَرْنَاهَا رکھا گیا۔ شابَ: سفید ہونا، قَرْن: مینڈھی، بالوں کی چوٹی۔ تو یہ جملہ تھا، اور یہ پورا جملہ اُس عورت کا نام رکھا گیا۔ تو یہ جب جملہ ہے تو اس میں اسناد آ گیا۔ او اس وجہ سے یہ غیر منصرف ہونے کا سبب نہ رہا۔ مثلُ بَعْلَبَكَّ جیسا کہ بعلَبَکَّ ہے۔ یہ ایک شہر کا نام ہے۔ بعلَ ایک بت کا نام تھا۔ اور بکَّ کوئی آدمی کا نام تھا۔ پھر دونوں مل کر بعلَبَکَّ ہوا۔ اب اس میں علمیت بھی آ گئی۔ اس کے

اندر اضافت بھی نہیں۔ کیونکه یه مضاف اور مضاف الیه نہیں۔ اور اس کے اندر اسناد بھی نہیں کیونکه یه پورا جمله نہیں۔ لہٰذا یه غیر منصرف ہے۔

الالفُ و النونُ الف نون زائده تان بھی غیر منصرف کا سبب ہے۔ یاد رکھو الف نون زائده تان یا تو اسم میں آئیں گے اور یا صفت کے اندر۔ اسم کسی وصف پر دلالت نہیں کرتا جیسا که رجل، فرس۔ اور ایک ہوتی ہے صفت، جو ذات مع الوصف پر دلالت کرتی ہے۔ جیسا که قائمٌ۔ قائمٌ دلالت کرتی ہے ایک ذات پر جس کے ساتھ قیام ثابت ہو۔ اور ضاربٌ دلالت کرتی ہے ایک ذات جس کے ساتھ ضاربیة ثابت ہو۔

جب یه الف نون زائده تان اسم کے اندر آئے تو اس کی شرط ہے علمیت۔ تو پھر یه سبب بنے گا غیر منصرف کا۔ جیسا که عمران۔ تو اس میں ایک علمیت ہے اور دوسرا الف نون زائده تان ہے۔ تو یه غیر منصرف کا سبب بنے گا۔ هدایة النحو میں سعدان آیا تھا۔ سعدان میں علمیت نہیں۔ علمیت وہ ہے جو ایک معین ذات پر دلالت کرتا ہے۔ اور یه کسی معین چیز کا نام نہیں۔ بلکه ایک خاص پودے کا نام ہے، اور ہر اُس پودے پر بولا جاتا ہے۔ تو یه سعدان غیر منصرف کا سبب نہیں بنتا۔

اور جب الف نون زائده تان صفت کے اندر آئیں تو بعض علماء کے نزدیک یه سبب بنے گا غیر منصرف ہونے گا بشرطیکه اُس کی مؤنث فَعلانةٌ وزن پر نه آئے۔ اور بعض علماء یه شرط لگاتے ہیں که اُس کی مؤنث فَعلیٰ وزن پر آئے، تو یه غیر منصرف کا سبب بنے گا۔

اِنْ کانتا فی اسمٍ اگر اسم کے اندر ہوں۔ فشرطُهُ العلميةُ تو اس کی شرط علمیت ہے۔ کعمرانَ جیسا که عمران ہے۔ اَوْ صِفَةٍ ای اِنْ کانتا فی صفةٍ: یه اسم پر عطف ہوتا ہے۔ اور اگر الف نون زائده تان صفت میں آئے۔ فَانْتِفَاءُ فَعْلَانَةٍ ای فَشَرْطُهُ اِنْتفاءُ فعلانةٍ: تو اُسکی شرط فعلانة کا منتفی ہونا ہے۔ یعنی اُس صفت کی مؤنث فعلانة وزن پر نه آئے۔ و قیل وُجُودُ فَعْلیٰ ای وَ قیل شرطُهُ وجودُ فعلیٰ: اور بعضوں نے کہا ہے که اُس صفت کی مؤنث فعلیٰ وزن پر آئے۔ و مِن ثَـمَّ ثَمَّ اسم اشاره ہے بعید کے لئے۔ اُسی وجه سے، ایک ثُمَّ ہے۔ ثُمَّ حرف عطف ہے۔ اُخْتُلِفَ فی رحمٰنَ اِختلاف کیا گیا ہے رحمان کے اندر۔ بعض علماء کے نزدیک یه منصرف ہے اور بعض علماء کے نزدیک یه غیر منصرف ہے۔ یه رحمان صفت کا صیغه ہے اور اس کے آخر میں الف نون زائده تان آ رہے ہیں۔ بعض علماء نے جو شرط لگائی تھی که صفت کے صیغے میں جب الف نون زائده تان آئے اور اسکی مؤنث فعلانة وزن پر نه آئے تو یه غیر انصراف کا سبب بنے گا۔ اور رحمان کی مؤنث بھی رحمانة وزن پر نہیں آتا۔ اس وجه سے یه غیر منصرف ہے۔ تو اس میں دو اسباب الف نون زائد تان اور وصفیت ہوئے۔

اور علماء کے دوسرے گروه نه جو یه شرط لگائی تھی که صفت کے صیغے میں جب الف نون زائده تان آئے تو اسکی مؤنث فعلیٰ وزن پر آنا چاهئے۔ اور رحمان کی مؤنث فعلیٰ وزن پر نہیں آتی۔ تو غیر منصرف کا یه شرط پورا نہیں ہوا۔ اور جب شرط پورا نہیں ہوا تو یه منصرف ہوا۔ اب اس میں الف نون زائده تان تو ہے لیکن مؤثر نہیں۔

آگے صاحب کافیه بتلائے گا که جب غیر منصرف پر الف لام داخل ہو جائے یا اسکی اضافت کی جائے تو پھر اس پر کسره آ سکتا ہے۔ اب بھی تنوین نہیں آئے گا۔ کیونکه الف لام کے داخل ہونے سے تنوین گرتا ہے اور

اضافت میں بھی تنوین گرتا ہے۔ پس صرف کسرہ رہ گیا۔ جبکہ بعض علماء کے نزدیک جب غیر منصرف پر الف لام آ جائے یا اس کی اضافت کی جائے، تو یہ منصرف بن جاتا ہے۔

رحمانَ کے بارے میں بعض علماء نے کہا منصرف ہے اور بعض نے کہا ہے کہ غیر منصرف۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ پورے کلام عرب میں رحمانَ الف لام کے بغیر استعمال ہی نہیں۔ یہ صفت ہے صرف ذات باری تعالیٰ کے لئے۔ مخلوق میں سے کسی کے لئے یہ صفت استعمال کرنا شرعًا جائز نہیں۔ نیز بہت تھوڑا استعمال ہوا ہے اضافت کے ساتھ۔ جیسے مسیلمة کذاب علیه العنت کو بعض نے رحمانُ الیمامة کہا ہے۔

دون سکرانَ و ندمانٍ سکرانَ کے غیر منصرف ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور ندمانٍ کے منصرف ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ سکران: مدہوش، یہ صفت کا صیغہ ہے، اور اسکی مؤنث سَکْرَانَة بروزن فعلانة نہیں آتی۔ تو پہلے علماء کے نزدیک شرط پوری ہوئی۔ اور اسکی مؤنث فعلیٰ وزن پر آتی ہے۔ تو دوسرے علماء نے جو شرط لگائی تھی وہ بھی پوری ہوئی۔ لہٰذا یہ بالاتفاق غیر منصرف ہے۔ اور ندمان کے اندر دونوں گروہوں کی شرطیں پوری نہیں لہٰذا یہ بالاتفاق منصرف ہے۔ اسکی مؤنث ندمانة ہے۔ ندمان: شرمندہ، ہم نشین،

درس 19۔

وزنُ الفعلِ اسباب منع صرف میں ایک وزن فعل ہے۔ شرطُهُ اسکی شرط یہ ہے اَنْ یُّخْتَصَّ بِهٖ کہ وہ وزن خاص ہو فعل کے ساتھ۔وزن فعل اُس وقت غیر انصراف کا سبب بنے گا جب وہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہو۔ اور وہ وزن اسم کے اندر نہ ہو۔ سوال پیدا ہوتا ہے جب یہ وزن اسم میں نہیں آتا تو پھر یہ غیر منصرف کا سبب کیسے بنے گا۔ کیونکہ غیر منصرف تو اسم ہوتا ہے فعل نہیں ہوتا۔ جواب یہ ہے کہ اسم میں پایا جائے تو فعل سے نقل ہو کر آئے۔ کشَمَّرَ و ضُرِبَ شمَّرَ بروزن کرَّم یہ وزن اسم میں نہیں پایا جاتا اور صرف فعل میں پایا جاتا ہے۔ جیسے ایک آدمی نے اپنے گھوڑے کا نام شمَّرَ رکھا۔ اور ضُرِبَ یہ وزن بھی اسم میں نہیں پایا جاتا اور صرف فعل میں پایا جاتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ وزن اسم میں بھی آیا ہے لیکن بہت قلیل۔ او یکونَ فی اولِّـهٖ زیادةٌ کزیادتِهٖ یا اس کے شروع میں ایسی زیادتی ہو جیسے فعل کے شروع میں زیادتی ہو۔ اگر ایسا وزن ہو جو فعل کے ساتھ خاص نہ ہو، یعنی فعل میں بھی آتا ہو اور اسم میں بھی آتا ہو، پھر اسکے غیر منصرف ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے شروع میں حروف اتین میں سے کوئی حرف آنا چاہئے۔ تا کہ فعل کے ساتھ اسکی مشابہت تام ہو جائے۔ دوسری شرط یہ کہ تاء کو قبول نہ کرے۔ یعنی اسکے آخر میں تاء نہ آئے۔ کیونکہ گول تا اسم کی علامت ہے۔ اور بات وزن فعل کی چل رہی ہے۔ جس نے مؤثر ہو کر اسم کو غیر منصرف بنانا ہے۔ تا چونکہ اسم کی بڑی علامت ہے۔ اگر یہ وزن فعل کے اندر آ جائے تو پھر اس کی مشابہت تام نہیں رہتی۔ غیرَ قابلٍ للتَّاءِ اس حال میں کہ وہ تاء کے قابل نہ ہو۔ یعنی تاء کو قبول کرنے والا نہ ہو۔ یعنی کسی بھی حال میں تاء کو قبول نہ کرے۔ چاہے اس کی مؤنث کیوں نہ بنا دے۔ وَ مِن ثَمَّ اور اسی وجہ سے اِمتَنَعَ اَحْمَرُ احمر کی صرف ممتنع ہے۔ یعنی احمر غیر منصرف ہے۔ اس میں ایک سبب وصف اور دوسرا وزن فعل ہے۔ احمر بروزن اکرم: سرخ، صفت مشبہ ہے۔ یہ وزن اکرم فعل کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اسم میں بھی پایا جاتا ہے۔ تو اس کے لئے پہلی شرط یہ تھی کہ اس کے شروع میں حروف اتین سے کوئی حرف آنا چاہئے اور یہاں ہمزہ آیا ہے۔ اور دوسرا شرط یہ

که یه تاء کو قبول نه کرے۔ احمر کی مؤنث حمراء آتی ہے۔ تو دوسری شرط بھی پائی گئی۔ لہٰذا احمر غیر منصرف ہوا۔ و انصرفَ یَعْمَلٌ اور یعملٌ منصرف ہے۔ یعملٌ: ای جملٌ یعملٌ: ایسا اونٹ جو بہت کام کرنے والا ہو۔ اور اگر اونٹنی ہو تو ناقةٌ یعملَةٌ : بہت کام کرنے والی اونٹنی۔ یعمل یه وزن فعل میں بھی آتا ہے جیسا که یفتح اور اسم میں بھی آتا ہے، جیسا که جَعفر، اَحمر، اَضْرب وغیرہ۔ اب چونکه یه وزن فعل کے ساتھ خاص نہیں تو اس میں دو شرطیں دیکھنا ہوگا۔ پہلا اس کے شروع میں حروف اتین، اور یعمل کے شروع میں یاء آتی ہے۔ دوسرا شرط که یه تاء کو قبول نه کرے حالانکه اسکا مؤنث یعملة تاء کو قبول کرتی ہے۔ لہٰذا دوسرا شرط نہیں پایا گیا تو یعملٌ منصرف ہوا۔ لہٰذا یه وزن فعل غیر منصرف کا سبب نہیں بنتا۔

ابھی تک ہم نے یه پڑھا که منصرف کیسے غیر منصرف بنتا ہے۔ اب مصنفؒ بتلائے گا که غیر منصرف کیسے منصرف بن سکتا ہے۔ و ما فیه علمیةٌ مؤثرةٌ اور وہ غیر منصرف که جس کے اندر ایسی علمیت تھی جو مؤثر تھی۔ اذا نُکِّرَ صُرِفَ جب اُس کو نکرة بنا دیا جائے تو وہ منصرف بن جاتا ہے۔ مثلا زید جو که علم ہے۔ اگر پورے جماعت کا نام زید رکھا جائے تو پھر یه علم نہیں بلکه نکرة رہا۔ بعض اسباب منع صرف میں علمیت شرط ہے اور بعض کے ساتھ ویسے جمع ہو جاتا ہے۔ جیسا که عدل کے ساتھ علمیت شرط نہیں بلکه ویسے جمع ہو جاتا ہے۔ وصف کے ساتھ علمیت جمع نہیں ہو سکتی۔ کیونکه علم دلالت کرتا ہے ذات معین پر اور وصف دلالت کرتا ہے ذات غیر معین پر۔ تانیث بالالف تو خود دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ تانیث بالتاء اور تانیث معنوی دونوں میں علمیت شرط تھی۔ معرفة تو خود علمیت ہے۔ عجمة میں علمیت شرط تھی۔ جمع تو خود دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ ترکیب میں علمیت شرط تھی۔ الف نون زائده تان کے ساتھ علمیت اُس وقت شرط تھی جب وہ اسم ہو۔ وزن فعل میں علمیت شرط نہیں اور جمع ہو سکتی ہے۔ جیسے شمَّر گھوڑے کا نام رکھا۔

تو جن جن اسباب کے ساتھ علمیت شرط ہے، اگر اُن سے علمیت ختم کر دے تو وہ اسم نکرة بن جائے گا اور منصرف بن جائے گا، لیکن اب وہ اس حال میں ہے که اُس میں ایک بھی سبب موجود نہیں۔ جیسا که طلحة اگر کسی جماعت کا نام رکھا جائے۔ تو اس میں اب غیر انصراف کا ایک بھی سبب باقی نہیں رہتا۔ کیونکه تانیث بالتاء کے لئے علمیت شرط تھی۔ اور جب شرط ختم ہوئی تو مشروط بھی ختم ہوا۔

اور یه جو ہیں عدل اور وزن فعل۔ ان دونوں میں علمیت شرط نہیں بلکه ویسے جمع ہو جاتی ہے۔ اور اگر ان سے علمیت ختم کر دے تو اب بھی ایک سبب باقی رہ جائے گا۔ عدل اور علمیت سے علمیت ختم کرے تو عدل باقی رہ گیا۔ اور وزن فعل اور علمیت سے علمیت ختم کر دے تو وزن فعل باقی رہ جائے گا۔ اور یه اسم بھی غیر منصرف تھا اب منصرف ہوا۔ حالانکه اس میں اب بھی ایک سبب اسباب منع صرف سے باقی ہے۔

لما بوجه اُسکے، دلیل دے رہے ہیں تبین ظاہر ہوا۔ بھئی ماقبل کے سارے بحث سے ظاہر ہوا۔ کیا ظاہر ہوا، آگے مِن بیان کے لئے ہے۔ مِنْ یعنی که اَنَّها لا تُجامِعُ که یه علمیت جمع نہیں ہوتی مُوَثِّرَةً اس حال میں که یه مؤثر بھی ہو۔ الا مگر ما اُس سبب کےساتھ هی که یه علمیت، هی ضمیر راجع ہے علمیت کو،

شرطٌ فیهِ اُس سبب میں شرط ہوتی ہے۔ الا العدلَ و وزن الفعل سوائے عدل کے اور وزن فعل کے۔ ان دو میں شرط کے علاوہ جمع ہو جاتی ہے۔

آگے مصنفؒ ایک شبہ کا جواب دیتے ہیں۔ آپ نے کیا کہا کہ علمیت بعض میں شرط کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے اور عدل اور وزن فعل میں بغیر شرط کے بھی جمع ہو جاتی ہے۔ اور انکو جب نکرۃ بنا دیا جائے تو کلمۃ منصرف بن جائے گا۔ بھئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک کلمۃ کے اندر علمیت بھی ہو، عدل بھی ہو اور وزن فعل بھی ہو۔ اب اگر علمیت کو ختم بھی کیا جائے تو پھر بھی دو اسباب باقی رہ جاتے ہیں۔ تو کلمہ پھر بھی غیر منصرف رہے گا۔ صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہو سکتا، کہ علمیت آپ ختم کر دے اور اس میں عدل اور وزن فعل باقی رہ جائے۔ کیونکہ عدل اور وزن فعل ایک دوسرے کے ضد ہیں۔ اور یہ دونوں کبھی آپس میں جمع نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ عدل کے چھ اوزان ہیں اور ان میں سے کوئی بھی وزن فعل کا نہیں۔ و هما متضَادَّانِ اور یہ دونوں آپس میں متضاد ہیں۔ فلا یکونُ معَہا پس نہیں ہوگا علمیت کے ساتھ، ما ضمیر راجع ہے علمیت کو، الّا احدُهُما مگر دونوں میں سے ایک۔ یعنی عدل اور وزن فعل میں سے ایک علمیت کے ساتھ آئے گا اور دونوں نہیں آ سکتے۔ فاذا نُکِّرَ اور جب اسم کو نکرۃ بنا دیا جائے بَقِیَ بِلا سَبَبٍ تو اسم باقی رہ جائے گا اس حال میں کہ وہ بغیر کسی سبب کے ہوگا۔ جن میں علمیت شرط ہے تو وہ بغیر سبب کے رہے گا۔ و علی سبب واحد اور یا اسم رہ جائے گا ایک سبب پر۔ تو جن میں علمیت شرط نہیں تو اس میں ایک سبب باقی رہے گا۔ اور وہ عدل اور وزن فعل ہیں۔

درس 20۔

و خالفَ سِیبَوِیهِ الاخفشَ اور مخالفت کی ہے امام سیبویہؒ نے امام اخفشؒ کی۔ خالفَ فعل ہے اور سیبویہ اسکا فاعل ہے۔ سیبوئہ مرکب صوتی ہے۔ وہ مرکب جس کا ایک جز صوت ہے۔ اس میں "وِیہ" یہ صوت ہے۔ اس میں پہلا جز سیبَ مبنی علی الفتح ہے۔ اور دوسرا جز ویہِ مبنی علی الکسرۃ ہے۔ تو اسکے دونوں جز مبنی ہیں۔ تو سیبویہ محلًا مرفوع ہوا۔ اخفشَ مفعول ہے۔ فی مثلِ اَحمَرَ اَحْمَرَ جیسے اسموں کے اندر۔ احمر سے مراد ایسے اسماء ہیں، جو کہ غیر منصرف ہو اور جن میں ایک سبب وصفیت اصلی ہو ساتھ کوئی ایک اور سبب بھی ہو۔

مثلا احمر میں ایک وصفیت ہو اور دوسرا وزن فعل۔ جب احمر کسی آدمی کا نام رکھا جائے، تو اب اس سے وصفیت تو چلی گئی لیکن یہ اب بھی غیر منصرف ہے۔ پہلے اس میں وصف اور وزن فعل تھا۔ اب اس میں علمیت اور وزن فعل ہے۔ اب ہم احمرَ(علم) کو نکرۃ بناتے ہیں۔یعنی ایک جماعت کا نام احمر رکھتے ہیں۔ جب نکرۃ بنایا تو علمیت ختم ہوگئی۔ اب سوال یہ کہ اب احمر منصرف ہے یا غیر منصرف۔ امام اخفشؒ کے نزدیک اب یہ منصرف ہے، اور اس میں صرف ایک سبب وزن فعل ہے۔ اب اس میں وصفیت بغیر کسی وجہ کے خود بخود نہیں آ سکتا۔ جبکہ امام سیبویہؒ فرماتے ہیں، کہ وہ وصفیت پھر واپس آ جائے گی، اور یہ اسم غیر منصرف رہے گا۔ علمیت کے جانے کے بعد بھی یہ غیر منصرف رہے گا، اور اس میں وصف اور وزن فعل دو سبب ہیں۔ عَلَمًا اس حال میں کہ وہ علم ہو، یہ احمر سے حال ہے۔ یعنی احمر جیسے اسم اس

حال میں کہ وہ علم ہو۔ اذا نُکِّرَ جب انکو نکرة بنایا جائیں۔ اِعتبارا یہ مفعول لہ ہے خالفَ کے لئے۔ مخالفت کی، کس لئے؟ اعتبار کرنے کے لئے، ضربتُ زیدًا تادیبا: یہ تادیبا مفعول لہ ہے۔ للصفة صفت کا۔ یعنی امام سیبویہ ؒ اس بات کا اعتبار کرتے ہیں کہ جب احمر کو نکرة بنایا جائے تو پھر اُس میں صفت واپس آ جاتی ہے۔ اور امام اخفش ؒ فرماتے ہیں کہ جب صفت ایک مرتبہ چلی گئی تو بغیر کسی وجہ کے واپس نہیں آ سکتی۔ بعدَ التنکیر تنکیر کے بعد۔ امام سیبویہ استاد ہے اور امام اخفش اُنکے شاگرد ہے۔

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے، بھئی دیکھو امام سیبویہ ؒ ہے استاد اور امام اخفش ؒ ہے شاگرد۔ اور صاحب کافیہ ؒ نے فرمایا کہ امام سیبویہ ؒ نے مخالفت کی ہے امام اخفش ؒ کی۔ حالانکہ وہ استاد ہے اور ادب کا تقاضا یہ ہے کہ مخالفت کی نسبت شاگرد کی طرف کرنی چاھئے تھی، کہ شاگرد نے مخالفت کی ہے اپنے استاد کی۔ لیکن یہ فرماتے ہیں کہ استاد نے مخالفت کی ہے اپنے شاگرد کی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ صاحب کافیہ نے ایسا کیوں کیا؟ تو جواب یہ کہ کیونکہ شاگرد کا قول قاعدے کے مطابق تھا، اس لئے مخالفت کی نسبت امام سیبویہ ؒ کی طرف کر دی۔ تا کہ اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ اِن کا قول قاعدے کے مطابق ہے۔ اگر صاحب کافیہ ایسا نہ کرتے تو پھر اس نکتے کہ طرف اشارہ نہ ہو جاتا۔ اور پھر پتہ نہ چلتا کہ کس کا قول قاعدے کے مطابق ہے اور کس کا قول قاعدے کے مطابق نہیں۔ تو اس نکتہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مخالفت کی نسبت امام سیبویہ ؒ کی طرف کی۔

و لا یَلزَمُهُ اور امام سیبویہ ؒ پر لازم نہیں آتا، لزم یلْزَمُ، بابُ حَاتِمٍ باب حاتم کا۔ یعنی امام سیبویہ ؒ پر باب حاتم کا اعتراض لازم نہیں آتا۔ باب حاتم کا غیر منصرف ہونا امام سیبویہ ؒ پر لازم نہیں آتا۔ اصل عبارت یوں کر لو: ای و لا یلزَمُهُ عَدَمُ انصِرَافِ بابِ حاتمٍ: لازم نہیں آتا اُن پر باب حاتم کا غیر منصرف ہونا۔ بھئی یہ ایک اشکال ہو رہا تھا امام سیبویہ ؒ پر۔ تو اُسکا جواب دے رہے ہیں کہ نہیں بھئی یہ اشکال امام سیبویہ ؒ پر نہیں ہو سکتا۔

امام سیبویہ ؒ نے فرمایا تھا کہ احمرَ جیسے لفظ کو جب آپ علَم بنا دیتے ہیں، تو وصفیت تو چلی گئی لیکن اب بھی غیر منصرف ہے۔ اور غیر انصراف کا ایک سبب علم اور دوسرا وزن فعل ہے۔ لیکن اگر آپ پھر اسکو نکرة بنائیں تو وہ وصفیت واپس آ جائے گی۔ اور پھر بھی غیر منصرف رہے گا۔ اب وصف اور وزن فعل دو اسباب ہیں منع صرف کے۔ پس معلوم ہوا اُس وصفیت کو زائل ہو جانے کے بعد بھی امام سیبویہ ؒ اُس کا اعتبار کرتے ہیں ۔ تو جب وصفیت زائل ہو گئی اور امام سیبویہ ؒ پھر بھی اُس کا اعتبار کرتے ہیں، تو حاتِم جیسے لفظوں میں بھی اُن کو وصفیت کا اعتبار کر لینا چاھئے۔

کہتے ہیں کہ حاتِم سے مراد ایسا اسم ہے، جو اصل وضع میں تو وصف ہو، لیکن فی الحال علَم ہو۔ حاتِم بروزن فاعل، اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اسم فاعل صفت کا صیغہ ہوتا ہے۔ تو حاتِم میں وصفیت تھی لیکن اب اس کو علَم بنا دیا گیا۔ اب اسکے اندر وصفیت نہیں۔

امام سیبیویہ ؒ پر اشکال ہوتا ہے کہ اے امام سیبویہ ؒ آپ نے احمر کے مسئلے میں وصفیت کا اعتبار زوال کے بعد بھی کیا تھا، تو یہاں بھی باب حاتم کے اندر وصفیت زائل ہو چکی، اور آپ کو اُس کا اعتبار کرنا چاھئے۔ اور حاتم جیسے لفظوں کو غیر منصرف ہونا چاھئے۔ یعنی غیر انصراف کا ایک سبب علم اور دوسرا سبب وصف ہوا۔ اگر چہ وصف ابھی زائل ہو چکا ہے، لیکن چونکہ امام سیبویہ ؒ زوال کے بعد بھی وصف

کا اعتبار کرتے ہیں۔ لہٰذا یہاں بھی وصف کا اعتبار کرنا چاھئے تھا۔ لیکن آپ اس کو غیر منصرف نہیں کہتے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض امام سیبویہ ؒ پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس صورت میں دو متضاد چیزوں کا جمع ہونا لازم آئے گا ایک حکم میں۔ یعنی حکم تو یہ ہے کہ لفظ کو غیر منصرف پڑھنا ہے۔ اور دو متضاد چیزیں وصف اور علمیت ہے۔ اور یہ دونوں ایک کلمہ میں جمع نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وصف ذات مبہم پر دلالت کرتا ہے اور علم ذات معین پر دلالت کرتا ہے۔

لِمَا بوجہ اُس(چیز)کے یَلْزَمُ جو لازم آتی ہے، بھئی کیا چیز لازم آتی ہے۔ آگے مِن بیانیہ ہے۔ اور "یعنی" کے ساتھ اس کا ترجمہ کرے۔ من اعتبار المتضادین یعنی اعتبار کرنا دو متضاد چیزوں کا فی حکمٍ واحدٍ ایک ہی حکم میں۔

صاحب کافیہ یہاں سے یہ بتلانا چاھتے ہیں کہ غیر منصرف پر جب الف لام داخل ہو جائے یا اس کی اضافت کی جائے، تو اب اس پر کسرۃ آ جائے گا۔ تنوین اب بھی نہیں آ سکتا۔ کیونکہ جس اسم پر الف لام داخل ہو یا اسکی اضافت کی جائے تو اس پر تنوین نہیں آتا۔ مثلاً عمر غیر منصرف ہے۔ اگر اسکی اضافت کی جائے یا اس پر الف لام داخل ہو جائے تو اب اس پر کسرۃ آ سکتا ہے۔ تو اب آپ کہیں گے، جاءنی العمرُ، رأیتُ العمرَ، مررتُ بالعمرِ، اور اضاف کی صورت میں جاءنی عُمَرُکَ، رأیتُ عمرَکَ، مررتُ بعمرِکَ۔ و جمیعُ البابِ اور سارے کا سارا باب۔ یعنی غیر منصرف کا سارے کا سارا باب۔ الباب میں الف لام خارجی ہے۔ ای بابُ غیر المنصرفِ باللام اس حال میں کہ وہ لام کے ساتھ ہو، او بالاضافة یا اضافت کے ساتھ ہو، یَنْجَرُّ بالکسر مجرور ہوگا کسرۃ کےساتھ۔ یعنی باقاعدہ غیر منصرف پر کسرہ کی حرکت آئے گی۔ ویسے جر تو غیر منصرف پر بھی آتا ہے۔ جیسا کہ مررتُ بعمرَ۔ تو اس میں یہ عمرَ مجرور ہے۔ لیکن اس کی جر فتحہ کی صورت میں آئی۔

غیر منصرف کی مشابہت فعل کے ساتھ ہے۔ جس طرح فعل پر کسرہ اور تنوین نہیں آتا اسی طرح غیر منصرف پر بھی کسرہ اور تنوین نہیں آتا۔ لیکن جب اس پر الف لام داخل ہوا یا اسکی اضافت کی گئی۔ تو الف لام کا دخول اور اضافت یہ اسم کے دو بڑے خاصّے ہیں۔ تو اسکی وجہ سے غیر منصرف کی مشابہت فعل کے ساتھ کمزور پڑ گئی، لہٰذا اس پر اب کسرہ آ سکتا ہے۔

کسرہ آنے کے بعد اب یہ غیر منصرف ہے یا منصرف۔ تو بعض علماء کے نزدیک منصرف ہے اور بعض علماء کے نزدیک غیر منصرف۔

درس 21۔

المرفوعات یہاں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ مبتدا مخذوف "ھٰذِہٖ" نکالے۔ ای ھٰذِہٖ المرفوعاتُ۔ کیونکہ المرفوعات جمع ہے، اور جمع بتاویل جماعة کے واحد مؤنث کے حکم میں ہوتا ہے، اور اسکی طرف واحد مؤنث کی ضمیر لوٹایا جاتا ہے۔ یا اس کے لئے "ھٰذِہٖ" خبر نکالے۔ ای المرفوعاتُ ھٰذِہٖ۔ یا ھٰذَا مبتدا مخذوف لے آؤ۔ اور اس سے پہلے بحث مضاف مخذوف کا لفظ لے آؤ۔ کیونکہ المرفوعات مؤنث ہے اور ھذا مذکر ہے۔ لہٰذا مطابقت نہیں بنتا۔ اس لئے بحث مضاف مخذوف نکالو۔ ای ھٰذا بحثُ المرفوعاتِ یا بحثُ المرفوعاتِ

هٰذا۔ یا کوئی ترکیب نہیں بس عنوان ہے۔ اور المرفوعات پڑھو۔ اور عنوان کے لئے کوئی عامل نہیں ہوتا۔ اس لئے اس پر نہ رفع پڑھ سکتے ہیں، نہ نصب اور نہ ہی جر۔ یا المرفوعات مبتدا اور آگے "هو ما اشتمل على علم الفاعلية" یہ اسکا خبر۔ هو وہ ہے، هو ضمیر راجع ہے مرفوع کو۔ سوال یہ ہے کہ مرفوع تو پیچھے کوئی گزرا ہی نہیں۔ تو مرفوع کی طرف کیسے هو ضمیر کو لوٹاتے ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرفوعات کا لفظ جب آیا تو اس نے مرفوع مفرد پر بھی دلالت کی۔ تو اس لئے اس کی طرف هو ضمیر راجع کی۔ اور وہی مرفوع کے تین افراد جب مل جائے تو مرفوعات بن گیا۔ جیسا کہ رجالٌ کا معنیٰ ہے رجلٌ و رجلٌ و رجلٌ۔ ما اشْتملَ جو کہ مشتمل ہو علیٰ عَلَم الفاعلية فاعل ہونے کی علامت پر۔ رفع فاعل ہونے کی علامت ہے۔ رفع کبھی ضمة کی صورت میں آئے گا۔ جیسا کہ جاءنی رجلٌ، کبھی رفع الف کی صورت میں آئے گا۔ جیسا کہ جاءنی رجلانِ، اور کبھی رفع واو کے ساتھ آئے گا، جیسا کہ جاءنی مسلمونَ۔ تو رفع کی تین صورتیں ہیں۔

مرفوع وہ ہے جو کہ فاعل ہونے کی علامت پر یعنی ضمہ، الف یا واو پر مشتمل ہو۔ چاہے لفظًا ہو، چاہے تقدیرًا ہو چاہے محلًا ہو۔

صفت کے صیغے کے ساتھ کبھی کبھار یاء اور تاء ملا کر اسکو مصدر بنایا جاتا ہے۔ فاعل صفت ہے اور اسکے ساتھ یاء اور تاء ملائی تو فاعلية مصدر بنا۔ جسا معنیٰ "فاعل ہونا" ہے۔ مفعول سے مفعولية بمعنیٰ مفعول ہونا۔

نوٹ: ضمیر فصل: کبھی کبھار جب خبر بھی معرفة ہو تو شبہ پڑھتا ہے کہ یہ آپس میں موصوف صفت ہے۔ جیسا کہ "زیدٌ القائمُ" = زیدُنِ القائمُ۔ زید مبتدا ہے، القائمُ خبر ہے۔ لیکن بظاہر دیکھتے ہی یہ شبہ پڑھتا ہے کہ شائد زید موصوف ہے، چونکہ یہ بھی معرفة اور القائم بھی معرفة، تو یہ اسکی صفت ہے۔ تو ایسے موقعوں پر جب خبر معرفة ہو، یا افعل التفضیل مستعمل به مِن ہو، تو پھر درمیان میں مرفوع منفصل کا ایک صیغہ لے آتے ہیں۔ اور اُسکو ضمیر فصل کہتے ہیں۔ بعض علماء اس کو ضمیر شمار کرتے ہیں اور بعض اسکو حرف شمار کرتے ہیں۔

تو دیکھو، المرفوعات بھی معرفة، "ما" اسم موصول بھی معرفة۔ تو مبتدا بھی معرفة، خبر بھی معرفة، تو درمیان میں "هو" کو ضمیر فصل کہہ سکتے ہوں، لیکن یہاں نہیں کہہ سکتے۔ اس هو کو یہاں ضمیر فصل کیوں نہیں کہہ سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ضمیر فصل کی مبتدا کے ساتھ مطابقت ضروری ہے۔ اور مبتدا تو ہے جمع تو یہاں بھی ضمیر جمع کا ہونا چاہئے۔ لہٰذا اس کو ضمیر فصل نہیں بنا سکتے۔ اب ترکیب یوں ہوگا۔

المرفوعات مبتدا اوّل، اور هوَ ہے مبتدا ثانی، اور "ما اشتمل على علم الفالية" یہ مبتدا ثانی کی خبر ہے۔ مبتداء ثانی اپنے خبر کے ساتھ مل کر یہ جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر ہوا مبتداء اوّل کے لئے۔

فمنهُ الفاعلُ پس وہ جو مشتمل ہے فاعل ہونے کی علامت پر اُن میں سے ایک فاعل ہے۔ ما ضمیر راجع ہے "ما" کو۔ فاعل پر بھی رفع آتا ہے۔ و هو ما اور فاعل وہ اسم ہے أُسنِدَ اليهِ الفِعلُ کہ اُس کی طرف فعل کا اسناد کیا جائے اَوْ شِبْهُهُ یا شبہ فعل کا۔ دو مثالیں ذہن میں رکھو۔ آگے متن میں بھی یہ مثالیں آ رہے ہیں۔ قامَ زیدٌ اور زیدٌ قائمٌ ابوهُ۔ پہلی مثال میں زید فاعل ہے قامَ کے لئے۔ اور زید کی طرف فعل کا اسناد

ہے۔ اور دوسری مثال میں ابوہُ یہ فاعل ہے قائمٌ کے لئے۔ اور ابوہُ کی طرف شبہ فعل کا اسناد ہے۔ و قُدِّمَ علیہِ اس حال میں کہ وہ فعل یا شبہ فعل اُس(فاعل) پر مقدم ہو۔ پہلی مثال میں قامَ مقدم ہے زید پر۔ اور دوسری مثال میں قائمٌ مقدم ہے ابوہُ پر۔ علیٰ جھۃِ قیامِہٖ اس طریقے پر کہ قیام ہو اُس فعل یا شبہ فعل کا۔ ھا ضمیر فعل یا شبہ فعل کو راجع ہے۔ بہٖ اُس اسم کے ساتھ۔ ھا ضمیر اسم کو راجع ہے۔ یعنی فعل یا شبہ فعل کا اسناد قیام کے طریقے پر ہو۔ اگر وقوع کے طریقے پر ہو تو پھر یہ فاعل نہیں بلکہ مفعول ہے۔ اسی طرح نائب الفاعل کی طرف بھی فعل یا فاعل کا اسناد قیام کے طریقہ پر نہیں بلکہ وقوع کے طریقے پر ہوتا ہے۔

یہاں پہلی مثال قامَ زیدٌ میں قیام زید کے ساتھ قائم ہے۔ زید ہے تو قیام ہے زید نہیں تو قیام نہیں۔ اور زیدٌ قائمٌ ابوہُ میں قیام، ابوہُ کے ساتھ قائم ہے۔ ابوہُ ہے تو یہ قائمٌ ہے ابوہُ نہیں تو یہ قائمٌ نہیں۔

یاد رکھو جیسے فعل، فاعل یا نائب فاعل کا تقاضا کرتا ہے، اسی طرح اسم فاعل بھی فاعل کا تقاضا کرتا ہے۔ اور اسم مفعول نائب الفاعل کا تقاضا کرتا ہے۔ فاعل کبھی ضمیر کی صورت میں آتا ہے اور اسم ظاھر کی صورت میں آتا ہے۔ اسم فاعل میں عام طور پر ضمیر فاعل ہوتا ہے۔ اسی طرح صفت مشبہ، اسم تفضیل بھی فاعل کا تقاضا کرتا ہے۔ مصدر بھی فاعل کا تقاضا کرتا ہے، لیکن اس کے ساتھ فاعل کا آنا ضروری نہیں۔ ظرف حقیقی (اسم ظرف زمان اور اسم ظرف مکان) اور ظرف مجازی (جار مجرور) یہ بھی فاعل کا تقاضا کرتے ہیں۔ اور یہ سارے شبہ فعل کہلاتےہ ییں۔ یہ مشابہ ہے فعل کے۔ جیسے فعل تقاضا کرتا ہے فاعل کا یہ بھی فاعل کا تقاضا کرتے ہے۔

تو معلوم ہوا کہ فاعل یا نائب فاعل فعل یا شبہ فعل سے مؤخر ہوگا۔ اور فعل کا اس کی طرف اسناد ہوگا۔ جیسا کہ ضربَ زیدٌ میں زیدٌ یہ فاعل ہے ضربَ کی طرف۔ ضربَ کا اسناد ہوا ہے زید کی طرف۔ اور یہ زید، ضربَ پر مؤخر ہے۔ اور یہ ضرب، زید کے ساتھ قائم ہے واقع نہیں۔ قائم کا معنیٰ یہ ہے کہ زید ہے تو یہ ضرب کا فعل ہے اور زید نہیں تو یہ ضرب کا فعل بھی نہیں۔ اور ضربَ زیدٌ عمرًوا میں عمرو پر ضرب کا فعل واقع ہو رہا ہے۔ تو زید کی طرف فعل کا اسناد ہے۔ اور اسناد بھی اس طریقے پر کہ فعل اُس کے ساتھ قائم ہے۔

مثلُ قامَ زیدٌ فعل کی مثال و زیدٌ قائمٌ ابُوہُ شبہ فعل کی مثال والاصلُ اَن یَّلِیَ الفعلَ اور اصل فاعل میں یہ ہے کہ وہ فاعل ملا ہوا ہو فعل کے ساتھ۔ یعنی فعل کے فورًا بعد فاعل کو آنا چاھئے۔ فلذلک اسی وجہ سے جازَ جائز ہے ضَربَ غلامَہُ زیدٌ یہ ترکیب جائز ہے۔ اس میں ضربَ فعل، غلامَ منصوب لفظًا مضاف، ھا ضمیر مجرور محلًا مضاف الیہ، یہ ھا ضمیر زید کو راجع ہے۔ اس پر فورًا اشکال ہوتا ہے کہ ضمیر پہلے آیا اور زید کا ذکر تو بعد میں آ رہا ہے۔ یہ تو اضمار قبل الذکر ہوا۔ تو جواب اسکا یہ ہے کہ فاعل میں اصل یہ ہے کہ وہ فعل کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ یعنی فاعل رتبہ کے لحاظ سے فورًا فعل کے بعد ہے۔ تو یہاں پر زید لفظوں کے اعتبار سے اگر چہ مؤخر ہے لیکن رتبتًا غلامَہُ پر مقدم ہے۔ تو کلام دراصل یوں ہے۔ ضربَ زیدٌ غلامَہُ۔ و امتنَعَ اور جائز نہیں ہے ضرب غلامُہُ زیدًا اور یہ ترکیب جائز نہیں۔ اس لئے کہ غلامُہُ میں ھا ضمیر زید کو راجع ہے۔ اور زید مفعول بہ ہے۔ اور یہاں یہ مفعول لفظوں کے اعتبار سے

بھی مؤخر ہے اور رتبے کے اعتبار سے بھی مؤخر ہے۔ تو یہ ہر لحاظ سے اضمار قبل الذکر ہے۔ لفظًا بھی اور رُتبتًا بھی۔ تو معلوم ہوا کہ اضمار قبل الذکر صرف لفظًا ہو تو جائز اور اگر لفظًا اور رتبتًا ہو تو پھر جائز نہیں۔

درس 22۔

یہاں سے صاحب کافیہ کچھ ایسی جگہیں بتلائیں گے، جہاں فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے۔ پھر اسکے بعد کچھ ایسے جگہیں بتائیں گے کہ جہاں فاعل کو مفعول پر مؤخر کرنا واجب ہے۔ تو چار جگہیں ایسی ہیں کہ جہاں فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے۔ [1]واذا انتَفَی الاِعْرابُ فیهما لفظا اور جب منتفی ہو جائے اعراب دونوں سے لفظًا۔ یعنی فاعل اور مفعول دونوں سے لفظی اعراب منتفی ہو جائے۔ و القرینۃُ اور قرینۃ بھی منتفی ہو جائے۔ قرینۃ: ھو امرٌ یُشیرُ الی المطلوب۔ تو اس صورت میں فاعل کو فعل پر مقدم کرنا واجب ہے۔ جیسا کہ ضَرب عیسیٰ موسیٰ۔ [2]اَو کان مُضْمَرًا مُتَّصِلاً یا فاعل ضمیرِ متصل ہو۔ جیسا کہ ضرب کے اندر ھو ضمیر متصل ہے۔ اسی طرح ضربا میں الف اور ضربوا میں واو ضمائر متصل ہیں۔الخ۔ تو اس میں ایک شرط یہ ہونا چاھئے کہ مفعول فعل سے مؤخر ہوگا۔ جب فاعل ضمیر متصل ہو اور مفعول فعل سے مؤخر ہو تو پھر فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہوتا ہے جیسا کہ ضربتُ زیدًا۔ اگر مفعول فعل پر مقدم ہو جیسا کہ زیدًا ضربتُ۔ تو اب مفعول مقدم ہوا فعل پر۔ تو اس صورت میں فاعل مفعول پر مقدم کرنا واجب نہیں۔ [3]او وقع مفعولُه بعد الّا اور واقع ہو مفعول الّا کے بعد۔ تو اس صورت میں بھی فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے۔ جیسا کہ "مَا ضربَ زیدٌ الّا عمرًوا"۔ یہاں پر بھی ایک شرط ہے۔ اور شرط یہ ہے کہ الّا فاعل اور مفعول کے درمیان آ رہا ہو۔ یہ کلام اس پر بات پر دلالت کرتا ہے کہ زید کی ضاربیت عمرو میں بند ہے۔ اور عمرو کی مضروبیت عام ہے۔ یعنی زید نے صرف عمروا کی پٹھائی کی ہے۔ اور کسی کی پٹھائی نہیں کی۔ جبکہ عمرو کو زید نے بھی مارا اور احتمال ہے کسی اور نے بھی مارا ہوگا۔ اور یہ کلام اس پر دلالت نہیں کرتا کہ عمروا کی مضروبیت بند ہے زید کی ضاربیت کے ساتھ۔

اور اگر مفعول کو مقدم کرے تو پھر حصر الٹ ہو جائے گا۔ جیسا کہ مَا ضرب عمرًوا الّا زیدٌ تو اسکا معنی یہ ہوا کہ عمرو کی پٹھائی صرف زید نے کی، اور کسی نے نہیں کی۔ اور یہ کلام اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ زید کی ضاربیت صرف عمرو کے لئے ہے یا کسی اور کے لئے بھی ہے۔ تو اس میں عمرو کی مضروبیت بند ہے اور زید کی ضاربیت عام ہے۔

پس خلاصہ یہ ہوا کہ پہلی مثال میں ضاربیت بند تھی اور مضروبیت عام تھی۔ جبکہ دوسری مثال میں مضروبیت بند ہے اور ضاربیت عام ہے۔ [4]او معناها اس کا عطف الّا پر ہے۔ ای او وقع مفعولُهُ بعدَ معنیٰ الّا۔ پہلے کہا کہ مفعول الّا کے بعد واقع ہو۔ اب فرماتا ہے کہ معنیٰ الّا کے بعد واقع ہو۔ اس سے مراد اِنَّمَا ہے۔ جس طرح الّا بھی حصر کا فائدہ دیتا ہے اسی طرح اِنما بھی حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ اور حصر جز اخیر میں آئے گا۔ اگر اخیر میں فاعل ہو تو فاعلیت میں حصر آئے گا، اور اگر اخیر میں مفعول ہو تو

مفعولیت میں حصر آئے گا۔ جیسا کہ ضَرَبَ زیدٌ الّا عمرًوا ۔ زید نے عمرو ہی کی پٹھائی کی ہے۔ اسی طرح اِنَّمَا ضربَ زیدٌ عمرًوا۔ زید نے عمرو ہی کی پٹھائی کی ہے۔ معلوم ہوا زید کی ضاربیت عمرو میں بند ہے۔ اور عمرو کی مضروبیت عام ہے۔ تو انما بھی حصر کا فائدہ دیتا ہے اور حصر جز اخیر میں آئے گا۔ جیسا اس مثال میں عمرو جز اخیر ہے۔ اور اگر مفعول کو مقدم کرے تو حصر الٹ جائے گا۔ جیسا کہ اِنَّمَا ضربَ عمرًوا زیدٌ ۔ اب جز اخیر فاعل ہے اور فاعل کے ساتھ "ہی" لاؤ۔ عمرو کی پٹھائی زید ہی نے کی ہے۔ اب عمرو کی مضروبیت بند ہے زید کے اندر۔ اب مضروبیت کے اندر حصر آ گیا۔ وجبَ تقدیمُہُ تو اس صورت میں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ ما ضمیر فاعل کو راجع ہے۔

اب صاحب کافیہ ان چار صورتوں کو ذکر کرے گا جن میں فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہوتا ہے۔ [1] واذَا اتَّصَلَ بہٖ ضمیرُ مفعولٍ اور جب فاعل کے ساتھ مل جائے مفعول کی ضمیر۔ اب فاعل کے ساتھ ضمیر مل گئی ہے اور ضمیر نے مفعول کی طرف لوٹنا ہے۔ تو مفعول کو لفظوں میں مقدم ہونا چاہئے۔ جیسا کہ ضَرَبَ غلامُہُ زیدًا۔ اس میں غلام فاعل ہے اور اس کے ساتھ مفعول کی ضمیر لگی ہوئی ہے۔ تو اس صورت میں فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ کیونکہ اضمار قبل الذکر رتبا اور لفظا آ رہا ہے۔ تو یوں کہیں گے، ضربَ زیدًا غلامُہُ۔ [2] او وقع بعد الا یا فاعل واقع ہو الّا کے بعد۔ اس میں شرط یہ ہے کہ الّا فاعل اور مفعول کے درمیان آ رہا ہو۔ تو اس صورت میں فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ جیسا کہ ما ضرب عمرًوا الّا زیدٌ۔ نہیں پٹھائی کی عمرو کی مگر زید نے۔ اس میں عمرو کی مضربیت بند ہے زید میں اور زید کی ضاربیت عام ہے۔ اور مَا ضربَ زیدٌ الّا عمرًوا میں حصر الٹ جائے گا۔ یعنی زید کی ضاربیت بند ہو جائے گی اور عمرو کی مضروبیت عام ہو جائے گی۔ [3] او معناھا اور یا فاعل معنی الّا کے بعد آ رہا ہو یعنی انما کے بعد۔ تو اس صورت میں بھی فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ اور اس صورت میں حصر جز اخیر میں آئے گا۔ اِنَّمَا ضرب عمرًوا زیدٌ : عمرو کی پٹھائی کی ہے زید نے ہی۔ تو عمرو کی مضروبیت بند ہو گئی زید کے اندر اور زید کی ضاربیت عام ہو گئی۔ اور اگر آپ فاعل کو مقدم کرے جیسا کہ انّما ضرب زیدٌ عمرًوا تو اس صورت میں ضاربیت بند ہو جائے گی اور مضروبیت عام ہو جائے گی۔ [4] اَو اِتَّصَلَ بہٖ مفعولُہُ یا مل جائے فعل کے ساتھ اس کے فاعل کا مفعول۔ یعنی مفعول بھی ضمیر متصل ہو۔ بہ کی ما ضمیر راجع ہے فعل کو۔ مفعولہ کی ما ضمیر راجع ہے فاعل کو۔ و ھو غیرُ متَّصِلٍ اس حال میں کہ فاعل غیر متصل ہو۔ واو حالیہ ہے، ھو ضمیر فاعل کو راجع ہے۔ جیسا کہ ضربتُ زیدًا : میں نے زید کی پٹھائی کی۔ یہاں فاعل ضمیر متصل ہے۔ اور ہم نے کہا کہ فاعل ضمیر متصل نہیں ہونا چاہئے۔ لہذا اس تا ضمیر کو ختم کردو اور آگے کوئی فاعل لے کر آؤ۔ جیسا کہ ضرب عمرًوا زیدٌ ۔ اب فاعل ضمیر متصل نہیں بلکہ اسم ظاھر ہے۔ اور مفعول ضمیر متصل ہونا چاہئے۔ اب ذرا عمروا کو گرا دو اور اس کی جگہ ضمیر متصل لے آؤ، ضربَہُ زیدٌ۔ اب مفعول ضمیر متصل ہے اور فاعل غیر متصل ہے۔ کہتے ہیں اس صورت میں بھی فاعل کو مؤخر کرنا

واجب ہے۔ اور اگر آپ مفعول کی ضمیر کو مؤخر کرتے ہوں تو یوں کہنا ہوگا، "ضربَ زیدٌ ایّاہُ" ۔ یہ ایاہ ضمیر منصوب منفصل ہے۔ وجب تاخیرُہُ تو فاعل کو تاخیر کرنا واجب ہے۔

درس23۔ و قد یُحْذَفُ الفعلُ اور کبھی کبھار فعل کو حذف کیا جاتا ہے، لقیامِ قرینۃٍ کسی قرینۃ کے قائم ہونے کی وجہ سے۔ یاد رکھو کہ فعل باقی ہو اور فاعل کو حذف کرے یہ جائز نہیں۔ اس میں تین صورتیں بنتی ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ فعل کو حذف کرے اور فاعل کو باقی رکھے۔ دوسری صورت کہ فاعل کو حذف کرے اور فعل کو باقی رکھے۔ اور تیسری صورت یہ کہ دونوں کو حذف کرے۔ اس میں فعل کو باقی رکھے اور فاعل کو حذف رکھے یہ جائز نہیں۔ باقی دو صورتیں جائز ہیں۔ اب یاد رکھو کہ جب آپ فعل کو حذف کرتے ہیں اور فاعل کو باقی رکھتے ہیں یہ دو قسم پر ہے۔ کبھی یہ جوازا ہوگا اور کبھی وجوبا ہوگا۔

صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ فعل کو حذف کرنا وہاں جائز ہوتا ہے جہاں کوئی قرینۃ موجود ہو۔ کوئی ایسی چیز موجود ہو جو ہمیں یہ بتلائے کہ یہاں پر فلاں فعل موجود ہے۔مثلا کوئی شخص آپ سے کہے "من قامَ" یعنی کون کھڑا ہوا۔ اور اپ کہہ دیں، "زیدٌ"۔ اصل میں "قام زید" کہنا چاہئے تھا۔ لیکن آپ نے قام فعل کو حذف کیا اور فاعل زید کو باقی رکھا۔ اور قام فعل کو قرینۃ کی وجہ سے حذف کیا۔ کیونکہ وہی قام فعل سوال کے اندر موجود ہے۔ تو جواب میں قام کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تو اس صورت میں فعل کو حذف کرے تب بھی ٹھیک اور حذف نہ کرے تب بھی ٹھیک۔ جوازا اور یہ حذف جواز کے طریقے پر ہوگا۔ فی مثلِ زیدٌ جیسے کہ زید کے اندر لمن اس حال میں کہ یہ کہا گیا ہے اس شخص سے۔ قال جس نے یہ کہا تھا مَنْ قامَ کون کھڑا ہوا۔ یعنی ایک شخص نے کہا من قام اور اسے کہا گیا کہ زید۔ تو یہ قام سوال میں موجود تھا تو جواب سے حذف کیا گیا۔ تو فعل کو حذف کرنا یہاں جواز کے طریقے پر ہے۔

(شعر)

وَلْیُبْکَ یَزیدُ ضارِعٌ لِخُصومۃٍ:: و مُخْتَبِطٌ مِمَّا تُطِیْحُ الطَّوَائِحُ

وَلْیُبْکَ یَزیدُ چاہئے کہ رویا جائے یزید پر۔ سوال پیدا ہوا "مَنْ یَّبْکِیْہِ" یعنی اس پر کون روئے۔ تو جواب دیا یَبْکِیْہِ ضارِعٌ: اس پر ضارع روئے۔ اب ضارع فاعل ہے یَبْکِیْ فعل کا۔ جس کو شاعر نے حذف کر دیا۔ اور کیوں حذف کیا۔ اس لئے حذف کیا کہ اس پر قرینۃ موجود تھا جو کہ سوال تھا۔ تو صاحب کافیہ یہ بتلانا چاہتے ہے کہ اگر قرینۃ موجود ہو تو فعل کو حذف کرنا جائز ہے۔ چاہے وہ قرینہ سوال مُحقَّق کی صورت میں ہو یا سوال مُقدَّر کی صورت میں۔ تو پہلی مثال میں سوال محقق تھا۔ جس میں کسی دوسرے نے حقیقتا پوچھا تھا کہ "من قام" کون کھڑا ہے۔ اور اس دوسری مثال میں سوال مقدر ہے۔ ضارِعٌ ای یَبْکِیْہِ ضارِعٌ: ضارع: عاجز اور لاچار شخص، بے بس اور کمزور شخص۔ لِخُصومۃٍ:: لِخُصُوْمَۃٍ میں لام وقت کے معنی میں ہے۔ جھگڑے کے وقت۔ جو شخص جھگڑے کے وقت کمزور ہے اسے یزید پر رونا چاہئے۔

شاعر مرثیه میں فرماتے ہیں کہ وہ شخص جو جھگڑے کے وقت کمزور اور لاچار ہو وہ یزید کے موت پر روئے۔ کیونکہ یزید کمزور اور لاچار لوگوں کی مدد کرتا تھا۔

و مُخْتَبِطٌ مُخْتَبِطٌ: وہ شخص جو بغیر تعلق کے سوال کرے۔ اس کا عطف ضارعٌ پر ہے۔ مِمَّا مِمَّا اصل میں مِنْ مَا ہے۔ اس مِنْ مَا کے اندر جو مِن ہے وہ من سببیہ ہے۔ من اجلیہ ہے۔ اور ما مصدریہ ہے۔ ما مصدریہ وہ ہوتا ہے جو فعل پر داخل ہو کر فعل کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے۔ تُطِيْحُ تُطِيْحُ: ہلاک کرنا، اَطَاحَ يُطِيْحُ اِطَاحَةً باب افعال ہے۔ الطَّوَائِحُ طوائح جمع ہے مُطِيْحَةٌ کی۔ مُطِيْحَةٌ: مہلک، طوائح: مہلکات، حوادثات

من سببیہ ہے، اسکی جگہ بسبب رکھ دو۔ ما مصدریہ ہے، ما تطیح، اطاحةً کے معنی میں ہوا۔ اور ممّا تطیحُ، بسببِ اِطَاحَةً کے معنیٰ میں ہوا۔ بسبب ہلاک کرنے کے۔ اور یزید پر رونا چاھئے ضارع کو، اور اس ضارع پر عطف ہے مختبط کا، اور یزید پر رونا چاھئے اس شخص کو جو بغیر وسیلے کے سوال کرتا ہے۔ اور بغیر وسیلے کے کیوں سوال کرنے والا ہے، کہتے ہیں کہ بسبب اطاحة، بسبب ہلاک کرنے کے، طوائِحٌ یہ فاعل ہے تُطیحُ کے لئے۔ تو کون ہلاکر کرنے والے ہیں، یعنی حوادثات ہلاک کرنے والے ہیں۔ کس چیز کو ہلاک کرنے والے ہیں، مفعول مخذوف ہے، ای مالَهُ : اسکے مال کو، یعنی حوادثات نے اس شخص کے مال کو ہلاک کر دیا ہے۔ یعنی مال کو ختم کر دیا ہے۔ اب وہ بغیر وسیلے کے سوال کر رہا ہے۔

اور چاھئے کہ اس پر روئے بغیر وسیلے کے سوال کرنے والا بسبب اطاحةِ الطوائح مالَهُ بسبب ہلاک کرنے حوادثات کے اس کے مال کو۔ حواثات نے اس کے مال کو ہلاک کردیا ہے۔اس کا مال ختم ہو گیا۔ اب وہ آپ سے سوال کر رہا ہے بغیر کسی تعلق کے۔

تو چاھئے کہ یزید پر رویا جائے، کون روئے اس پر، کہتے ہیں، ایک وہ شخص جو عاجز اور لاچار ہے جھگڑے کے وقت، اور دوسرا وہ شخص جو بغیر وسیلے کے سوال کرنے والا ہے۔ بغیر وسیلے کے سوال کیوں کرتا ہے، وجہ یہ ہے کہ حوادثات نے اس کے مال کو ہلاک کر دیا ہے، اب وہ سوال کر رہا ہے۔ تو اس مختبط کو بھی اس پر رونا چاھئے کیونکہ وہ عاجز اور لاچار اور بغیر وسیلے کے سوال کرنے والے لوگوں کی مدد کیا کرتا تھا۔

تو صاحب کافیه یہ بتلانا چاھتے ہیں کہ فاعل کے فعل کو حذف کرنا جائز ہے اگر قرینة موجود ہو۔ اور وہ قرینة سوال محقق بھی ہو سکتا ہے اور سوال مقدر بھی۔ پہلی مثال سوال محقق کی تھی اور دوسری مثال یعنی شعر سوال مقدر کی تھی۔ اور سوال مقدر "من یبکیه" ہے۔ تو جواب دیا ضارعٌ ای یبکیهِ ضارعٌ۔

اب صاحب کافیه فعل کو وجوبا حذف کرنے کا بتلا رہا ہے۔ و وُجوبًا اور فعل کو حذف کیا جائے گا وجوبا فی مثلِ اس قسم کی مثالوں میں وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ اور اگر کوئی پناہ طلب کرے آپ سے مشرکین میں سے کوئی ایک، تو اسکو پناہ دے دیجئے۔ اصل میں ہے، وَ اِنِ اسْتِجَارَکَ : اور اے پیغمبرص آپ سے کوئی پناہ طلب کرے،اِنْ کے بعد استجارک مخذوف ہے۔ اِسْتَجَارَ: پناہ طلب کرنا،

اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ: مشرکین میں سے کوئی ایک، اِسْتَجَارَکَ: آپ سے کوئی پناہ طلب کرے، اور اسکی جزا فَاَجِرْہُ ہے۔ فَاَجِرْہُ: تو اسے پناہ دے دیجئے۔ یہاں ان کے بعد استجارک مخذوف ہے۔ اور آگے آنے والا استجارک اس تفسیر بیان کر رہا ہے۔ وہ بتلا رہا ہے کہ اِنْ کے بعد اِسْتَجَارَکَ مخذوف ہے۔ تو مُفَسَّرْ ہے مخذوف، اور اسکی حذف پر مُفَسِّرْ دلالت کر رہا ہے۔

تو دیکھو یہ مقام ہے جہاں پر ایک فعل کو حذف کیا گیا اور اسکی فاعل احدٌ ہے۔ کہ اے پیغمبر آپ سے پناہ طلب کرے، کون پناہ طلب کرے،وہ اَحَدٌ منَ المشرکِیْنَ ہے۔ تو فاعل موجود ہے۔ اور فعل کو حذف کیا تو اس حذف کی وجہ سے ابہام آیا۔ تو فعل کے حذف سے جو ابہام آیا تو اس ابہام کو دور کرنے کے لئے آگے تفسیر لائی۔ دوبارہ اِسْتَجَارَکَ کو لایا گیا۔ تو یہ اس اِسْتَجَارَکَ مخذوف کی تفسیر ہے۔

تو صاحب کافیہ ؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے مقام پر فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ اور وہ مقام کونسا ہے۔ یعنی کہ جہاں ایک فعل کو حذف کرنے کی وجہ سے جو ابہام آیا ہو، اس ابہام کو تفسیر کے ساتھ دور کیا جائے۔ واجب کیوں ؟ کہتے ہیں، اس لئے کہ یہ جو آپ تفسیر لائے ہیں، یہ کس مقصد کے لئے لے کر آئیں ہیں۔ حذف کی وجہ سے جو ابہام آیا تھا، اس کے لئے یہ تفسیر لایا۔ اب اگر آپ فعل کو ذکر بھی کر دے تو مُفَسِّرْ اور مُفَسَّرْ کا جمع ہونا لازم آئے گا۔ اور مفسِّر اور مفسَّر کا ایسے مقام پر جمع ہونا جائز نہیں۔

دیکھو کبھی کبھار ویسے فعل کے اندر ابہام ہوتا ہے تو پھر اسکی تفسیر کر سکتے ہیں آپ۔ کسی چیز میں ویسے ابہام ہوں۔ جیسا کہ جاءنِی اَخِی ای زیدٌ اس اخی میں ابہام تھا، کہ کون سا بھائی آیا؟ تو آپ نے ای کے ذریعے تفسیر کی۔ تو یہاں مُفَسِّر اور مُفَسَّر کو جمع کرنا جائز۔ کیونکہ ابہام حذف کی وجہ سے نہیں بلکہ معنی کی وجہ سے۔ تو اس صورت میں مُفَسِّر اور مُفَسَّر کو لا سکتے ہوں۔

لیکن یہ جو مثال ہے اس میں اِسْتَجَارَکَ کے اندر ویسے ابہام نہیں، حذف کیا تو ابہام آیا۔ تو یہاں تو ابہام آیا ہی حذف کی وجہ سے ہے، تو اس لئے تفسیر لانی پڑی۔ اب اگر آپ فعل کو ظاہر کر دے تو وہ ابہام تو باقی نہیں رہے گا۔ اور جب ابہام رہا ہی نہیں تو اب تو تفسیر لغو ہو گئی۔ تو مُفَسَّر تو لغو ہو جائے گا۔ پس لہذا اس مقام پر فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ سے پہلے آپ نے اِسْتَجَارَکَ کو مخذوف کیوں مانا؟ تو کیا ضرورت ہے کہ اِسْتَجَارَکَ کو مخذوف مانو؟ اس طرح کرو کہ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ کو فاعل کی بجائے مبتدا مانو اور اِسْتَجَارَکَ کو اسکی خبر مان لو۔ صاحب کافیہ کہتے ہیں کہ نہیں بھئی اسکو یہاں مبتدا نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ اِنْ آیا ہے۔ اور اِنْ حرف شرط یہاں داخل ہو رہا ہے اَحَدٌ پر جو کہ اسم ہے۔ اور اِنْ حرف شرط ہمیشہ فعل پر داخل ہوتا ہے۔ اور اِنْ یہاں داخل ہوا اسم پر، تو اس سے معلوم ہوا کہ فعل مقدَّر ہے۔ اور جب فعل مقدر ہے تو یہ اَحَدٌ اس کے لئے فاعل بنا۔ اور اس کو مبتدا بنانا صحیح نہیں۔

و قد یُحذفان معًا کبھی کبھار دونوں کو اکھٹا حذف کر لیا جاتا ہے۔ یعنی فعل کو بھی اور فاعل کو بھی۔ مثلا کوئی آپ سے کہہ دیں کہ اقامَ زیدٌ اور آپ جواب میں کہہ دیں کہ نعم۔ تو آپ نے اقام فعل اور

زیدٌ فاعل دونوں کو اکھٹے حذف کیا۔ حالانکه آپ کو نعم قام زیدٌ کہنا چاھئے تھا۔ لیکن آپ نے نعم کیوں کہہ دیا؟ کیونکه قرینه موجود ہے اور وہ قرینة سوال ہے۔ تو جب قرینة موجود ہو تو فعل اور فاعل دونوں کو حذف کرنا جائز ہے۔ فی مثلِ نَعم جیسے که نَـعَمْ کی مثال میں۔ لمن اس شخص کو نعم کہا تھا قال اَقام زیدٌ جس نے یه کہا تھا "اقام زید"۔ ایک شخص نے کہا تھا اقام زید جس کو جواب میں کہا کیا که نعم۔ تو قرینة موجود ہونے کی وجه سے فعل اور فاعل دونوں کو حذف کیا گیا۔

درس 24۔

تنازع فعلین اس کو کہتے ہیں که دو فعل یا دو سے زائد جھگڑا کرے، کسی اسم ظاھر کے بارے میں اور اسم ظاھر بھی اُسکے بعد آئے۔ ایک فعل چاھتا ہے که میں اس اسم ظاھر میں عامل بنو، جبکه دوسرا فعل چاھتا ہے که میں اس اسم ظاھر میں عامل بنو۔اور وہ اسم ظاھر ان دونوں فعلوں کے بعد آ رہا ہے، اس لئے که اگر درمیان میں آیا تو پھر تو عامل پہلا فعل بنے گا۔

یہاں صاحب کافیه نے فعلان تثنیه کا صیغه یعنی دو فعلوں کو ذکر کیا۔ دو سے زیادہ فعل بھی جھگڑا کر سکتے ہیں کسی اسم ظاھر کے بارے میں لیکن جھگڑا کے لئے کم سے کم دو فعل چاھئے۔ تو وہ صورت ذکر کر دی۔ نیز فعل کو ذکر کیا، حالانکه اور عامل بھی جھگڑا کر سکتے ہیں۔ لیکن اصل عمل میں فعل ہے اس لئے اصل کو ذکر کیا، اور باقی کو اسی پر قیاس کرے۔

کبھی کبھی تنازع فاعلیت میں ہوگا۔ یعنی پہلا فعل بھی تقاضا کرے گا که آگے آنے والا اسم ظاھر میرا فاعل بنے، اور دوسرا فعل بھی تقاضا کریگا که وہ میرا فاعل بنے۔ اور کبھی دونوں کا تقاضا مفعولیت میں ہوگا۔ یعنی پہلا فعل بھی تقاضا کرے گا که آگے آنے والا اسم ظاھر میرا مفعول بنے، اور دوسرا فعل بھی تقاضا کریگا که وہ میرا مفعول بنے۔ اور کبھی کبھار دونوں کا تقاضا مختلف ہوگا۔ پہلا چاھے گا که اسم ظاھر میرے لئے فاعل بنے اور دوسرا چاھے گا که میرے لئے مفعول بنے۔ اور کبھی اسکا عکس ہوگا۔ تو یہاں کل چار صورتیں بن گئی۔

اب یاد رکھو یہاں دو قسم کے اختلافات ہیں۔ ایک اختلاف ہے جواز اور عدم جواز کا۔ یه اختلاف ہے جمہور کے درمیان اور امام فرّا کے درمیان۔ جمہور کے نزدیک پہلے کو بھی عامل بنانا جائز اور دوسرے کو بھی عامل بننا جائز۔ امام فرّا فرماتے ہیں که پہلے کو بھی عمل دے سکتے ہیں دوسرے کو بھی عمل دے سکتے ہیں ٹھیک ہے، لیکن وہ صورت جس میں پہلا فاعل کا تقاضا کرے اس صورت میں پہلے کو ہی عمل دیں گے دوسرے کو عمل دینا جائز نہیں۔ امام فرّا فرماتے ہیں که اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو دو خرابیوں میں سے ایک خرابی لازم آئے گی۔ اور اسکی تفصیل نیچھے ہے۔

جب پہلا فعل، فاعل کا تقاضا کرتا ہے۔ دوسرا چاھے فاعل کا تقاضا کرے یا مفعول کا۔

مثال: ضربنی و اکرمنی زیدٌ۔ امام فرّاؒ اس صورت میں اختلاف کریں گے۔ یہاں ضرب چاھتا ہے که زید میرے لئے فاعل بنے اور اکرم چاھتا ہے که زید میرے لئے فاعل بنے۔ امام فرّاؒ فرماتے ہیں۔ که یه وہ صورت ہے جس میں پہلا تقاضا کر رہا ہے۔ لہذا پہلے کو عامل بنائیں گے دوسرے کو نہیں۔ اگر آپ زید کو اکرم کے لئے فاعل بنا دیں گے، تو ضرب کے اندر دو خرابی لازم آئے گی۔ یا تو ضرب کے فاعل کو سرے سے ہی حذف ماننا

پڑے گا۔ یا اس کے اندر فاعل کی ضمیر لانا پڑے گی۔ اور دونوں ہی جائز نہیں۔ اس لئے کہ فعل باقی ہو اور فاعل کو حذف کرے یہ جائز نہیں۔ اور اگر ضرب کے اندر ضمیر مانے تو ضرب کے اندر ھو ضمیر ہے۔ تو ضمیر پہلے آئی اور مرجع بعد میں آئی تو یہ اضمار قبل الذکر ہوا۔ تو فاعل کا حذف کرنا بھی جائز نہیں اور اضمار قبل الذکر بھی جائز نہیں۔ تو امام فرّاؒ فرماتے ہیں، اس لئے اس صورت میں کہ جب پہلا فاعل کا تقاضا کرے تو پہلے ہی کو عامل بنائیں گے، دوسرے کو عامل بنانا جائز نہیں۔

جمہور(سارے نحوی علماءؒ) کہتے ہیں کہ نہیں، ان چاروں صورتوں میں پہلے کو بھی عامل بنانا جائز اور دوسرے کو بھی عامل بنانا جائز۔ ہاں اس صورت میں جب ہم ثانی کو عمل دیتے ہیں تو آپ نے کہاں تھا کہ پہلے کے اندر دو خرابیوں میں سے ایک خرابی لازم آئے گا۔ اور وہ دو خرابیاں حذف فاعل اور اضمار قبل الذکر کا ہے۔ جمہور کہتے ہیں ہم اضمار قبل الذکر کو اختیار کرتے ہیں، کیونکہ حذف فاعل تو کسی صورت بھی جائز نہیں۔ تو ہم ضمیر لائیں گے، اور تنازع فعلین کے باب میں اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرط تفسیر۔ کلام کے اندر عمدہ مسند الیہ ہوتا ہے۔ تو ضرب فعل یہ مسند اور اسکے اندر عمدہ ھو ضمیر ہے جو کہ مسند الیہ ہے۔ اور اس عمدہ کے اندر ہم اضمار قبل الذکر کر رہے ہیں۔ تو عمدہ میں اضمار قبل الذکر جائز ہے بشرط تفسیر کہ آگے اسکی تفسیر بھی آ جائے۔ اور آگے زید اس ھو کے لئے تفسیر ہے۔

اور ایک اختلاف ہے اولیٰ اور خلاف اولیٰ کا۔ جمہور میں پھر دو گروہ ہیں۔ ایک بصرہ کے نحوی علماءؒ ہیں اور دوسرے کوفہ کے علماءؒ۔ اس بات پر دونوں متفق ہیں کہ پہلے کو بھی عامل بنا سکتے ہوں اور دوسرے کو بھی بنا سکتے ہوں۔ بصرہ والے نحوی علماءؒ فرماتے ہیں کہ عمل دیا جائے گا ثانی کو۔ ان کے نزدیک یہ اولی ہے۔ اور کوفہ والے کہتے ہیں کہ پہلے کو عامل بنانا اولی ہے۔

دونوں کی طرف سے دو، دو دلیلیں۔ بصرہ والے ثانی کو دو وجہوں سے عامل بناتے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ دو فعل اسم ظاہر میں جھگڑا کر رہے ہیں اور وہ اسم ظاہر ان دونوں فعلوں کے بعد آ رہا ہے، تو ثانی فعل اس اسم ظاہر کے نزدیک ہو لہذا ثانی فعل اس میں عمل کریگا۔ اور جو قریب ہے اس کا زیادہ حق ہے کہ اس کو عامل بنایا جائے۔ دوسرے دلیل یہ ہے کہ ایک ضابطہ پڑھا ہے کہ اصل بھی یہ ہے کہ فعل کے ساتھ فاعل ملا ہوا ہونا چاھئے۔ اور یہاں اسم ظاہر ثانی کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اس لئے بصرہ والے ثانی کو عامل بناتے ہیں۔ اور اگر پہلے کو عامل بنایا جائے تو فعل اور فاعل کے درمیان فاصلہ آیا۔

کوفہ والے نحوی کہتے ہیں کہ پہلے کو عامل بنایا جائے گا، ان کی بھی دو دلیلیں ہیں۔ پہلا دلیل انکی یہ ہے، کہ یہ فعل پہلے آیا ہے لہذا یہ زیادہ حقدار ہے کہ اسکو عامل بنایا جائے، اور دوسری دلیل یہ ہے اگر آپ ثانی کو عامل بناتے ہیں، تو پہلے میں ضمیر ماننا پڑے گا، تو یہ اضمار قبل الذکر لازم آئے گا۔ لہذا پہلے کو عامل بناؤ تا کہ اضمار قبل الذکر سے ہم بچ جائے۔ اگر چہ تنازع فعلین کے باب میں عمدہ کے اندر اضمار قبل الذکر بشرط تفسیر جائز ہے۔ لیکن اس سے بچنا پھر بھی بہتر ہے۔

و اذا تنازَعَ الفِعْلانِ ظاهرًا اور جب تنازع کرے دو فعل اسم ظاہر میں۔ ای اسمًا ظاهرًا یہ ظاهرا اسما کے لئے صفت ہے۔ اور موصوف اسما اس کا مخذوف ہے۔ **بعدَ هُما** اور وہ اسم ظاہر ان دو فعلوں کے بعد آئے **فقد يكونُ فى الفاعلِيَّة** اور کبھی یہ تنازع فاعلیة میں ہوگا۔ اور یہ دونوں فعل چاھتے ہیں کہ وہ اسم

ظاهر ہمارے لئے فاعل بنے۔ مثلُ ضربنی واکرمنی زیدٌ ضرب فعل فاعل کا بھی تقاضا کرتا ہے اور مفعول کا بھی تقاضا کرتا ہے۔ مفعول تو اسکے ساتھ یاء ضمیر ہے۔ اکرم بھی ایک فاعل چاھتا ہے اور مفعول کو بھی۔ اور اسکے ساتھ یاء ضمیر اسکے ساتھ مفعول بہ کی ضمیر ہے۔ اب فاعل باقی ہے۔ آگے زید آیا، ضرب چاہتا ہے یہ میرا فاعل بنے اور اکرم چاھتا ہے یہ میرا فاعل بنے۔ و فی المفعولیة اور کبھی تنازع کبھی مفعولیة میں ہوگا۔ یعنی پہلا تقاضا کرتا ہے کہ یہ اسم ظاھر میرے لئے مفعول بنے اور دوسرا یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ اسم ظاھر میرے لئے مفعول بنے۔ مثلُ ضربتُ و اکرمتُ زیدا ضرب فاعل اور مفعول دونوں کو چاہتا ہے۔ اسکے ساتھ تاء ضمیر فاعل کی ساتھ آئی۔ اکرم بھی فاعل اور مفعول دونوں کو چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ تاء ضمیر فاعل کی آئی۔ اب مفعول رہ گیا۔ اور آگے زید آ گیا، ضرب چاہتا ہے ہ میرے لئے مفعول بنے اور اکرم چاھتا ہے یہ میرے لئے مفعول بنے۔ تو یہ تنازع مفعولیة کے اندر آیا۔ و فی الفاعلیةِ والمفعولیةِ اور کبھی تنازع فاعلیة اور مفعولیة میں ہوگا۔ مختلفَینِ اس حال میں کہ وہ دونوں فعل مختلف ہوں۔ یہ حال ہے فعلان سے۔ یعنی کہ وہ دو فعل اس حال میں ہوں گے کہ دونوں مختلف ہوں گے۔ یعنی تقاضے میں مختلف ہوں گے۔ ایک فاعل کا تقاضا کریں گا اور دوسرا مفعول کا۔یا تو پہلا تقاضا کریگا فاعل کا اور دوسرا تقاضا کریگا مفعول کا۔ یا تو پہلا تقاضا کریگا مفعول کا اور دوسرا تقاضا کریگا فاعل کا۔ صاحب کافیه نے ان دو صورتوں کی مثالیں ذکر نہیں کی۔ جب پہلا فاعل کا تقاضا کرے اور دوسرا مفعول کا تو "ضربنی و اکرمت زیدٌ" یا "ضربنی و اکرمت زیدًا"۔ اور جب پہلا مفعول کا تقاض کرے اور دوسرا فاعل کا تو " ضربت و اکرمنی زیدًا" یا ضربتُ و اکرمنی زیدٌ"۔ فیختار البَصریُّون اسکو بَصرہ بھی پڑھتے ہیں اور بِصرہ بھی۔ بَصرہ ایک علاقے کا نام ہے۔ اور بَصرہ ایک شہر کا بھی نام ہے۔ اب دونوں کو بَصری کہنے سے یہ پتہ نہیں چلے گا کہ اس سے شہر والے مراد ہے یا علاقے والے۔ لہذا اس میں فرق کرنے کے لئے، جو علاقے والے ہیں ان کو بَصریٌّ کہتے ہیں۔ اور جو شہر والے ہیں انکو بِصریٌّ کہتے ہیں۔ اعمالَ الثانیَ اور اختیار کرتے ہیں بصرہ کے نحوی ثانی کو عمل دینا۔ والکوفیُّون الاولَ اور کوفہ والے پہلے فعل کو ترجیح دیتا ہے عمل دینے میں۔

اب بصرہ والوں کے مذہب کے مطابق بات ہو رہی ہیں۔ فان اعملتَ الثانِیَ پس اگر تو عامل بنائے ثانی کو اَضْمَرْتَ الفاعلَ فی الاوّل تو تو ضمیر لائے گا فاعل کی پہلے فعل کے اندر، جبکہ پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہے۔ اور ہم نے عمل ثانی کو دیا ہے۔ علیٰ وِفْقِ الظَّاھِرِ ای علیٰ وِفْقِ الِاسْمِ الظّاھِرِ (علیٰ وفقِ لِسْمِ الظاھرِ) اس اسم ظاھر کے موافق۔ اگر وہ اسم ظاھر مفرد تھا تو پہلے میں ضمیر بھی مفرد کی لاؤ، اور اگر وہ اسم ظاھر تثنیه یا جمع تھا تو پہلے میں ضمیر بھی تثنیه یا جمع کی لاؤ۔ مثلا ضربنی و اکرمنی زیدٌ، ہم نے عمل اکرم کو دیا، تو ضرب کے اندر ضمیر لائیں گے۔ اور زید مفرد ہے تو ضرب کے اندر بھی ضمیر مفرد کے لائیں گے۔

اب زید کی جگه الزیدانِ تثنیه لائے۔ اور ہم نے عمل ثانی کو دیا ہے تو پہلے فعل میں تثنیه کی ضمیر لانا ہوگی اور تثنیه کی ضمیر ضربَ میں نہیں بلکه ضربا میں ہے۔ اس لئے ضربانی و اکرمنی الزیدانِ مثال ہوگا۔ اور وہ اگر جمع ہو الزیدُوْنَ اور اس کو رفع اکرم نے دیا ہو تو ضرب کی جگه ضربُوْا لانا پڑے گا۔ اور مثال ضربُوْانی و اکرمنی الزیدونَ ہوگا۔ دُوْنَ الحَذْفِ نه که حذف کریں گے۔ خلافًا لِلْکِسائی بخلاف امام کسائی کے۔ امام کسائیؒ فرماتے ہیں که فاعل کو حذف کریں گے۔ اور وہ نسیا منسیا ہو جائے گا، گویا که ہے ہی نہیں۔ جب فاعل کو نسیا منسیا کیا گیا، تو اسکی ضمیر لائیں گے ہی نہی۔ سرے سے ہی حذف کریں گے۔ تو فعل موجود ہے اور فاعل موجود نہیں۔ اور جمہور کے نزدیک یه جائز نہیں۔ امام کسائیؒ کے نزدیک جب فاعل کو حذف کریں گے تو تینوں صورتوں میں پہلا فعل مفرد ہی رہے گا۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی، کیونکه ضمیر کو لاتا ہی نہیں تو جب ضمیر نہیں تو فعل میں کوئی تبدیلی بھی نہیں۔

و جاز اور یه جائز ہے،یعنی ثانی کو عمل دینا جائز ہے جب پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو، خلافا للفراءِ بخلاف امام فرّاء کے ۔ جبکه امام فراءؒ فرماتے ہیں که جب پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو، تو ثانی کو عمل دینا جائز نہیں۔ اور پھر پہلے کو عمل دیں گے۔ ورنه دو خرابیوں میں سے ایک خرابی لازم آئے گا۔ یا تو اضمار قبل الذکر ہوگا، یا حذف۔

اگر پہلا فعل مفعول کا تقاضا کر رہا ہو تو: و حَذَفْتَ المفعولَ تو پھر مفعول کو حذف کر دیں گے، اِنِ اسْتُغْنِیَ عنه اگر اس سے استغنا حاصل ہو جائے، اگر اس کی حاجت نه رہے،اُسْتُغْنِیَ فعل مجهول لائے، اور فعل مجهول کا اسناد نائب فاعل کی طرف ہوتا ہے، اور یہاں نائب فاعل کا پته ہی نہیں چلتا، تو یاد رکھو وہ افعال(فعل معروف یا فعل مجهول) جن کے فاعل یا نائب فاعل کا پته نه چل رہا ہو، تو ان کے اندر فاعل یا نائب فاعل کی جو ضمیر ہوگی وہ انہی کے مصدر کو راجع ہوگی۔ اُسْتُغْنِیَ کے اندر جو ضمیر ہے وہ اسکے مصدر اِسْتِغْنیٰ کو راجع ہے۔ اُسْتُغْنِیَ هُوَ ای اُسْتُغْنِیَ الاسْتِغْنَاءُ ای وَقَعَ الِاسْتِغْنَاءُ ای حَصَلَ الِاسْتِغْنَاءُ : استغنی حاصل ہوا۔ یا یه "عنه" جار مجرور اس کا نائب فاعل ہے۔ جیسے "مفعولٌ به" میں یه به جار مجرور اس کے لئے نائب فاعل ہے۔

یاد رکھو عام افعال کے اندر مفعول فَضْلَةٌ ہے انکو حذف کرنا جائز ہے۔ لیکن افعال قلوب میں مفعول کو حذف کرنا جائز نہیں۔ معلوم ہوا عام افعال ہیں۔ اور مفعول سے استغناء حاصل ہوا اور اسکی حاجت نه رہی تو اسکو حذف کرلیں گے، ہم نے عمل ثانی کو دیا اور پہلا مفعول کا تقاضا کر رہا ہے۔ تو یہاں دو صورتیں ہیں۔ یا تو مفعول کو حذف کرنا پڑے گا یا مفعول کی ضمیر لانی ہوگی۔ ضمیر تو لا نہیں سکتے، اس لئے که مرجع آ رہا ہے بعد میں تو اضمار قبل الذکر لازم آئے گا۔ اور یه اضمار قبل الذکر غیر عمده میں ہو رہا ہے اور یه جائز نہیں۔ تو جب مفعول کی ضمیر لا نہیں سکتے تو پھر حذف کر لیں گے، کیونکه مفعول فضلة ہوتا ہے۔ فضلة یعنی زائد چیز۔

و اِلّا یہ اِلّا کس سے استثناء ہے؟ یاد رکھو اِلّا سے پہلے واو آ جائے، تو وہ اِنْ اور لَا ہے دراصل۔ یہ حرف استثناء الّا نہیں بلکہ دراصل اِنْ لَا ہے۔تو اصل عبارت یوں ہے، وَ اِنْ لَمْ یَکُنْ کَذٰلِکَ۔ یہ اشارہ ہے افعال قلوب کی طرف۔ کہتے ہیں اگر مفعول کو حذف کریں گے اِنِ اسْتُغْنِیَ عنهُ اس سے استغناء حاصل ہو، وَ اِنْ لَمْ یُسْتَغْنٰی عنهُ اور اگر اس سے استثناء حاصل نہ ہو، یعنی افعال قلوب میں مفعول کو تو حذف نہیں کر سکتے۔ تو پھر کیا کریں گے۔ آگے آ رہا ہے اَظْهَرْتَ تو اسکو ظاہر کریں گے۔ یعنی مفعول کو ظاہر کریں گے۔ اور وہی اسم ظاہر کو دوبارہ لائیں گے پہلے فعل کے بعد۔ افعال قلوب وہ ہے جس کا تعلق قلب سے ہو، جیسا کہ علمتُ زیدًا قائمًا۔ افعال قلوب دو مفعول چاہتا ہے۔ اور اس کے مفعول کو حذف کرنا جائز نہیں۔ یہ کیوں جائز نہیں۔ دراصل یہ دونوں مفعول مبتدا خبر تھے۔ اصل میں تھا زیدٌ قائمٌ، پھر اس پر علمتُ داخل ہوا، اور اس نے مبتدا خبر کو اپنے لئے مفعول بنا لیا۔ تو دراصل ان دونوں کا جو مضمون ہے وہ مفعول ہے۔ اور مضمون کیسے نکالیں گے؟ مفعول ثانی یعنی خبر کے مصدر کو نکال کر پہلے مفعول یعنی مبتدا کی طرف مضاف کریں گے۔ قائمٌ کی مصدر قیامٌ ہے۔ اس کو مضاف بنا لو اور مفعول اوّل یعنی زید کو مضاف الیہ بناؤ۔ یعنی قیام زیدٍ یہ اب مضمون بن گیا، اور یہ مضمون علمتُ کے لئے مفعول ہے۔ تو اصل کلام یوں ہوا، علمتُ قیامَ زیدٍ۔ میں نے زید کے قیام کو جانا، لہذا یہاں دونوں کی ضرورت ہے، ایک پر اکتفا نہیں ہو سکتا، لہذا اس کو حذف نہیں کریں گے۔ اَظْهَرْتَ تو اسکو ظاہر کریں گے۔ یعنی مفعول کو ظاہر کریں گے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر فعل افعال قلوب میں سے ہو، تو اس صورت میں مفعول کو حذف بھی نہیں کر سکتے کیونکہ افعال قلوب کے مفعول کو حذف کرنا جائز نہیں اور مفعول کا ضمیر بھی نہیں لا سکتے، کیونکہ اس صورت میں اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئے گی، تو تیسری ایک ہی صورت رہ گئی کہ اس کے لئے اسم ظاہر دوبارہ لاؤ۔ اُس پہلے اسم ظاہر میں تو ثانی نے عمل کر دیا تھا۔اور اس پہلے فعل کے لئے دوبارہ اسم ظاہر لاؤ۔ جیسا کہ حسبنی مُنْطَلِقًا وَ حسبتُ زیدًا منطَلِقًا ۔ دیکھو حسبنی منطلقا اس کے لئے میں منطلقا دوبارہ لے آیا۔ اگر چہ وہ آگے آ رہا ہے۔ اس منطلقًا کو ذرا گراؤ تو حسبنی و حسبتُ زیدًا منطلقا رہ جائے گا۔ اور اس منطلقًا میں عمل حسبتُ نے کیا۔ اور حسبنی کے لئے نہ ہم ضمیر لا سکتے ہیں اور نہ ہی اسکا مفعول حذف کر سکتے ہیں۔ پس یہ تیسری صورت رہ گئی کہ منطلقا اسم ظاہر کو دوبارہ لاؤ۔ تو حسبنی مُنْطَلِقًا وَ حسبتُ زیدًا منطَلِقًا ہو گیا۔ حسب افعال قلوب میں سے ہے۔

درس 25۔

اب صاحب کافیہ کوفہ والوں کا مذہب ذکر فرما رہے ہیں۔ وَ اِنْ اَعْمَلْتَ الاوَّلَ اور اگر آپ نے عمل دیا پہلے کو، اَضْمَرْتَ الفاعلَ فی الثَّانی تو فاعل کی ضمیر لائیں گے ثانی میں۔ مثلا ضربنی و اکرمنی زیدٌ۔ یہاں ہم نے پہلے کو عامل بنایا تو اکرم کے اندر ضمیر لائیں گے۔ اور یہ ضمیر مرجع کے مطابق ہوگی۔ وہ مفرد ہے تو یہ بھی مفرد، وہ تثنیہ تو یہ بھی تثنیہ اور وہ جمع تو یہ بھی جمع۔ اگر فاعل اسم ظاہر ہو۔ تو مفرد، تثنیہ یا جمع جو بھی ہو فعل مفرد ہی آئے گا۔ لہذا اگر الزیدان تثنیہ کا صیغہ فاعل آیا تو ضرب میں

کوئی فرق نہیں آئے گا اور اکرم کی جگہ اکرما لائیں گے، تا کہ ضمیر اور مرجع میں مطابقت رہے۔ مثلا ضربنی و اکرمانی الزیدانِ، اسی طرح الزیدون جمع کا صیغہ فاعل ہو تو ضربنی و اکرمونی الزیدونَ ہوگا۔

و المفعولَ اور مفعول کی ضمیر لائیں گے۔ یہاں ہم نے عمل پہلے کو دیا ہے۔ اور دوسرا فعل مفعول کا تقاضا کر رہا ہے۔ جیسا کہ ضربنی و اکرمتُ زیدٌ۔ یہاں ضرب چاہتا ہے کہ زید میرے لئے فاعل بنے، اکرم چاہتا ہے کہ زید میرے لئے مفعول بنے۔ ہم نے عمل ضرب کو دیا۔ اور زید کو فاعل بنایا۔ اب اکرمتُ چاہے گا کہ اس کے لئے مفعول آنا چاہئے، تو مفعول حذف کرنا بھی جائز، اور اسکی ضمیر بھی لا سکتے ہے۔ اب کہیں گے، ضربنی و اکرمتُہُ زیدٌ۔ یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اکرمتُہُ میں یہ ھا مفعول کی ضمیر زید کو راجع ہے اور یہ اضمار قبل الذکر ہے۔ اور مفعول کے اندر اضمار قبل الذکر تو جائز نہیں۔

جواب یہ ہے کہ یہ زید لفظوں میں تو مؤخر ہے لیکن اس کا تعلق ضرب کے ساتھ جڑ چکا ہے۔ تو گویا کہ یہ ضرب کے بعد آیا۔ تو اصل میں یہ ہے ضربنی زیدٌ و اکرمتہُ۔ اگر چہ زید لفظوں کے اعتبار سے تو مؤخر ہے لیکن رتبہ کے لحاظ سے مقدم ہے کیونکہ اسکا تعلق پہلے فعل کے ساتھ جڑ چکا ہے۔ اگر اضمار قبل الذکر لفظًا اور رُتْبةً دونوں ہو تو پھر جائز نہیں۔ یہاں اضمار قبل الذکر لفظا تو ہے لیکن رتبة نہیں۔ مفعول چونکہ فضلہ ہوتا ہے لہذا اسکو حذف کرنا بھی جائز ہے۔ اور اسکی ضمیر بھی لانا جائز ہے۔ اور ضمیر لانا افضل ہے۔ تاکہ پتہ چلے کہ یہ ضمیر اسی کو راجع ہے۔ اگر میں کہوں ضربنی و اکرمتُہُ زیدٌ۔ تو پتہ چلا کہ یہ ھا ضمیر زید کر راجع ہے۔ معلوم ہوا کہ زید کا اکرام کیا گیا۔ تو مفعول کا پتہ چل گیا۔ اور اگر ھا ضمیر نہ لائے تو ضربنی و اکرمتُ زیدٌ۔ اب مفعول مخذوف ہے، اور اس سے وہم پڑھتا ہے، پتہ نہیں یہ مفعول ہے یا کوئی اور مفعول ہے۔ کیونکہ اکرمت ایک مفعول کو ضرور چاہتا ہے، یعنی کوئی نہ کوئی تو ہوگا جسکا اکرام کیا گیا ہے۔

افعال قلوب میں چونکہ مفعول کو حذف کرنا جائز نہیں تو وہاں پر مفعول کو دوبارہ اسم ظاھر کی صورت میں لانا ہوگا۔ مثال: حسبنی و حسبتُھما مُنْطلقینِ الزیدانِ مُنْطَلِقًا۔ اب دیکھئے یہاں آخر میں جو مُنطلقًا آ رہا ہے اس سے بحث ہے۔ یعنی اس میں تنازع ہے۔ درمیان والا مُنْطَلِقَیْنِ کو ذرا مخذوف مان لے۔ تو کلام یوں ہوا حسبنی و حسبتُھما الزیدانِ مُنْطَلِقًا۔ اب اس منطلقًا جو کہ آخر میں آ رہا ہے اس میں تنازع ہے۔ حسبنی: مجھے گمان کیا، یہ کس نے گمان کیا؟ یہ الزیدانِ اسکا فاعل ہے۔ حسبنی افعال قلوب میں سے ہے اور یہ دو مفعول چاہتا ہے۔ اسکا فاعل الزیدانِ آ گیا۔ اور ایک مفعول آیا یہ "یا" ضمیر جو ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ دوسرا مفعول یہ چاہتا ہے کہ منطلقًا کو بنا دے۔ اور آگے آ رہا ہے حسبتُھما یہ بھی افعال قلوب میں سے ہے۔ یہ بھی ایک فاعل اور دو مفعول چاہتا ہے۔ فاعل تُـوٌّ ضمیر ساتھ ملی ہوئی ہے۔ ایک مفعول تو یہ ھما ضمیر آ گئی۔ اور آگے منطلقًا کو یہ مفعول ثانی بنانا چاہتا ہے۔ تو حسبنی چاہتا ہے کہ یہ میرا مفعول بنے اور حسبتُھما چاہتا ہے کہ یہ میرا مفعول بنے۔ اور ہم نے عمل پہلے کو دیا، تو منطلقًا کو مفعول بنایا حسبنی کے لئے۔ تو حسبنی کے دو مفعول آ گئے اور اب ہمیں حسبتُھما کے دو مفعول

چاهئے۔ اسکی دو صورتیں ہیں۔ یا حسبتهما کے مفعول ثانی کو حذف کیا جائے گا یا اسکو ذکر۔ حسبتهما تو افعال قلوب سے ہے لہذا اسکے مفعول کو حذف نہیں کر سکتے۔ لہذا اسکو ذکر کریں گے۔ اور ذکر کرنے کی دو صورتیں ہیں یا تو ضمیر کی صورت میں لائیں گے اور یا اسم ظاہر کی صورت میں لائیں گے۔

پہلے ضمیر کو دیکھو اور ایاهُ کی ضمیر لے آؤ۔ ایاهُ منصوب منفصل کی ضمیر ہے کیونکہ مفعول منصوب ہوتا ہے۔ حسبنی و حسبتُهما ایّاهُ الزیدانِ مُنْطَلِقًا۔ اب یہ ایّاهُ ضمیر منطلقًا کو راجع ہے۔ اور یہ اضمار قبل الذکر لفظا ہے۔ کیونکہ منطلقا کا تعلق حسبنی یعنی پہلے فعل سے ہو چکا ہے۔ یہاں ایّاهُ ضمیر اور منطلقًا میں مطابقت ہے، اور دونوں مفرد کے صیغیں ہیں۔ لیکن حسبتُهما میں مفعول اول هما ضمیر تثنیہ ہے اور مفعول ثانی ایّاهُ مفرد ہے، تو دونوں مفعولوں میں مطابقت نہ رہی۔ حالانکہ دونوں مفعولوں میں مطابقت ہوتی ہے۔ چلو اس کو تثنیہ کی ضمیر کر لیتے ہیں۔ حسبنی و حسبتُهما ایّاهما الزیدانِ مُنْطَلِقًا اب مفعول اول هما اور مفعول ثانی ایّاهما میں مطابقت تو آ گئی لیکن ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں۔ پس اگر ضمیر لائیں گے تو دو خرابیوں میں سے ایک خرابی لازم آئے گی، یا تو ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں رہے گی، یا دونوں مفعولوں میں مطابقت نہیں رہے گی۔

پس معلوم ہوا کہ حذف کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ افعال قلوب میں سے ہے، اور ضمیر لانا بھی جائز نہیں کیونکہ دو خرابیوں میں سے ایک خرابی لازم آتا ہے۔ پس تیسری صورت یہ ہے کہ اس کو اسم ظاہر کی صورت میں لایا جائے۔ تو اسم ظاہر منطلقینِ لائیں گے۔ اب مرجع کی طرف جانے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ اسم ظاہر خود آ گیا، اور دونوں مفعولوں میں مطابقت بھی آ گئی۔ تو حسبنی و حسبتُهما منطلقینِ الزیدانِ مُنْطَلِقًا۔ ہوا۔

علی المُختارِ مذہب مختار پر۔ یعنی پسندیدہ مذہب یہی کہ ضمیر لاؤ تا کہ پتہ چلے اور اگر ضمیر نہیں لائیں گے تو پھر تو پتہ نہیں چلے گا کہ مفعول یہی ہے یا کوئی اور ہے۔ الا اَنْ یَّمْنَعَ مانعٌ مگر یہ کہ کوئی مانع ہو۔

فَتُظْهِرُ پھر آپ اس کو ظاہر لائیں گے۔ جیسا کہ ابھی اس کی مثال گزری۔

یہاں سے صاحب کافیہ کوفہ والوں کی دلیل ذکر کر رہے ہیں۔ تو صاحب کافیہ انکی دلیل کو رد کریں گے۔ اور فرمائیں گے کہ یہ شعر اس کا دلیل نہیں بن سکتا، کیونکہ یہ شعر تنازع فعلین کے باب سے ہی نہیں۔ و قولُ اِمْرِءِ القیسِ اور امرءالقیس کا یہ قول۔ امرء مضاف الیہ مضاف اور القیس مضاف الیہ ہے۔ یہ بھی دلیل ہے کوفہ والوں کی۔ علم النحو کے اندر دلیل کے طور پر قدیم شعراء کی اشعار پیش کی جاسکتی ہے۔ کفانی و لم اطلب قلیلٌ من المال یہاں پر تنازع فعلین ہے۔ اور اس نے پہلے فعل کو عمل دیا، معلوم ہوا پسندیدہ پہلے کو عمل دینا ہے۔ امرءالقیس ملکِ الظلّیل کے نام سے مشہور تھا۔ ظِلّیل بروزن فعیل مبالغہ کا صیغہ ہے۔ جیسے صدّیق مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی بے انتہا گمراہ بادشاہ۔ اپنے چچا کے بیٹی عنیزہ کے بارے میں بڑے اشعار کہتا تھا۔ اِمْرُءٌ یہ عجیب لفظ ہے۔ اس میں جو اعراب آخری حرف یعنی ہمزہ پر آئیگا وہی اعراب ماقبل میں جو حرف ہے یعنی راء اس پر بھی وہی اعراب آئے گا۔ جیسا کہ جاءنی اِمْرُءُ القیسِ، رأیتُ اِمرَءَ القیسِ، مررتُ بِاِمْرِءِ القیسِ۔ یہ عربی کا بے نظیر لفظ ہے۔ اسی طرح ابن کا لفظ بھی ہے۔ اسی کے آخر میں کبھی میم بڑھا دیتے ہیں مبالغہ کے لئے۔ اب اعراب آئے گا میم پر، لیکن نون کی حرکت میم کے تابع ہوگی۔ اور اِبْنُمٌ، اِبْنَمًا اور اِبْنِمٍ کہیں گے۔

درس 26۔ ع کفانی و لم اَطْلُبْ قلیلٌ من المال::

کَفَانِیْ کفا فعل ہے، یہ تقاضا کر رہا ہے کہ قلیلٌ میرے لئے فاعل بنے۔ اور لم اطلُبْ فعل ہے یہ تقاضا کر رہا ہے کہ قلیلٌ میرا مفعول بنے۔ اور امرءُ القیس نے قلیلٌ کو رفع دیا ہے۔ معلوم ہوا انہوں نے اس میں پہلے فعل کو عامل بنایا۔ اور اگر ثانی کو عمل دیتا تو پھر قلیلاً من المالِ کہنا چاہئے تھا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ پہلے فعل کو عمل دینا اولیٰ ہے۔

پورا شعر۔ یہ دو شعر ہیں۔

و لو اَنمّا اَصْعٰی لِاَدْنیٰ مَعِیْشَةٍ   کفانی و لم اَطلُبْ قلیلٌ من المالِ
و لٰکِنَّمَا اَصْعٰی لِمَجْدٍ مُؤَثَّل   و قد یُدْرِکُ المجدَل المؤُثَّلَ امثالِی

و لو انمّا اَصْعٰی اور اگر میں کوشش کرتا لِاَدْنیٰ تھوڑی سی مَعِیْشَةٍ روزی۔ اور اگر میں کوشش کرتا تھوڑی سی روزی کے لئے، کفانی تو کافی ہو جاتا میرے لئے، آگے آرہا ہے قلیل من المال: تھوڑا سا مال و لم اَطلُبْ لم اطلُبْ کا عطف کفانی پر ہے۔ اور میں طلب نہ کرتا، قلیلٌ من المالِ۔

و لٰکِنَّمَا اَصْعٰی مگر میں کوشش کرتا ہوں لِمَجْدٍ مجد: بزرگی اور عظمت، مُؤَثَّلِ دیرپا، پائیدار، مضبوط، مگر میں کوشش کرتا ہوں دیرپا بزرگی کے لئے۔ و قد یُدْرِکُ اور تحقیق حاصل کر لیتے ہیں المجدَ المؤُثَّلَ دیرپا پائیدار بزرگی کو امثالِی میرے جیسے۔

اور اگر میں کوشش کرتا تھوڑی سے روزی کے لئے، تو وہ میرے لئے تھوڑا سا مال کافی ہو جاتا اور میں طلب نہ کرتا۔ مگر میں تو کوشش کرتا ہوں دیرپا بزرگی کے لئے اور تحقیق دیرپا اور مضبوط بزرگی اور عظمت کو میرے جیسے لوگ پا لیا کرتے ہیں۔

اب کوفہ والے کہتے ہیں کہ یہ تنازع فعلین کے باب سے ہے۔ کفانی نے تقاضا کیا کہ قلیل میرے لئے فاعل بنے۔ اور لم اطلب نے تقاضا کیا کہ قلیل میرے لئے مفعول بنے۔ اور امرء القیس سے پہلے فعل کو عمل دیا۔ تو معلوم ہوا انکے نزدیکر پہلے فعل کو عمل دینا اولیٰ ہے۔

جواب سے پہلے دو مقدمے سمجھ لیں۔

مقدمہ اولی: ہم نے پڑھا ہے کہ "لَوْ" آتا ہے انتفیٰ ثانی کے لئے، بوجہ انتفائے اوّل کے، یعنی ثانی منتفی ہو جاتا ہے اول کے منتفی ہو جانے کی وجہ سے۔ ثانی اس لئے نہیں کہ اول نہیں۔ اور جب اول نہیں ہے تو ثانی بھی نہیں ہے۔ مثلا میں آپ سے کہتا ہوں، "لَوْ جِئْتَنِیْ لَاَکْرَمْتُکَ" اگر تو میرے پاس آیا ہوتا، میں تیرا اکرام کرتا۔ اگر آیا ہوتا تو میں تیرا اکرام کرتا، تو معلوم ہوا کہ میں نے تیرا اکرام نہیں کیا۔ اور اکرام کیوں نہیں کیا، کیونکہ تو آیا نہیں۔ تو ثانی یعنی اکرام منتفی ہے کیونکہ اوّل یعنی مجیئت بھی منتفی ہے۔ تو "لو" انتفائے ثانی کے لئے آتا ہے بوجہ انتفائے اول کے۔ یوں کہو کہ "لو" کلام مثبت کو کلام منفی بنا دیتا ہے۔ اور منفی کو مثبت بنا دیتا ہے۔ اور دیئے گئے مثال میں "لو" نے مثبت کلام کو منفی میں بدل دیا۔

اور "لو" منفی کلام کو مثبت کرتا ہے۔مثلاً "لو لا علیؓ لهلک عمر" اگر علی رض نہ ہوتے تو عمر رض تو ھلاک ہوتا۔اوّل "لا علیؓ" منفی ہے۔اور آگے "لهلک عمر" مثبت ہے۔"لو" نے آکر بتایا کہ ھلاکت عمر رض منتفی ہے کیونکہ علی رض موجود ہے۔تو دیکھو "لَوْ" کی وجہ سے اوّل میں ثبوت آیا اور ثانی میں نفی۔تو "لو" جب بھی کلام میں داخل ہوتا ہے تو یہ مثبت کلام کو منفی کرتا ہے اور منفی کلام کو مثبت کرتا ہے۔

دوسرا مقدمہ: دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا ہوتا ہے۔مثلا جاءنی زیدٌ و عمرٌو۔ یہاں زید معطوف ہے اور عمرو معطوف علیہ ہے۔تو معطوف علیہ زید یہاں فاعل ہے اور عمرو معطوف بھی فاعل ہے جاء کے لئے۔اور شعر میں "لم اطلب" کا عطف "کفانی" پر ہے۔اور "لو" حرف شرط ہے۔یہ دو جملوں پر داخل ہوتا ہے۔پہلا جملہ شرط کہلاتا ہے اور ثانی جزا۔تو یہاں شرط و لو اَنَّمَا اَصْغٰی لِاَدْنٰی مَعِیْشَةٍ ہے۔اور کفانی و لم اَطْلُبْ قلیلٌ من المالِ جزا ہے۔اور لم اطْلُبْ کا عطف کفانی پر ہو رہا ہے۔تو لم اطْلُبْ کا وہی حکم ہے جو کفانی کا ہے۔صاحب کافیہ کہتے ہیں، کہ اے کوفہ والوں آپ نے یہ کہا کہ کفانی اور لم اطْلُبْ یہ جھگڑا کر رہا ہیں قلیلٌ کے اندر۔تو آپ کی یہ دلیل ٹھیک نہیں کیونکہ تنازع فعلین یہاں ہے ہی نہیں۔اگر تنازع فعلین مان لے تو اجتماع نقیضین لازم آئے گا۔

اجتماع نقیضین کی وضاحت: و لو اَنَّمَا اَصْغٰی لِاَدْنٰی مَعِیْشَةٍ اور اگر میں کوشش کرتا تھوڑی سی معیشت کے لئے، اور اس پر جو "لو" آیا۔اس نے اس مثبت جملہ کو منفی کیا یعنی "میں تھوڑی روزی کے لئے کوشش نہیں کرتا"۔اور کوشش نہیں کرتا یعنی طلب نہیں کرتا۔اور آگے آیا "کفانی قلیلٌ من المال" تھوڑا سا مال میرے لئے کافی ہوتا، اور یہ ہے مثبت اسکو کرو منفی تو "تھوڑا مال میرے لئے کافی نہیں"۔اور آگے آرہا ہے "لم اطلب" یہ بھی جزا کے حکم میں ہے۔اور یہ ہے منفی۔اور منفی پر جب "لو" داخل ہوتا ہے تو یہ مثبت بناتا ہے۔تو معلوم ہوا کہ میں طلب کرتا ہوں تھوڑے سے مال کو۔تو پیچھے تھا کہ میں تھوڑے سے مال کو طلب نہیں کرتا اور آگے ہے کہ میں تھوڑے سے مال کو طلب کرتا ہوں۔اور یہ اجتماع نقیضین ہیں۔یہ دونوں اکھٹے نہیں ہو سکتے۔یا تو طلب ہو گی یا طلب نہیں ہو گی۔

تو معلوم ہوا کفانی اور لم اطْلُبْ یہ دونوں قلیلٌ من المالِ میں تنازع نہیں کرتا۔کیونکہ اس سے معنی میں خرابی لازم آتی ہے۔

یعنی کفانی قلیل من المال: میرے لئے تھوڑا سا مال کافی نہیں۔"لو کے داخل ہونے کے بعد"۔اور لم اطلب قلیل من المال: میں تھوڑے سے مال کو طلب کرتا ہوں۔"یہ بھی لو کے آنے کے بعد"۔اور اس سے اجتماع نقیضین لازم آتا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ یہ قلیلٌ من المال یہ فاعل ہے کفانی کے لئے۔اور لم اطلب کا مفعول محذوف ہے یہ قلیل اسکا مفعول نہیں بن رہا۔اور لم اطلب کے لئے مفعول دوسرے شعر سے سمجھ میں آرہا ہے۔یعنی میں طلب کرتا ہوں، کس چیز کو طلب کرتا ہوں، المجدَ المؤثَّلَ یعنی پائیدار بزرگی کو طلب کرتا ہوں۔تو لم اطلب کے مفعول کو اس لئے محذوف کیا کیونکہ آگے آنے والا شعر اس پر دلالت کر رہا ہے۔اور مفعول فضلہ ہوتا ہے اسکی حذف جائز ہے۔

لیسَ منهُ یہ تنازع فعلین سے نہیں۔ یہ ھا ضمیر راجع ہے تنازع فعلین کو۔ لفسادِ المعنیٰ معنی کے فساد کی وجہ سے۔ یعنی اجتماع نقیضین لازم آتا ہے۔

درس 27۔

مرفوعات کی بحث میں آج ہم نائب الفاعل کے بارے میں پڑھیں گے۔ نائب الفاعل کو مفعول ما لم یسم فاعله کو کہتے ہے۔

مفعولُ ما اس ما سے مراد فعل ہے۔ یعنی فعل کا مفعول لم یُسَمَّ کہ ذکر نہ کیا گیا ہو فاعلُهُ اس فعل کے فاعل کو۔ مفعول اس فعل کا، کہ ذکر نہ کیا گیا ہو اس کا فاعل کو۔ یعنی فعل کا فاعل ذکر نہیں۔ مثلاضُرِبَ زیدٌ عمرًوا میں زید فاعل ہے اور عبارت میں ذکر ہے۔ یہ جائز نہیں کہ فاعل کو حذف کیا جائے اور فعل موجود ہو۔ مگر اگر فاعل کو حذف کیا جائے اور مفعول کو اس کا قائم مقام بنا دیا جائے تو یہ جائز ہے۔ تو اس صورت میں فعل کو مجہول کی طرف بدل دیتے ہیں۔ تو کلام یوں بنے گا، ضُرِبَ عمرٌو۔ اب یہ عمرٌو ایسے فعل کا مفعول ہے جس کے فاعل کو ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ یعنی مفعول ما لم یسم فاعله ہے۔

تعریف۔ کلُّ مفعولٍ حُذِفَ فاعلُهُ ہر اس مفعول کو کہتے ہیں، جس کے فاعل کو حذف کر دیا جائے و اُقیمَ هُوَ اور قائم کر دیا جائے اس مفعول کو مَقامَهُ اُس فاعل کی جگہ۔ یعنی زید کو ہم نے خذف کیا اور عمرو کو اس کا قائم مقام بنا دیا۔ و شرطُهُ اور مفعول کو فاع کے قائم مقام بنانے کی شرط اَنْ تُغَیَّرَ کہ بدل دیا جائے صیغةُ الفعل فعل کے صیغے کو الیٰ فُعِلَ او یُفْعَلُ فُعِلَ یا یُفْعِلُ کی طرف۔ یعنی فعل کو مجہول کے صیغے کی طرف بدل دیا جائے۔ ماضی ہو تو ماضی مجہول اور اگر مضارع ہو تو مضارع مجہول کی طرف۔

و لا یَقعُ المفعولُ الثانی مِن باب علمتُ اور واقع نہیں ہوتا مفعول ثانی باب علمتُ سے۔ یعنی باب علمت سے دوسرا مفعول فاعل کی جگہ پر واقع نہیں ہوگا۔ یعنی اسے نائب فاعل نہیں بنا سکتے۔ باب علمت کے جو دو مفعول ہیں وہ دراصل مبتدا خبر ہوتے ہیں۔ مثلازیدٌ فاضلٌ یہ مبتدا خبر ہے۔ اس میں زید مسند الیہ ہے اور فاضل مسند۔ یہاں فاضل کو نائب الفاعل نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ یہ دراصل مسند ہے، اور پھر مسند الیہ بن جائے گا۔ اور حالت واحدہ کے اندر ایک شے کا مسند ہونا بھی لازم آیا اور مسند الیہ ہونا بھی لازم آیا، اور یہ تو جائز نہیں۔ لہذا دوسرے کو مسند الیہ یعنی نائب فاعل بنانا جائز نہیں۔

باب علمتُ یعنی افعال قلوب دو مفعول چاہتے ہیں۔ جیسا کہ علمتُ زیدًا فاضلاً: میں نے زید کو فاضل جانا، اسی طرح باب اَعطیتُ بھی دو مفعول چاہتے ہیں۔ جیسا کہ اَعطیتُ زیدًا دِرْهَمًا: میں نے زید کو درھم دیا۔ لیکن فرق یہ کہ افعال قلوب میں جو دو مفعول ہوں گے، وہ ایک ہی ذات پر دلالت کرتے ہیں۔ جبکہ باب اَعطیتُ کے جو دو مفعول ہیں انکی ذات الگ الگ ہو گی۔

و الثالثُ مِنْ بابِ اَعلمتُ اور تیسرا مفعول باب اعلمت سے۔ یہ باب افعال ہے، اَعْلَمَ یُعْلِمُ اِعْلَامًا۔ اگر کوئی فعل لازمی ہو تو اسکو باب افعال میں لے جانے سے یہ متعدی بن جائے گا۔ اگر پہلے کسی بھی مفعول کا تقاضا نہیں کرتا تو ابھی ایک مفعول کا تقاضا کریگا۔ اگر فعل پہلے سے متعدی بیک مفعول ہو تو باب افعال میں یہ دو مفعول کا تقاضا کریگا۔ اور اگر فعل پہلے سے متعدی بدو مفعول تھا تو باب افعال میں لے جانے سے تین مفعول کا تقاضا کریگا۔ تو عَلِمَ پہلے دو مفعول چاہتا تھا، اور باب افعال میں لے جانے سے اَعْلَمَ اب تین مفعول چاہتا

ہے۔پہلے عَلِمْتُ زیدًا فاضِلاً تھا،اب اَعْلَمْتُ عمرًوا زیدًا فاضلاً۔ میں نے عمرو کو جتلایا کہ زید فاضل ہے۔ تو یہاں بھی وہی مسئلہ درپیش ہے جو علمت کے اندر تھا۔ یہاں بھی زیدٌ فاضلٌ مبتدا خبر تھے۔ تو اس پر اعلم داخل ہوا جس نے ان دونوں کو مفعول بنا دیا۔ ایک مفعول پہلے تھا، تو دوسرے اور تیسرے مفعول یہ بن گئے۔اب زیدٌ فاضلٌ جب مبتدا خبر تھے تو فاضل کا اسناد زید کی طرف ہو رہا تھا۔اب اگر آپ فاضل کو اعلم کے لئے نائب فاعل بنادیں گے تو یہ مسند الیہ بن جائے گا۔ تو یہ مسند بھی ہوا اور مسند الیہ بھی ہوا ایک ہی حالت میں ،اور ایک ہی شے کا ایک ہی وقت میں مسند بھی ہونا اور مسند الیہ بھی ہونا، یہ جائز نہیں۔ لہذا اس کو نائب فاعل نہیں بنا سکتے۔

و المفعولُ لَهُ والمفعولُ مَعَهُ كذالک اور مفعول لہ اور مفعول معہ بھی اسکی طرح ہے۔ یعنی جیسے باب علمت کا ثانی اور باب اعلمت کا ثالث یہ نائب فاعل واقع نہیں ہو سکتے تھے اسی طرح یہ دونوں بھی نائب فاعل واقع نہیں ہو سکتے۔

مفعول لہ: وہ مصدر جو ما قبل فعل کی علّت بیان کر رہا ہو۔

مفعول لہ: وہ مصدر جو ما قبل فعل کی علّت بیان کر رہا ہو۔ ضربتُ زیدًا تادیبًا: میں یہ تادیبًا مفعول لہ ہے۔ اگر آپ اس تادیبًا کو نائب فاعل بنانا چاہتے ہیں۔ تو پہلے آپ اس پر نصب پڑھتے تھے۔ تو نائب فاعل بننے کے بعد اس پر رفع پڑھنا ہوگا۔ کیونکہ نائب فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ جیسا کہ ضربَ زیدٌ عمرًوا میں عمرًوا پر نصب پڑھتے تھے اور ضُرِبَ عَمْرٌو میں عمرٌو مرفوع پڑھتے ہیں۔ اب اگر تادیبًا کو آپ نے نائب فاعل بنایا تو اس پر رفع پڑھنا پڑھے گا۔ تو اس کا نصب فوت ہو جائے گا۔ اور یہ نصب ہی بتاتا تھا کہ یہ ما قبل فعل کے لئے علّت ہے۔

مفعول معہ: مفعول معہ وہ ہے جو واو بمعنی مع کے بعد آئے۔ جیسا کہ جاءَ البردُ والجُبَّاتِ: آئی سردی جبّوں کے ساتھ۔ یا جیسے آپ کہتے ہیں، جاء زیدٌ و عمرًوا۔ آیا زید عمرو کے ساتھ۔ اس میں یہ عمرو مفعول معہ ہے، کیونکہ یہ واو بمعنی مع کے بعد آرہا ہے۔ اب اگر مفعول معہ کو نائب فاعل بنانا چاہے، تو نائب فاعل بنانے کے لئے یا تو اسکو واو کے ساتھ رکھیں گے، یا واو کے بغیر۔ واو کو ہم نہیں گرا سکتے کیونکہ جب واو کو گرائیں گے تو یہ مفعول معہ رہا ہی نہیں۔ اور اگر واو کو باقی رکھے تو پھر فعل کا اسناد اسکے طرف جائز ہی نہیں۔ کیونکہ واو میں اصل عطف ہے۔ تو یہ واو دلالت کرتا ہے انفصال پر، کہ یہ ما بعد ما قبل سے جدا ہے۔ اور فاعل اور نائب فاعل فعل کے جز کی طرح ہوتے ہیں، جدا نہیں ہوتے۔ تو یہ فاعل یا نائب فاعل ہونا جزئیت پر دلالت کرتا ہے اور واو انفصال پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ دونوں آپس میں مُغائر ہیں۔ یعنی جز بھی ہو اور جدا بھی ہو ایسا نہیں ہو سکتا۔ لہذا مفعول معہ نائب فاعل نہیں بن سکتا۔

واذا وُجد المفعولُ بهٖ تَعيَّن لَهُ اور جب مفعول بہ پایا جائے تو وہ متعین ہو جاتا ہے قائم مقام ہونے کے لئے۔ ایک جملہ سنا رہا ہوں۔ ضَرَبَ عمرٌو زیدًا مفعول بہ یومَ الجمعةِ مفعول فیہ(ظرف زمان) اَمَامَ الاَمِیْرِ ظرف مکان ضَرْبًا شَدِیْدًا مفعول مطلق فی دارِہٖ ظرف مجازی(جار مجرور) ۔ تو ایسے موقع پر مفعول بہ جب موجود ہے تو وہ متعین ہو جاتا ہے اور اسکو نائب فاعل بنایا جائے گا۔ اب فعل ضُرِبَ لاتا ہوں، اور فاعل کو حذف کرتا ہوں، اور فاعل کے قائم مقام مفعول بہ کو بناتا ہوں۔ اور یوں کہوں گا، ضُرِبَ زیدٌ یومَ الجمعة امامَ الامیرِ ضربًا شدیدا فی دارِہٖ۔ تو جب مفعول بہ موجود ہو اور باقی بھی موجود ہو، تو یہ مفعول بہ متعین ہو جاتا ہے

نائب فاعل بنانے کے لئے۔ تَقُولُ ضُرِبَ زیدٌ یومَ الجمعة اَمامَ الامیرِ ضربا شدیدا فی دارِہٖ پٹھائی کی گئی زید کی، جمعہ کے دن، امیر کے سامنے، زبردست پٹھائی اُس امیر کے گھر میں۔ یا آپ ضمیر زید کی طرف بھی لوٹا سکتے ہیں۔ فتعیَّن زیدٌ۔ پس زید متعین ہو گیا کہ وہ فاعل کی جگہ پر واقع ہو۔

فانْ لم یکن اور اگر ایسا نہ ہو، یعنی مفعول بہ نہ ہو۔ فالجمیعُ سواءٌ تو پھر سارے برابر ہیں۔ یعنی سارے مفعول برابر ہیں اس فاعل کی جگہ پر واقع کرنے کے لئے۔ یعنی آپ جس کو چاہے، واقع کر دے فاعل کی جگہ۔ یعنی اگر زید نہ ہوتا تو پھر آپ کی مرضی، چاہے تو مفعول فیہ (ظرف زمان) کو نائب فاعل بنادے، چاہے تو ظرف مکان کو نائب فاعل بنادے۔ یا مصدر کو نائب فاعل بنادے یا جار مجرور (ظرف مجازی) کو نائب فاعل بنادے۔

والاَوَّلُ من بابِ اعطیتُ اَوْلیٰ من الثانی اوّل مفعول باب اعطیت کا یہ اولیٰ ہے مفعول ثانی سے۔ جیسا کہ اعطیتُ زیدًا درھمًا۔ اس میں آپ دونوں کو نائب فاعل بنا سکتے ہیں۔ لیکن پہلے مفعول کو نائب فاعل بنانا یہ اولیٰ ہے بنسبت دوسرے مفعول کو نائب فاعل بنانے کے۔ اور پہلا اس لئے اولیٰ ہے کیونکہ اسکے اندر فاعلیت کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔

درس 28۔

و مِنھا المُبتدَأُ و الخبرُ مرفوعات میں سے مبتدا اور خبر ہیں۔ مبتدا اور خبر دونوں میں تلازم ہیں اس لئے دونوں کو اکھٹا ذکر فرمایا۔ کیونکہ جہاں مبتدا آئے گا وہاں خبر بھی آئے گا۔ اور جہاں خبر آئے گا وہاں مبتدا بھی آئے گا۔ نیز دونوں کو اس لئے اکھٹے ذکر کیا کہ دونوں میں عامل معنوی ہے۔ مبتدا میں بھی عامل ابتدا ہے اور خبر میں بھی عامل ابتدا ہے۔ ابتدا: ابتدا کہتے ہیں اسم کا خالی ہونا عوامل لفظیہ سے اس طور پر کہ اس کی طرف کسی کا اسناد ہو یا اسکا اسناد کسی کی طرف ہو۔ معلوم ہوا کیلا زید ہو تو اس میں ابتدا عامل نہیں۔ کیونکہ یہ تو عوامل لفظیہ سے خالی ہے لیکن اس طور پر نہیں کہ اسکا اسناد کسی کی طرف ہے یا کسی کا اسناد اسکی طرف ہے۔ اور زیدٌ رجلٌ میں رجلٌ کا اسناد زید کی طرف ہو رہا ہے۔ رجلٌ مسند ہے اور زیدٌ مسند الیہ ہے۔ اب زیدٌ میں عامل ابتدا ہے اور رجلٌ میں بھی عامل ابتدا ہے۔ کیونکہ ابتدا کی تعریف ان پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ زید کی طرف رجل کا اسناد کیا گیا۔ اور رجل کا اسناد کیا گیا زید کی طرف۔ اور زید اور رجل یہ دونوں عوامل لفظیہ سے بھی خالی ہے۔

فالمبتدأُ ھو الِاسْمُ المُجَرَّدُ عن العوامل اللفظیةِ مبتدا ایسا اسم ہے جو خالی ہو عوامل لفظیة سے۔ ھوَ لِسْمٌ پڑھیں گے۔ کیونکہ الف لام کا ہمزہ بھی وصلی ہے اور اسم کا ہمزہ بھی وصلی ہے۔ مُسْنَدًا الیہِ اس حال میں کہ اس کی طرف اسناد کیا جائے۔ مسندًا الیہ حال ہے۔ یعنی یہ مسندٌ الیہ ہو۔ یہ ہے مبتدا کی قسم اوّل۔ زیدٌ قائمٌ میں زید مبتدا ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی عوامل لفظی نہیں آرہا۔ اور اسکی طرف قیام کا اسناد ہوا۔ تو یہ مبتدا ہے یعنی مسند الیہ ہے۔

یہاں سے مصنف رح مبتدا کی قسم ثانی ذکر کر رہے ہیں۔ یاد رکھو مبتدا کی ایک اور قسم ہوتی ہے جو کہ مسند الیہ نہیں بلکہ مسند ہوتی ہے۔ اسکی تین شرائط ہیں جو کہ صاحب کافیہ ذکر فرمائے گا۔ اَوِ الصِّفَةُ اسکا عطف ہے الاسمُ پر۔ ای ھو الصِّفَةُ۔ وہ ایسی صفت ہے، یہ پہلا

شرط ہے مبتداثانی کے لئے۔یعنی صفت کا صیغہ ہو۔صفت کے صیغے سے اسم فاعل،اسم مفعول،صفت مشبہ اور اسم منسوب مراد ہے۔اسم منسوب سے مراد ایسا اسم ہے جس کے آخر میں یائے مشدد لگائی جاتی ہے نسبت کے لئے۔جیسا کہ لاهورِیٌّ۔ یعنی لاھور کی طرف منسوب۔ اسم فاعل عام طور پر فاعل کی ضمیر کو رفع دیتا ہے۔جیسا کہ زیدٌ قائمٌ میں قائمٌ صفت کا صیغہ ہے۔اور اپنے فاعل ھوَ ضمیر کو رفع دیتا ہے۔اسی طرح صفت مشبہ بھی فاعل کا تقاضا کرتی ہے۔جیسا کہ الرَّجُلُ شریفٌ: وہ آدمی شریف ہے۔اس میں شَرِیْفٌ صفت کا صیغہ ہے۔اس نے فاعل ھوَ ضمیر کو رفع دیا۔اسم مفعول نائب فاعل کو رفع دیتا ہے۔جیسا کہ زیدٌ مضرُوبٌ میں مضروبٌ نے نائب الفاعل ھو ضمیر کو رفع دیا جو کہ زیدٌ کو راجع ہے۔اسی طرح اسم منسوب بھی نائب فاعل کا تقاضا کرتی ہے۔جیسا کہ لاهورِیٌّ کے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا نائب فاعل ہے۔تو اسم منسوب نائب فاعل کو رفع دیتا ہے۔

اسم فاعل کے لئے کبھی کبھار اسم ظاھر بھی فاعل بنتا ہے۔تو پھر یہ اس اسم ظاہر کو رفع دیتا ہے۔جیسا کہ زیدٌ ضاربٌ ابوهُ میں ضاربٌ کے لئے ابوهُ فاعل ہے۔اور ضاربٌ نے ابوهُ کو رفع دیا۔اب ضاربٌ کے اندر ضمیر نکالنا نہیں پڑے گا۔اسی طرح صفت مشبہ کے لئے فاعل کبھی کبھار اسم ظاھر آتا ہے۔نیز اسم مفعول اور اسم منسوب کے لئے بھی نائب فاعل کبھی کبھار اسم ظاھر آتا ہے۔

الواقعةُ بعدَ حرفِ النفی او الفِ الاستفهامِ جو کہ حرف نفی کے بعد واقع ہو یا الف استفہام کے بعد واقع ہو۔الف استفہام یا اس جیسے حروف جو استفہام کے لئے آتے ہیں اُس کے بعد واقع ہو۔یعنی ھل، من، ما وغیرہ۔یہ دوسرا شرط ہے۔ **رافعةً لِظاهرٍ** اس حال میں کہ وہ صفت رفع دینے والی ہو اسم ظاھر کو۔یہ تیسری شرط ہے۔یعنی اس کا فاعل اسم ظاھر آرہا ہو۔یہاں پر اسم ظاھر کی قید لگائی۔جیسا کہ اَقَائِمٌ زیدٌ میں قائمٌ صفت کا صیغہ ہے،الف استفہام کے بعد آرہا ہے،اور اسم ظاہر کو رفع دیتا ہے۔تو یہ مبتدا کی قسم ثانی ہوا۔اور یہ مبتدا مسند ہے۔تو معلوم ہوا کہ مبتدا دو قسم پر ہے۔ایک وہ مبتدا ہے جو کہ ہمیشہ مسند الیہ بنتا ہے اور ایک یہ مبتدا ہے جو کہ مسند بنتا ہے۔اور یہ جو زید اس کا فاعل ہے یہ قائم مقام خبر کی ہے۔ترکیب۔ہمزہ استفہام،قائمٌ صیغہ اسم فاعل مبتدا،زید مرفوع لفظا اسکا فاعل، قائم مقام خبر کے،مبتدا قائم مقام خبر سے ملکر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔

سوال: یہ قید کیوں لگائی کہ یہ حرف نفی یا الف استفہام کے بعد ہو؟ وجہ یہ کہ آپ نے ھدایۃ النحو کے اندر اسم فاعل کی بحث میں پڑھا ہے،کہ اسم فاعل بھی فعل والا عمل کرتا ہے۔جیسا کہ فعل لازم فاعل کو رفع دیتا ہے۔تو اس فعل لازم سے جو اسم فاعل بنے گا وہ بھی اپنے فاعل کو رفع دیگا۔اور اگر فعل متعدی ہو،تو اسم فاعل بھی اپنے فاعل کو رفع دیگا اور مفعول کو نصب۔اگرچہ مفعول کا آنا ضروری نہیں۔کیونکہ مفعول فضلہ ہوتا ہے۔اور کبھی انکو حذف بھی کیا جاتا ہے۔اسم فاعل بھی فعل والا عمل کرتا ہے،لیکن اس کی عمل کے لئے دو شرطیں ہیں۔پہلی شرط کہ یہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو۔تو ضاربٌ کا معنی ہوگا،پٹھائی کرنے والا اس وقت یا پٹھائی کرنے والا آئندہ زمانے میں۔تو پھر یہ فاعل کو رفع دے گا۔اگر اس کا معنی ماضی والا ہو،یعنی پٹھائی کرنے والا تھا،تو اب یہ عمل نہیں کرے گا۔دوسری شرط یہ ہے کہ چھ چیزوں میں سے کسی ایک چیز پر اعتماد ہو،اگر ان میں سے کسی ایک پر بھی اعتماد نہ ہو تو پھر یہ عمل نہیں کرے گا۔اور وہ چھ چیزیں یہ ہیں،(1۔مبتدا،جیسا کہ زیدٌ قائمٌ میں قائمٌ نے ھو کو رفع دیا مبتدا زید پر اعتماد کرتے ہوئے۔یا زیدٌ قائمٌ ابوهُ میں ابوهُ کو رفع قائمٌ نے دیا زید پر اعتماد کرتے

ہوئے۔ 2۔ یا اس کا اعتماد ہو ذوالحال پر، یعنی یہ صفت حال بن رہی ہے۔ 3۔ یا اس کا اعتماد موصوف پر ہو، یعنی یہ صفت بن رہا ہو، تو پھر یہ عمل کریگا۔ 4۔ یا اسکا اعتماد اسم موصول پر ہو تو پھر بھی یہ عمل کریگا۔ 5۔ یا یہ حرف نفی کے بعد ہو۔ 6۔ یا یہ حرف استفہام کے بعد ہو، تو پھر یہ عمل کریگا۔ اور یہ وہ دو ہیں، حرف نفی اور حرف استفہام جو یہاں ذکر ہے۔ صفت کا صیغہ ان پر اعتماد کریگا تو یہ عمل کریگا۔ اور اگر ان پر اعتماد نہیں تو عمل بھی نہیں۔) بھئی یہ مبتدا کی قسم ثانی کی کیا ضرورت پیش آئی نحویوں کو؟ مبتدا تو ہمیشہ مسند الیہ ہوتا ہے اور یہ تو مسند کو مبتدا بنانا پڑا۔ جواب یہ کہ بعض صورتوں کے اندر مسئلہ حل ہی نہیں ہوتا تھا، تو مجبوراً اسکو مبتدا کی قسم ثانی بنانا پڑی۔ مثلاً میں کہتا ہوں، اَقَائِمٌ الزیدَانِ ۔ اس سے پہلے ایک بات یاد رکھو، فاعل جب اسم ظاہر ہو تو فعل ہمیشہ مفرد لاتے ہیں۔ یعنی جب فعل کا اسناد اسم ظاہر کی طرف ہو تو فعل ہمیشہ مفرد لایا جاتا ہے۔ جیسا کہ ضربَ زیدٌ، ضربَ الزیدانِ، ضربَ الزیدُوْنَ۔ اسی طرح اسم فاعل وغیرہ بھی ہے، جب یہ اسم ظاہر کو رفع دیگا تو اسم فاعل کو مفرد لانا ہوگا۔

اور جب ضمیر کو رفع دے تو تثنیہ، جمع آسکتے ہیں۔ جیسا کہ ضربَ میں ھوَ کی ضمیر، ضربَا میں الف کو فاعل بنادیا، اور ضربوا میں واو جمع کی ضمیر کو فاعل بنادیا۔ یعنی اگر ضمیر مفرد کی ہو تو فعل مفرد، ضمیر تثنیہ کی ہو تو فعل تثنیہ اور اگر ضمیر جمع کی ہو تو فعل بھی جمع۔ اسی طرح صفت کے صیغے کے لئے جب فاعل ضمیر ہو تو یہ صفت کا صیغہ بھی ضمیر کے مطابق آئے گا۔ اگر ضمیر مفرد ہو تو صفت کا صیغہ بھی مفرد ہے، اگر ضمیر تثنیہ ہو تو صفت کا صیغہ بھی تثنیہ ہوگا اور اگر ضمیر جمع ہو تو صفت کا صیغہ بھی جمع ہوگا۔

اب نحوی مجبور ہوئے مبتدا کی قسم ثانی بنانے پر، کیسے؟ مثلاً اَقَائِمٌ الزیدانِ اس میں ہمزہ استفہام، قائمٌ صیغہ اسم فاعل، اب دو ترکیبیں ہیں۔ یا تو قائمٌ کو خبر مقدم بنائیں گے اور الزیدان کو مبتدائے مؤخر۔ قائمٌ مفرد کا صیغہ ہے۔ اس میں ھو ضمیر جو کہ راجع ہے الزیدان کو۔ لیکن یہ تو ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہی نہیں رہی۔ لہذا ہم قائمٌ کو خبر مقدم نہیں بنا سکتے۔ تو مجبوراً نحویوں کو یہ کہنا پڑا کہ یہ قائمٌ مبتدا ہے۔ اور یہی وہ مبتدا ہے جو رفع دے رہا ہے الزیدانِ کو، اور الزیدانِ تثنیہ ہے اور قائم مفرد ہے، اسکی وجہ یہ ہے، کہ صفت کے صیغے یا فعل کے لئے جب فاعل اسم ظاہر آئے تو صفت یا فعل کے صیغے کو مفرد ہی رکھیں گے۔ تو دیکھو یہ قائمٌ صفت کا صیغہ ہے اور رفع دے رہا ہے اسم ظاہر الزیدانِ کو، اور یہ الزیدانِ قائم مقام خبر کے ہے۔

مثلُ زیدٌ قائمٌ جیسا کہ زیدٌ قائمٌ۔ یہ مبتدا کی قسم اوّل کی مثال ہے۔ اس پر پہلا تعریف صادق آتا ہے۔ یعنی زید ایسا اسم ہے جو خالی ہے عوامل لفظیہ سے، اور مسند الیہ ہے کیونکہ قائم کا اس کی طرف اسناد ہے۔ و ما قائمٌ الزیدانِ اور یہ مبتدا کی قسم ثانی کی مثال ہے۔ یہاں ما حرف نفی ہے، قائمٌ صیغہ اسم فاعل ہے، اور یہ ہے مبتدا، اور الزیدانِ اسکا فاعل قائم مقام خبر کے ہے۔ اور قائمٌ کو خبر مقدم نہیں بنا سکتے کیونکہ پھر مبتدا اور خبر میں مطابقت نہیں رہے گی۔ اور یہ حرف نفی کی مثال تھی۔ و اَ قائمٌ الزیدانِ اور یہ الف استفہام کی مثال ہے۔

فان طابقتْ اگر مطابق ہو جائے صفت مفردا مفرد کے، یعنی آگے اسم ظاہر او مفرد تھا، اور یہ صفت بھی اسکے مطابق ہو کر مفرد آئی۔ جیسا کہ اَ قائمٌ زیدٌ تو دیکھو صفت بھی مفرد اور آگے اسم ظاہر بھی مفرد۔ جاز الاَمران پھر دونوں معاملے جائز ہیں۔ یعنی صفت

خبر بھی بنا سکتے ہیں اور مبتدا کی قسم ثانی بھی بنا سکتے ہیں۔ یعنی اُس صفت کو بھی مبتدا کی قسم ثانی بھی بنا سکتے ہوں اور اُس اسم ظاہر کو بھی مبتدا بنا سکتے ہوں۔

نیز اگر آگے اسم ظاہر تثنیہ یا جمع کا صیغہ ہو، اور صفت کے صیغے کا اس کے ساتھ مطابقت ہوا، تو اس صورت میں صفت کو خبر ہی بنائیں گے۔ جیسا کہ ما قائمانِ الزیدانِ میں قائمانِ مبتدا کی قسم ثانی نہیں بن سکتا۔ کیونکہ آگے اسم ظاہر آرہا ہے اور اسم ظاہر جب بھی آئے تو فعل یا صفت مفرد ہی لانا پڑے گا۔ لہذا اب یہ خبر مقدم ہوگا، جس میں تثنیہ کی ضمیر ہے جو کہ الزیدانِ مبتدا مؤخر کو لوٹ رہی ہے۔ اسی طرح ما قائمونَ الزیدونَ بھی ہے۔ جس میں ما حرف نفی ہے۔ قائمونَ خبر مقدم ہے اور اس میں جمع کی ضمیر راجع ہے مبتدا مؤخر الزیدونَ کو۔ تو اس صورت میں صفت کے صیغے کو مبتدا کی قسم ثانی نہیں بنا سکتے۔

اور اگر صفت کے صیغے اور اسم ظاہر میں مطابقت نہ ہو تو پھر صفت کے صیغے کو مبتدا کی قسم ثانی ہی بنانا پڑے گا۔

والخبر هو المُجَرَّدُ ای هو الاسمُ المجرَّدُ: خبر ایسا اسم ہے جو خالی ہو، پیچھے گزرا تھا کہ عَنِ العواملِ اللفظیة۔ یعنی خبر ایسا اسم ہے جو خالی ہو عوامل لفظیہ سے۔ المسندُ به اور مسند بہ ہو۔ تو خبر کے اندر مبتدا کی قسم ثانی بھی داخل ہو رہی تھی۔ کیونکہ قسم ثانی بھی مسند بہ ہے۔ جیسا کہ اَقَائِمٌ الزیدَانِ میں قائِمٌ پر نظر رکھے۔ قائِمٌ اسم ہے، اور خالی ہے عوامل لفظیہ سے۔ اور مسند بہ ہے کیونکہ اس کا اسناد زیدانِ کی طرف ہو رہا ہے۔ خبر کی تعریف اس پر بھی صادق آرہی تھی۔ تو اس کو اب تعریف سے نکال رہے ہیں۔ اَلْمُغَايِرُ لِلصفة المذكورة اور وہ جو صفت ذکر ہوئی تھی اس سے غیر ہو۔

و اصلُ المبتدأِ اَلتقديمُ اور مبتدا میں اصل تقدیم ہے۔ یعنی مبتدا مقدم ہونا چاہئے۔ اور خبر میں اصل مؤخر ہونا ہے۔ اس لئے کہ مبتدا ہے ذات اور خبر ہے اُس کا حکم یعنی حال۔ جیسا کہ زیدٌ قائِمٌ میں ذات زید ہے۔ پہلے ذات آئیگا تو پھر اس کے حال کے بارے پتہ چلے گا۔ تو زید ذات ہے اور قیام اس کا حال ہے۔ یعنی پہلے ذات آگئی اب اس پر قیام کا حکم لگاؤ۔ و مِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے، ثَمَّ اسم اشارہ ہے۔ کبھی اس کے ساتھ ھا بھی ملادیتے ہے۔ ثَمَّةَ، وقف کے لئے۔ جازَ یہ ترکیب تو جائز ہے فی دارِهٖ زیدٌ فی دارِهٖ یہ جار مجرور ہے۔ یاد رکھو جار مجرور جب بھی کلام میں آئے تو یہ خبر بن سکتا ہے جبکہ مبتدا نہیں بن سکتا۔ جار مجرور آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک چیز کے ساتھ ضرور متعلق ہوگا۔ وہ آٹھ چیزیں یہ ہیں۔ (فعل، مصدر، اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل، مبالغے کے صیغیں اور اسم فعل) ۔ اور یہاں ان آٹھ میں سے کوئی بھی نہیں تو محذوف نکالیں گے۔ پس جار مجرور فی دارِهٖ ثابتٌ سے متعلق ہوا۔ ترکیب۔ فی جار دار مجرور لفظا مضاف، ھا ضمیر مجرور محلا مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر مجرور، جار مجرور ملکر متعلق ہوئے ثابتٌ صیغہ اسم فاعل سے، ثابتٌ صیغہ اسم فاعل اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلا اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے مبتدا مؤخر زید کو، ثابتٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر شبہ جملہ ہو کر خبر مقدم، زید مرفوع لفظا مبتدا مؤخر، مبتدا مؤخر خبر مقدم سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اب یہاں اشکال ہو رہا ہے کہ فی دارِهٖ کی ھا ضمیر تو زید کو راجع ہے اور ثابت کی ھو ضمیر بھی زید کو راجع ہے۔ یہ تو ضمیر پہلے آیا اور مرجع بعد میں آیا۔ یہ تو اضمار قبل الذکر ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زید لفظوں کے اعتبار سے تو مؤخر ہے لیکن اصل میں مقدم ہے اور کلام یوں ہے، زیدٌ فی دارِهٖ،

اب اضمار قبل الذکر لفظا تو آرہا ہے لیکن رُتبۃً نہیں آرہا۔ اور اضمار قبل الذکر جب صرف لفظًا ہو اور رتبۃ نہ ہو تو یہ جائز ہے۔ ہاں اگر اضمار قبل الذکر لفظا بھی ہو اور رتبۃ بھی ہو تو یہ جائز نہیں۔ جیسا کہ اگلے مثال میں آئے گا۔

وَامْتَنَعَ اور یہ ترکیب ممتنع ہے۔ صَاحِبُهَا فِی الدار اس میں صاحبُها مبتدا ہے اور فی الدار خبر ہے۔ اور ھا ضمیر الدار کو راجع ہے۔ اور الدار خبر میں آرہا ہے۔ تو یہ اضمار قبل الذکر آیا لفظًا بھی اور رتبۃً بھی۔ اور یہ جائز نہیں۔ للذا اب اس جملے کی ترکیب بھی نہیں کی جائے گی، کیونکہ یہ جائز ہی نہیں۔

یہ ہے ایک اصل، مبتدا میں اصل ہے مقدَّم ہونا اور خبر میں اصل ہے مؤخر ہونا۔ اصل ثانی یہ ہے کہ مبتدا میں اصل ہے معرفۃ ہونا اور خبر میں اصل ہے نکرۃ ہونا۔ فائدہ: اگر ایک اسم معرفۃ ہو اور دوسرا اسم نکرۃ ہو۔ تو معرفۃ مبتدا بنے گا اور نکرۃ خبر بنے گا۔ اور اگر دونوں اسم معرفۃ ہوں تو پھر چاہے جس کو مبتدا بنائے اور چاہے جس کو خبر بنائے۔ جیسا کہ محمدٌ ص نَبِیُّنَا: محمدٌ ص یہ بھی معرفۃ ہے اور نَبِیُّنا مضاف، مضاف الیہ ملکر یہ بھی معرفۃ ہے۔ تو اس میں سے جس کو چاہے مبتدا بنائے اور جس کو چاہے خبر بنائے۔ لیکن یاد رکھو جس کو مبتدا بنانا ہے اسکو مقدم رکھو اور جس کو خبر بنانا ہے اسکو مؤخر۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نکرۃ مبتدا بن سکتا ہے یا نہیں؟ صاحب کافیہ آپ کو بتلائیں گے کہ کبھی کبھار نکرۃ بھی مبتدا بن جایا کرتا ہے۔ اور نکرۃ مبتدا اس وقت بن جایا کرتا ہے جبکہ اسکے اندر تخصیص پیدا ہو جاتا ہے۔ تخصیص کا معنی ہے دیگر احتمالات کو ختم کرنا یا کم کرنا۔ تو تخصیص سے وہ نکرۃ معرفہ تو نہ بنا لیکن معرفۃ کے قریب ہو گیا۔ اور " قریب الی الشیٔ فی حکم الشیٔ " ہوتی ہے۔ جیسا کہ غلام کا لفظ دنیا کے تمام غلاموں پر صادق آتا ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ کوئی صفت ذکر کیا جائے، جیسا کہ غلامٌ مؤمنٌ۔ اب اس سے کافر غلام مراد نہیں۔ تو اس صفت سے غلام کے اندر تخصیص پیدا ہوا۔ اور اس تخصیص سے یہ معرفۃ کے نزدیک ہوا۔

پھر صاحب کافیہ آپکو تخصیص کے چھ طریقے بتائیں گے۔

و قد یکونُ المبتدأُ نکرةً اور کبھی کبھار مبتدا نکرۃ ہوتا ہے۔ اذا تَخَصَّصَتْ بوجْہٍ ما جب وہ تخصیص پا جائے یعنی وہ نکرۃ، کسی وجہ سے یا کسی طریقہ سے۔ تَخَصَّصَتْ کی ھی ضمیر نکرۃ کو راجع ہے۔ کبھی کبھار کلام کے اندر "ما" کے لفظ کو بڑھا دیا جاتا ہے نکرۃ کے بعد۔ یہ "ما" بھی اسم ہوتا ہے اور ما قبل کے نکرۃ کے لئے صفت بنتا ہے۔ اور اس کو ابہام کے اور زیادہ کرنے کے لئے بڑھایا جاتا ہے۔ یعنی وجہٍ بھی نکرۃ ہے جس میں عموم پایا جاتا ہے اور آگے "ما" سے عموم مزید بڑھ گیا۔

مثلُ مثال کے طور پر۔ آگے تخصیص کے چھ طریقے بتلاتے ہیں۔ [1] و لَعَبْدٌ مؤمنٌ خیرٌ من مشرکٌ اس میں لام تاکید کا ہے، عبد موصوف ہے، اور مؤمنٌ اسکی صفت ہے۔ عبدٌ یہاں مبتدا بن رہا تھا۔ اور نکرۃ کی وجہ سے یہ مبتدا نہیں بن سکتا تھا، تو آگے اس کی صفت مؤمنٌ کی وجہ سے اس میں تخصیص آئی، اور یہ مبتدا بن گیا۔ اور آگے "خیرٌ من مشرکٌ" اسکی خبر ہے۔ اس تخصیص کا نام "تخصیص بالصفت" ہے۔

[2] و اَرجلٌ فی الدار ام امرأةٌ [2] تخصیص بعلم المتکلم۔ یعنی متکلم کے علم کی وجہ سے نکرۃ کے اندر تخصیص آیا۔ تخصیص بعلم المتکلم وہاں آتی ہے جہاں ہمزہ استفہام "ام" متصلہ کے ساتھ آئے۔ صاحب کافیہ آگے جا کر بتلائے گا کہ اَمْ دو قسم پر ہے۔ ایک اَمْ متصلہ اور دوسرا اَمْ منقطعہ۔ یہ اَم متصلہ ہے۔ اِم متصلہ وہ ہے جس کے ذریعے متکلم سوال کرتا ہے، دو متعین چیزوں میں سے کسی

ایک کے تعیین کا۔جیسا کہ آپ کسی سے سوال کرے کہ "اَ رجلٌ فی الدار ام امرأۃٌ" یہ سوال آپ اس وقت کر سکتے ہوں کہ آپ کو پتہ ہو کہ گھر میں مرد یا عورت ہی ہے کوئی تیسرا چیز نہیں۔اب آپ مخاطب سے سوال تعیین کے لئے کر رہے ہیں۔کہ بھئی اتنا تو مجھے پتہ ہے کہ مرد یا عورت میں سے کوئی ہے لیکن مجھے اتنا بتلادو کہ مرد ہے یا عورت۔تو وہ جواب میں کہے گا، "رجلٌ" یا وہ جواب میں کہے گا،"اِمْرَأۃٌ" اس سے وہ تعیین کردے گا۔ اور جواب میں نَعَمْ یا لَا نہیں کہے گا۔یہاں رجلٌ مبتدا ہے۔اور مبتدا بن سکتا ہے کیونکہ اس میں علم متکلم کی وجہ سے تخصیص آگئی۔

[3]و ما احدٌ خیرٌ منک یہ تخصیص کا تیسرا طریقہ ہے۔اسکو تخصیص بالعموم کہتے ہے۔تخصیص بالعموم وہاں آتی ہے، جہاں "نکرۃ" تحتَ النفی واقع ہو۔اور جب نکرۃ تحتَ النفی واقع ہو تو یہ عموم کا فائدہ دیتی ہے۔تو یہاں تخصیص بالعموم آئی۔ بھئی اس پر اشکال ہوا، آپ کہہ رہے ہیں، تخصیص اور تخصیص کر رہے ہیں عموم کے ذریعے۔عموم اور خصوص تو ضدین ہے ایک دوسرے کے۔عموم کا مطلب ہے اشتراک کا زیادہ ہونا۔اور خصوص کا معنی ہے اشتراک کا کم ہونا۔مصنف رح جواب دیتے ہیں کہ تخصیص کا معنی ہے دیگر احتمالات کو کم کرنا یا ختم کرنا۔اور وہ احتمالات یہاں بھی ختم ہو جاتے ہیں۔یہ کلام " ما احدٌ خیرٌ منک" یعنی کوئی ایک بھی آپ سے افضل نہیں۔اس سے "ما" کو ھٹاؤ، یعنی نفی کو ھٹا کر دیکھو اس جملے کو، اور میں آپ سے کہتا ہوں کہ "احدٌ خیرٌ منک فی الدرجۃ الثالِثۃِ": یعنی درجہ ثالثہ والوں میں سے کوئی ایک لڑکا تجھ سے افضل ہے۔اب مثلا درجہ ثالثہ کے تیس طلباء ہیں۔اور میں نے اِس لڑکے سے کہا ہے کہ ایک لڑکا ایسا ہے جو تجھ سے افضل ہے۔اب اس اَحَدٌ میں تیس احتمال ہو گئے۔اور جب میں نے اس پر حرف نفی داخل کیا،"ما احدٌ خیرٌ منک" کوئی ایک بھی تجھ سے افضل نہیں۔اب درجہ ثالثہ کے تمام طلباء کی نفی کی گئی۔اب کوئی دوسرا احتمال نہیں۔یعنی جب یہ نکرۃ اَحَدٌ ، تحتَ النفی آگیا، تو ساروں کی اکھٹی نفی ہو گئی۔تو اس سے عموم آیا۔اور یہاں دیگر احتمالات سارے ختم ہو گئے۔پہلے تیس احتمال تھے اب انتیس ختم ہو گئے اور ایک احتمال ہے اس میں۔

یاد رکھو یہ متن جو صاحب کافیہ نے ذکر کیا یہ مذہب بنو تمیم پر ہے۔اس لئے کہ یہ "ما مشابہ بلیسَ" ہے۔ اور "ما مشابہ بلیسَ" اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب۔اور یہاں آپ دیکھے اسکا خبر بھی مرفوع ہے۔ اَحَدٌ اس کا اسم بھی مرفوع ہے، اور خَیْرٌ اسکا خبر بھی مرفوع ہے۔تو معلوم ہوا کہ یہ متن بنو تمیم کے مذہب پر ہے۔اُن کے نزدیک یہ "مَا" عمل نہیں کرتا۔

[4]و شرٌّ اَھَرَّ ذاناب شر نے ہی بھونکوایا کتے کو۔ذُو ناب: کتا، یعنی کچلی کے دانت والا، ناب کی جمع اَنْیاب آتی ہے یعنی کَچلی کے دانت۔یعنی نوک دار دانت۔ گوشت خور درندوں کے سارے دانت نوک دار ہوتے ہیں۔سبزی خور جانوروں کے سارے دانت ہموار ہوتے ہیں۔

یہاں "تخصیص بالعدول من الجملۃِ الفعلیۃِ الی الجملۃِ الاسمیۃ" ہے۔اصل میں تھا، "اَھَرَّ شَرٌّ ذاناب": بھونکوایا شر نے کتے کو۔اس میں اَھَرَّ فعل ہے، شَرٌّ اس کے لئے فاعل ہے اور ذَاناب (مضاف، مضاف الیہ) اس کے لئے مفعول بہ ہے۔ذُو ہمیشہ مضاف ہوتا ہے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ ہوا۔لیکن پھر وہ جو فاعل تھا اُسکو اٹھایا اور اَھَرَّ پر مقدم کیا۔کیونکہ فاعل کا حق مؤخر ہونا ہے۔اب شَرٌّ ہوا مبتدا، اور اَھَرَّ کے اندر ھو ضمیر اسکا فاعل بن گیا۔

"اَھَرَّ شَرٌّ ذاناب" اصل میں اَھَرَّ کے اندر ھو ضمیر مبدل منہ ہے۔اور شَرٌّ اس سے بدل۔مبدل منہ اپنے بدل سے ملکر فاعل بن گیا۔اور ذاناب اس کے لئے مفعول بن گیا۔تو یہ جملہ فعلیہ ہو گیا۔اور پھر شَرٌّ جو کہ بدل تھا، اسکو اٹھا کر اَھَرَّ پر مقدم کیا۔اب شَرٌّ مبتدا بن گیا۔اور اَھَرَّ

فعل اپنے فاعل هو ضمیر اور مفعول ذاناب کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوا۔ مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو پہلے جملہ فعلیہ تھا اور اب جملہ اسمیہ ہوا۔

تو "تَقْدِيْمُ مَا حَقُّهُ التَّاخِيْرُ يُفِيْدُ الحَصْرَ و القَصْرَ وا لتَّخْصِيْصَ": توجب بھی فاعل کو مسند فعلی پر مقدم کرے تو یہ عام طور پر تخصیص یا تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔

یہ کلام "شَرٌّ اَهَرَّ "اُس موقع پر کیا جاتا ہے، جب کسی بڑے شر کے، بڑے فتنے کے آثار نمودار ہو۔ یعنی محتاط رہو۔ هَرِيْر: کتے کی آواز جو وہ خطرے کی وقت یا تکلیف کے وقت نکالتا ہے۔ اس سے عام بھونکنا مراد نہیں۔ تو یہ کلام "مَا اهرَّ ذاناب الا شر" کے معنی میں ہوا۔ تخصیص کے لئے "ما اور الّا" آتے ہیں۔

بعض لوگ فرماتے ہیں، کہ اس میں شَرٌّ موصوف ہے، اور اسکی صفت عَظِيْمٌ محذوف ہے۔ تو عظیم شر نے کتے کو بھونکوایا ہے۔ تو صفت مقدرہ آ گئی اور صفت کی وجہ سے نکرۃ میں تخصیص آجاتی ہے۔

[5] و فی الدار رجل یہ تَخْصِيص بِتَقْدِيْمِ الْخَبَرْ ہے۔ فی الدار خبر مقدم ہے اور رجل مبتدا مؤخر۔ اور جب خبر کو مقدم کیا جائے تو مبتدا میں تخصیص پیدا ہو جاتی ہے۔ رجلٌ نکرۃ ہے، اور فی الدار اُسکے لئے خبر مقدم۔ اشکال ہوتا ہے، کہ رجلٌ تو نکرہ ہے اور نکرہ مبتدا نہیں بنتا۔ آپ نے کیسے اس کو مبتدا بنایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خبر کے مقدم ہونے کی وجہ سے نکرۃ میں تخصیص آئی ہے۔ اور اب یہ مبتدا بن سکتا ہے۔

[6] و سلامٌ علیک اس کا نام ہے تخصیص بالنسبةِ الی المتکلم۔ تخصیص پیدا کرنا متکلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے۔ سلامٌ نکرہ ہے مبتدا اور علیک جار مجرور اس کی خبر ہے۔ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں پر یہ نکرہ مبتدا کیسے بنا۔ جواب یہ کہ یہاں تخصیص آئی بنسبت الی المتکلم کی وجہ سے۔ یہ اصل میں تھا، "سَلَّمْتُ سلامًا علیکَ" سَلَّمْتُ فعل بفاعل،، سلامًا اس کے لئے مفعول مطلق، علیکَ جار مجرور یہ سلّمْتُ سے متعلق ہے۔ پھر سلَّمْتُ فعل اور فاعل دونوں کو حذف کیا، تو سلامًا علیکَ رہ گیا۔ اور سلامًا کا نصب بتلا رہا ہے کہ یہ کسی فعل محذوف کے لئے مفعول مطلق ہے۔ اور جملہ فعلیہ دلالت کرتا ہے حدوث پر۔ اور جملہ اسمیہ دلالت کرتا ہے ثبوت اور استمرار پر۔ حدوث کا معنی ہے کوئی پہلے نہ تھی، پھر ہوئی اور پھر گزر بھی گئی۔ جیسے ضربَ، پہلے ضرب نہیں تھا، پھر ضرب واقع ہوا اور پھر ضرب گزر بھی گیا۔ اور جملہ اسمیہ دلالت کرتا ہے ثبوت پر۔ جیسا کہ زیدٌ قائمٌ میں زید کے لئے قیام ثابت ہے۔ اس میں ہونا نہیں، کہ پہلے نہیں تھی اور اب ہوئی۔ اور پھر کبھی یہ دوام کا بھی فائدہ دیتی ہے۔ یعنی زید کے لئے قیام ہمیشہ کے لئے ثابت ہے۔

پس سلامًا علیکَ یہ جملہ فعلیہ ہے اور جملہ فعلیہ دلالت کرتا ہے حدوث پر۔ تو جملہ فعلیہ سے عدول کر کے جملہ اسمیہ بنایا گیا۔ اور سلامًا سے سلامٌ کر کے مبتدا بنا دیا گیا۔ اور علیکَ اس کی خبر ہو گئی۔ اور جملہ اسمیہ دوام پر دلالت کرتے ہے۔ یعنی یہ سلامتی آپ پر دوام کے طریقے پر ہو۔ اور یہ سلامتی اُس پر متکلم کی طرف سے ہے۔ تو یہاں متکلم کی طرف نسبت کرنے سے ایک نکرہ سلامٌ میں تخصیص آ گئی۔

یاد رکھو اس کے علاوہ بھی چند جگہیں ایسی ہیں جہاں پر نکرۃ مبتدا بن سکتا ہے بغیر تخصیص کے۔ ایک ہے مقام دعا اور بد دعا میں۔ یہ سلامٌ علیک بھی اسی قبیل سے ہے۔ اور بد دعا کے طور پر وَيْلٌ لکَ کہا جاتا ہے۔ اور بد دعا میں ویلٌ نکرہ مبتدا بن سکتا ہے۔ دوسرا تعجب کے مقام پر بھی نکرہ مبتدا

بن سکتاہے۔جیساکہ عَجَبٌ لِزیدٍ : زید کے لئے تعجب ثابت ہے۔یعنی زید پر تعجب ہے۔تیسرا یہ کہ جہاں کسی چیز کی حقیقت مراد ہوتی ہے اور افراد مراد نہ ہو،وہاں پر بھی نکرہ مبتدا بن سکتاہے۔جیساکہ رَجَلٌ خیرٌ مِنْ اِمْرَءَةٍ : جنس مرد بہتر ہے جنس عورت سے۔یہاں حقیقت فرد مراد نہیں۔ اس لئے کہ بعد عورتیں مردوں سے افضل ہوتی ہیں۔ایسا نہیں کہ ہر فرد رجل ہر فرد عورت سے افضل ہے۔چوتھا یہ کہ اِذَا مُفاجاتیہ کے بعد بھی نکرہ مبتدا بن جاتاہے۔اِذَا مُفاجاتیہ جواچانک کا معنی ادا کرتاہے۔جیساکہ " خَرَجْتُ مِنَ الدارِ " : میں گھر سے نکلا،فَاِذَا رجلٌ موجودٌ : تواچانک ایک آدمی (موجود) تھا۔تو رجلٌ نکرہ ہے لیکن اِذا مُفاجاتیہ کے بعد آنے کی وجہ سے مبتدا بن گیا۔اور اِذا مفاجاتیہ کی خبر اکثر محذوف ہوتی ہے۔تویوں کہیں گے، " خرجتُ فاذا رجلٌ"۔

درس 30۔

و الخبرُ قد یکونُ جُملةً اور خبر کبھی کبھار جملہ ہوتی ہے۔ زیدٌ قائمٌ میں مبتدا کی خبر مفرد ہے۔اورزیدٌ قامَ میں یہ قامَ پوراجملہ ہے اور یہ خبر بن رہاہے مبتدا کے لئے۔ مثلُ مثال کے طور پر زیدٌ ابوهُ قائمٌ اس میں زیدٌ مبتداہے اور ابوهُ قائمٌ پوراجملہ مبتدا کے لئے خبر بن رہاہے۔اور جملہ بھی جملہ اسمیہ آیا۔ ترکیب۔ زیدٌ مرفوع لفظا مبتدا اوّل،ابو مرفوع لفظا مضاف،ھا ضمیر مجرور محلا مضاف الیہ جو کہ راجع ہے مبتدائے اوّل کو،مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر مبتدائے ثانی،قائمٌ مرفوع لفظا صیغہ اسم فاعل،اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلا اسکا فاعل جو کہ راجع ہے مبتدائے ثانی ابوہ کو۔صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر یہ خبر ہوئی مبتدائے ثانی کے لئے،مبتدائے ثانی اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر یہ خبر ہوئی مبتدائے اوّل کے لئے۔مبتدائے اوّل اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترجمہ: زید کہ اُسکا باپ کھڑا ہے۔ و زیدٌ قامَ ابوهُ ترکیب۔ زیدٌ مرفوع لفظا مبتدا، قام فعل،ابو مرفوع لفظا مضاف،ھا ضمیر مجرور محلا مضاف الیہ جو کہ لوٹ رہی ہے مبتدا کو،مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر فاعل،فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر،مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترجمہ: زید کہ کھڑا ہوا اُسکا باپ۔

فلا بُدَّ مِن عَایِدٍ تو ضروری ہے عائد کا ہونا۔کیونکہ جملہ مستقل ہوتاہے وہ کسی سے جُڑنے کا محتاج نہیں ہوتا۔لیکن جب آپ جملہ کو خبر بنا رہے ہو اور اس کو مبتدا سے جوڑتے ہوں تو اس کے لئے ربط کا ہونا ضروری ہے۔اور یہی ربط عاید کہلاتاہے۔عائد کی کئی صورتیں ہیں۔عائد سب سے زیادہ ضمیر کی صورت میں آتی ہے۔عائد کبھی الف لام کی صورت میں آتی ہے، کبھی اسم اشارہ کی صورت میں۔ و قد یُحذفُ اور کبھی کبھار عائد کو حذف کیا جاتاہے۔اس صورت میں آپ کو محذوف نکال کر بتلانا پڑے گا۔جو عائد منہ کے ساتھ آتاہے اُس کو قیاسا حذف کیا جاتاہے۔جیساکہ هداية النحو میں آیا تھا، اَلْبُرُّ الْكُرُّ بِسِتِّيْنَ دِرهمًا: بُرٌّ: گندم، كُرٌّ: ایک پیمانہ کا نام ہے۔اب اس میں اَلْبُرُّ ہے مبتدائے اوّل، اَلْكُرُّ ہے مبتدائے ثانی،اور بسِتِّيْنَ درهمًا ہے خبر۔مبتدائے ثانی اپنے خبر سے ملکر یہ جملہ اسمیہ ہو کر یہ خبر ہوا مبتدائے اوّل کے لئے۔تو سوال یہ کہ یہاں تو کوئی ضمیر نہیں کوئی عائد نہیں تو پھر ربط کیسے آیا۔تو جواب یہ کہ یہاں مِنْهُ محذوف ہے۔ ای البرُّ الکرُّ منهُ بستین درهما۔ اور منهُ کے اندر یہ ھا ضمیر مبتدائے اوّل کو راجع ہے۔اور منهُ کے ساتھ جو عائد آتی ہے اُس کو قیاسا حذف کر لیا جاتاہے۔

و ما وقع اور وہ خبر جو واقع ہو،ما اسم موصول ہے۔اور اسم موصول کے مدلولات ہوا کرتی ہے۔اور یہاں اسکی مدلول خبر ہے۔ ظرفا اس حال میں کہ ظرف ہو۔چاہے ظرف حقیقی ہو یا ظرف مجازی۔ظرف دو قسم پر ہے۔ایک ظرف حقیقی اور ایک ظرف مجازی۔زمانے اور مکان کو ظرف

حقیقی کہتے ہیں۔اور جار مجرور کو ظرف مجازی کہتے ہے۔جیساکہ زیدٌ فی الدار۔ اس میں زیدٌ مبتدا،اور فی الدار جار مجرور ظرف مجازی خبر واقع ہورہاہے۔یا زیدٌ عندِیْ اس میں عندی ظرف حقیقی یعنی ظرف مکان خبر واقع ہورہاہے۔جار مجرور یاظرف حقیقی جب بھی کلام میں آئے تووہ آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے ضرور متعلق ہوگا۔اگراُن آٹھ چیزوں میں سے کوئی عبارت کے اندر موجود ہے اور جار مجرور اس سے جُڑرہاہے تواچھی بات ہے۔اوراگرعبارت میں ذکر نہیں توپھرآپ کو محذوف نکالناپڑے گا۔اوروہ مُتَعَلَّق اس جار مجرور یاظرف حقیقی میں عامل ہوگا۔جار مجرور اپنے عامل سے متعلِّق ہوتاہےاور یہ ظرف حقیقی اپنے عامل کے لئے مفعول فیہ بنے گا۔اوروہ محذوف عام طورپرافعال عامہ میں سے نکالتے ہیں۔افعال عامہ مشہورچارہیں۔یعنی کُون، ثُبوت، وُجود اور حُصول۔ کون: ہونا،اسی سے کانَ ہے۔ ثبوت سے فعل ثبتَ ہے۔ وُجود سے فعل وَجَدَ ہے،اور حُصول سے فعل حصلَ ہے۔ ان کوافعال عامہ اس لئے کہتے ہیں کہ ہر فعل کے اندرانکا معنی پایاجاتاہے۔مثلا ضربَ زیدٌ عمرًوا۔ اس ضربَ کے اندر کون، ثبوت، وجود اور حصول سب ہے۔ جب زیدنے ضرب لگائی۔تو کون پایاگیا۔یعنی کوئی فعل کیاگیا۔اور ثبوت بھی پایاگیا۔یعنی ضرب کاثبوت۔ حصول بھی پایاگیا۔یعنی ضرب کا حصول بھی پایاگیا۔اور ضرب کاوجود بھی پایاگیا۔باقی افعال ایسے نہیں۔یعنی ضرب کا معنی اکل میں نہیں۔اوراکل کا معنی ضرب میں نہیں۔یعنی ہر فعل میں دوسرے فعل کا معنی نہیں پایاجاتا۔تو باقی افعال عام نہیں اور یہ چارافعال عام ہے۔اوران کا معنی ہر فعل میں پایاجاتاہے۔

توجار مجروران چارفعلوں میں سے کسی ایک سے متعلق ہوں گے۔چاہےان چارکے فعل سے متعلق کرےاور چاہےاسم فاعل وغیرہ سے متعلق کرے۔ جیساکہ زیدٌ کان فی الدار۔ اور زید کائنٌ فی الدارِ۔ یا زیدٌ ثبتَ فی الدارِ اور زیدٌ ثابتٌ فی الدارِ۔ اسی طرح زیدٌ حصل فی الدار اور زیدٌ حاصلٌ فی الدار بھی نکال سکتے ہے۔ ان تین سے فعل معروف نکالتے ہیں یااسم فاعل نکالتے ہیں۔اور وُجود سے فعل مجہول نکالتے ہے یااسم مفعول۔یعنی زیدٌ وُجِدَ فی الدار یا زیدٌ موجودٌ فی الدار۔

بعض علماء کے نزدیک مفرد کاصیغہ نکالنااولیٰ ہے۔اور بعض علماء کے نزدیک فعل کو نکالنااولی ہے۔اور صاحب کافیہ بھی بتلاتے ہیں کہ فعل کو محذوف مانیں گے۔

فالاکثرُ انّه مقدَّرٌ بجملةٍ تواکثر نحویوں کے نزدیک اس ظرف کی تاویل کی جائے گی جملہ کے ساتھ۔مُقَدَّرٌ بجملةٍ ای مؤَوَّلٌ بجملةٍ۔ یعنی زیدٌ فی الدار کی تاویل زیدٌ ثبتَ فی الدار کے ساتھ کی جائے گی۔نیزاس کی تاویل زیدٌ ثابتٌ فی الدار کے ساتھ بھی جائز ہے۔لیکن اکثر نحویوں کے نزدیک زیدٌ ثبتَ فی الدار اولی ہے۔اور زیدٌ عندی کی تاویل زیدٌ ثبتَ عندی کے ساتھ کریں گے۔اور یہ عندی ثبتَ کے لئے ظرف بنے گا۔

درس 31۔

صاحب کافیہ اب اُن جگہوں کے بارے میں فرماتے ہیں جہاں مبتدا کو مقدم کرنااور خبر کو مؤخر کرناواجب ہو جاتاہے۔اور کچھ جگہیں ایسی ہیں جہاں پر خبر کو مقدم کرناواجب ہو جاتاہے۔یہاں صاحب کافیہ چار جگہوں کے بارے میں بتلائے گا کہ مبتدا کو مقدم کرناواجب ہے۔ و اذا کان المبتدأُ مشتملا اور جب مبتدا مشتمل ہو علیٰ ما ایسی چیز پر،یعنی ایسے معنی پر له صدرُ الکلام کہ جس کے لئے واجب ہو صدارت

کلام، مَا موصولہ ہے، لَهُ خبر مقدم اور صدرُ الکلامِ مبتدامؤخر ہے۔ لَهُ جار مجرور کے لئےمُتَعَلَّق واجبٌ نکالیں گے۔ ای علیٰ ما واجبٌ لهُ صدرُ الکلامِ: کہ جن کے لئے صدارت کلام واجب ہو۔اور اسکی جزاایک ڈیڑھ سطر کے بعدوَجَبَ تَقْدِيمُهُ آرہاہے۔یعنی اگرایسی صورتیں ہوں تو پھر مبتدا کو مقدم کرناواجب ہے۔ [1]مثلُ مَن ابوک مثال کے طورپر مَنْ ابوکَ۔ یہاں مَنْ استفہامیہ ہے۔اور استفہام صدارت کلام چاہتاہے۔اس وجہ سےمَنْ کلام کے شروع میں لے آئے۔اور یہ مَنْ مبتداہے۔ ترکیب۔ مَنْ استفہامیہ مرفوع محلا مبتدا، ابو مرفوع لفظا مضاف،کاف ضمیر مجرور محلا مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر خبر، مبتدااپنی خبر سے ملکر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔اور یہاں ابوکَ من کہناجائز نہیں۔یہ صاحب کافیہ اورامام سیبویہ رح وغیرہ کا قول ہے۔جبکہ جمہور کے نزدیک مَنْ خبر مقدم ہےاور ابوک مبتدائے مؤخرہے۔جمہوراس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ مَنْ استفہامیہ ہےاور مَنْ استفہامیہ نکرہ ہوتاہے۔اور ابوکَ ہے معرفہ۔اور ضابطہ یہ ہے کہ جب دواسم ہوں،اوران میں ایک اسم نکرہ ہواور دوسرامعرفہ تو معرفہ کو مبتدابناناہےاور نکرہ کو خبر۔تواس لئے مَنْ کو خبر مقدم بنایااور ابوک کو مبتدامؤخر بنایا۔

[2]او کانا معرفتین یاوہ دونوں معرفہ ہوں۔یعنی مبتدااور خبر دونوں معرفہ ہوں۔پھراس میں آپ کی مرضی جس کو چاہے تو مبتدابناؤاور جس کو چاہے تو خبر بناؤ۔لیکن جس کو مبتدابناناہےاُس کو مقدم کرو۔اور جس کو خبر بناناہےاُس کو مؤخر کرو۔اب تقدیم وتاخیر میں تبدیلی نہیں کر سکتے۔ جیساکہ زیدٌ القائمُ میں دونوں معرفہ ہیں۔اس میں زید مبتداہے،القائم معرفہ ہےاور خبرہے۔لیکن القائمُ زیدٌ میں کسی کو یہ پتہ نہیں چلتاکہ زید مبتداہے۔بلکہ ہرایک یہ سمجھے گاکہ القائم مبتداہے۔تواس صورت میں جب دونوں معرفہ ہوں تو مبتدا کو مقدم کرناواجب ہے۔ورنہ پھر مبتدا کا خبر کے ساتھ التباس لازم آئے گا۔ [3]او مُتَسَاوِيَيْنِ یادونوں معرفہ تو نہیں لیکن برابرہے آپس میں۔یعنی مبتدااور خبر دونوں تخصیص میں برابرہے۔ یعنی مبتدا بھی ایسانکرہ ہے جس میں تخصیص آچکی ہےاور خبر بھی ایسانکرۃ ہے جس میں تخصیص آچکاہے۔اب جس نکرہ مخصصہ کو مبتدابناناہے تواسکو مقدم کردواور جس نکرۃ مخصصہ کو خبر بناناہو تواسکو مؤخر کردو۔ورنہ پھر مبتدا کا خبر کے ساتھ التباس لازم آئے گا۔

نحو افضلُ منک اَفْضَلُ اسم تفضیل ہےاور مِنْکَ جار مجروراس سے متعلق ہورہاہے۔یہ مبتداہے لیکن تخصیص آگئی اس میں منکَ کی وجہ سے۔ افضلُ منی اَفْضلُ اسم تفضیل ہےاوراس میں بھی تخصیص آئی مِنِّی کی وجہ سے۔توجب دونوں نکرہ مخصصہ ہے تواب جس کو مبتدابناناہےاسکو مقدم کرناواجب ہے۔تو اَفْضَلُ منک مبتدااور اَفْضَلُ منی خبر۔ اوراگرآپ اَفْضل منی کو مقدم کرےیعنی افضل منی منک تو پھر کسی کو پتہ نہیں چلے گاکہ مبتدامؤخرہے۔

[4]او کان الخبرُ فعلا اوریاخبر فعل ہو له مبتدا کے لئے، توجب مبتدا کی خبر فعل ہو تواس صورت میں مبتدا کو خبر پر مقدم کرناواجب ہے۔جیساکہ زیدٌ قامَ میں زید مبتداہے۔اور قامَ فعل اپنے فاعل کے ساتھ ملکر جملہ فعلیہ ہوکر خبر۔تواس صورت میں مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے۔اوراگر مبتدا کو مقدم نہیں کیاتو پھراس صورت میں التباس آئے گامبتدا کا فاعل کے ساتھ۔جیساکہ قامَ زیدٌ میں زید قامَ کے لئے فاعل ہے۔اورآپ نے زید کو مبتدابناناہے لیکن سننے والا سمجھے گاکہ یہ فاعل ہے۔ مثل زیدٌ قامَ مثال کے طورپر زیدٌ قامَ۔

وجب تقديمُهُ تواِن تمام صورتوں میں مبتدا کو مقدم کرناواجب ہے۔یہ کل چار صورتیں ہوئی جن میں مبتدا کو مقدم کرناواجب ہے۔

اب صاحب کافیہ کچھ ایسی جگہوں کے بارے میں بتلائے گا جہاں خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ [1] و اذا تَضَمَّنَ الخبرُ المفردُ اور جب متضمن ہو خبر، ایسی خبر جو مفرد ہو۔ یعنی جب مفرد خبر متضمن ہو۔ خبر کبھی جملہ بھی ہوا کرتی ہے۔ ما ایسے معنی پر لَهُ صدرُ الكلام جس کے لئے صدارت کلام واجب ہے۔ یہ ہے شرط آگے اس کی جزا وَجَبَ تقديمُهُ آرہا ہے۔ یعنی پھر خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اور درمیان میں عطف کے ذریعے اور بھی کئی صورتیں بتلائے گا۔ مثلُ اينَ زيدٌ زید کہاں ہے؟ اَيْنَ جگہ کے لئے آتا ہے۔ پس اَيْنَ ظرف ہے۔ اور اس ظرف کے لئے عامل چاہئے۔ اور یہاں ہم ثابتٌ نکالیں گے اور یہ اَيْنَ اس کے لئے مفعول فیہ بنے گا۔ تو یہ خبر مقدم بنے گا اور زید مبتدا مؤخر بنے گا۔ یہاں خبر اَيْنَ مفرد ہے اور معنی استفہام پر مشتمل ہے۔ اور یہ صدارت کلام کو چاہتا ہے۔ اس لئے اسکو مقدم کرنا واجب ہوا۔ تو اينَ ظرف مستقر خبر مقدم بنا، اور زيدٌ مبتدا مؤخر۔ مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔

[2] او كان مُصَحِّحا لَهُ اور یا خبر صحیح کرنے والی ہو مبتدا کو، یعنی مبتدا کے وقوع کو صحیح کرنے والی ہو، کہ وہ مبتدا واقع ہو۔ مثلاً ہم نے پڑھا کہ نکرہ میں جب تک تخصیص نہ آئے تو وہ مبتدا نہیں بن سکتا۔ مثلاً میں کہتا ہوں، رجلٌ فی الدار، اور آپ نے کہا کہ یہ رجلٌ تو نکرہ محضہ ہے، اور نکرہ تو کبھی مبتدا نہیں بن سکتا۔ اور فی الدار کو مقدم کرو، یعنی فی الدار رجلٌ۔ اب رجل مبتدا بن سکتا ہے، کیونکہ اس میں تخصیص آگئی۔ کیونکہ یہ تخصیص بتقدیم الخبر ہے۔ کیونکہ اس خبر کی تقدیم نے رجل کو مبتدا بنایا۔ کیونکہ تقدیم خبر کی وجہ سے اس نکرۃ میں تخصیص آگئی۔ اور تخصیص کی وجہ سے اس کا مبتدا بننا صحیح ہوا۔ تو دیکھو اب یہ خبر اس کو مبتدا بننے کو صحیح بنا رہی ہے۔ مثلُ فی الدارِ رجلٌ فی الدار ظرف مستقر خبر مقدم ہے۔ اور رجل مبتدائے مؤخر ہے۔

[3] او لِمُتَعَلَّقِهِ ضميرٌ فی المبتدأ یا خبر کے متعلق کے لئے کوئی ضمیر ہو مبتدا میں، ھا ضمیر راجع ہے خبر کو۔ تو اس صورت میں بھی خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اگر اس صورت میں خبر کو مقدم نہ کرے تو پھر اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئے گی۔ کیونکہ ضمیر پہلے آئی اور مرجع بعد میں۔ اور یہ مرجع لفظوں کے اعتبار سے بھی مؤخر ہے اور رتبہ کے اعتبار سے بھی مؤخر ہے۔ لہذا جب مبتدا کے اندر ایسی کوئی ضمیر ہو، جو خبر کے کسی متعلق کو لوٹے، تو اس صورت میں خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اور جب خبر مقدم ہو جائے تو پھر ضمیر کا لوٹانا اس کی طرف صحیح ہوگا۔ مثلُ مثال کے طور پر علی التَّمرةِ مِثْلُها زُبْدًا کھجور پر اُسی کھجور کے مثل مکھن ہے۔ مِثْلُهَا کی ھا ضمیر تمرۃ کو راجع ہے۔ مثل: برابر، علی التَّمْرَةِ جار مجرور ظرف مستقر ہو کر خبر مقدم ہے۔ مِثْلُهَا یہ مبتدائے مؤخر ہے۔ اس مبتدا کے اندر ایک ضمیر ہے جو خبر کے متعلق کو راجع ہے۔ اس صورت میں اگر ہم یوں کہتے کہ " مِثْلُهَا على التَّمْرَة" تو اس صورت میں اضمار قبل الذکر آتا۔ لہذا اب واجب ہوا کہ اب خبر کو مقدم کرو۔ اس صورت میں ھا ضمیر کو تمرۃ کی طرف لوٹانا صحیح ہوا۔ اور زُبْدًا یہ تمیز ہے مِثل سے۔ کیونکہ مثل کے اندر ابہام ہے جسکو زُبْدًا نے آکر دور کر دیا۔

[4] او كان خبرا عن اَنَّ خبر کو اس وقت بھی مقدم کرنا واجب ہے جب وہ اَنَّ سے خبر ہو۔ اِنَّ اور اَنَّ دونوں مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں، ایک کو ان کا اسم کہتے ہیں اور دوسرے کو ان کا خبر۔ فرق یہ کہ اِنَّ کے داخل ہونے کے بعد بھی یہ جملہ رہتا ہے۔ جیسا کہ زيدٌ قائمٌ : زید کھڑا ہے، اور اِنَّ زيدًا قائمٌ: یقیناً زید کھڑا ہے۔ تو یہ اب بھی جملہ ہے۔ اور اَنَّ کے دخول کے بعد وہ جملہ نہیں رہتا بلکہ وہ مفرد بن جاتا ہے۔ جیسا کہ اَنَّ زيدًا قائمٌ ای قيامُ زيدٍ: زید کا قیام: اب یہ جملہ نہیں بلکہ جملہ کا ایک جز بنے گا۔ اب اس قيامُ زيدٍ کو مبتدا بناؤ، کیونکہ یہ معرفہ ہے اور

معرفہ مبتدا بن سکتا ہے۔اور اس کا خبر مثال کے طور پر عندی بناؤ۔یعنی زید کا قیام میرے پاس ہے۔اور کلام یوں کرتا ہوں، اَنَّ زیدًا قائمٌ عندی۔ تو یہ اَنَّ زیدًا قائمٌ مبتدا ہوا،اور عندی ظرف اس کا خبر ہوا۔تو اس صورت میں خبر کو مقدم کرنا واجب ہے، کیونکہ یہ اَنَّ سے خبر ہے۔تو اس صورت میں درست کلام، "عندی اَنَّ زیدًا قائمٌ" ہے۔ اور اگر آپ خبر کو مقدم نہیں کریں گے اور یوں کہیں گے، کہ " اَنَّ زیدًا قائمٌ عندی " تو اس صورت میں پڑھنے والا اس کو اِنَّ پڑھے گا، کیونکہ کلام کے ابتدا میں اَنَّ نہیں آتا بلکہ اِنَّ آتا ہے۔لہذا اس صورت میں خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ورنہ پھر اَنَّ کا التباس اِنَّ کے ساتھ لازم آئے گا۔ مثلُ عندی اَنَّـک قائمٌ ای عندی قیامُکَ۔

وجب تقدیمُہٗ تو ان چار صورتوں میں خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔

و قد یَتَعَدَّدُ الخبرُ اور کبھی خبروں میں تعدد آتا ہے۔یعنی ایک مبتدا کے لئے کئی خبر آسکتے ہیں۔ مثل زیدٌ عالمٌ عاقلٌ زید مبتدا کے لئے دو خبر عالم اور عاقل آئے ہیں۔

درس 32۔

مصنف رح فرماتے ہیں کہ کبھی کبھار مبتدا متضمن ہوتا ہے معنی شرط کو، تو اس صورت میں مبتدا کی خبر پر فا کا لانا جائز ہوتا ہے۔ و قد یَتَضَمَّنُ المبتدأُ معنَی الشرطِ اور کبھی متضمن ہوتا ہے مبتدا معنی شرط کو، فَیَصِحُّ دُخُوْلِ الفاءِ فی الخبر تو صحیح ہے اُس کے خبر پر "فا" کا داخل ہونا۔ آگے مصنف رح بتلائے گا کہ وہ کونسا مبتدا ہے جو متضمن ہوتا ہے معنی شرط کو۔ و ذلک الاسمُ الموصولُ وہ اسم موصول ہے۔اسم موصول چاہے آپ نے مبتدا بنانا ہو، چاہے خبر بنانا ہو، چاہے فاعل بنانا ہو چاہے مفعول بنانا ہو، یعنی کچھ بھی بنائیں، اسم موصول کے ساتھ ہمیشہ صلہ ملانا پڑے گا۔اور صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے۔ نیز صلہ جملہ اسمیہ بھی ہو سکتا ہے اور جملہ فعلیہ بھی ہو سکتا ہے۔ بفعلٍ فعل کے ساتھ آئے۔یعنی وہ مبتدا جو متضمن ہوتا ہے معنی شرط کو، وہ مبتدا اسم موصول ہوگا اور اُس کا صلہ جملہ فعلیہ ہوگا۔ او ظرفٍ یا اسم موصول ظرف کے ساتھ ہو۔ظرف دو قسم پر ہے، ایک ظرف حقیقی اور ایک ظرف مجازی۔ظرف حقیقی میں زماں یا مکان کا معنی پایا جاتا ہے اور اسکو ہم مفعول فیہ کہتے ہیں اور ظرف مجازی جار مجرور کو کہتے ہیں۔جب اسم موصول ظرف کے ساتھ آئے، تو پھر اس ظرف کے لئے کوئی مُتَعَلَّقٌ بھی چاہئے ہوتا ہے۔اور وہ متعلَّق اُن آٹھ چیزوں میں سے کوئی ایک ہوگا۔لیکن یاد رکھے جو صلہ ظرف ہو تو پھر آپ نے محذوف فعل کو ہی نکالنا ہے، کیونکہ صلہ جملہ ہوتا ہے۔جیسا کہ اَلَّذِی عندی ای الذی ثَبَتَ عندی ہوگا۔تو یہاں آپ نے ثابتٌ نہیں نکالنا کیونکہ ثابتٌ مفرد ہے اور مفرد کے ساتھ چاہے ہزار چیزیں بھی جوڑ دوں تو وہ مفرد ہی رہے گا۔اور ظرف مجازی جیسا کہ الذی فی الدار ای الذی ثبت فی الدار ہوگا۔

اَوِ النکرۃُ الموصوفۃُ بہما یا وہ اسم نکرۃ جو موصوف ہو ان دونوں کے ساتھ۔ھُمَا ضمیر فعل اور ظرف کو راجع ہے۔یعنی ظرف یا فعل کے ساتھ۔اگر معرفۃ کے بعد فعل آجائے تو وہ عموما اس کے لئے حال بنا کرتا ہے۔اور اگر نکرۃ کے بعد فعل آئے تو وہ عموما اسکے لئے صفت بنتا ہے۔ نیز جملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے۔اسی طرح معرفۃ کے بعد جب ظرف آجائے تو یہ اس کے لئے حال بنے گا۔اور اگر نکرۃ کے بعد ظرف آجائے تو یہ اسکے لئے صفت بنے گا۔

مثلا جاءَنِی رجلٌ ضربک: جاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلا مفعول بہ، رجلٌ مرفوع لفظا موصوف،(رجل نکرہ ہے اور اسکے بعد فعل آیا تو عموما موصوف صفت بنتے ہیں)۔ضربَ فعل، ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے موصوف کو، کاف ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت ہوا۔ موصوف صفت ملکر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ضربَک چونکہ صفت ہے، اور موصوف کا اعراب مرفوع تھا، تو یہ بھی مرفوع ہوا لیکن مرفوع محلاً۔

مثلُ مثال کے طور پر الذی یاتینی الذی وہ اسم موصول ہے کہ جسکا صلہ یاتینی فعل آیا ہے۔الذی اسم موصول اور یاتینی اسکا صلہ، موصول اپنے صلہ سے ملکر مبتدا۔ یہ ایسا مبتدا ہے جو متضمن ہے معنی شرط کو، او فی الدار ای الذی فی الدار۔ یعنی الذی ایسا اسم موصول ہے جسکا صلہ ظرف ہے۔ موصول اپنے صلہ سے ملکر مبتدا۔ یہ ایسا مبتدا ہے جو متضمن ہے معنی شرط کو۔ آگے ان دونوں کا خبر ذکر کر رہا ہے۔ فله دِرهَمٌ یہ اب "فا" اسکی خبر پر لے آئے۔ای الذی یَأتینی فله درهمٌ اور الذی فی الدار فله درهمٌ اصل کلام ہے۔

اور فله درهمٌ پورا جملہ ہے، کیونکہ مبتدا کی خبر کبھی کبھار پورا جملہ ہوا کرتی ہے۔ اس میں لام جارّہ اور ھا ضمیر مجرور محلاً جو کہ لوٹ رہی ہے مبتدا الذی کو۔ کیونکہ جملہ کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو تو اس میں ایک عائد کا ہونا ضروری ہے۔ جار مجرور ملکر متعلق ہوئے ثابتٌ صیغہ اسم فاعل سے۔ ثابتٌ صیغہ اسم فاعل اسکے اندر ھو ضمیر مجرور محلا اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے مبتدا ثانی مؤخر دِرهمٌ کو، یہ اضمار قبل الذکر لفظا تو ہے لیکن رتبۃ نہیں۔ ثابتٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر شبہ جملہ ہو کر خبر مقدم، اور درهمٌ مرفوع لفظًا مبتدا مؤخر، مبتدا مؤخر اپنے خبر مقدم سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر یہ خبر ہوا الذی یاتینی کے لئے۔اس پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ مبتدا میں تو اصل ہے معرفہ ہونا، لیکن یہاں درهمٌ تو نکرہ ہے۔ تو یہ نکرہ کیسے مبتدا بن گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تخصیص بتقدیم الخبر ہے۔یعنی تقدیم خبر کی وجہ سے رجل کے اندر تخصیص آگئی۔اب اس کا مبتدا بننا صحیح ہے۔ تو اس لئے خبر "له درهمٌ" پر "فا" لائے کیونکہ الذی کا صلہ فعل یا ظرف آرہا تھا۔

اور الذی فی الدار فله درهمٌ میں فی الدار جار مجرور ملکر متعلق ہوگا ثبتَ فعل سے۔ یہ ثابتٌ سے متعلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسم موصول کا صلہ پورا جملہ ہوتا ہے۔ ثبتَ فعل اس کے اندر ھو ضمیر مرفوع محلا اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے الذی اسم موصول کو۔ثبتَ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، اسم موصول الذی اپنے صلہ سے ملکر مبتدا، یہ ایسا اسم موصول ہے جس کا صلہ ظرف آیا، تو اس صورت میں یہ متضمن ہوتا ہے معنی شرط کو۔ تو اس صورت میں اس کی خبر پر "فا" کا لانا جائز ہو جاتا ہے۔ فله درهمٌ اسکی خبر، مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اسی طرح حدیث شریف میں ہے "مَنْ تَشَبَّهَ بقومٍ فهو منهم" میں من اسم موصول ہے۔ اور تشبهه بقوم اس کا صلہ ہے۔ یہ ایسا اسم موصول ہے جس کا صلہ فعل آرہا ہے۔ موصول صلہ ملکر مبتدا بنے گا۔ یہ ایسا مبتدا ہے جو کہ متضمن ہے

معنی شرط کو، اور اس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے۔ اور فا جزائیہ، ھو منھم ای ھو ثابتٌ منھم اسکی خبر، مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اسی طرح من کان للہ کان اللہُ لہٗ۔ مَنْ اسم موصول اسکا صلہ کان للہِ ای کانَ ثبتَ للہِ ہے، جو کہ فعل ہے۔ موصول اپنے صلہ سے ملکر مبتدا، ایسا مبتدا جو کہ متضمن ہے معنیٰ شرط کو۔ اور اسکی خبر پر فا کا لانا جائز ہے۔

السارقُ والسارقۃُ فاقطعُوْا اَیْدِیَھُمَا۔ یہاں الف لام بمعنیٰ الذی کے ہے۔ کیونکہ جو الف لام اسم فاعل یا اسم مفعول پر داخل ہوتا ہے تو وہ الذی اسم موصول کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ تو السارق میں الف لام الذی کے معنیٰ میں ہے۔ اور یہ الذی یسرقُ کے معنیٰ میں ہے۔ اور السارقۃُ یہ التی تَسْرِقُ کے معنیٰ میں ہے۔ تو الذی اور الّتی ایسا اسم موصول ہے جس کا صلہ یسرقُ اور تسرقُ فعل آرہے ہیں۔ اس لئے اس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے۔

اور الزانِیَۃُ والزانِیْ فاجلدوا کلَّ واحدٍ منھما ۔ الزانیۃُ بمعنیٰ الّتی تزنِیْ یا الّتی زَنَتْ اور الزانِی بمعنیٰ الذی زَنَا، یہاں التی اور الذی دونوں اسم موصول ہیں جس کی صلہ زنت اور زنا فعل آرہے ہیں۔ تو اس کی خبر پر "فا" کا داخل کرنا جائز ہے۔

اب صاحب کافیہ دوسرے قسم کے مبتدا کی مثال ذکر کررہا ہے۔اور وہ مبتدا ایسا نکرہ ہوتا ہے جسکی صفت فعل یا ظرف آئے۔

و کل رجل یاتینی او فی الدار فلہ درھم ای کُلُّ رجلٍ یاتینی فلہ درھمٌ اور کلُّ رجلٍ فی الدار فلہ دِرھَمٌ۔ تو کُلُّ رجلٍ یاتینی فلہ درھمٌ میں کُلُّ رجلٍ نکرہ ہے اور اس کی صفت یاتینی فعل آرہا ہے۔تو یہ ایسا مبتدا ہے جو کہ متضمن ہے معنی شرط کو۔تو اس کی خبر پر "فا" کا لانا جائز ہے۔اور اسی طرح کلُّ رجلٍ فی الدار فلہ دِرھَمٌ میں کلُّ رجلٍ ایسا نکرہ ہے جسکی صفت فی الدار ظرف آرہا ہے۔تو یہ ایسا مبتدا ہے جو کہ متضمن ہے معنی شرط کو۔تو ایسے مبتدا کی خبر پر "فا" کا لانا جائز ہے۔

کُلُّ رجلٍ یاتینی فلہ درھمٌ کی ترکیب۔ کلُّ مرفوع لفظًا مضاف، رجلٍ مجرور لفظًا مضافٌ الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر موصوف،(نکرۃ کی طرف جب نکرۃ مضاف ہے تو وہ نکرۃ ہی رہتا ہے۔ اور معرفہ کی طرف جب نکرہ مضاف ہو تو پھر وہ معرفۃ بن جاتا ہے۔) یاتی فعل ھو ضمیر اسکا فاعل جو کہ راجع ہے موصوف کو، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر صفت، موصوف اپنے صفت سے ملکر مبتداء، فلہ درھمٌ اسکی خبر اس میں فا جزائیہ۔ لہ میں یہ ھا ضمیر مبتدا کو راجع ہے۔ مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

کلُّ رجلٍ فی الدار فلہ دِرھَمٌ کی ترکیب بھی اسی طرح ہے۔ اس میں فی الدار ظرف صفت بنے گا کلّ رجلٍ کی۔

و لَیْتَ و لعلَّ مانعان بالاتفاق اور لیتَ اور لَعَلَّ مانع ہیں بالاتفاق۔ ایسا مبتدا جسکی خبر پر "فا" کا لانا جائز تھا، جب اُس پر لیتَ اور لعلَّ داخل ہو جائیں گے، تو اب یہ مانع ہوں گے اب "فا" نہیں لا سکتے۔ بھئی مبتدا کی خبر پر ہم "فا" لاتے ہیں جب مبتدا متضمن ہو معنی شرط کو، تو مبتدا کی مشابہت آگئی شرط کے ساتھ، اور خبر کی مشابہت تھی جزا کے ساتھ۔ اور جب مبتدا کی مطابقت شرط کے ساتھ آئی اور شرط کی جزا پر ربط کے لئے "فا" آیا کرتی ہے۔ تو لہذا ہم خبر پر "فا" لے آئے۔ اور یاد رکھو شرط اور جزا اخبار کے قبیل سے ہیں۔ اخبار کے قبیل کا مطلب یہ ہے کہ اس شرط کے لئے یہ جزا ثابت ہے۔ لیکن جب "لیت اور لعل" آئے تو انہوں نے کلام کو خبر کی قبیل سے نکال کر انشاء کے قبیل میں داخل کر دیا۔ اور جب کلام انشائی بنا تو اخبار کے قبیل سے نہ رہا، تو اسکی مشابہت شرط، جزا کے ساتھ کمزور ہو گئی۔ تو اب خبر پر "فا" کا لانا جائز نہیں۔ (انشاء کی دس قسمیں ہیں۔ ان میں ایک تمنی اور ترجّی ہے۔ لیت تمنّی کے لئے آتا ہے اور لعل ترجّی کے لئے آتا ہے۔)

درس 33۔

و اَلحقَ بعضُهم اِنَّ بِهِما اور بعض نحویوں نے اِنَّ کو بھی ان دونوں کے ساتھ ملایا ہے۔ یہ دراصل اشارہ ہے امام سیبویہ ؒ کی طرف۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ مبتدا جس کی خبر پر "فا" کا لانا جائز تھا، جب اس پر اِنَّ داخل ہو جائے، تو پھر اس پر "فا" کا لانا جائز نہیں ہوتا۔ تو یہ اِنَّ بھی لیت اور لعل کی طرح مانع ہے۔ صحیح یہ کہ یہ قول حق نہیں۔ لیت اور لعل جملے کو اخبار سے نکال کر انشاء کی طرف لے جاتا ہے لیکن اِنَّ جملے کو اخبار سے نکال کر انشاء کی طرف نہیں لے جاتا۔ نیز اِنّ کے دخول کے بعد بھی جملہ، جملہ ہی رہتا ہے۔

جس طرح اِنَّ کے اندر اختلاف ہے اسی طرح بعض علماء نے اَنَّ کے بارے میں بھی کہا ہے کہ یہ بھی مانع ہے۔ بعض کے نزدیک لٰکنَّ بھی مانع ہے۔ صاحب کافیہ نے صرف اِنَّ کو اس لئے ذکر کیا کہ یہ کسی معمولی شخص کا قول نہیں۔ جبکہ باقی اقوال کو ذکر نہیں کیا۔

اب صاحب کافیہ کچھ اُن جگہوں کے بارے میں بتلائے گا کہ جہاں پر مبتدا اور خبر کو حذف کیا جاتا ہے۔ پھر مبتدا کو حذف کرنا دو قسم پر ہے۔ ایک واجب ہے اور ایک جائز۔ اسی طرح خبر میں بھی حذف بعض جگہ وجوبا ہے اور بعض جگہ جوازا۔ تو کل چار جگہیں ہو گئی۔ و قد یُحذف المبتدأُ اور کبھی کبھار مبتدا کو حذف کیا جاتا ہے لقیام قرینةٍ قرینہ کے قائم ہونے کی وقت [1] جوازا اور یہ حذف جوازی ہوتا ہے۔ ای حذفًا جائزًا۔ قرینة: القرینةُ هو امرٌ یُشیرُ الی المطلوب۔ کوئی ایسی چیز جو مطلوب کی طرف اشارہ کر رہا ہو، اس کو قرینہ کہتے ہیں۔ کقولِ

الـمُستَهِلِّ مستہل: چاند دیکھنے والا، آواز بلند کرنے والا۔ اَلهِلَالُ واللهِ ای هٰذا الهلالُ واللهِ۔ اس میں هٰذا مبتدا کو حذف کیا گیا اور الهلالُ اسکی خبر ہے۔ کیونکہ قرینة حالیه موجود ہے۔ کیونکہ یہ چاند ہی کو دیکھ رہے ہیں، اور چاند ہی کی طرف اس کا اشارہ ہوگا۔ اور یہ حذف جائز ہے۔ یعنی هٰذا الهلالُ واللهِ بھی ٹھیک ہے اور الهلالُ واللهِ کہنا بھی ٹھیک ہے۔ اور ساتھ واللهِ یعنی قسم ملائی، کیونکہ عربوں کی عادت ہے ہر کثرت سے قسم کھاتے ہیں۔

واللهِ ملانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے، کہ اگر الهلال کے بعد واللهِ نہ لاتا، تو الهلال پر پھر وقف جائز ہوتا۔ اور وقف کی صورت میں پھر یہ پتہ نہ چلتا کہ الهلال مبتدا محذوف کے لئے خبر ہے یا فعل محذوف اَریٰ یا رأیتُ کے لئے مفعول ہے۔ یعنی رأیتُ الهلالَ۔ تو اس سے التباس آتا۔ اسی لئے آخر میں واللهِ ملایا تا کہ التباس سے بھی بچ جائے۔ یاد رکھو، پہلے تین دن چاند ہلال کہلاتا ہے۔ پھر چار سے لے کر تیرہ تک قمر کہلاتا ہے۔ چودہویں رات کو یہ بدر کہلاتا ہے۔

صاحب کافیہ نے مبتدا کو وجوبًا حذف کرنا ذکر نہیں کیا۔ مبتدا کو حذف کرنا کب واجب ہوتا ہے؟ جب کہ صفت کو قطع کر کے خبر بنایا جائے مدح کے لئے یا ذم کے لئے یا ترحُّم کے لئے۔

مدح کی مثال: جیسا کہ بسمِ اللهِ الرحمانِ الرحیمِ ط میں لفظ اللهِ موصوف ہے، الرحمانِ صفت اوّل اور الرحیمِ صفت ثانی۔ یہ مشہور ترکیب ہے۔ اس میں کئی اور ترکیبیں بھی جائز ہیں۔ ایک ترکیب اس میں یہ ہے، کہ کبھی کبھار صفت کو کاٹ کر اُس پر رفع پڑھ دیتے ہیں۔ اور بسمِ اللهِ الرحمانُ الرحیمُ ط پڑھ دیتے ہے۔ اور اس الرحمانُ پر رفع مدح کے لئے پڑھا۔ اور کلام یوں ہوا، بسمِ اللهِ هو الرحمانُ هو الرحیمُ ط ۔ یعنی صفت کو کاٹ کر اس کو خبر بنایا گیا۔ پس ایسے موقع پر جہاں صفت کو مرفوع پڑھا جائے بنابر مدح کے تو وہاں پر مبتدا کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔ اگر آپ مبتدا کو لے آتے ہیں تو پھر تو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہ صفت تھی یا نہ تھی۔

ایک مثال یہ ہے کہ، مررتُ بِزَیْدٍ الکریمِ یہ الکریم اسکی صفت ہے۔ اب مدح کے طور پر میں اس کو رفع دیتا ہوں، مررتُ بزیدٍ الکریمُ۔ اب یہاں ھو نہیں لانا کیونکہ ھو مبتدا کا حذف کرنا واجب ہے۔

ذم کی مثال: جیسا کہ " اعوذ باللہ من الشیطٰنِ الرجیمِ" یہاں الشیطٰنِ مجرور لفظًا موصوف، الرجیمِ مجرور لفظًا صفت ہے۔ تو ذم کے لئے اس کو الرجیمُ پڑھو، اور مبتدا کو وجوب کے طریقے پر حذف کرو۔ تو کلام یوں بن جائے گا، اعوذ باللہ من الشیطٰنِ الرجیمُ ط۔ تو یہ صفت تھی، اس کو صفت سے کاٹ کر خبر بنایا گیا، اور ھو مبتدا کو وجوبا حذف کر لیا گیا۔ تا کہ یہ حذف دلالت کرے کہ اس کو صفت سے کاٹ کر خبر بنایا گیا ذم کی بنا پر۔

ترحُّم کی مثال: اللّٰھُمَ ارْحَمْ عَبْدَکَ الْمِسْکِیْنَ۔ اے اللہ تو رحم فرما اپنے مسکین بندے پر۔ عبدَکَ سے متکلم مراد ہے۔ یہاں پر عبدَکَ مضاف مضاف الیہ ملکر موصوف ہے، اور المسکینَ اسکی صفت ہے۔ دونوں منصوب ہے۔ اب آپ یوں پڑھتے ہیں، اللّٰھم ارْحم عبدَکَ المسْکِیْنُ، یعنی المسکینُ کو وصفیت سے منقطع کر کے اس پر رفع پڑھا بنا بر ترحم کے۔ تو یہاں بھی مبتدا کو وجوبا حذف کیا گیا۔

کبھی منصوب بھی پڑھا جاتا ہے مدح اور ذم کی بنیاد پر۔ جیسا کہ بسم اللّٰہِ الرحمانَ الرحیمَ ط اور یہاں الرحمانَ اور الرحیمَ یہ دونوں مفعول ہوں گے اغنی فعل کے لئے۔ ای بسم اللّٰہِ اغنی الرحمانَ ۔ اغنی فعل انا ضمیر مرفوع محلاً اسکے اندر اسکا فاعل، الرحمانَ مفعول بہ،

اسی طرح اعوذ باللہ من الشیطٰنِ الرجیمَ ای اغنی الرجیمَ۔

و [3] الخبرُ جوازا اور کبھی کبھار خبر کو بھی حذف کیا جاتا ہے جوازا۔ مبتدا پر خبر کا عطف ہو رہا ہے۔ ای و قد یُحذَفُ المبتدأُ والخبرُ۔ بعض جگہ جوازا خبر کو حذف کیا جاتا ہے اور بعض جگہ وجوبا خبر کو حذف کیا جاتا ہے۔ جہاں قرینة موجود ہو وہاں پر جوازًا حذف کیا جائے گا۔ صاحب کافیہ نے ابھی بیان فرمایا تھا کہ مبتدا کو جوازا حذف کیا جائے گا جہاں قرینة موجود ہوں۔ لہذا خبر کے بارے میں دوبارہ ذکر نہیں فرمایا۔ مثلُ مثال کے طور پر خَرجتُ فاذا السَبُعُ میں نکلا تو اچانک درندہ موجود تھا۔ یہ اِذا مفاجاتیہ کہلاتا ہے اور اچانک کے معنی میں ہوتا ہے۔ اذا مفاجاتیہ کے بعد مبتدا آتا ہے، اور یہ اذا مفاجاتیہ وجود پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے اکثر اس کے خبر کو حذف کیا جاتا ہے۔ ای خرجتُ فاذا السَبُعُ موجودٌ۔ یا خرجتُ فاذا السَبُعُ واقِفٌ: جب اذا مفاجاتیہ خود وجود پر دلالت کرتا ہے تو موجودٌ خبر کو ذکر کرنا ضروری نہیں۔ واقفٌ: کھڑا۔ اذا مفاجاتیہ کے بعد نکرہ بھی مبتدا بن سکتا ہے۔

عندَ بعضِ العلماء یہ اذا مفاجاتیہ حرف ہے۔ البتہ صاحب کتاب علامہ ابن حاجب اور علامہ زمخشری وغیرہ کے نزدیک یہ ظرف زمان ہے۔ ظرف کے لئے عامل چاھئے اور یہاں یہ خبر مخذوف موجودٌ یا واقفٌ عامل ہے۔ اس موجودٌ یا واقفٌ سے یہ اذا ظرف ہے۔ یا اس کے اندر عامل فعل ہے جو یہاں محذوف ہے۔ پھر یہ "فا" عاطفہ بن جائے گی۔ ای خرجتُ فَفاجَئْتُ : میں نکلا پس اچانک میں نے پایا، اذا اس کے لئے ظرف ہے۔ فَفَاجَئْتُ زمانَ وَقوفِ السَبُعِ۔ پس اچانک میں نے درندے کے کھڑے ہونے کا زمانہ پایا۔

و وُجوبا اور خبر کو کبھی وجوبًا حذف کیا جائے گا۔ فیما اس خبر میں اُلْتُزِمَ فی مَوْضِعِهٖ کہ لازم پکڑا جائے، اُس خبر کی جگہ میں۔ ھا ضمیر خبر کو راجع ہے۔ غیرُہٗ غیر خبر میں۔ ای غیرُ الخبرِ۔ یعنی مقام تو تھا خبر کا، لیکن آپ نے غیر خبر کو اسکا قائم مقام بنا دیا۔ اب خبر کو لانا

جائز نہیں۔ مثلُ مثال کے طور پر لو لا زیدٌ لکان کذا اگر زید نہ ہوتا تو ایسا ہو جاتا۔ ای لو لا زیدٌ موجودٌ لکان کذا۔ یہاں پر موجودٌ کو حذف کیا گیا اور اس کی جگہ جوابِ لولا کو اس کا قائم مقام کیا گیا۔

لو لا دو قسم پر ہے۔ایک لو لا تحضیبیه ہے اور ایک لو لا امتناعیه ہے۔ تحضیب: ابھارنا، لو لا تحضیبیه وہ ہے جو کسی فعل پر ابھارنے کے لئے آئے۔ اور یہ ہمیشہ فعل پر داخل ہوگا۔ اور یہ صرف ایک جملہ پر داخل ہوتا ہے۔ اور وہ بھی جملہ فعلیه ہونا چاہئے۔ کیونکہ کسی کو ہمیشہ فعل پر ابھارا جاتا ہے۔ جیسا کہ "لو لا ضربتَ زیدًا": تونے زید کی پٹھائی کیوں نہیں کی۔

دوسرا ہے لو لا امتناعیة۔ یہ دو جملوں کو چاہتا ہے۔یعنی دو جملوں پر داخل ہوتا ہے۔اور ثانی کو جوابِ لو لا کہتے ہیں۔اس میں اوّل جملہ کا اسمیہ ہونا ضروری ہے۔باقی اس کی تفصیل پہلے " لو لا علیٌّ لَهَلَکَ عمر " میں گزر چکی ہے۔اس میں لَو لا انتفائے ثانی بر وجہ وجود اوّل کے لئے آتا ہے۔ یعنی علی موجود تھا اس لئے عمر ھلاک نہیں ہوا۔ ای لو لا علیٌّ موجودٌ لھلک عمر۔ یہاں موجودٌ خبر کو حذف کر دیا گیا،اور لھلک عمر یعنی جوابِ لو لا کو اس کا قائم مقام کیا۔اور جب اس کو خبر کی جگہ قائم مقام کیا تو اب خبر کو حذف کرنا واجب ہو گیا۔

درس 34۔

یہ دوسرا مقام ہے جہاں خبر کو وجوبا حذف کیا جاتا ہے۔یہ وہ مقام ہے جہاں مصدر حقیقی یا مصدر تاویلی مضاف ہو فاعل کی طرف یا مفعول کی طرف یا دونوں کی طرف۔اور اس کے بعد حال آرہا ہو۔تو اس مبتدا کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔کیونکہ حال کو خبر کا قائم مقام بنا دیا۔ضَرْب یہ حقیقی مصدر ہے۔اور اَنْ ضَرَبَ یہ تاویلاً مصدر ہے۔

یا وہ مبتدا جو اسم تفضیل ہو اور جب مضاف ہو ایسے مصدر کی طرف۔یعنی مصدر حقیقی کی طرف یا مصدر تاویلی کی طرف۔اور پھر وہ مصدر آگے مضاف ہو اپنے فاعل کی طرف، یا اپنے مفعول کی طرف یا دونوں کی طرف۔اور اُس کے بعد حال آرہا ہے، تو یہ اسم تفضیل جو مبتدا تھا اُسکی خبر کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔

جب مصدر مضاف ہو فاعل کی طرف اُسکی مثال: و مثلُ مثال کی طور پر ضَرْبی زیدًا قائمًا: میرا پٹھائی کرنا زید کی اس حال میں کہ وہ کھڑا تھا۔یہاں پر ضرب مصدر حقیقی ہے۔اور فاعل کی طرف مضاف ہے۔اور زیدًا ضَرْب مصدر کے لئے مفعول واقع ہو رہا ہے۔مصدر،اسم فاعل، اسم مفعول وغیرہ بھی اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب۔اور اس مصدر کے بعد قائما حال بھی آرہا ہے۔تو یہاں اس کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔

تقدیرِ عبارت یوں ہے۔ ضَرْبِیْ زیدًا حاصلٌ اذا کانَ قائمًا۔ ترکیب۔ ضَرْب مرفوع تقدیرًا مضاف، یا ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیه، زیدًا منصوب لفظًا مفعول به ضَرْب مصدر کے لئے۔ ضرب مصدر اپنے مضافٌ الیه اور مفعول به سے ملکر مبتدا، حاصلٌ مرفوع لفظًا صیغه اسم فاعل، اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے مبتدا کو، اذا ظرفیه مضاف،اذا ظرفیه مابعد کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ کانَ تامّه اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً ذوالحال، قائمًا منصوب لفظًا صیغه اسم فاعل، اس کے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے ذوالحال کو، قائمًا

صیغه اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبه جمله ہو کرحال، ذوالحال اپنے حال سے ملکر فاعل ہوا کانَ کا۔ کانَ فعل اپنے فاعل سے ملکر جمله فعلیه خبریه ہو کر یه مضافٌ الیه ہوا اِذا کے لئے۔ اذا مضاف اپنے مضاف الیه سے ملکر یه مفعول فیه ہوا حاصلٌ صیغه اسم فاعل کے لئے، حاصلٌ صیغه اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول فیه سے ملکر شبه جمله ہو کر یه خبر ہوئی مبتدا کے لئے۔ مبتدا اپنے خبر سے ملکر جمله اسمیه خبریه ہوا۔ (یه کان تامّه ہے۔ ایک کان تامّه ہوتا ہے اور ایک کان ناقصه ہوتا ہے۔ کانَ ناقصه وه ہوتا ہے جہاں ایک اسم پر بات پوری نه ہو وہاں خبر بھی چاہئے ہوتا ہے۔ جیسا که کانَ زیدٌ قائمًا۔ اور کانَ تامّه وه ہوتا ہے جہاں صرف ایک اسم پر بات پوری ہو جائے، یعنی صرف فاعل پر بات پوری ہو جائے آگے خبر کی ضرورت نہیں۔ جیسا که کانَ زیدٌ۔ یه کان تامّه ہے۔ کانَ فعل زیدٌ اسکا فاعل، فعل اپنے فاعل سے ملکر جمله فعلیه ہوا۔ یه بمعنیٰ ثبتَ کے ہوتا ہے۔ زید ثابت ہے۔)

یہاں پر ظرف کے عامل حاصلٌ کو حذف کیا اور اِذا کان کو اسکا قائم مقام بنا دیا۔ جیسا که زیدٌ عندی جو که اصل میں زیدٌ ثابتٌ عندی تھا، اس میں ظرف کے عامل ثابتٌ کو حذف کیا۔ اور ظرف کو عامل کا قائم مقام کر دیا، یعنی عندی کو ثابتٌ کا قائم مقام کر دیا۔ اب ظرف "اذا کان" کو بھی حذف کر دیا اور قائمًا کو اس کا قائم مقام کر دیا۔ قائمًا نائب ہوا "اذا کان" کا، اور "اذا کان" نائب ہوا حاصلٌ کا، تو نائب کا نائب بھی نائب ہوتا ہے، پس قائمًا نائب ہوا حاصلٌ کا۔

جب مصدر مضاف ہو مفعول کی طرف۔ ضَرْبُ زیدٍ قائمًا۔ یہاں ضرب مصدر مضاف ہے مفعول زید کی طرف۔اور اسکے بعد حال آرہا ہے۔مصدر تاویلی کی مثال: اَنْ ضَرَبْتُ زیدًا قائمًا۔ یہاں اَنْ فعل پر داخل ہو کر اس کو مصدر کی تاویل میں کر دیتا ہے۔تو اَنْ ضَرَبْتُ یہ مصدر تاویلی ہے۔اَنْ ضَرَبْتُ: میرا پٹھائی کرنا، اس سے ضَرْب مصدر کی اضافت متکلم کی ضمیر کی طرف کرو،تو ضَرْبِی : میرا پٹھائی کرنا بن جائے گا۔تو تاویلاً مصدر مضاف ہے اپنے فاعل کی طرف۔اور اس کے بعد حال آرہا ہے۔

جب اسم تفضیل مضاف ہو ایسے مصدر کی طرف۔ اَکْثَرُ شُرْبِیْ مَلْتُوْطًا ۔ اس میں اکثرُ اسم تفضیل ہے جسکی اضافت ایسے مصدر کی طرف ہو رہی ہے جو آگے خود مضاف ہے فاعل یا مفعول کی طرف۔اور اسکے آگے ملتُوْطًا حال واقع ہو رہا ہے۔

اب مصنف رح تیسری جگہ ذکر کریں گا جہاں پر مبتدا کی خبر کو وجوبا حذف کیا جاتا ہے۔اس مقام سے مراد ہر وہ مبتدا ہے، جس پر عطف کیا جائے واو بمعنیٰ مع کے ساتھ۔ کلُّ رجلٍ مبتدا ہے اور اس پر عطف کیا گیا واو کے ساتھ،اور اُسکی خبر مُقَارَنَتْ کے معنی پر مشتمل ہو۔اس مبتدا کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔ وَ کُلُّ رَجُلٍ وَ ضَیْعَتُهُ ضَیْعَة: غله اُگانے والی زمین۔ لیکن یہاں یہ کنایہ ہے پیشے سے۔ یہاں اس سے مراد پیشہ ہے۔اصل کلام یوں ہے، کلُّ رجلٍ ہر شخص وَ ضَیْعَتُهُ اور اسکا پیشہ مُقْتَرِنَانِ باہم ملے ہوئے ہیں۔ہر شخص اور اُس کا پیشہ باہم ملے ہوئے ہے۔یعنی ہر شخص اپنے پیشہ کے ساتھ ملا ہوا ہے۔یہ واو بمعنیٰ مع کے ہے۔مع: ساتھ،یہاں مُقْتَرِنَانِ خبر کو حذف کیا گیا اور ضَیْعَتُهُ (معطوف) کو اُس کا قائم مقام بنایا گیا۔

اب مصنف رح چوتھی جگہ ذکر کریں گا جہاں پر مبتدا کی خبر کو وجوبا حذف کیا جاتا ہے۔

و لَعَمْرُکَ لاَفعلنَّ کذا آپ کی عمر کی قسم میں ایسا ضرور کروں گا۔عَمْر اور عُمْر کا ایک ہی معنی ہے۔مدت بقاء کو کہتے ہیں۔دنیا میں رہنے کا زمانہ۔لیکن مقام قسم کے اندر جب اس پر لام آجائے تو یہ عَمْر استعمال ہوتا ہے۔اور پھر عُمْر نہیں پڑھا جائے گا۔کیونکہ یہ مقام قسم ہے اور قسم تخفیف کا تقاضا کرتی ہے، کثرت استعمال کی وجہ سے۔اور فتحہ خفیف حرکت ہے۔

اصل کلام یوں ہے، لَعَمْرُکَ قَسَمِیْ : تیری عمر کی ہے میری قسم۔یعنی میں تیرے عمر کی قسم اُٹھاتا ہوں۔ تو عَمْرُ مضاف کاف ضمیر مضافٌ الیہ، دونوں ملکر مبتدا، اور قَسمِیْ، مضاف اور مضافٌ الیہ ملکر خبر۔ اور لَاَفْعَلَنَّ کذا یہ جواب قسم ہے۔ یہاں مخاطَب کی عمر کی قسم کھائی گئی۔ تو یہ مُقْسَمٌ بِہٖ ہوا۔ یعنی جس چیز کی قسم اٹھائی جائے وہ مقسم بہ کہلاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پر ہر وہ مبتدا جو مُقسَم بِہٖ ہو۔اُسکی خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔ کیونکہ جواب قسم کو ہم نے خبر کی قائم مقام کر دیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ لعمرُک : تیری عمر کی قسم کھاتا ہوں، اور قسم تو غیرُ اللہ کی جائز نہیں، پھر یہ کیا معنیٰ۔ جواب یہ کہ قسم کئی فائدے دیتی ہیں۔ ایک اس سے کلام میں تاکید پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرا اس سے کلام میں حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ اور غیرُ اللہ کی قسم سے اس لئے معنیٰ کیا گیا ہے کہ قسم تعظیم کے لئے ہوتی ہے۔ یعنی جس چیز کی قسم کھائی جائے انسان کے دل میں اُس کی تعظیم ہوتی ہے۔ اور یہ جو لعمرک کی قسم ہے یہ تعظیم کے لئے نہیں۔ صرف کلام کو حسین بنانے کے لئے کھائی جاتی ہے۔

یا اس میں تاویل کی جائے گی۔یعنی تجھے عمر دینے والے کی میں قسم کھاتا ہوں۔

اور حذف کے یہ سارے طریقے سماع پر موقوف ہے۔

خبرُ اِنَّ و اَخَواتِها منها ای من المرفوعاتِ خبرُ اِنَّ و اخواتِها۔ خبرُ انّ و اخواتها مبتدا مؤخر ہے۔ اور منها یا من المرفوعاتِ خبر مقدم محذوف ہے۔ یعنی مرفوع میں سے اِنَّ اور اسکے اخوات کی خبر ہے۔ اخوات سے مراد حروف مشبہ بالفعل ہے۔یعنی اَنَّ، کانَّ، لیتَ، لٰکِنَّ اور لعلَّ۔ ان کو اخوات اس لئے کہا گیا، کیونکہ یہ حروف ہیں، اور حروف عربی میں زیادہ تر مؤنث استعمال ہوتے ہیں۔اور یہ ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے، تو بہنوں کی طرح ہو گئے، کیونکہ بہنیں بھی ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہیں۔

ھو المسندُ بعدَ دُخولِ ھٰذہِ الحروفِ اور انکی خبر مسند ہوتی ہے ان حروف کے داخل ہو جانے کے بعد۔اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ اِنَّ وغیرہ تو مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں۔تو وہ خبر تو پہلے سے مسند تھی۔تو اب کیوں کہتے ہوں کہ خبر مسند بن گیا۔اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اسناد چلی گئی۔اب نیا اسناد آگیا۔ **مثلُ اِنَّ زیدًا قائمٌ** یقیناً زید کھڑا ہے۔ترکیب میں جملہ اسمیہ بنے گا۔

و امرُہٗ کامرِ خَبَرِ المُبتدأ اور اِنَّ کی خبر کا حکم مبتدا کی خبر کی طرح ہوتا ہے۔جیسا مبتدا کی خبر کبھی مفرد آتی ہے اور کبھی جملہ، اس طرح اِنَّ کی خبر بھی کبھی مفرد ہوتی ہے اور کبھی جملہ۔جیسا کہ زیدٌ قائمٌ میں مبتدا کی خبر مفرد ہے۔اور زیدٌ قامَ میں مبتدا کی خبر جملہ ہے۔اور جس طرح مبتدا کی خبر نکرۃ بھی آسکتی ہے اور معرفۃ بھی آسکتی ہے۔اسی طرح اِنَّ وغیرہ کی خبر بھی کبھی نکرۃ آسکتی ہے اور کبھی معرفۃ۔اور جس طرح مبتدا کی کبھی ایک خبر آتی ہے اور کبھی کئی خبریں آتی ہیں۔اسی طرح اِنَّ وغیرہ کے اسم کی خبر بھی کبھی ایک آیا کرتی ہے اور کبھی ایک سے زیادہ بھی آیا

کرتی ہے۔اور جس طرح مبتدا کی خبر کو کبھی ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی حذف کیا جاتا ہے۔اسی طرح اِنَّ وغیرہ کی اسم کے خبر کو بھی کبھی ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی حذف کیا جاتا ہے۔

اِلّا فی تقدیمہٖ مگر اُسکو مقدم کرنے کی اندر۔یعنی اِنَّ کے خبر کو مقدم کرنے میں۔یعنی اِنَّ کی خبر مبتدا کی خبر کے مخالف ہے تقدیم میں۔ہم نے پڑھا ہے کہ مبتدا کی خبر کبھی کبھار مبتدا پر مقدم کیا جاتا ہے۔لیکن اِنَّ کی خبر کو اِنَّ کے اسم پر مقدم کرنا جائز نہیں۔یعنی اِنَّ زیدًا قائمٌ کہنا جائز ہے اور اِنَّ قائمٌ زیدًا کہنا جائز نہیں۔

یہ دوسرا استثنا مفہوم کلام سے استثنا ہے۔ **الا اذا کان ظرفًا** مگر اُس وقت جب وہ ظرف ہو۔اگر اِنَّ کی خبر ظرف ہو،چاہے ظرف حقیقی ہو یا ظرف مجازی تو پھر دونوں صورتوں میں اِنَّ کی خبر کو اِنَّ کے اسم پر مقدم کرنا جائز ہوتا ہے۔جیسا کہ اِنَّ زیدًا عندی میں اِنَّ کی خبر عندی ظرف حقیقی ہے۔ اور ظرف مجازی کی مثال، اِنَّ زیدًا فی الدار۔ تو اس میں اِنَّ عندی زیدًا اور اِنَّ فی الدارِ زیدًا کہنا جائز ہے۔لیکن پھر اس میں تھوڑی سی اور تفصیل یاد رکھو۔اِنَّ کا اسم معرفۃ بھی ہو سکتا ہے اور نکرۃ بھی ہو سکتا ہے۔جس طرح مبتدا کبھی معرفۃ ہوتا ہے اور کبھی نکرۃ ہوتا ہے۔اگر اِنَّ کا اسم معرفۃ ہو اور خبر ظرف ہو،تو اس میں اِنَّ کی خبر کو اِنَّ کے اسم پر مقدم کرنا جائز ہوتا ہے۔جیسا کہ اِنَّ فی الدار زیدًا اور اِنَّ عندی زیدًا کہنا جائز ہے۔لیکن یاد رکھو جب اِنَّ کا اسم نکرۃ ہو تو اِنَّ کی خبر کو مقدم کرنا واجب ہوتا ہے۔مثلا اِنَّ فی الدار رجلاً میں اِنَّ رجلاً فی الدارِ کہنا جائز نہیں۔

بھئی کیا وجہ ہے کہ ظرف کے اندر خبر کی تقدیم جائز ہے،لیکن غیر ظرف میں جائز نہیں۔ظرف جگہ یا زمان کو کہتے ہے۔اور دنیا کا کوئی بھی فعل ایسا نہیں کہ وہ کسی نہ کسی زمانے میں یا کسی نہ کسی جگہ میں پایا نہ جائے۔تو ظرف کا تعلق ہر فعل سے ہوا کرتا ہے۔تو یہ ہوئے قریبی رشتہ دار کی طرح۔اور قریبی رشتہ دار کو اجازت ہوتی ہے کہ گھر کے اندر جہاں چاہے گھومے۔اور باقی خبریں یعنی غیر ظرف اجنبی کی طرح ہیں۔اور اجنبی جب گھر کے اندر آتے ہیں تو اُسے گھومنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

تو یہ ظروف بھی محارم کی طرح ہے ہر ایک سے تعلق کی بنا پر۔تو اسے اسم پر تقدیم کی اجازت ہے۔جبکہ باقی خبروں کی تقدیم اسماء پر جائز نہیں۔

قیمتی نکتہ۔ہم نے ہمیشہ پڑھا ہے کہ یہ جو مفعول فیہ ہے اسکو ظرف حقیقی کہتے ہیں۔اور جار مجرور کو ظرف مجازی کہتے ہیں۔جار مجرور کو ظرف مجازی کیوں کہتے ہیں؟ وجہ یہ کہ دونوں کی مناسبت ہے ایک دوسرے کے ساتھ۔ظرف حقیقی کی مناسبت جار مجرور کے ساتھ اس طرح ہے کہ ہر ظرف حقیقی،جار مجرور کی تقدیر میں ہوتا ہے۔یعنی ہر ظرف حقیقی تقدیر اجار مجرور ہے۔مثلا میں کہتا ہوں، صُمْتُ الیَوْمَ۔ اب دیکھیے یہ الیوم مفعول فیہ یعنی ظرف حقیقی ہے۔تو یہ اَلْیَوْم ظرف حقیقی جار مجرور کی تقدیر میں ہے۔ ای صُمْتُ فی الیومِ۔ تو فِی کا معنیٰ ہر ظرف حقیقی سے پہلے مقدَّر ہوتا ہے۔(یوں نہیں کہنا کی فی کا لفظ مقدر ہے۔کیونکہ القدر کالملفوظ ہوتا ہے۔)

اور دَخَلْتُ البیتَ میں اختلاف ہے۔ بعض علماء البیتَ کو مفعول بہ قرار دیتا ہے جبکہ بعض علماء اسے مفعول فیہ قرار دیتا ہے۔ اگر ہم اسکو مفعول فیہ کے معنی میں لے تو یہ دَخَلْتُ فی البیتِ کے معنی میں ہوگا۔ تو فی کا معنی وہاں مقدر ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ہر ظرف حقیقی جار مجرور کے تقدیر میں ہوتا ہے۔ تو ظرف حقیقی کی مناسبت ہے جار مجرور کے ساتھ۔

اور جار مجرور کی بھی مناسبت ہے ظرف حقیقی کے ساتھ۔ جیسے جار مجرور کے لئے عامل چاہئے ہوتا ہے، یعنی مُتَعَلَّق چاہئے ہوتا ہے۔ جس طرح ظرف حقیقی کے لئے آٹھ چیزوں میں سے کوئی متعَلَّقْ چاہئے۔ تو اس کی مناسبت یہ ہوئی کہ جس طرح ظرف حقیقی عامل کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح جار مجرور بھی عامل کے لئے محتاج ہوتا ہے۔

درس 35۔

خبرُ لا "لا" کی خبر التی وہ "لا" جو کہ لِنَفْیِ الجنسِ جو نفی جنس کے لئے ہو۔ ای لنفیِ صفتِ الجنسِ۔ یہاں جنس کے لفظ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ کیونکہ یہ "لا" جنس کی نفی کے لئے نہیں ہوتا بلکہ جنس کی صفت کی نفی کے لئے ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں، لَا رجلَ قائمٌ : کوئی شخص کھڑا نہیں ہے۔ تو یہاں پر میں نے جنس رجل کی نفی نہیں کی بلکہ جنس رجل سے قیام کی نفی کی۔ کیونکہ یہ "لا" جنس کی نفی کے لئے نہیں آتا، بلکہ جنس کی صفت کی نفی کے لئے آتا ہے۔

خبرُ لا التی لنفی الجنس یہ مبتدا ہے۔ اور اسکی خبر "منها" محذوف ہے۔ منها ای من المرفوعاتِ مرفوعات میں سے لا نفی جنس کی خبر بھی ہے۔

هو المسندُ بعدَ دُخُولِها اور "لائے نفی جنس" کے داخل ہونے کے بعد اس کی خبر مسند ہوتی ہے۔ مثلَ لا غلامَ رجلٍ

ظریفٌ فیها کسی شخص کا غلام خوش طبع نہیں ہے۔ ظریفٌ یہ خبر اوّل ہے، اور فیها خبر ثانی ہے۔ ها ضمیر راجع ہے دار کو۔ اشکال یہ ہوتا ہے کہ یہاں تو دار کا ذکر پہلے سے موجود نہیں تو کیسے ها ضمیر کو دار کی طرف لوٹادی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اصل میں ایک سوال کا جواب تھا۔ سوال یہ ہے کہ، اَ فِی الدارِ غلامُ رجلٍ ظریفٌ۔ تو سوال میں دار ذکر تھا، تو جواب میں ها ضمیر دار کی طرف لوٹادی۔

ترکیب: غلامَ منصوب لفظًا مضاف، رجلٍ مجرور لفظًا مضاف الیه، مضاف اپنے مضاف الیه سے ملکر لائے نفی جنس کا اسم، ظریفٌ صفت مشبه، اسکے اندر هو ضمیر مرفوع محلا اسکا فاعل جو که لوٹ رہی ہے لائے نفی جنس کے اسم کو، صفت مشبه اپنے فاعل سے ملکر شبه جمله ہو کر صفت اوّل، فیها جار مجرور اپنے متعلّق ثابتٌ سے ملکر شبه جمله ہو کر صفت ثانی، لائے نفی جنس اپنے اسم اور دونوں خبروں سے ملکر جمله اسمیه خبریه ہوا۔ یہاں فیها "ظریفٌ" سے متعلق نہیں ہو سکتا۔

اشکال یہ ہے کہ یہاں صاحب کافیہ نے دو خبروں کو کیوں ذکر کیا، صرف ظریفٌ کو ذکر کرتے، تو یہ بات پورا ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر صرف ظریفٌ کو ذکر کرتے تو پھر کذب لازم آتا۔ اس کا ترجمہ پھر بنتا کہ، "کوئی بھی غلام خوش طبع نہیں"۔ اور اس پر کذب لازم آتا۔ کوئی نہ کوئی غلام تو ایسا ضرور ہوگا جو خوش طبع ہو۔ اس لئے دوسرا خبر لا کر اس کذب کے احتمال کو ختم کیا۔ اور ترجمہ یوں بنا، "کہ کوئی بھی غلام رجل ایسا نہیں جو اُس گھر میں ہو اور خوش طبع ہو"۔ اور یہ عین ممکن ہے۔

و یُحْذَفُ کثیرا اور بسا اوقات لائے نفی جنس کی خبر کو محذوف کیا جاتا ہے۔ جبکہ وہ خبر افعال عامہ میں سے ہو۔ مثلاً کوئی کہے، لا رجُلَ موجودٌ۔ اور یہ موجودٌ افعال عامہ میں سے ہے، تو اس کو عموماً حذف کیا جاتا ہے۔ اور اس کو ذکر نہیں کرتے اور ہاں تقدیراً موجود ہوتا ہے۔

و بنو تمیم لا یُثْبِتُونَهُ اور بنو تمیم والے لائے نفی جنس کی خبر کو ثابت نہیں رکھتے۔ اس کے دو معنی ہیں۔

ایک تو یہ کہ وہ لفظوں کے اندر اس کو ثابت نہیں رکھتے بلکہ اس کے حذف کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اگر لفظوں میں نہ ہو جیسا کہ لا اھل و لا مالَ۔ ای لا اھلَ موجودٌ و لا مالَ موجودٌ۔ اس میں بنو تمیم والے موجودٌ کے حذف کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اور وہ اسکو اِنْتَفَی الاھلُ اور انتفی المالُ بناتے ہیں۔ اس میں انتفی فعل اور المالُ اسکا فاعل۔

دوسرا یہ کہ اگر لفظوں میں موجود ہوں تو پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ صفت ہے لائے نفی جنس کا۔ جیسا کہ "لا غلامَ رجلٍ قائمٌ"۔ ہمارے نزدیک اس میں غلامَ رجلٍ لائے نفی جنس کا اسم ہے اور قائمٌ اسکی خبر۔ چونکہ بنو تمیم والے خبر کو ثابت ہی نہیں رکھتے اس لئے وہ کہتے ہیں کہ یہ قائمٌ اس غلامَ رجلٍ کی صفت ہے۔

اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ غلامَ تو منصوب ہے اور قائمٌ اسکی صفت مرفوع ہے۔ تو موصوف اور صفت میں مطابقت نہ رہی اعراب کے اندر۔ تو اسکا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ جو نصب آیا، یہ تو لائے نفی جنس کی وجہ سے آیا، دراصل تو یہ مبتدا ہے۔ تو محل کے اعتبار سے یہ مرفوع ہے۔ تو انہوں نے صفت کے اعراب کو محل کے اعراب کے تابع قرار دیا اور لفظوں کے تابع قرار نہیں دیا۔ اور ایسا ہوتا ہے صفت کے اعراب کو محل کے اعراب کے تابع لاتے ہیں۔

اسمُ ما و لا ما اور لا کا اسم **الْـمُشَبَّهَتَیْنِ بلیسَ** جو لیسَ کے مشابہ ہو۔ اور منها ای من المرفوعاتِ خبر یہاں محذوف ہے۔ یعنی مرفوعات میں سے "ما اور لا" کا اسم ہے۔ وہ "ما اور لا" جو لیسَ کے مشابہ ہے۔ اور یہ مشابہت نفی کے اندر ہے۔ جیسے لیسَ نفی کا فائدہ دیتا ہے، اسی طرح "ما اور لا" بھی نفی کا فائدہ دیتا ہے۔ نیز جیسے لیسَ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتا ہے اسی طرح ما اور لا بھی مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں۔ تو اس کی مشابہت لیسَ کے ساتھ دو چیزوں میں آئی۔

هو المسندُ الیه اور اُس ما اور لا کا اسم مُسندالیہ ہوتا ہے۔ **بعدَ دُخولِـهِما** اس ما اور لا کے دُخول کے بعد۔ **مثلُ ما زیدٌ قائمًا** ما مشابہ بلیس کا اسم زیدٌ مرفوع ہے اور اسکا خبر قائمًا منصوب ہے۔ ما اور لا میں فرق یہ ہے کہ ما عام ہے۔ یہ نکرۃ اور معرفۃ دونوں پر داخل ہوتا ہے۔ یہاں ما کا اسم زیدٌ معرفۃ آیا۔ جبکہ لا صرف نکرۃ پر داخل ہوتا ہے۔ ترکیب کے اندر قائمًا صیغہ اسم فاعل ہے اور اس میں ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل ہے جو کہ لوٹ رہی ہے زید کو۔ جملہ اسمیہ خبریہ ہے۔ **و لا رجلٌ افضلَ منک** رجلٌ نکرۃ ہے اور لا کی اسم ہے۔ اور افضلَ منک اسکی خبر ہے۔ ترکیب کے اندر افضلَ اسم تفضیل منصوب لفظًا ہے۔ یہ غیر منصرف ہے۔ اسکے اندر ایک وزن فعل ہے اور ایک وصف ہے۔ اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے لائے نفی جنس کے اسم کو۔ منکَ جار مجرور ملکر متعلق ہوئے اسم تفضیل افضلَ سے۔ جملہ اسمیہ خبریہ ہے۔

و هو فی لا شاذٌّ اور یہ لیسَ کا عمل لا کے اندر شاذ ہے۔ شاذ کا معنی قلیل یا نادر کے ہے۔ لہذا آپ ایسا نہیں کر سکتے اور یہ موقوف علی السماع ہوگا۔ اور یہ لا کے اندر لیسَ کا عمل کیوں شاذ ہے۔ کہتے ہیں اس لئے کہ لیسَ آتا ہے نفی حالیہ کے لئے، اور لا آتا ہے نفی مطلق کے

لئے۔ نفی حالی کا مطلب یہ ہے کہ لیسَ زمانہ حال میں کسی چیز کی نفی کرتا ہے۔جیسا کہ لیسَ زیدٌ قائمًا۔ زید زمانہ حال میں کھڑا نہیں۔توزید سے قیام کی نفی زمانہ حال میں کی گئی۔اور لا آتا ہے نفی مطلق کے لئے۔یعنی تینوں زمانوں میں کسی چیز کی نفی کرتا ہے۔

درس 36۔

المنصوبات یہاں پر کئی ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔هٰذِهِ مبتدا مخذوف نکالو۔ ای هٰذِهِ المنصوباتُ۔ یا منصوبات کو مبتدا بناؤ اور هٰذِهِ کو خبر مخذوف بناؤ۔ ای المنصوباتُ هٰذِهِ۔ یا اگر آپ چاہے تو اس سے پہلے مضاف محذوف نکالیں۔ ای هٰذا بحثُ المنصوباتِ۔ بحث کا لفظ چونکہ مذکر ہے اس لئے مبتدا هٰذا بھی مذکر نکالا۔ المنصوباتِ یہاں مجرور ہے، لیکن جب بحث مضاف کو محذوف کیا تو بحث کی اعراب المنصوبات کو دیا۔ تو دراصل یہ مجرور ہے۔ یا بحثُ المنصوباتِ هٰذا۔ یعنی بحث مضاف نکال کر اس کو مبتدا بناؤ۔ اور هٰذا اس کے لئے خبر محذوف نکالو۔

یااسکو منصوب پڑھے۔ای اِقْرَأَ المنصوباتِ ۔ اِقْرَأْ فعل انت ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل، المنصوباتِ منصوب لفظًا مفعول به (جمع مؤنث سالم حالت نصبی اور حالت جری میں کسرہ کے ساتھ ہوتا ہے۔) یا کوئی ترکیب نہیں بلکہ المنصوباتْ عنوان ہے۔ جب کوئی ترکیب نہیں، تو یہاں عامل بھی نہیں، اور جب عامل بھی نہیں تو نہ آپ اس پر رفع پڑھ سکتے ہیں، نہ فتحہ اور نہ کسرہ۔

هو ضمیر راجع ہے منصوب کو۔ منصوبات کی ضِمن میں منصوب بھی آگیا۔یعنی جمع کی ضمن میں مفرد موجود ہے۔ منصوب وہ اسم ہے ما اشتمل علیٰ علم المفعولیةِ جو مفعول ہونے کی علامت پر مشمل ہو۔اور مفعول ہونے کی علامت نصب ہے۔یعنی وہ اسم جس پر نصب آجائے وہ منصوب ہے۔اور نصب چار طرح پر آتا ہے۔[1] کبھی نصب آتا ہے فتحہ کے ساتھ۔جیسا کہ ضربتُ زیدًا، یہ نصب فتحہ کے ساتھ آیا۔[2] کبھی نصب کسرہ کے ساتھ آتا ہے جیسا کہ جمع مؤنث سالم میں۔رَأَیْتُ مسلماتٍ۔[3] کبھی نصب آتا ہے الف کے ساتھ۔جیسا کہ رَأیتُ ذا مالٍ۔ [4] کبھی نصب آتا ہے یا کے ساتھ۔جیسا کہ رأیتُ رجلیْنِ۔ اور رَأیتُ مسلمِیْنَ۔ وہ سولہ قسموں میں نصب ان چار صورتوں میں آتا ہے۔

مفعول صفت کا صیغہ تھا،اس کے ساتھ یا مشدّد اور تا ملائی گئی،تو یہ اب مصدر کا صیغہ بن گیا۔مفعولیة: مفعول ہونا، فاعلیَّة: فاعل ہونا۔ جس طرح سونا،پینا، کھانا، جاگنا،رونا وغیرہ مصادر ہیں اور اس کے آخر میں "نا" آتا ہے۔تو اسی طرح مفعول ہونا،فاعل ہونا یہ بھی مصادر ہیں۔

فمنهُ وہ اسم جو نصب پر مشتمل ہو۔منهُ کی ها ضمیر راجع ہے "ما" موصولہ کو۔ المفعولُ المطلَقُ اُس میں سے ایک مفعول مطلق ہے۔ و هو اسمُ اور وہ نام ہے۔ ما ماعبارت ہے حَدث سے۔ حدث یعنی مصدر۔ یاد رکھو ہر مصدر حدث ہے۔ حدث وہ وصف جو غیر کے ساتھ قائم ہو،اور اُس کا اپنا کوئی الگ وجود نہ ہو۔یعنی ہر مصدر ایسا وصف ہے جو غیر کے ساتھ قائم ہے لیکن اس کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں ہوتا۔جیسا کہ ضرْبٌ یہ مصدر ہے اور حدث ہے۔یہ ہمیشہ کسی کے ساتھ قائم ہوگا اس کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں۔جب تک کوئی ضارب نہ ہو تو خارج میں ضرب نہیں پایا جاتا۔جب کوئی پٹھائی کرنے والا ہوگا تب ضرب پایا جائے گا۔اسی طرح اَکْلٌ: کھانا، یہ بھی مصدر یعنی حدث ہے۔جب تک کوئی اٰکِلٌ نہ ہو تو یہ نہیں

پایاجاتا۔وغیرہ۔ و هو اسمُ ما: اور مفعول مطلق نام ہے اُس حدث کا۔ فَعَلَهُ جسکو کیاہو، فاعلُ فعلٍ مذكورٍ فعل مذکور کے فاعل نے۔یعنی مفعول مطلق وہ حدث ہے جس کو فعل مذکور کے فاعل نے کیاہو۔ بمعناهُ ایسا فعل جواُس حدث کے معنیٰ میں ہو۔ یہ صفت ثانی ہے فعل کی۔ فعل موصوف، مذکوراس کے لئے صفت اوّل اور بمعناهُ یہ جار مجروراس کے لئے صفت ثانی۔ کیونکہ نکرۃ کے بعد جب جار مجرور آئے یا فعل آئے تووہ عموماً اسکے لئے صفت بنتاہے۔اور معرفۃ کے بعد جب جار مجرور آئے یا فعل آئے تووہ عموماً اسکے لئے حال بنتے ہے۔ نیز جار مجرور ہمیشہ کسی نہ کسی سے متعلق ہوتاہے۔تویہاں ثابتٍ مجرور نکالیں گے، کیونکہ ثابتٍ صفت ہے فعلٍ کی،اور فعلٍ مجرورہے۔ای فعلٍ مذكورٍ ثابتٍ بمعناهُ۔ تومفعول مطلق نام ہے اُس حدث کا، جسکو کیاہو فعل مذکور کے فاعل نے،وہ فعل جواُس حدث کے معنیٰ میں ہو۔یعنی مفعول مطلق نام ہے اُس حدث کا، جسکو کیاہو فعل مذکور کے فاعل نے،اور وہ فعل اِس حدث کے ہم معنیٰ ہو۔

مثال: ضربَ زيدٌ ضَرْبًا: ضَرْبًا یہاں مفعول مطلق ہے۔یہ ضَرْب حَدَثْ ہے۔یہ مصدر ہےاور یہ نام ہے حَدَثْ کا۔اسکے لئے ضَرْب لگانے والاچاہئے۔اوروہ زید ہے۔ زید ہے توضرب ہے زید نہیں تویہ والی ضرب بھی نہیں۔اور زید ماقبل کے فعل مذکور کا فاعل ہے۔اور یہ فعل ضَرَبَ اس حدث ضَرْبْ کا ہم معنیٰ ہے۔اب اس پر تعریف چسپاؤ۔یعنی ضرْب ایساحدیث ہے جس کو سرانجام دیاہے فعل مذکور کے فاعل نےاور یہ حدث ماقبل والے فعل کے ہم معنیٰ ہے۔

مفعول مطلق تین فائدوں کے لئے ذکر ہوتاہے۔یاتوتاکید کے لئے ذکر ہوگا، یانوع کو بیان کرنے کے لئے یاعدد کو بیان کرنے کے لئے۔تاکید کے لئے جیسا کہ ضربْتُ زيدًا ضرْبًا۔ یہ مصدر تاکید کے لئے ذکر ہوا۔تاکید کا معنیٰ ہے ایک چیز کو پختہ کردینا۔یہاں بھی ماقبل میں جوضَرْبْ آیا تھااس مصدر نے اس کو پختہ کردیایعنی اس میں تاکید پیدا کردی۔تومجازاور غلطی کے احتمال کو ختم کردیا۔

مجاز کے احتمال کو ختم کرنے کی مثال: مثلا میں نے کہا، "ضَربتُ زيدًا" یعنی میں نے زید کی پٹھائی کی،اور آپ نے سوچاپٹھائی نہیں کی ہوگی، خوب زبردست طریقے سے ڈانٹاہوگا، توڈانٹابہت زیادہ توگویایہ اسی طرح ہے کہ پٹھائی کی۔توآپ سمجھے کہ یہ ضرب یہاں حقیقی معنی میں نہیں بلکہ اس سے ڈانٹنامرادہے۔لیکن جب میں نے آگے ضرباذکر کیا، تواس سے واضح ہواکہ ضرب سے پٹھائی ہی مرادہے کوئی مجازی معنی مرادنہیں۔توضرباًمصدر نے آکرماقبل کے فعل کو پختہ کردیا۔

مجاز کے احتمال کو ختم کرنے کی مثال قرآن مجید سے۔جیساکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔ كَلَّمَ اللهُ موسىٰ تَكْلِيمًا۔ اللہ نے کلام فرمایاموسیٰ علیہ السلام سے۔یہاں تَكْلِيمًا مفعول مطلق جب ذکر ہواتواس سے مجاز کے احتمال کو ختم کیاگیا،یعنی یہ کلام کسی فرشتے کے واسطے سے نہیں، بلکہ اللہ نے بذات خود موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔

غلطی کے احتمال کو ختم کرنے کی مثال: مثلا میں نے کہا ضربتُ زيدًا تو سننے والا سمجھاہوسکتاہے پٹھائی نہیں کی ہوگی شایداکرام کیاہوگااور غلطی سے زبان سے ضربتُ نکلا۔توغلطی کاامکان تھالیکن جب میں نے آگے مفعول مطلق ضرْبًا بولا، تواس نے وضاحت کردی کہ حقیقتا ضرْب ہی کا فعل واقع ہواہے،اکرام یعنی عزت کا فعل واقع نہیں ہواہے۔

و قد یکونُ للتاکیدِ اور کبھی یہ تاکید کے لئے ہوگا۔ و النوع و العَدَدِ اور کبھی نوع اور عدد کے لئے۔ یہاں تین مصادر ہیں ان کو یاد رکھیں۔فَعْلَةٌ، فِعْلَةٌ، فُعْلَةٌ۔

فَعْلَةٌ عدد بتلانے کے لئے آتا ہے۔فَعْلَةٌ : ایک مرتبہ،فَعْلَتَانِ: دو مرتبہ،فَعْلَات: کئی مرتبہ۔ جلستُ جَلْسَةً: میں ایک دفعہ بیٹھا، جلستُ جَلْسَتَيْنِ: میں دو دفعہ بیٹھا۔جَلَسْتُ جَلْسَاتٍ: میں بیٹھا کئی مرتبہ۔

فِعْلَةٌ: یہ نوع بتلانے کے لئے آتا ہے۔یعنی کسی چیز کی قسم بتلانے کے لئے آتا ہے۔جیسا کہ جِلْسَةٌ بروزن فِعْلَةٌ: ایک خاص نوع پر بیٹھنا۔اور جَلْسَةٌ بروزن فَعْلَةٌ: ایک بار بیٹھنا۔جلستُ جِلْسَةً: میں ایک قسم پر بیٹھا، جلستُ جِلْسَتَيْنِ: میں دو قسم پر بیٹھا۔جَلَسْتُ جِلْسَاتٍ: میں بیٹھا کئی قسم پر۔جَلَستُ جِلسةَ القاری: میں قاری کی طرح بیٹھا۔

اور فُعْلَةٌ وزن پر جو مصدر آتا ہے وہ مقدار بتلانے کے لئے آتا ہے۔جیسا کہ لُقْمَةٌ بروزن فُعْلَةٌ: ایک لقمہ کی مقدار کھانا۔

نحو جلستُ جُلوسًا یہ تاکید کی مثال ہے۔ و جِلسةً ای جلستُ جِلْسةً: نوع کی مثال ہے۔اس کے لئے فعل کو محذوف نکالا۔ و جَلسة ای جلستُ جَلسةً: میں ایک دفعہ بیٹھا۔تینوں کی ترکیب اس طرح ہے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے ملکر جملہ فعلیہ ہوا۔

فالاَوَّلُ مفعول مطلق کی پہلی قسم جو کہ تاکید کے لئے ہے وہ لا یُثَنَّی و لا یُجْمَعُ اسکو تثنیہ اور جمع نہیں لایا جاتا۔ بخلاف اَخَوَيْهِ بخلاف اس کے دو بھائیوں کے۔یعنی وہ مفعول مطلق جو نوع یا عدد کے لئے آئے۔جو مفعول مطلق نوع یا عدد کے لئے ہو اس کا تثنیہ اور جمع لایا جاسکتا ہے۔تاکید ما قبل کے فعل کو پختہ کرنے کے لئے آتا ہے۔اور غلطی اور مجاز کے استعمال کو ختم کرتا ہے۔تو اس کے لئے تاکید کا مفرد لانا ہی کافی ہے۔ جبکہ انواع کئی ہو سکتے ہیں۔اس لئے اسکی تثنیہ اور جمع لایا جاسکتا ہے۔اور عدد میں بھی تثنیہ اور جمع لا کر بتلایا جائے گا کہ کتنے عدد مراد ہے۔

و قد یکونُ بغیر لفظِهٖ اور کبھی کبھار غیر لفظ سے ہوگا۔ھا ضمیر راجع ہے فعل کو۔اس فعل کے لفظوں کے علاوہ سے ہوگا۔یعنی مفعول مطلق کا فعل کے ساتھ ہم معنٰی ہونا ضروری ہے ہم لفظ ہونا ضروری نہیں۔ نیز فعل ثلاثی مجرد سے ہے تو مفعول مطلق ثلاثی مزید سے بھی آسکتا ہے۔جیسا کہ اَنْبَتَ اللّٰهُ بقلاً نباتًا۔ تو نباتا مفعول مطلق ہے اور مجرد سے آرہا ہے۔ اور ماقبل میں اَنْبَتَ فعل ثلاثی مزید فیه میں باب افعال سے ہے۔اس مثال میں مادّہ دونوں کا ایک ہے لیکن باب مختلف۔ اور کبھی مادّہ بھی دونوں کا مختلف ہوتا ہے۔ جیسا کہ قعدتُ جلوسا : میں بیٹھا بیٹھنا۔ قَعَدَ اور جُلوس دونوں ہم معنٰی ہیں۔ البتہ ایک کا مادّہ قَعَدَ اور دوسرے کا جَلَسَ ہے۔ نحو قعدتُ جُلوسا ترکیب: قعدتُ فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل، جلوسًا منصوب لفظًا مفعول مطلق۔

نوٹ۔ یہ جمہور علماء کے نزدیک ہے۔امام سیبویہ رح کے نزدیک مفعول مطلق غیر لفظ سے نہیں آسکتا۔وہ فرماتے ہیں کہ جو مفعول مطلق ہو،اسی باب کو اسی مادّے کو ما قبل میں محذوف فعل نکال لو۔تو قعدتُ جلوسًا میں وہ جلوسًا کو قعدتُ سے مفعول مطلق نہیں مانتے۔ بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ یہاں جلستُ محذوف نکالوں۔ یعنی قَعدتُ جلستُ جلوسًا۔

اور یاد رکھو یہ جو مثال صاحب کافیہ نے ذکر کی قعدتُ جلوسًا ۔ یہ جلوسًا اُس وقت قعدتُ کے لئے مفعول مطلق ہو سکتا ہے جب دونوں ایک معنیٰ میں مراد لیا جائے۔ جبکہ بعض علماء نے فرق بیان کیا ہے۔ اگر اُس فرق کو مان لیا جائے تو پھر اس کو مفعول مطلق بنانا صحیح نہیں۔ اُن علماء کے نزدیک قُعود اس کے کہتے ہے جو قیام کے بعد ہو۔ یعنی کوئی شخص کھڑا تھا اور بیٹھ جائے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ " قَعَدَ فُلانٌ"۔ اور اگر کوئی شخص لیٹا تھا اور پھر بیٹھ گیا تو پھر آپ یوں نہیں کہہ سکتے کہ قعد فلانٌ بلکہ یوں کہیں گے کہ "جلسَ فلانٌ"۔پس اگر سا فرق کو مان لیا جائے تو پھر جلوسا مفعول مطلق نہیں بن سکتا قعدتُ کے لئے۔ اور پھر ہر حال میں جلستُ مخذوف نکالنا پڑے گا۔

و قد یُحذف الفعل لقیامِ قرینةٍ اور کبھی کبھار فعل کو حذف کیا جاتا ہے جس وقت قرینہ موجود ہے۔ لقیام قرینةٍ میں لام وقت کے معنیٰ میں ہے۔ ای وَقتَ قِیامِ قرینةٍ: جس وقت قرینة موجود ہو۔ مفعول مطلق کے فعل کو کبھی جوازا حذف کیا جاتا ہے اور کبھی وجوبا حذف کیا جاتا ہے۔جب قرینہ موجود ہو تو پھر مفعول مطلق کے فعل کو ذکر کرنا بھی جائز ہے اور حذف کرنا بھی جائز ہے۔جوازا اور یہ حذف جوازا ہوتا ہے۔ کقولک جیسا کہ آپ کا کہنا لِمَن اس شخص سے قَدِّمَ جو آیا ہے۔ خیرَ مقدَمٍ تیرا آنا اچھا ہو۔تو خیر کے ساتھ آئے۔یعنی آپ کمرے میں بیٹھے ہیں۔اور آپ کا کوئی ساتھی آیا۔اور آپ اس سے کہہ دیں،"خیرَ مقدمٍ"۔ تو اصل میں کلام یوں ہے۔ قَدِمْتَ قُدُوْمًا خیرَ مَقْدَمٍ۔ ترکیب۔ قدمتَ فعل بافاعل،تاضمیر مرفوع محلااسکا فاعل،قُدُوْمًا(مصدر) منصوب لفظًا موصوف، خیرَ اسم تفضیل مضاف اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے موصوف کو۔ مَقْدَمٍ مجرور لفظًا مضاف الیہ، خیرَ اسم تفضیل اپنے فاعل اور مضافٌ الیہ سے ملکر شبہ جملہ ہو کر صفت قُدومًا کے لئے، قدوما موصوف اپنے صفت سے ملکر مفعول مطلق ہوا قدمتَ فعل کے لئے۔ قدمتَ فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ پس خیرَ مقدمٍ مفعول مطلق ہے موصوفِ مخذوف کے اعتبار سے۔ یہاں اور بھی تراکیب ممکن ہے۔

قدمتَ فعل کو اس لئے مخذوف کیا گیا کیونکہ قرینہ حالیہ موجود ہے۔ کیونکہ وہ شخص آیا ہے۔ اور جب وہ آیا ہے تو اب "قدمتَ: تو آیا ہے۔" کی ضرورت نہیں۔

قَدِمْتَ قُدُوْمًا خیرَ مَقْدَمٍ۔ قدمتَ: تو آیا، قدومًا: ایسا آنا، خیرَ مقدمٍ: جو اچھا ہے۔

و وُجوبا اور کبھی کبھار مفعول مطلق کے فعل کو وجوبا حذف کیا جائے گا،وجوبا حذف کی ایک قسم سماعا ہے اور ایک قسم قیاسا ہے۔سماعا اور یہ حذف سماعا ہوگا۔ سماعا کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عربوں سے سنا ہے۔اس کے لئے کسی ضابطہ کی ضرورت نہیں ہوتا۔اور قیاسی کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی ضابطہ کے تحت ہیں۔یعنی آپ کوئی کلام لائے اور وہ اس ضابطے کے مطابق ہو تو آپ کے لئے بھی فعل کو حذف کرنا واجب ہوگا۔

مثلُ سقیا یہ مفعول مطلق ہے۔اصل میں تھا۔ سقاکَ اللّٰہُ سقیًا: اللہ تجھے سیراب کرے۔یہ دعا ہے۔ و رعیا ای رَعٰکَ اللّٰہُ رَعْیًا۔ اللہ تیری حفاظت فرمائیں۔ و خیبةً ای خابَ خیبةً۔ یہ بددعا ہے۔وہ ناکام ونامراد ہو۔ و جَدعا ای جُدِعَ جَدْعًا۔ کسی کافر کے بارے میں آپ بد دعا کرتے ہیں کہ اس کے ناک کان وغیرہ کاٹ ڈالی جائے۔ یعنی مُثلہ کرنا۔

و حَمْدا ای حَمِدْتُ حمدًا۔ و شُکْرا ای شَکرتُ شُکْرًا و عَجَبا ای عجبتُ عجَبًا۔ ان تمام مثالوں میں مفعول مطلق کے فعل کو وجوبا سماعا حذف کیا گیا۔ لہذا ہم بھی اس فعل کو حذف کریں گے۔

درس 37۔ و قیاسا فی مواضِعَ اور وجوباحذف قیاسی ہے کئی جگہوں میں۔یعنی مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا وجوباقیاسی ہے کئی جگہوں میں۔

مفعول مطلق کے عامل کو وجوبًا حذف کرنے کی پہلی صورت۔ اس صورت کے اندر مصنفؒ دو صورتیں ذکر کر رہے ہیں۔ایک مثال میں مفعول مطلق نفی کے بعد واقع ہو رہا ہے اور دوسری مثال میں مفعول مطلق معنیٰ نفی یعنی اِنَّما کے بعد واقع ہو رہا ہے۔ نیز مصنفؒ بتلائیں گا کہ مفعول مطلق نکرہ بھی ہو سکتا ہے اور معرفہ بھی ہو سکتا ہے۔ منها ان جگہوں میں سے ما ایک وہ جگہ ہے۔ماعبارت ہے مَوْضِعٌ سے یعنی جگہ سے۔ وَقَعَ ای وقع فیه کہ واقع ہواُن جگہوں میں مفعول مطلق۔ وقع کی ھو ضمیر راجع ہے ما کو۔ مُثْبَتًا اس حال میں کہ (وہ مفعول مطلق) مثبت ہو۔یعنی کہ اس کی اثبات کاارادہ کیاگیاہو۔ بعدَ نفيٍ اور نفی کے بعد واقع ہو۔ او معنیٰ نفيٍ اور یا معنی نفی کے بعد واقع ہو۔ نفی اور معنی نفی کے درمیان "او" کے ذریعے عطف کیا گیا۔اور جب "او" کے ذریعے عطف کیا جائے تو وہ احدالامرین کے حکم میں ہوتا ہے۔یعنی وہ مفعول مطلق نفی یا معنیٰ نفی کے بعد واقع ہو۔ داخلٍ عَلَى اسْمٍ وہ اسم پر داخل ہو۔یعنی نفی ہو یا معنی نفی ہو اور اسم پر داخل ہو۔ لا یکونُ خبرا عنه اس حال میں کہ وہ مفعول مطلق اُس اسم سے خبر واقع نہ ہو۔اس کا خبر بننا اس سے صحیح نہ ہو۔یکون کی ضمیر مفعول مطلق کو راجع ہے۔

او وقع مکررا کو بعد میں ذکر کرتے ہیں۔ پہلے بعدَ نفيٍ کی وضاحت اس مثال سے کرتے ہیں۔ "ما انت الا سَيْرًا" ای ما انت الا تسيرُ سيرًا کو دیکھو۔ ما اور الّا حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ مثلا ایک شخص آپ سے کہتا ہے کہ میں پڑھنے والا بھی ہوں اور چلنے والا بھی ہوں۔ اور آپ اس سے کہتے ہیں کہ آپ تو صرف چلنے والا ہے تو آپ یوں کہیں گے "ما انت الا سيرًا"۔ تو آپ نے مخاطَب کو بند کر دیا گھومنے کے اندر۔

اور کلام اصل میں یوں ہے۔ تو نہیں ہے مگر تو چلتا ہے۔ یعنی تو صرف چلنے ہی والا ہے۔ یعنی تو صرف گھومنے ہی والا ہے۔ تسيرُ فعل کو یہاں حذف کرنا واجب ہے۔ اور یہ حذف ضابطہ کے مطابق ہے۔ضابطہ یوں ہے۔کہ اس مفعول مطلق کے اثبات کاارادہ کیاگیاہو۔اور یہاں "تو نہیں مگر چلنے والا" تو یہاں بھی اثبات کاارادہ کیاگیاہے۔اور یہ مفعول مطلق نفی کے بعد واقع ہو۔تو یہاں "مامشابہ بلیس" نفی کے لئے آیا۔(اور معنی نفی والا مثال آگے آئے گا۔فی الحال اس کو چھوڑ دوں۔)اور تیسرا شرط یہ تھا کہ وہ نفی اسم پر داخل ہوں۔ تو یہاں بھی "ما" اسم یعنی انت پر داخل ہے۔چوتھا شرط یہ کہ :اور وہ اسم اس حال میں ہو کہ "لا یکون خبرا عنه" کہ وہ مفعول مطلق اُس اسم سے خبر نہ ہو۔ اور یہاں یہ سيرًا یہ انت سے خبر نہیں ہے۔اس لئے کہ اگر یہ مفعول مطلق خبر ہوتا تو یہ مرفوع ہوتا۔اور یہ منصوب ہے۔تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ انت سے خبر نہیں۔تو اس صورت میں مفعول مطلق کو عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔تو اصل میں کلام، " ما انت الا تسيرُ سيرًا" ہے۔ یہ سيرًا مفعول مطلق نكرة ہے۔

دوسری مثال: "و ما انتَ الا سیرَ البرید"۔ یہاں سیر مصدر ہے اور اس کی اضافت "البرید معرفه" کی طرف ہو رہی ہے۔ اور معرفه کی طرف جب اضافت ہو جو تو وہ مضاف بھی معرفة بن جاتا ہے۔ تو سیرَ البرید میں سیر مفعول مطلق یہاں معرفه ہے۔ مصنفؒ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ مفعول مطلق معرفة بھی آسکتا ہے اور نکرة بھی آسکتا ہے۔

تیسری مثال معنی نفی والا: انما انت سیرًا ۔ معنی نفی سے مراد "انّما" ہے۔ اِنَّما بھی "ما" اور "الا" کی طرح حصر کا فائده دیتی ہے۔ یعنی انّما متضمن ہوتا ہے "ما" اور "الّا" کے معنیٰ کو۔ پس انّما خود نفی نہیں بلکه نفی کے معنیٰ میں ہے۔ انّما انت سیرًا ای انما انت تسیرُ سیرًا: یعنی تو تو گھومنے ہی والا ہے۔ ماقبل کلام "ما انتَ سیرًا" اور یه کلام "انما انت سیرًا" دونوں ایک ہی معنیٰ میں ہو گئے۔ اب اس پر وہ تعریف لگاتے ہیں جو ہم نے پڑھی۔

انما انت سیرًا میں یه سیرًا مفعول مطلق ہے اور اس کے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہے۔ اور یه معنیٰ نفی کے بعد واقع ہو رہا ہے۔ اور یه معنیٰ نفی انتَ اسم پر داخل ہو رہا ہے ۔ اور یه مفعول مطلق سیرًا اس اسم انت سے خبر نہیں۔ اگر یه سیرًا مفعول مطلق خبر ہوتا تو پھر اس کو مرفوع ہونا چاہئے تھا۔ پس ہم "ما انت تسیر سیرًا" اور "انما انت تسیر سیرًا" نہیں کہه سکتے، یہاں پر مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے کیونکه یہاں سارے شرائط پورے ہیں۔

مفعول مطلق کے عامل کو وجوبًا حذف کرنے کی دوسری صورت۔

او وقع مُکَرَّرًا یامفعول مطلق مکرر آئے۔ وقع کی ضمیر مفعول مطلق کو راجع ہے۔ یعنی مفعول مطلق اسم کے بعد آئے یعنی خبر کی جگہ میں آئے، اور اس کا اسم سے خبر بننا صحیح نہ ہو اور مکرر ہو۔ تو اس صورت میں بھی مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ آگے صاحب کافیہ نے چار مثالیں دی ہیں۔ جن میں تین مثالوں کی وضاحت میں نے "او وقع مکرّرا" سے پہلے لکھی ہے۔ اور چوتھی مثال "او وقع مکرّرا" کی ہے۔

نحو | [1]ما انت الا سَیْرًا | [2]و ما انت الا سیر البرید | [3]و انما انت سیرا | [4]و زیدٌ سیرا سیرا : مثال نمبر 4جو "او وقع مکررًا" سے تعلق رکھتا ہے اسکی وضاحت۔ اس میں یہ سیرًا مفعول مطلق ہے، اسم کے بعد واقع ہے اور خبر کے مقام میں واقع ہو رہا ہے۔ اور اس کا اسم سے خبر بننا بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ سیرًا مصدر یعنی معنیٰ ہے اور زید ذات ہے۔ اور معنیٰ کا حمل ذات پر صحیح نہیں۔ اور یہ مفعول مطلق مکرر ہے۔ تو اس مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ اصل کلام یوں ہے۔ زیدٌ یسیرُ سیرًا سیرًا۔

ما انت الّا سیرًا کی ترکیب:(اس مثال میں مفعول مطلق نکره ہے۔) ما مشابه بلیسَ مُلغیٰ عن العمل۔ (جب ما مشابه بلیس کی خبر پر الّا داخل ہو جاتا ہے تو اس کی عمل کو لغو کیا جاتا ہے۔ اس لئے که یه عامل ضغیف ہے اور معمول اس سے دور چلا گیا۔ اور جب یه ما عمل نہیں کریگا تو آگے اسکا اسم اور خبر بھی نہیں آئے گا۔ اور انت جیسے پہلے مبتدا تھا تو اب بھی مبتدا ہوگا۔ اور خبر پہلے بھی خبر تھی اور اب بھی خبر رہے گی۔) انتَ مرفوع محلاً مبتدا، الّا حرف استثنا، سیرًا منصوب لفظًا مفعول مطلق فعل مخذوف

تسیرُ کے لئے۔ تسیرُ فعل محذوف انت ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے ملکر یہ خبر ہوئی مبتدا کی۔ مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

سیرَ البریدِ کی ترکیب۔اس مثال میں مفعول مطلق معرفة ہے۔ (برید: قاصد، ایلچی، پیغام رساں، دو ما انت الّا منزلوں کے درمیانی فاصلے کو بھی برید کہتے ہے۔) ما مشابه بلیس ملغیٰ عن العمل۔ انت مبتدا، الّا حرف استثنا، سیرَ منصوب لفظًا مضاف، البریدِ مجرور لفظًا مضافٌ الیه، مضاف مضافٌ الیه ملکر یہ مفعول مطلق ہوا تسیرُ فعل کے لئے۔ تسیرُ فعل اپنے فاعل انتَ ضمیر اور مفعول مطلق کے ساتھ ملکر جملہ فعلیه خبریه ہو کر خبر۔ مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

انّما انت سیرًا کی ترکیب۔ اِنَّ حرف از حروف مشبه بالفعل، ما کافّه (جو اِنَّ کو روک دیتا ہے عمل سے، اِنّ چونکه ایک اسم اور خبر چاہتا ہے۔ لیکن یہاں پر اِنّ کو عمل سے روک دیا گیا تو جو پہلے مبتدا اور خبر تھے وہ اب بھی اُسی طرح مبتدا اور خبر ہیں۔) انت مبتدا، سیرًا منصوب لفظًا مفعول مطلق فعل محذوف تسیرُ کے لئے۔ تسیرُ فعل اپنے فاعل انت ضمیر اور مفعول مطلق سے ملکر جملہ فعلیه ہو کر خبر۔ مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

زیدٌ سیرًا سیرًا کی ترکیب۔ زیدٌ مرفوع لفظًا مبتدا، سیرًا منصوب لفظًا مؤکد، سیرًا منصوب لفظًا اسکی تاکید، مؤکد اپنے تاکید سے ملکر فعل محذوف یسیرُ کے لئے مفعول مطلق۔ یسیرُ فعل اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے مبتدا زید کی طرف۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے ملکر جملہ فعلیه خبریه ہو کر خبر، مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

مفعول مطلق کے عامل کو وجوبًا حذف کرنے کی تیسری صورت۔ و منها اور اُن جگہوں میں سے ما ایک جگہ وہ ہے وقع ای وقع فیه، جن میں مفعول مطلق واقع ہو تفصیلا اس حال میں که مفعول مطلق تفصیل ہو۔ اب یہ کس کی تفصیل ہو، صاحب کافیه بتلاتے ہیں۔ لِاَثَرِ مَضْمُونِ جُمْلَةٍ مُتَقَدِّمَةٍ وہ جمله جو متقدم ہے یعنی پہلے گزرا ہے اُس کے مضمون کی عرض کی تفصیل ہو۔ اثر: مقصد اور عرض کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ تفصیل کا مطلب ہے انواع احتمالات۔ یعنی اُس عرض کے اندر جتنے احتمالات ہیں، مفعول مطلق اُن کو بیان کریں۔ اور وہ عرض مضمون جمله کی ہو، اور وہ جمله ماقبل میں ذکر کیا گیا ہو۔

مضمونِ جُملہ کی وضاحت:اُس جمله کے اندر جو مسند ہے، اُس کے مصدر کی اضافت کر دے فاعل کی طرف یا مفعول کی طرف۔ اگر وہ مسند خبر ہے تو خبر کے مصدر کی اضافت کر دے مبتدا کی طرف۔ مثلاً۔ قامَ زیدٌ۔ اس کے اندر مسند قامَ ہے۔ کیونکه قیام کا اسناد زید کی طرف کی گیا ہے۔ کیونکه زید مسند الیه یعنی فاعل ہے۔ اب قامَ کی مصدر قیام کی اضافت زید کی طرف کرو تو قیام زیدٍ بن جائے گا۔ اس قیامُ زیدٍ کو مضمون جمله کہتے ہے۔ اسی طرح ضربَ زیدٌ عمرًوا کا مضمون جمله ضرب زید: یعنی زید کا پٹھائی کرنا۔ یه ضرب زید اُس وقت مضمون جمله ہے جب عرض زید کی

پٹھائی بتلانا ہو۔ یا ضرب عمروٍ: عمرو کی پٹھائی ہونا۔ پہلی مثال ضرب زید میں ضرب مصدر معروف کے معنیٰ میں ہے ، اور دوسرے مثال ضرب عمروٍ میں ضرب مصدر مجہول کے معنیٰ میں ہوگا۔ نوٹ۔ عربی کے اندر مصدر معروف اور مصدر مجہول کا ایک ہی وزن ہوتا ہے۔ اسی طرح زیدٌ قائمٌ کا مضمون جملہ: قیام زیدٍ ہے۔

مثلُ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ پس تم بیڑیوں کو باندھو۔ جنگی قیدیوں کو مضبوطی سے باندھ کر اس مقصد میں دو احتمالات ہیں۔ اور وہ احتمالات یہ ہیں۔ [1]فَإِمَّا مَنًّا بعد ای فاما تمنُّونَ مَنًّا بَعْدُ : پس اس کے بعد تم احسان کروں گے [2]و اما فدآءً ای و إِمَّا تُبْدُوْنَ فِدَآءً ۔ اور یا فدیة لیں گے۔ مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ جنگی قیدی جو تمہارے پاس آئے ہیں اُن کو مضبوطی سے باندھ لوں بیڑیوں وغیرہ کے ساتھ۔ اس بیڑیوں میں جھکڑنے یعنی باندھنے کا عرض یہ ہے کہ پھر اُس کے ساتھ یا تو احسان کروں گے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیں گے۔ پس کلام کی عرض میں یہ دونوں احتمالات تھے، اور پھر اِس کو تفصیلاً آگے ذکر کیا گیا۔

فامّا منا بعدُ۔ میں یہ منًّا مفعول مطلق ہے اور اسکے فعل تمنُّونَ کو حذف کرنا واجب ہے۔

اور اسی طرح و اما فدآءً میں فدآءً مصدر ہے جس کے فعل تُبدُوْنَ کو حذف کرنا واجب ہے۔ اَبْدَیٰ، یُبْدِیْ(باب افعال): فدیہ قبول کرنا۔

اب اس پر تعریف لگاؤ۔ وہ مفعول مطلق ہے جو واقع ہو تفصیل۔ تو یہ احسان کرنا یا فدیہ لینا دونوں مفعول مطلق ہیں۔ اور تفصیل ہے۔ اور یہ مفعول مطلق ماقبل میں جو جملہ گزرا اُسکی تفصیل ہے۔ اور ماقبل میں فشدوا الوثاق جملہ گزرا ہے۔ اور اس جملے کا مضمون: شَدَّ یَشُدُّ شَدًّا۔ تو شُدُّوا سے شَدًا مصدر بنایا۔ اور آگے الوثاقَ مفعول آرہا ہے۔ تو اس کی طرف اضافت کر دو۔ تو شَدُّ الوثاقِ: بیڑیاں باندھنا یا بند باندھنا۔ مضمون جملہ ہو گیا۔ اور اس مضمون جملہ کی عرض یا تو احسان کرنا ہے یا فدیہ لینا ہے۔ تو یہ مفعول مطلق منا اور فداء یہ تفصیل واقع ہو رہے ہیں ماقبل کے جملہ کی مضمون کی عرض کے لئے۔

درس 38۔

مفعول مطلق کے عامل کو وجوبًا حذف کرنے کی چوتھی صورت۔ و منها ما اور اُن مقامات میں سے ایک مقام وہ ہے، ما موضع سے عبارت ہے۔ وقع ای وقع فیه۔ کہ مفعول مطلق اُس میں واقع ہو۔ وقع کی ضمیر مفعول مطلق کو راجع ہے۔ اس مفعول مطلق کی چار شرائط ہیں۔ [1]للتشبیه تشبیہ کے لئے، یعنی مفعول مطلق کے ساتھ کسی چیز کو مشابہ قرار دیا جائے۔ جیسا کہ "ضربتُ زیدًا ضربَ القاری": میں نے زید کی پٹھائی کی جیسے کہ قاری پٹھائی کرتا ہے۔ یعنی زبردست قسم کی پٹھائی کی۔ اس میں اپنے ضرب کی تشبیہ دی قاری کے ذرب کے ساتھ۔ [2]عِلاجًا اس حال میں کہ یہ مفعول مطلق افعال جوارح میں سے ہو۔ علاجًا: وہ افعال جوارح میں سے ہو۔ اور افعال قلب میں سے نہ ہو۔ جوارح جمع ہے جارحةٌ کی۔ یعنی

عُضوِ بدن۔ ہاتھ، پاؤں، آنکھیں، ناک وغیرہ۔ [3]بعدَ جملةٍ جملہ کے بعد واقع ہو مشتملةٍ علی اسم ایسا جملہ جو مشتمل ہو ایسے اسم پر بمعناه جو اُس کے ہم معنیٰ ہو۔ یعنی اُس مفعول مطلق کے معنیٰ میں ہو۔ و [4]صاحبِهٖ اور صاحب اسم پر مشتمل ہو۔ ہا ضمیر اسم کو راجع ہے۔ یعنی جس کے ساتھ وہ وصف قائم ہو۔

نحو مررت بهٖ ای مررتُ بزیدٍ۔ مثلا ہا ضمیر راجع ہے زید کو۔ فاذا له صوتٌ تو اچانک اُس کے لئے آواز تھی۔ ہا ضمیر زید کر راجع ہے۔ اس جملہ میں اسم صوت ہے، اور صاحب اسم ہا ضمیر ہے۔ جو ہم نے زید کسی غائب کو راجع کیا ہے۔ صوتَ حِمارٍ جیسے گدھے کی آواز۔ ای یَصوتُ صوتَ حِمارٍ: تو یصوتُ فعل کو حذف کرنا واجب ہے اور صوتَ مصدر مضاف اپنے مضافٌ الیه حمارٍ کے ساتھ ملکر مفعول مطلق۔

اب شرائط پر غور کریں، تو پہلی بات یہ کہ وہ مفعول مطلق تشبیه کے لئے ہو، اور صوتَ حمارٍ تشبیه کے لئے ہے، ثانی یہ کہ آواز دینا یا آواز نکالنا افعال جوارح میں سے ہے۔ تیسری شرط یہ کہ یہ مفعول مطلق جملے کے بعد آرہا ہے اور جملہ "لهُ صوتٌ" ہے۔ لَهُ جار مجرور خبر مقدَّم ہے۔ اور صوتٌ مبتدا مؤخر۔ چوتھا یہ کہ یہ مفعول مطلق ایسے جملے کے بعد آرہا ہے جس میں ایسا اسم موجود ہے جو مفعول مطلق کے ہم معنیٰ ہے۔ اور یہ جملہ صاحب اسم پر بھی مشتمل ہے، یعنی یہ جملہ "لهُ صوت" صوتٌ اسم پر مشتمل ہے اور یہ معنیٰ مفعول مطلق میں بھی ہے۔ اور یہ جملہ صاحب اسم پر بھی مشتمل ہے۔ اور یہ صفت یعنی صوتٌ زید کے ساتھ قائم ہے۔

ترکیب۔ مررتُ بهٖ۔ مررتُ فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل، با جارّہ ہا ضمیر مجرور۔ جار مجرور ملکر متعلق ہوئے مررتُ فعل کے ساتھ، مررتُ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیه خبریه ہوا۔ فاذا له صوتٌ صوتَ خمارٍ۔ فا عاطفیه اذا مُفاجاتیه، لام جارہ ہا ضمیر مجرور محلاً جو کہ زید کو راجع ہے، جار مجرور ملکر متعلق ہوئے ثابتٌ سے۔ ثابتٌ صیغه اسم فاعل اس کے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے صوتٌ مبتدا مؤخر کو،(یه اضمار قبل الذکر لفظًا ہے لیکن رتبةً نہیں)۔ اصل میں ہے صوتٌ ثابةٌ له۔ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر شبه جملہ ہو کر خبر مقدم۔ صوتٌ مبتدا مؤخر۔ مبتدا مؤخر اپنے خبر مقدم سے ملکر جملہ اسمیه خبریه ہوا۔

صوتَ خمارٍ۔ صوتَ منصوب لفظًا مضاف، خمارٍ مجرور لفظًا مضافٌ الیه۔ مضاف مضاف الیه ملکر مفعول مطلق ہوا فعل محذوف یصوتُ کے لئے۔ یصوتُ فعل اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ ماقبل میں جس کا تذکرہ ہوتا ہے یعنی کہ زید اسکو راجع۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے ملکر جملہ فعلیه خبریه ہوا۔

و صُراخٌ صُراخَ الثَّکلیٰ یہ بھی اُسی طرح، ای مررتُ بزیدٍ فاذا لهُ صراخٌ صُراخَ الثَّکلیٰ: مررتُ بزیدٍ: میں زید کے پاس سے گزرا، فاذا لهُ صراخٌ: تو اچانک وہ چِلّا رہا تھا، صُراخَ الثَّکلیٰ: ای یَصْرَخُ صراخَ الثکلیٰ۔ تو اُسی کے لئے چلانا تھا جیسا کہ وہ عورت چلاتی ہے جسکا بچہ مر گیا ہو۔ تو یہاں یصرخُ فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ صُراخَ مفعول مطلق ہے، اور تشبیہ کے لئے آیا۔ زید کے چلانے کو اُس عورت کے چلانے سے تشبیہ دیا گیا ہے جس کا بچہ مر گیا ہے۔یہ پہلا شرط ہوا۔ اور یہ چلانا افعال جوارح میں سے ہے۔ یہ دوسرا شرط ہوا۔ تیسرا شرط یہ کہ یہ مفعول مطلق ایسے جملے کے بعد آرہا ہے جو ایسے اسم پر مشتمل ہے جو اس مفعول مطلق کا ہم معنیٰ ہے۔ یعنی ما قبل جملہ "فاذا له صراخٌ" میں اس کا ہم معنیٰ اسم صُراخٌ آ رہا ہے۔ چوتھا شرط یہ کہ صاحب اسم کا ذکر بھی اس جملہ "فاذا له صراخٌ" میں لهُ کی ہا ضمیر کی صورت میں موجود ہے۔ تو سارے شرائط موجود ہونے کی وجہ سے اس مفعول مطلق کے عامل یعنی یصرخُ فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔

مفعول مطلق کے عامل کو وجوبًا حذف کرنے کی پانچویں صورت۔

و منها اور اُن جگہوں میں سے ما ایک جگہ وہ ہے۔ وقع ای وقع فیه: کہ اس کے اندر مفعول مطلق واقع ہو۔ مَضْمُونَ جُملةٍ اس حال میں کہ وہ مضمون جملہ ہو۔ لا مُحْتَمَلَ لها غیرُهُ اور اس کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی احتمال بھی نہ ہو۔ لها میں ها ضمیر جملہ کو راجع ہے۔ غیرُهُ کی ها ضمیر مفعول مطلق کو راجع ہے۔ غیرُهُ ای غیرُ المفعولِ المطلقِ۔ یعنی وہی مفعول مطلق اُس کا مضمون جملہ ہے اور اُس جملہ میں اسکے علاوہ اور کوئی احتمال نہیں۔

نحو له عَلَیَّ الفُ دِرهَمٍ فلاں کے مجھ پر ایک ہزار درھم ہیں۔ اصل کلام یوں ہے۔ ثابتٌ له علیَّ الفُ درهمٍ: ثابت ہے اُس کے مجھ پر ایک ہزار درھم۔ اس جملے سے مضمون جملہ بنانا ہو تو خبر کی مصدر کی اضافت مبتدا کی طرف کرو۔ اور خبر مقدم یہاں ثابتٌ له علیَّ ہے۔ تو یہاں ثابتٌ له علیَّ سے مصدر ثبوت نکلے گا۔ اب اس ثبوت کی اضافت مبتدا مؤخر "الفُ درهمٌ" کی طرف کرو، تو ثبوتِ الفِ درهمٍ ہو جائے گا۔ اور جب ثبوت الف درھم اپنے اوپر کر لے تو یہ اعتراف کہلاتا ہے۔ اعترافا ای اعترفتُ اعترافًا۔ یہ مفعول مطلق آیا۔ تو یہاں اعترفتُ فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ کیونکہ شرائط پوری ہیں۔ اعترافا مفعول مطلق ہے اور پہلی شرط یہ کہ یہ مضمون جملہ ہے۔ اور دوسرا شرط یہ کہ اس جملہ میں اس کے علاوہ اور کوئی احتمال بھی نہیں۔

و یُسَمّٰی تاکیدا لنفسهٖ اور اس مفعول مطلق کا نام رکھا جاتا ہے تاکید لنفسهٖ۔ یعنی یہ اپنی ہی تاکید کرتا ہے۔ مثال کے طور پر: ضربتُ زیدًا ضربًا۔ میں ضربتُ زیدًا کا مضمون جملہ ضربُ زیدٍ ہے۔ اور آگے

آنے والے ضربًا نے اس ضرب کو پختہ کیا۔ یعنی اس مفعول مطلق نے اپنا ہی تاکید کی۔ اس لئے اس کو تاکید لنفسہٖ کہتے ہے۔ ایک چیز جب دو بار ذکر کی جاتی ہے تو اس میں تاکید پیدا ہو جاتی ہے۔

مفعول مطلق کے عامل کو وجوبًا حذف کرنے کی چھٹی صورت۔

و منها اور اُن جگہوں میں سے ما ایک جگہ وہ ہے وقع ای وقع فیه۔ جہاں پر مفعول مطلق واقع ہو۔ مضمونَ جملةٍ اس حال میں کہ وہ مضمون جملہ ہو۔ لها اُس جملے کے لئے۔ ها ضمیر راجع ہے جملہ کو مُحْتَمَلٌ غیرُهُ اُس جملہ میں مفعول مطلق کے علاوہ غیر کا بھی احتمال ہو۔ غیرُهُ کی ها ضمیر مفعول مطلق کو راجع ہے۔

نحو زیدٌ قائمٌ حقًا اس جملہ "زیدٌ قائمٌ" میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال ہے۔ یعنی حق ہونے کا بھی احتمال اور باطل ہونے کا بھی احتمال۔ تو اس میں دو احتمال آ گئے۔ اور پھر آکے مفعول مطلق آیا حقًّا۔ حق: ثابت کرنا، اصل میں کلام ہے، اُحِقَّ حقًّا: ثابت کیا گیا ہے ثابت کرنا۔ ای زیدٌ قائمٌ اُحِقَّ حقًّا۔ اس میں مضمون جملہ زید کے لئے ثبوتِ قیام ہے۔ اور یہ ثبوت قیام حق بھی ہو سکتا ہے اور باطل بھی ہو سکتا ہے۔ تو یہاں پر مفعول مطلق واقع ہے اس حال میں کہ اُس جملہ کے مضمون جملہ ہے۔ حقّا کا معنیٰ ہے ثابت کرنا، اور زیدٌ قائمٌ میں بھی زید کے لئے قیام کو ثابت کرنا تھا۔ ترجمہ: زید کھڑا ہے ۔ ثابت ہے۔ و یسمی تاکیدا لغیرہٖ اور اسکو تاکید لغیرہٖ کہتے ہیں۔ ای تاکیدًا لاجلِ غیرہٖ : تاکید ہے غیر کی وجہ سے۔ یعنی حق ہونے کا بھی احتمال تھا اور باطل ہونے کا بھی احتمال تھا۔ تو اس مفعول مطلق نے مضمون جملہ کو پختہ کر دیا غیر کی وجہ سے۔ یعنی غیر کی احتمال کو ختم کر دیا۔

مفعول مطلق کے عامل کو وجوبًا حذف کرنے کی ساتویں صورت۔

و منها اور اُن جگہوں میں سے ما ایک جگہ وہ ہے وقع ای وقع فیه: جس میں مفعول مطلق واقع ہو۔ مُثَنًّى اس حال میں کہ تثنیہ ہو۔ یعنی ضربتُ زیدًا ضربًا نہ ہو بلکہ ضربتُ زیدًا ضربینِ ہو۔ مفعول مطلق تثنیہ لایا۔ یہاں اس کا معنیٰ " میں نے زید کی پٹھائی کی دو دفعہ" صحیح نہیں۔ یہ اگر چہ تثنیہ ہے لیکن یہ کثرت بتانے کے لئے آتا ہے۔ یعنی میں نے زید کی بہت زیادہ پٹھائی کی۔ جیسے قرآن مجید میں آتا ہے، "فا رجعل البصر کرَّتینِ" آپ لوٹا دی جئے نگاہ کو دو مرتبہ۔ یہاں دو مرتبہ مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے۔ یعنی کثرت سے نگاہ ڈال دی جئے، آپ کو ہماری تخلیق کے اندر کبھی کوئی غیب نظر نہیں آئے گا۔

شرائط: پہلا شرط یہ کہ مفعول مطلق تثنیہ ہو اور دوسرا یہ کہ اس کی اضافت ہو رہی ہو فاعل یا مفعول کی طرف۔ تو یہاں دو شرطیں ہوئیں۔ اگر فاعل یا مفعول کی طرف اضافت نہ ہو رہی ہو، تو پھر عامل کو حذف کرنا واجب نہیں۔

مثلُ لبیک حاجی صاحب تلبیه کرتے ہوئے، لبیک اللھم لبیک پڑھتے ہیں۔ ای اُلِبُّ لک اِلبابینِ : اَلَبَّ یُلِبُّ اِلبابًا (باب افعال) : خدمت میں حاضر ہونا۔ الب لک البابین: میں حاضر ہوں اے اللہ آپ کی خدمت میں خوب کثرت کے ساتھ۔ البابین: تثنیه آرہا ہے۔ یعنی اے اللہ میں آپ کی خدمت میں بار بار حاضر ہوں۔ یعنی اے اللہ میں آپ کی خدمت میں مسلسل حاضر ہوں۔ تاکه آپ کے احکامات پر عمل پیرا ہو جاؤں۔ پھر اُلِبُّ فعل کو حذف کر لیا گیا۔ اور "لک اِلبابینِ" رہ گیا۔ پھر لکَ سے کاف کو ختم کر دیا گیا اور کاف کی طرف اِلبابین کی اضافت کر دی گئی۔ اضافت کی وجه سے نون تثنیه گر گیا اور اِلبابیکَ رہ گیا۔ پھر اِلباب باب افعال سے ہے، اور اس میں کچھ زائد حروف بھی ہے، پھر اُن زائد حروف کو ختم کر کے اس کو مجرد کا مصدر بنایا تو لَبٌّ رہ گیا۔ اب اس لبٌّ کی تثنیه لَبَّیْنِ ہے اور اسکی اضافت کاف کی طرف کرو تو لَبَّیْکَ رہ جائے گا۔ نون تثنیه اضافت کی وجه سے گر گیا۔

و سعدیک یه بھی اسی قبیل سے ہے۔ یه اصل میں اُسْعِدُکَ اِسْعَادَیْنِ: اَسْعَدَ یُسْعِدُ اِسْعَادْ:مدد کرنا، سعدیک: میں بار بار کثرت کے ساتھ آپ کا مدد کرتا ہوں یا کرتا رہوں گا۔ پہلے "اُلِبُّ لَکَ اِلْبَابَیْنِ" میں مفعول پر لام داخل ہو رہا تھا، اور یہاں "اُسْعِدُکَ اِسْعَادَیْنِ" میں مفعول براہ راست فعل کے ساتھ آرہا ہے۔ وجه یه که کبھی فعل براہ راست مفعول پر عمل کرتا ہے، اور کبھی کبھار فعل بواسته حرف جر کے مفعول میں عمل کرتا ہے۔ جیسا که ضربتُ زیدًا میں ضربتُ نے زیدًا میں براہ راست عمل کیا اور اپنے لئے مفعول بنایا۔ اور کبھی فعل براہ راست عمل نہیں کرتا تو پھر حرف جر کا ذریعه بناتے ہیں درمیان میں۔ جیسا که "مررتُ بزیدٍ" ۔اور مررتُ زیدًا کہنا صحیح نہیں۔ کیونکه مررتُ فعل لازم ہے۔ تو اس نے زید میں حرف جر کے واسطے سے عمل کیا۔ تو اسی طرح اُلِبُّ نے مفعول میں عمل کرنے کے لئے حرف جر کا سہارا لیا۔ اور اُسعدُ نے مفعول میں براہ راست عمل کیا۔

پھر اُسْعِدُ کو حذف کیا گیا اور کاف ضمیر کو مضافٌ الیه بنایا گیا اِسعادین کے لئے۔ نون اضافت کی وجه سے گر گا، تو اِسعادیْکَ رہ گیا۔ پھر زوائد کو گرا کر سَعْدَیْک بنایا گیا۔

درس 39۔ مفعول مطلق کی بحث ختم ہوئی یہاں سے مفعول بہٖ کی بحث شروع ہوئی۔ اور یه منصوبات میں سے دوسری نمبر پر ہے۔

المفعولُ بہٖ ھو ما وقع علیه فِعلُ الفاعلِ ای ھوَ اسمُ ما وقع علیه فعلُ الفاعلِ: مفعول مطلق نام ہے اُس چیز کا جس پر فاعل کا فعل واقع ہو۔وقوع سے مراد تعلق ہے۔ یعنی فعل کا اُس کا ساتھ تعلق ہو۔ اس لئے که ہر جگه وقوع نہیں پایا جاتا۔ مثلا دَعَوْتُ اللّٰہَ: میں نے اللہ سے دعا کی۔ یہاں لفظ اللہ مفعول به ہے۔ اور دعوتُ فعل ذات باری تعالیٰ پر واقع نہیں بلکه دعا کا تعلق ذات باری تعالیٰ سے ہے۔ یعنی اللہ سے کی ہے یه دعا۔ اور پھر یاد رکھو تعلق اوّلی مراد ہے۔ یعنی جس کے بغیر فعل کا سمجھنا ممکن ہی نه ہو۔ جیسا که ضربتُ: میں نے پٹھائی کی، تو جب تک مفعول مذکور نه ہو تو پٹھائی سمجھ میں نہیں آتی، یعنی

پٹھائی خارج میں نہیں پائی جاتی۔ تعلق اوّلی کی شرط سے حال، تمیز وغیرہ نکل گئے۔ کیونکہ وہ بھی منصوب ہوتے ہیں اور اُن کا بھی فعل کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ لیکن اُس کے بغیر بھی فعل سمجھ میں آتا ہے۔ نحو ضربتُ زیدا میں نے زید کی پٹھائی کی۔ زید یہاں مفعول بہ ہے کیونکہ اس پر فاعل کا فعل واقع ہو رہا ہے۔

و قد یَتَقَدَّمُ علی الفعلِ اور کبھی کبھار مفعول بہٖ فعل پر مُقَدَّم بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی فعل اس میں عمل کرتا ہے۔ کیونکہ فعل سب سے قوی عامل ہے۔ نحو زیدا ضربتُ میں نے زید ہی کی پٹھائی کی۔ اب اس میں حصر آیا۔یعنی یہ ضرب زید کے ساتھ خاص ہے۔اور آپکی ضاربیت زید کے اندر بند ہو گئی۔ کیونکہ ضابطہ ہے، تقدیمُ ما حَقُّهُ التاخیرُ یُفیدُ الحصرَ و القصرَ والتخصیص۔ حصر، قصَر اور تخصیص کا ایک ہی معنیٰ ہے۔

یہی نکتہ ہے اِیَّاکَ نعبدُ کے اندر۔ ایّاک ضمیر منصوب منفصل مفعول ہے نعبدُ کے لئے۔ اور اصل کلام یوں ہے، نَعْبُدُکَ : نعبدُ فعل اس کے اندر نحنُ ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل، کاف ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، ترجمہ: ہم آپ کے عبادت کرتے ہیں۔ اور پھر کاف ضمیر کو مقدم کیا گیا ہے تخصیص کے لئے۔ اور مخاطب کے لئے ضمیر منصوب منفصل کے لئے ایاک ضمیر لایا جاتا ہے۔ تو یہ ایّاک نعبد نے تخصیص کا فائدہ دیا اور ترجمہ ہوا: ہم تیرے ہی عبادت کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوا ہماری عبادت خاص ہے اللہ ہی کے لئے۔

و قد یُحذف الفعل لقیام قرینةٍ جوازا اور کبھی کبھار فعل کو حذف کیا جاتا ہے قرینہ کے قائم ہونے کے وقت جوازا۔ لام وقت کے معنیٰ میں ہے۔ ای وقتَ قیامِ قرینةٍ۔ یہ حذف کبھی جوازًا ہوتا ہے اور کبھی وجوبًا ہوتا ہے۔ کقولک زیدًا جیسے آپ کا زید کہنا۔ یعنی آپ نے اس کے فعل کو حذف کیا۔ لمن قال مَن اضربُ اُس شخص سے جس نے کہا تھا "من اضربُ"۔ مَنْ اضربُ: میں کس کی پٹھائی کروں۔ اور آپ نے کہا زیدا، یعنی اِضرب زیدًا۔ تو آپ نے اضرب فعل کو حذف کیا۔ کیونکہ سوال کے اندر ضرب کا قرینہ موجود تھا۔ تو قرینہ جب قائم ہم تو مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا جائز ہے۔ یعنی آپ زیدًا بھی کہہ سکتے ہیں اور "اضرب زیدًا" بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور ترکیب میں یہ جملہ فعلہ انشائیہ ہے۔ اور مَنْ اَضرِبُ کی ترکیب۔ مَنْ استفہامیہ منصوب محلاً مفعول بہ مقدم، اَضْرِبُ فعل انا ضمیر اسکے اندر اسکا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ مقدم سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ مَنْ کو مقدم کرنا واجب ہے۔ یہ استفہام کے لئے ہے اور صدارت کلام چاہتا ہے۔ یاد رکھو من استفہامیہ نکرۃ ہوتا ہے۔

و وجوبا فی اربعةِ مواضعَ اور وجوبا حذف کیا جائے گا مفعول بہ کے فعل کو چار جگھوں کے اندر۔ چار سے یہ مراد نہیں کہ صرف یہی چار جگہیں ہیں۔ چار سے زیادہ ہیں لیکن یہاں پر صاحب کتاب نے چار

جگھوں کو ذکر کیا ہے۔ [1] اَلْاَوَّلُ سماعِیٌّ اُن میں سے پہلی جگہ سماعی ہے۔یعنی یہ موقوف علی السماع ہے۔ اس میں کوئی ضابطہ وغیرہ نہیں ہے۔ نحو امرءً و نفسَهُ اصل عبارت یوں ہو۔ اُتْرُکْ اِمرءً و نفسَهُ: تو چھوڑ دیں آدمی کو اور اُس کی ذات کو۔یعنی اپنے ہاتھ اور زبان کو اُس سے روک لو۔اُسے اپنے حال پر چھوڑ دوں۔ اُسے کچھ نہ کہو۔ ترکیب۔ اُترکْ فعل انت ضمیر مرفوع محلاً اسکے اندر اسکا فاعل، امرءً منصوب لفظًا معطوف علیه واو حرف نفسَ منصوب لفظًا مضاف، ها ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیه جو کہ لوٹ رہی ہے امرءً کو۔ مضاف مضاف الیه ملکر معطوف، معطوف علیه اپنے معطوف سے ملکر مفعول به۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول به سے ملکر جمله فعلیه انشائیه ہوا۔ یہاں اُترک کو حذف کرنا واجب ہے۔ اور اس کا کوئی ضابطہ نہیں۔

وانتهوا خیرًا لکم یه آیت ہے۔ اصل عبارت یوں ہے۔ وانتهوا عن التثلیث واقصُدوا خیرًا لکم: یه عیسائیوں کو خطاب ہو رہا ہے۔ عیسائیوں کا عقیده ہے که تین خدا ہیں۔ ایک الله تعالیٰ، ایک جبرائیل علیه السلام اور ایک عیسیٰ علیه السلام ہے۔ کہتے ہیں که یه تین دراصل ایک ہیں۔ اور یه ایک دراصل تین ہے۔ تو الله فرماتا ہے۔ وانتهوا: اے عیسائیوں تم باز آجاؤ، عن التثلیثِ: عقیده تثلیث سے، واقصُدوا: اور اراده کرو، خیرًا لکم: اپنے لئے بھلائی کا۔ بھلائی سے مراد توحید ہے۔ یعنی توحید پر آجاؤ۔ مقام استشهاد خیرًا ہے۔ اس کے فعل اُقصدوا کو وجوبا حذف کیا گیا۔ اور یه موقوف علی السماع ہے۔

س۔ اسی خیرًا کے لئے ہم نے اقصدوا کو مخذوف نکالا۔ اسکو انتهوا کے لئے کیوں مفعول نہیں بنایا۔ تو پھر اس سے معنیٰ بڑا خراب آجائے گا۔ یعنی انتهوا عن خیرٍ لکم: که تم باز آجاؤ اپنے لئے بھلائی سے۔ اور پھر یه منصوب بنزع الحافظ کے قبیل سے بن جائے گا۔

و اهلا و سهلا صاحب کافیه بتلاتے ہیں که اهلاً و سهلاً یه مفعول به ہے۔ اصل میں عبارت یوں ہے۔ اَتَیْتَ اهلاً و وَطِئْتَ سهلاً ۔ اتیتَ اهلاً: تو آیا ہے گھر والوں میں۔ یعنی تو اپنے گھر آیا ہے۔ یعنی آپ کے لئے کوئی اجنبی نہیں ہے۔ وطِئتَ سهلاً: اور تو نے روندھا ہے نرم زمین۔ یعنی یہاں تمہیں کوئی مشکل درپیش نہیں ہوگی۔ آسانی ہی آسانی ہوگی۔ اتیتَ فعل با فاعل اور اهلاً مفعول به ، اسی طرح وطئتَ سهلاً بھی فعل، فاعل اور مفعول به ہے۔

درس 40۔ و الثانی المنادیٰ ای الثانی الموضع المنادیٰ: اور مفعول به کے فعل کو وجوبا حذف کرنے کی دوسری جگہ منادیٰ کا مقام ہے۔منادیٰ مفعول به ہوتا ہے۔ و هو اور منادیٰ وہ ہے المطلوبُ اقبالُهُ جسکی توجه مطلوب ہے۔ که اُس کے مُسمّیٰ کی توجه مطلوب ہو۔ آپ نے کہا، "یا زیدُ" یه یا زیدُ آپ نے کیوں کہا؟ کیونکه آپ زید کو اپنے طرف متوجه کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی زید کی توجه مطلوب ہو۔ اب اس توجه کو مطلوب کرنا عام ہے۔ چاہے حقیقتًا مطلوب ہو چاہے حکمًا مطلوب ہو۔

حقیقتًا جیسا کہ یا زیدُ اور حکما جیسا کہ یا اللّٰہُ۔ یہاں المطلوبُ اقبالُہُ : المسئولُ اجابتُہُ کے معنیٰ میں ہے۔ کہ جس سے سوال ہو کس چیز کا یعنی قبولیت کا۔ کبھی کبھار بے جان چیز کو بھی خطاب کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ یا جبالُ، یا سماءُ، یا ارضُ وغیرہ۔ بحرفٍ: ایسے حرف کے ساتھ نائبٍ منابَ اَدْعُوْ جو کہ قائم مقام ہے ادعو فعل کے۔ یعنی اصل میں ادعو زیدًا تھا۔ پھر ادعو کو حذف کیا اور اس کی جگہ حروف ندا میں سے "یا" لایا تو "یا زیدُ" ہوا۔ لفظا او تقدیرا وہ لفظ اس حال میں ہو کہ لفظًا ہو یا تقدیرًا۔ لفظًا جیسا کہ "یا زیدُ" اور تقدیرًا جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے، "یوسفُ اَعرضْ عن ھٰذا"۔ ای یا یوسفُ یہاں حرف ندا "یا" تقدیرًا موجود ہے۔ و یُبْنیٰ اور وہ مبنی ہوگا علی ما اُس چیز پر یُرفَعُ بہٖ جس کے ساتھ اُسے رفع دیا جاتا ہے۔ یعنی علامت رفع پر مبنی ہوگا۔ رفع تین چیزوں کے ساتھ آتا ہے۔ ضمہ کے ساتھ، الف کے ساتھ اور واو کے ساتھ۔ جیسا کہ جاءنی زیدٌ، جاءنی رجلان اور جاءنی مسلمونَ۔ ان کان مفردا معرفة جب وہ مفرد معرفة ہو۔ مفرد کا لفظ علم النحو میں چار چیزوں کے مقابلے میں آتا ہے۔ کبھی مفرد، مرکب کے مقابلہ میں آتا ہے ،کبھی یہ تثنیہ اور جمع کے مقابلے میں آتا ہے اور کبھی یہ جملے کے مقابلے میں آتا ہے۔ اور کبھی یہ مضاف اور مشابہ مضاف کے مقابلے میں آتا ہے۔ اور یہاں مفرد کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ منادیٰ مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو۔ اور یہاں زیدُ، رجلُ، زیدانِ اور زیدونَ میں کوئی مضاف یا مشابہ مضاف نہیں۔ دوسرا شرط معرفہ کا ہے۔ اور معرفہ ہونا عام ہے، چاہے قبل النداء معرفة ہو یا بعد النداء معرفة ہو۔ جیسا کہ زید پہلے سے معرفة تھا۔ اور رجل پہلے سے تو نکرة تھا لیکن یا کے آنے کے بعد معرفة بن گیا۔ جس طرح الف لام سے کوئی لفظ معرفة بن جاتا ہے اسی طرح یہ "یا" بھی آلہ تعریف ہے۔ اس سے بھی لفظ معرفہ بن جاتا ہے۔ نحو یا زیدُ و یا رجلُ یہ مبنی علی الضم ہوا۔ زید پر رفع زیدٌ اور رجل پر رفع رجلٌ کی صورت میں آتا تھا۔ اب اسکو مبنی علی الضم کیا تو یا زیدُ اور یا رجلُ ہوا۔ و یا زیدان یہ بھی مبنی علی الالف ہوا، کیونکہ یہاں علامت رفع الف ہے ۔ و یا زیدون اور یہ مبنی علی الواو ہے۔

و یُخْفَضُ بلام الاستغاثةِ اور منادیٰ کو جر دیا جائے گا لام استغاثہ کے ساتھ۔ لام استغاثہ کی وضاحت: یاد رکھو یہاں تین لفظ ہیں۔ ایک مُستغیث، ایک مُستغاث اور ایک مُستغاث لہ۔ استغاثہ کہتے ہے فریاد کرنا۔ مثال کے طور پر عمرو بڑی تکلیف میں ہے اور آپ اس کے لئے زید سے مدد طلب کر رہے ہیں۔ تو آپ کہیں گے، "یا لَزیدٍ"۔ تو مدد طلب کرنے والا یعنی آپ جو کہ متکلم ہے یہاں پر آپ مستغیث ہو گئے۔ مستغیث: فریاد کرنے والا، اور زید سے فریاد کی تو وہ مستغاث ہوا۔ مستغاث: جس سے فریاد کیا جائے۔ اور عمرو کے لئے فریاد کی گئی تو عمرو مستغاث لہ ہے۔ مستغاث لہ: جس کے لئے فریاد کی گئی۔

اب یاد رکھو یہ لام استغاثہ مُستغاث پر داخل ہوتا ہے۔ اور یہ لام استغاثہ مفتوح ہوتا ہے۔ یہ وہی لام جارّہ ہے۔ جو ہم عبارت میں استعمال کرتے ہیں۔ جیسا کہ المالُ لِزیدٍ۔ چونکہ یہ لام استغاثہ لام جارّہ ہے تو یہ جس پر داخل ہوگا اس کو جر دے دیگا۔

نحو یا لَزیدٍ مثال کے طور پر یا لَزیدٍ۔ اور اگر مستغاث لهُ پر یہ لام داخل ہوتا ہے تو پھر یہ لام مجرور ہوتا ہے۔ جیسا کہ یا لَزیدٍ یا لِعمروٍ میں زید مستغاث ہے اور عمرو مستغاث له ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس لام پر فتحہ کیوں پڑھتے ہیں۔ جواب یہ کہ یہ مقام خطاب میں آیا ہے۔ یہاں کسی سے خطاب ہو رہا ہے۔ اور مخاطب کے ساتھ جب بات چیت کی جاتی ہے تو اسے ضمیر کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ تو مقام تو یہ ضمیر کا تھا، یعنی ضمیر آنا چاہئے تھا۔ اور ضمیر کی جگہ یہاں نام لایا گیا۔ اور جب نام لایا گیا ضمیر کی جگہ میں، اور ضمیر تو ہوتی ہے مبنی، تو اس مبنی کی جگہ پر جو آیا تو وہ بھی مبنی بن جائے گا۔ اسی لئے منادیٰ مفرد معرفة مبنی ہے۔ اور لام پر فتحہ اس لئے آیا کہ جب لام ضمیر پر داخل ہوتا ہے تو اس پر بھی فتحہ پڑھا جاتا ہے۔ جیسا کہ لَهُ۔ اور یہاں زید جو کہ مخاطَب ہے اور ضمیر کی جگہ آیا تو اس وجہ سے اس لام کو بھی مفتوح رکھا۔ اور یہ لام جارّہ زائدہ ہے، کسی سے متعلق نہیں ہوگا۔

و یُفتحُ لِ اِلْحَاقِ اَلِفِهَا اِلحاق کا ہمزہ وصلی نہیں۔ الحقَ یلحقُ الحاق لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اور فتح دیا جائے گا الف استغاثہ کے ملنے کی وجہ سے۔ مستغاث کے آخر میں کبھی کبھار الف آجاتا ہے۔ اور جب الف آجائے تو پھر لام شروع میں نہیں آتا۔ کیونکہ الف اپنے سے ماقبل فتحہ چاہتا ہے اور لام آخر میں جر دیتا ہے۔ و لا لامَ فیه اس حال میں کہ اس میں لام نہ ہو۔ واو حالیہ ہے۔

نحو یا زیداه دیکھو اس میں لام نہیں آیا اور یہ مبنی علی الفتح ہے۔ اور کبھی اس کے ساتھ ہا بھی ملا دیتے ہے۔ جیسا کہ اس وقت زیداه میں ہے۔ یہ مقام ہے دوسرے کو متوجہ کرنا کا۔ اور دوسرے کو متوجہ کرنے کے لئے آواز کو لمبا کرنا پڑھتا ہے۔ اور الف آواز کو لمبے کرنے کے لئے آتا ہے۔ اور ہا کے ملانے سے آواز مزید بڑھ جاتی ہے۔ ہا پر وقف کرنا ہوگا۔

نوٹ: رفع، نصب اور جر معرب کے ساتھ خاص ہے۔ ضمٌّ، فتحٌ، کسرٌ خاص سے مبنی کے ساتھ۔ ضمَّةٌ، فتحة اور کسرةٌ یہ عام ہے۔ اور یفتح آیا۔ ت و اس کا مطلب ہوا کہ یا زیداه مبنی علی الفتح ہوگا۔ 2941

و یُنصبُ ما سواهما اور ان دو صورتوں کے علاوہ منادیٰ منصوب ہوگا۔ یعنی منادیٰ مفرد معرفة اور منادیٰ مستغاث کے علاوہ منادیٰ منصوب ہوگا۔ چونکہ رفع، نصب اور جر خاص ہے معرب کے ساتھ۔ تو یہ معرب ہوگا۔ اور اُن دو کے علاوہ تین صورتیں آگئی۔ یا تو منادیٰ مضاف ہوگا، یا مشابہ مضاف ہوگا یا نکرہ غیر معین ہوگا۔ نحو یا عبدَ اللهِ یہ مضاف کی مثال ہے۔ اور منصوب ہے۔ و یا طالعًا جبلًا اس کا معنیٰ ہے، اے پہاڑ پر چڑھنے والے، اگر یہ کسی شخص کو ندا ہو۔ اور اسکا معنیٰ ہے اے پہاڑ پر طلوع

ہونے والے، اگر یہ کسی ستارے یا کسی ایسی چیز کو جو طلوع ہونے والا ہو کو ندا ہو۔ یہ مشابہ مضاف کی مثال ہے۔ مُشابہ مضاف وہ اسم ہے جو اپنے معنیٰ کے پورے ہونے میں کسی دوسرے اسم کا محتاج ہو۔ تو جب تک طالعًا کے ساتھ جبلاً نہیں ملائیں گے تو بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔ و یا رجلا لغیر معین اور یا رجلاً اس حال میں کہ یہ غیر معین کو کہا جائے۔ مثلا کوئی اندھا کسی شخص کو آواز دیتا ہے، تو وہ شخص تو غیر معین ہوگا۔

درس 41۔ توابع کی وضاحت: توابع جمع ہے تابع کی۔ ھدایۃ النحو کے اندر ہم نے پڑھا ہے کہ توابع کل پانچ ہیں۔ ایک اس میں صفت ہے، مثلا جاء زیدُنِ العالمُ۔ دوسرا تاکید ہے۔ مثلا جاءنی زیدٌ زیدٌ۔ یہ دوسرا زید تاکید ہے۔ پہلے کو کہتے ہے مؤَکَّد اور دوسرے کو کہتے ہے تاکید۔ یہ تاکید لفظی تھا۔ تاکید معنوی کی مثال: جاءنی قومٌ کلُّھم۔ یہ کلٌّ تاکید ہے۔ کلٌّ، اجمعُ وغیرہ تاکید کے لئے آتے ہیں۔ تیسرا تابع بدل ہے۔ مثلاً: جاءنی زیدٌ اخوکَ۔ یہ اخوک بدل ہے اور زید مبدل منہ ہے۔ چوتھا تابع معطوف بحرف ہے۔ مثلاً جاءنی زیدٌ و عمروٌ ۔ اور یہاں واو کے ساتھ عطف ہوتا ہے۔ اور پانچواں تابع عطف بیان ہے۔ عطف بیان وہ ہے جس کو وضاحت کے لئے ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلا میں کہتا ہوں، جاءنی ابو الخیر۔ اب آپ کے تین ساتھی ہیں اور تینوں کے یہی کنیت ہے۔ تو آپ کو پتہ نہیں چلا کہ کونسا ابو الخیر آیا۔ تو ساتھ ہی میں نے نام بھی ذکر کیا، جیسا کہ جاءنی ابو الخیر زیدٌ۔ اب آپکو پتہ چل گیا کہ کونسا ابو الخیر مراد ہے۔

تابع پر وہی اعراب آتا ہے جو اس کے متبوع پر آتا ہے۔ جیسا کہ جاءنی زیدُنِ العالِمُ۔ تو زید کو رفع جاء نے دیا۔ اور العالم زید کی صفت ہے اور اسکے متبوع پر جو اعراب آیا وہی اعراب عالم پر بھی آیا۔ اسی طرح باقی مثالوں میں بھی توابع پر وہی اعراب آیا جو ان کے متبوع پر آیا۔

لیکن صاحب کافیہ یہاں پر توابع چھ بنا دیں گے۔ یعنی وہ معطوف بحرف جو تھا وہ دو قسم پر ہے۔ بعض معطوف بحرف وہ ہوں گے جن پر حرف ندا داخل کرنا جائز ہوگا اور بعض وہ ہوں گے جن پر حرف ندا داخل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ جیسا کہ "یا زیدُ و عمروٌ" اس میں عمرو تابع ہے اور معطوف بحرف ہے۔ اور یہ ایسا معطوف بحرف ہے جس پر حرف ندا کا داخل ہونا صحیح ہے۔ یعنی یا عمروُ کہہ سکتے ہیں۔ اور "یا زیدُ والحارثُ" میں الحارثُ معطوف بحرف ہے۔ لیکن اس پر الف لام داخل ہے۔ الف لام بھی آلہ تعریف ہے اور حرف ندا بھی آلہ تعریف ہے ۔ اور دونوں آلہ تعریف جمع نہیں ہو سکتے۔ اور جس پر الف لام داخل ہو اور اس کو ندا دینا ہو تو دونوں میں فصل کے لئے مذکر کے لئے ایُّھا اور مؤنث کے لئے ایُّتَھا لانا پڑے گا۔ پھر "یا ایُّھا الحارثُ" کہیں گے۔

تو معلوم ہوا معرف باللام پر حرف ندا کا داخل ہونا صحیح نہیں۔ اور معطوف بحرف معرف باللام بھی ہو سکتا ہے اور معرف باللام کے بغیر بھی ہو سکتا ہے۔ تو اس لحاظ سے معطوف بحرف کے دو قسم ہوگئے۔ پس توابع پہلے پانچ تھے۔ اب ایک کے دو بنا دئے گئے تو کل چھ ہو گئے۔

و توابعُ المنادَى الْـمَبْنِيِّ الْـمُفردةُ اور توابع، کس کے توابع، منادیٰ کے توابع، کونسے منادیٰ، المبنیِّ یہ منادیٰ کی صفت ہے۔ منادیٰ مجرور ہے تو المبنی بھی مجرور ہے۔ اور کونسا مبنی مراد ہے۔ تو وہ جو پہلی قسم ہم نے پڑھی تھی، منادیٰ مفرد معرفة ہو تو مبنی علی الضم ہوگا۔ تو ابع اُس منادیٰ کے جو مبنی علی الضم ہو۔ اور وہ منادیٰ جو مبنی علی الفتح تھا یعنی مستغاث وہ مراد نہیں۔ کیونکہ اُس کے تابع بھی مبنی علی الفتح ہی ہوتے ہیں۔ تو یہاں وہ منادیٰ مراد ہے جو مبنی علی الضم ہو۔

المفردةُ یہ صفت ہے توابع کی۔ وہ توابع جو مفرد ہو۔ یعنی مضاف نہ ہو۔ اور وہ تابع جو مضاف ہو اُسکا حکم الگ آئے گا۔

عبارت کا ترجمہ: منادیٰ مبنی کے وہ توابع جو مفرد ہوں۔ آگے "من" کے بعد، چار قسم کے منادیٰ بیان فرما رہے ہیں۔

من التاكيدِ و الصفةِ و عطفِ البيانِ والمعطوفِ بحرفٍ اَلْمُمْتَنِعِ دُخولِ يا عليهِ یہاں من بیانیہ ہے۔ یعنی کہ تاکید، صفت، عطف بیان، اور وہ معطوف بحرف جس پر حرف ندا یا کا دخول ممتنع ہو۔ ان چار قسم کا حکم اب بیان کر رہے ہیں اور جو دو یعنی بدل اور وہ معطوف بحرف جس پر حرف ندا یا کا داخل ہونا ممتنع نہ ہو اس کا بیان آگے کرے گا۔ تُرفعُ علىٰ لفظِهٖ و تُنصبُ علىٰ محلِّهٖ یہ (سارے توابع) مرفوع ہوں گے محمول کرتے ہوئے اُن کے متبوع کے لفظوں پر اور یہ (سارے توابع) منصوب ہوں گے محمول کرتے ہوئے اُس کے متبوع کے محل پر۔

صفت کی مثال: یا زیدُ شریف۔ تو اس شریف پر رفع پڑھنا بھی جائز اور نصب پڑھنا بھی جائز۔ یعنی یا زیدُ شریفُ اور یا زیدُ شریفَ پڑھنا دونوں جائز ہیں۔

تاکید کی مثال: یا طُلَّابُ اجمعُوْنَ۔ یا طلابُ اجمعینَ۔ یہ اجمعون طلاب کے لئے تاکید ہے۔ حالت نصبی میں اجمعین بن گیا۔ رفع اور نصب دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔

عطف بیان کی مثال: یا طالبُ زیدٌ۔ یا طالبُ زیدًا۔ یا طالبُ سے پتہ نہیں چلا کہ کونسا طالب مراد ہے۔ آگے نام لے کر اسکی وضاحت کی گئی۔ اس کو عطف بیان کہتے ہے۔

معطوف بحرف ممتنع بدخول یا کی مثال: یا زیدُ والحارثُ بھی جائز اور حالت نصبی میں یا زیدُ والحارثَ بھی جائز۔

اب سوال یہ ہے کہ اس پر رفع کیوں پڑھا جائے گا اور نصب کیوں پڑھا جائے گا۔ کہتے ہیں کہ نصب تو اس لئے پڑھا جائے گا، کیونکہ منادیٰ مفعول بہٖ ہوتا ہے۔ فی الحال تو یہ مبنی ہے اور مبنی پر جب عطف کیا جاتا ہے تو اس کے محل پر عطف کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ "جاءنی ھٰذا و زیدٌ" زید کا عطف ھٰذا پر ہے۔ اور ھٰذا محل کے اعتبار سے مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے۔ اور مبنی پر اُس کے محل کے اعتبار سے عطف ہوتا

ہے۔ اسی طرح "رایتُ ھٰذا و زیدًا"۔ تو یہاں ھٰذا محل کے اعتبار سے مفعول ہے تو یہ منصوب ہوا محلاً۔ تو آگے زید جو کہ معطوف ہے وہ بھی منصوب ہوگا۔

پس منادیٰ چونکہ مفعول بہ ہے، اور محلاً منصوب ہے۔ اگر چہ اس وقت وہ مبنی علی الضم ہے۔ پس جب منادیٰ محل کے اعتبار سے منصوب ہے تو اسکے تابع پر بھی نصب پڑھنا جائز ہے۔

اور ان مثالوں میں تابع پر رفع پڑھنا اس لئے جائز ہے کہ متبوع کے لفظوں پر محمول کرتے ہوئے۔ کیونکہ متبوع یہاں مرفوع ہے تو اس کا تابع بھی مرفوع پڑھا جائے گا۔

س۔ لفظوں پر محمول کرنے کا کیا معنیٰ؟ اگر لفظوں پر محمول کرتے ہیں، جیسا کہ "یا زیدُ" زید تو یہاں مبنی ہے۔ تو تابع کو بھی مبنی ہونا چاہئے۔ آپ کہتے ہیں کہ مرفوع، یعنی رفع پڑھنا ہے۔ اور رفع، نصب اور جر چونکہ معرب کے ساتھ خاص ہے، تو معلوم ہوا کہ تابع یہاں معرب ہے۔ جواب دیتے ہیں کہ یہ جو بنا آئی زید پر یہ تو عارضی طور پر ہے ہمیشہ نہیں ہے۔ کیونکہ یا کے داخل ہونے سے پہلے زید تو معرب تھا۔ اور یہ بنا یعنی زید پر ضمۃ جو آیا یہ تو عامل کی وجہ سے آیا۔ پس یہ تو مبنی ہے لیکن اس مبنی کا ضمہ مشابہ ہے معرب کے ساتھ۔ پس جس طرح معرب پر عامل آتا ہے تو وہ مرفوع، منصوب اور مجرور بن جاتا ہے۔ اسی طرح زید پر جو ضمہ آیا یہ بھی عامل کی وجہ سے آیا۔ تو یہ اسم معرب ہی کی طرح ہے۔ یعنی اس پر یہ بنا جو آئی یہ بھی عامل کی وجہ سے آئی۔ تو زید کی جو ضمہ ہے یہ رفع کے مشابہ ہوا۔ اور یہ ہمیشہ سے مبنی علی الضم نہیں بلکہ یا کی وجہ سے مبنی علی الضم ہوا۔ پس جس طرح رفع عامل کی وجہ سے آتی ہے تو یہ ضمہ بھی عامل کیوجہ سے آئی۔ پس یہ ضمہ رفع کے درجے میں ہے۔ تو گویا کہ یہ زید مرفوع ہے۔ پس لہٰذا زید کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے اسکا تابع بھی مرفوع ہوگا۔

مثلُ یا زیدُ العاقلُ والعاقلَ ای یا زیدُ العاقلُ و یا زیدُ العاقلَ دونوں پڑھنا جائز ہے۔ یہ صفت کی مثال ہے۔ زیدُن یہ نون یہاں قطعا نہیں آسکتا۔ کیونکہ زید یہاں مبنی ہے۔

درس 42۔ آگے امام علامۃ ابن حاجبؒ معرف باللام معطوف کے اندر تین بڑے ائمہ کا اختلاف ذکر فرما رہے ہیں۔ ان میں ایک امام خلیلؒ ہے، یہ امام سیبویہؒ کے استاد ہے۔ انکا وفات تقریباً 175 ہجری۔ دوسرا ان میں امام ابو عمرو ابن العلیؒ یہ قُرَّاءِ سبعۃ میں سے ہیں۔ یہ امام خلیلؒ سے بھی پہلے گزرے ہیں۔ وفات تقریباً 154 ہجری۔ تیسرا ان میں امام ابوالعباس المبرد کی وفات تقریباً 250 ہجری میں ہوئی ہے۔ والخلیلُ فی المعطوف یختارُ الرفعَ امام خلیلؒ معطوف کے اندر رفع کو اختیار فرماتے ہیں۔ یعنی امام خلیلؒ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ "یا زیدُ والحارثُ" پڑھنا ہے۔ امام خلیلؒ کی دلیل یہ ہے کہ معطوف مستقل منادیٰ ہوتا ہے۔ کہ گویا کہ اس پر حرف ندا دوبارہ داخل ہو رہا ہو۔ مثلاً معطوف بحرف جس پر حرف ندا جائز ہو، اسکی مثال لے لو، یا زیدُ و عمرُو۔ میں عمرو معطوف ہے۔تو گویا کلام یوں ہے کہ "یا زیدُ و یا عمرُو"۔ یعنی اگر اس معطوف عمرو پر ہم حرف ندا داخل کرے تب بھی یہ مبنی

علی الضم ہوگا۔ اور معطوف علیه تو پہلے سے ہی مبنی علی الضم ہے۔ تو اس کا مطلب یه ہوا که معطوف مستقل منادیٰ کے حکم میں ہے۔

اور معطوف بحرف کی مثال جس میں حرف ندا یا داخل نہیں ہو سکتا جیسا که، "یا زیدُ والحارثُ" میں یه الحارثُ مستقل منادیٰ نہیں بن سکتا کیونکه یہاں حرف ندا یا داخل نہیں ہو سکتا، کیونکه یه معرف باللام ہے۔ پس اگر الحارث پر الف لام نه ہوتا اور یا کو داخل کرتے تو یا حارثُ پڑھتے۔ پس جب یه مستقل منادیٰ نہیں بن سکتا تو یه مبنی علی الضم بھی نہیں بن سکتا، کیونکه "یا" اس پر براہ راست داخل نہیں ہو سکتا۔ تو وہی ضمه جیسا اعراب ہم نے اس کو دے دیا۔ اور ضمه جیسا اعراب رفع ہے۔ یعنی معطوفٌ علیه جو که مبنی علی الضم تھا، اُس کے مطابق معطوف کو ہم نے رفع کا اعراب دے دیا۔ پس معطوف معرب اور مرفوع ہے ۔

و ابو عمرٍو النصبَ اور امام ابو عمرو معطوف کے اندر نصب کو پسند فرماتے ہیں۔ جبکه ان کے نزدیک "یا زیدُ والحارثَ" زیادہ پسندیده ہے۔ یا زیدُ میں زید یہاں مبنی ہے۔ اور الحارث معرف باللام ہے اور معطوف ہے جس کا عطف زید جو که مبنی ہے اس پر ہے۔ یعنی یه معرف باللام معطوف اسکا تابع ہے۔ اور مبنی کے تابع کا اعراب اُس کے محل پر محمول ہوتا ہے نه که اُن کے لفظوں پر۔ اور زیدُ یہاں محلاً منصوب ہے، اس لئے الحارثَ کا اعراب بھی منصوب ہوا۔ لہٰذا "یا زیدُ والحارثُ" کی بجائے یا زیدُ و الحارثَ ابو عمرو کے نزدیک پسندید ہے۔

اسکی مزید وضاحت اس مثال سے کی جاتی ہے۔ " جاء هٰؤُلَاءِ و الحارثَ" یہاں هٰؤُلاءِ لفظوں کے اعتبار سے تو مکسور ہے۔ لیکن چونکه یه مبنی ہے۔ اور الحارث معطوف ہے اور اس مبنی کا تابع ہے۔ لہٰذا یه الحارث اعراب میں لفظوں کے لحاظ سے تابع نہیں ورنه پھر "جاء هؤلاءِ والحارثِ" کہنا ہوتا۔ اور معرف باللام معطوف جب مبنی کا تابع ہو تو معطوف کا اعراب اُس مبنی کے محل کا تابع ہوتا ہے۔ اور مبنی کا اعراب یہاں منصوب ہے، لہٰذا الحارث بھی منصوب ہوا، اور "جاءَ هٰؤُلَاءِ والحارثَ" کہتے ہے۔ لہٰذا اس لئے یہاں نصب پسندیده ہے۔

و ابو العباسِ اِنْ کان کالحسنِ اور امام ابو العباسؒ فرماتے ہیں که اگر معطوف معرف باللام الحسن کی طرح ہو۔ یعنی الحسن سے اگر الف لام ہٹا بھی دے تو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ فکالخلیل تو ابو العباس امام خلیلؒ کی طرح ہے۔ یعنی معطوف معرف باللام پر رفع پڑھنا پسندیده ہے۔ جیسا که "یا زیدُ والحسنُ" پسندیده ہے۔ جائز تو "یا زیدُ والحسنَ" بھی ہے۔ وَ اِلا فکابی عمرٍو اور اگر معطوف حسن کی طرح نه ہو تو ابو العباسؒ امام ابو عمروؒ کی طرح ہے۔ یعنی معطوف معرف باللام پر نصب پڑھنا پسندیده ہے۔ جیسا که " یا قمرُ والنجمَ" پسندیده ہے۔ جائز تو "یا قمرُ و النجمُ" بھی ہے۔

بعض اسماء وہ ہوتے ہیں جس سے الف لام کا ہٹانا جائز ہوتا ہے۔ اور بعض اسماء وہ ہوتے ہیں جن سے الف لام کا ہٹانا جائز نہیں ہوتا۔ مثلاً الحسن سے الف لام ہٹا بھی دو، تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور النَّجم یہ ثریا کو کہتے ہیں۔ اور صرف نجم ہو تو یہ ستارہ کو کہتے ہے۔ کوئی بھی ستارہ ہو تو آپ کہہ سکتے ہو، "ھٰذا نجمٌ"۔ اور النجم: ثریا، سات ستاروں کا ایک مجموعہ ہے جو آسمان میں دکھائی دیتا ہے اور نہایت باریک ستارے ہیں۔ اور عرب ان کے ذریعے بینائی کا امتحان لیتے تھے۔ تو عام آدمی کو ان میں سات ستارے نظر آتے ہیں، اور تیز نظر والے کو نو ستارے نظر آتے ہیں۔ بعض کو گیارہ تک نظر آتے ہیں۔ جب کر اگر تیز دور بین ہو تو پانچ سو تک نظر آتے ہیں۔ تو عربوں نے اسکا نام النجم رکھ دیا۔ اب الف لام ہٹاؤ تو یہ نام نہیں رہے گا۔ کیونکہ نجم تو عام ستارے کو کہتے ہے۔ پس النجم سے الف لام کا ہٹانا جائز نہیں۔

پس امام ابو العباسؒ فرماتے ہیں کہ معطوف باللام دو قسم پر ہو گئے۔ بعض معطوف باللام سے الف لام کا ہٹانا جائز ہوتا ہے۔ جیسا کہ اگر الحسن جیسا اسم ہو جس سے الف لام کا ہٹانا جائز ہو تو اس میں امام خلیلؒ کا مذہب پسندیدہ ہے۔ اور اگر معطوف باللام سے الف لام کا ہٹانا ٹھیک نہ ہو تو پھر امام ابو عمرو کا مذہب پسندیدہ ہے۔

پس یہاں تین مذاہب ہو گئے۔ امام خلیلؒ کے نزدیک جب معطوف پر الف لام ہو تو اس پر رفع پسندیدہ، امام ابو عمروؒ کے نزدیک جب معطوف پر الف لام ہو تو اس پر نصب پسندیدہ۔ جبکہ امام ابو العباسؒ فرماتے ہیں کہ معطوف معرف باللام کی وضاحت کرنا ہوگی۔ اگر الف لام کے ہٹانے سے اسم پر اثر نہیں پڑتا تو امام خلیلؒ کا مذہب پسندیدہ ورنہ امام ابو عمروؒ کا مذہب پسندیدہ۔

درس 43۔ منادیٰ مبنی علی الضم کی بحث میں منادیٰ مبنی کے وہ توابع جو مفرد ہو اُسکی بحث گزر گئی۔ اب منادیٰ مبنی کے وہ توابع جو مضاف ہو اُس کی بحث ذکر کیا جاتا ہے۔ والمضافةُ اور وہ تابع جو مضاف ہو۔ مضافةُ کا عطف ہو رہا ہے مفردةُ پر۔ ای و توابع المنادی المبنی المفردةُ میں جو مفردة آیا تھا۔ اس مضافة کی عطف اُس مفردة پر ہو رہا ہے۔ تو مفردة کو اٹھا کر مضافة رکھو۔ ای توابع المنادی المبنی المضافةُ۔منادیٰ مبنی کے وہ توابع جو مضاف ہو۔ چاہے صفت ہو لیکن مضاف ہو۔ یا تاکید ہو لیکن مضاف ہو۔ یا عطف بیان ہو لیکن مضاف ہو۔ یا بدل ہو لیکن مضاف ہو۔ اب مصنفؒ اُن کا حکم بیان کر رہے ہیں۔ تُنصبُ وہ منصوب ہوں گے۔ جیسے منادیٰ مضاف ہو تو اس پر نصب پڑھا جاتا ہے ایسے اگر تابع مضاف ہو تب بھی اس پر نصب پڑھا جائے گا۔

مثال کے طور پر منادیٰ مبنی علی الضم کی تاکید لاتا ہوں۔ اور تاکید یہاں مضاف ہوگا، کیونکہ مضاف کی مثال چل رہی ہے۔ تو یہ تاکید منصوب ہوگا۔ جیسا کہ کُلٌّ ، اجمعُ وغیرہ تاکید کے لئے لائے جاتے ہیں۔ تو کُلٌّ کی اضافت کم ضمیر کی طرف کرنے سے یہ کلٌّ مضاف ہوا۔ اور یہاں یہ منصوب پڑھا جائے گا۔ یعنی " یا طُلَّابُ کُلَّکُمْ"۔

وصف کی مثال جو کہ مضاف ہو۔ذو المال یہ زید کی صفت ہے۔ اور حالت نصبی میں ذا المال بن جاتا ہے۔ یہاں وصف منادیٰ مبنی علی الضم کی وصف آیا اور مضاف آیا۔ تو اس پر نصب پڑھیں گے۔ "یا زیدُ ذَا المالِ"۔

منادیٰ مبنی علی الضم میں عطف بیان کی مثال: یا غلامُ عبدَ اللهِ۔ عبدُ اللہ نام سے عطف بیان ہے۔ جس سے غلام کی وضاحت ہو گئی۔ لیکن عبد مضاف ہے اس لئے اس پر نصب آیا۔

معطوف بحرف معرف باللام یہ مضاف ہُوا ہی نہیں کرتا۔ بدل کی بات آگے آئے گی۔

والبدلُ بدل جو ہے۔ توابع میں بدل جو ہے۔ اب تک چار توابع کا ذکر گزر گیا۔ والمعطوفُ غیرُ ما ذُکرَ اور معطوف علاوہ اسکے جسکو ذکر کیا گیا۔ یعنی وہ معطوف جس پر الف لام داخل نہ ہو۔

حُکمُہُ حُکمُ الْمُستقِلِّ اُس کا حکم مستقل منادیٰ کی طرح ہے۔ یعنی بدل اور وہ معطوف جس پر الف لام داخل نہ ہو اسکا حکم مستقل منادیٰ کی طرح ہے۔ مطلقا یعنی جس طرح بھی وہ آجائے۔ چاہے بدل اور معطوف مفرد ہو، چاہے وہ مضاف ہو، چاہے وہ مشابہ مضاف ہو، چاہے وہ نکرۃ غیر معین ہو۔ جس طرح بھی یہ بدل اور معطوف آجائے اسکا حکم مستقل منادیٰ کی طرح ہوتا ہے۔

بدل(مفرد) کی مثال: یا زیدُ عمرُو۔ بدل الغلط کی مثال۔ آپ عمرو کہنا چاہتے تھے منہ سے زید نکلا۔ اور بدل چونکہ مستقل منادیٰ ہوتا ہے۔ اور یہاں اگر عمرو مستقل منادیٰ ہوتا تو ہم یا عمرُو پڑھتے۔ اس لئے عمرو کو مبنی علی الضم یعنی یا زیدُ عمرُو پڑھا۔

بدل (مضاف) کی مثال: یا زیدُ اخا عمروٍ۔ یہاں اخا عمروٍ: عمرو کا بھائی بدل بن رہا ہے۔ اور مضاف ہے۔ اور مستقل منادیٰ جب مضاف ہو تو اس پر نصب پڑھا جاتا ہے۔

بدل (مشابہ مضاف) کی مثال: یا زیدُ طالعًا جبلاً۔ زیدُ مبدل منہ ہے۔ طالعًا جبلاً مشابہ مضاف ہے۔ اور مشابہ مضاف جب مستقل منادیٰ ہو تو یہ منصوب ہوتا ہے۔

بدل (نکرۃ غیر معین) کی مثال: یا زیدُ رجلاً صالحًا۔ نکرۃ غیر معین بھی جب منادیٰ ہو تو اس پر نصب پڑھا جاتا ہے۔

اب اوپر والی چاروں مثالیں واو کے ساتھ بنا لو تو معطوف بن جائے گا۔

معطوف (مفرد) کی مثال: یا زیدُ و عمرُو۔

معطوف (مضاف) کی مثال: یا زیدُ و اخا عمروٍ۔

معطوف (مشابہ مضاف) کی مثال: یا زیدُ و طالعًا جبلاً۔

معطوف (نکرۃ غیر معین) کی مثال: یا زیدُ و رجلاً صالحًا۔

یاد رکھو! جب اِبَنْ کا لفظ دو علمین کے درمیان آئے۔ تو ماقبل کے لئے صفت بنا کرتا ہے، اور مابعد کے لئے مضاف۔ مثلاً زیدُ بنُ عمروٍ۔ زید مرفوع ہے تو ابن بھی مرفوع اور مابعد میں عمرو مضافُ الیہ ہے تو اس پر جر آیا۔ وہ علم جس کی صفت ابن یا ابنة آئے۔ اب صاحب کافیہ اسکی بحث فرماتے ہیں۔

والعَلَمُ الموصوفُ بِابْنٍ و اِبْنَةٍ اور وہ علم جو موصوف ہو ابن یا ابنة کی طرف۔ ابن کا ہمزہ وصلی ہوتا ہے۔ لیکن یہاں ابن میں ہمزہ ضرور پڑھنا ہے۔ کیونکہ یہاں ابن سے ابن کا لفظ مراد ہے جبکہ ابن کا معنیٰ مراد نہیں۔ اور ابن جب عَلَم بن گیا، تو اب اس میں کوئی تبدیلی جائز نہیں۔ مضافا اس حال میں کہ وہ ابن یا ابنة مضاف ہو۔ الیٰ علمٍ اٰخَرَ دوسرے علم کی طرف۔ یُختارُ فتحُهُ تو اس علم موصوف پر فتحہ پڑھنا پسندیدہ ہے۔ یعنی موصوف بابن یعنی زید پر فتحہ پڑھنا پسندیدہ ہے۔

وضاحت: اگر ہم زید ابن عمرو کو آواز دینا چاہتے ہیں تو ابن یہاں زید کے لئے صفت ہے اور صفت بھی ایسا کہ مضاف ہے۔ اور صفت جب مضاف ہو تو اس پر نصب پڑھتے ہیں۔ تو اس کو "ابنَ عمروٍ" پڑھیں گے۔ اور زید یہاں منادیٰ مفرد معرفة ہے، تو اس کو مبنی علی الضم بھی پڑھ سکتے ہیں یعنی "یا زیدُ بنَ عمروٍ" اور نصب بھی پڑھ سکتے ہیں، یعنی "یا زیدَ بنَ عمروٍ"۔ اور یہی پسندیدہ ہے۔

فتحہ کی پسندیدہ ہونے کی وجہ: فتحہ اس لئے پسندیدہ ہے کہ یہ اَخَفُّ الحرکات ہے۔ اور اس قسم کا نام عربی میں بڑی کثرت سے استعمال ہوتی ہے۔ یعنی جب بھی وہ کسی کو ندا دیتے ہیں تو ساتھ باپ کے نام کو بھی ملا دیتے ہیں۔ چونکہ کثرت استعمال تقاضا کرتی ہے خفت کا۔ اور خفت فتحہ کے اندر ہے، اس لئے اس کو فتحہ کی حرکت دی۔ اور فتحہ حرکت اصلی بھی ہے، کیونکہ زید یہاں مفعول بہٖ ہے۔ اور مفعول بہ منصوب ہوتا ہے۔

نوٹ: یاد رکھو ابن اور ابنة کا لفظ ہے، ان کا ہمزہ وصلی ہے، درج عبارت میں گر جاتا ہے۔ لیکن تلفظ میں گرتا ہے کتابتًا نہیں گرتا۔ لیکن ابن کا ہمزہ جب دو علمین کے درمیان آجاتا ہے تو اس سے ہمزہ لفظًا بھی گرتا ہے اور تلفظ سے بھی گرتا ہے۔ اور یہ تخفیف کے لئے گرا دیتے ہیں۔

درس 44۔ واذا نُودِیَ الْمُعرَّفُ باللامِ جب ندا دی جائے معرف باللام کو۔ پہلے معطوف کا ذکر تھا جو کہ معرف باللام تھا۔ اب خود منادیٰ معرف باللام کا ذکر ہو رہا ہے۔ جب منادیٰ خود معرف باللام ہو تو اس پر حرف ندا داخل نہیں ہو سکتا۔ حرف ندا بھی آلہ تعریف ہے اور الف لام بھی آلہ تعریف ہے۔ تو اس صورت میں حرف ندا براہ راست معرف باللام پر داخل نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں لازم آئے گا اجتماع آلتین تعریف۔ اور تعریف کے دو آلوں کا جمع ہونا جائز نہیں۔ تو اس صورت میں درمیان میں مذکر کے لئے ایها اور مؤنث کے لئے ایتها لاتے ہے۔ یعنی یا ایها الرجلُ اور یا ایتها المرْءَةُ۔

قیل یا ایها الرجلُ و یا هٰذا الرجلُ و یا اَیُّهذا الرجلُ یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ یعنی صرف ایُّ کو بھی لا سکتے ہے، هٰذا کو بھی لا سکتے ہے اور دونوں کو بھی اکھٹا لا سکتے ہے۔

یا ایُّها الرجلُ کی ترکیب۔ یا حرف ندا قائم مقام ادعو فعل کے۔ اَیُّ ہے منادیٰ اور مفرد معرفة ہے تو یہ مبنی علی الضم ہے۔ اور یہ موصوف ہے اور آگے الرجلُ اس کی صفت آ رہی ہے۔ اور یہ جو درمیان میں "ها" ہے،یہ ضمیر نہیں بلکہ هائے تنبیہ ہے۔ تنبیہ یعنی کسی کو متوجہ کرنے کے لئے۔ یہاں ایُّ کو ہم نے منادیٰ بنا دیا اور الرجلُ کو تابع۔ لیکن دراصل منادیٰ الرجلُ ہے۔ یا بھی تنبیہ کے لئے آتی ہے۔ اور یا نے داخل ہونا تھا الرجلُ پر، لیکن یہ "یا" اصل منادیٰ سے دور ہو گئی، تو پھر اصل منادیٰ "الرجلُ" کو متنبہ کرنے کے لئے "ها" لائی گئی۔

یا ایُّهٰذا الرجلُ کی ترکیب۔ اس صورت میں اسم اشارہ "هٰذا" ایُّ کے لئے صفت اوّل بنے گا، اور الرجلُ صفت ثانی بنے گا۔

یاد رکھئے حروف ندا میں اصل "یا" ہے۔ اور یہ کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ باقی چار، "ایا، هیا، ای اور همزہ استفہام" زیادہ استعمال نہیں ہوتے۔ اور یہ بھی یاد رکھو ان پانچ میں سے صرف "یا" کو حذف کیا جا سکتا ہے باقی کسی کو حذف کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح یاد رکھو، لفظ اللہ پر صرف یہ حرف ندا "یا" داخل ہو سکتا ہے، اور کوئی حرف ندا داخل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یاد رکھو، مستغاث پر صرف "یا" داخل ہو گا اور کوئی حرف ندا داخل نہیں ہو سکتا۔ یعنی "یا لَزیدٍ" کہیں گے۔ " اَ لَزیدٍ " یا " هَیَا لَزیدٍ " نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح یہ بھی یاد رکھو، اَیُّها اور اَیَّتُها پر صرف یہ "یا" حرف ندا داخل ہو سکتا ہے اور کوئی حرف ندا داخل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح آگے ایک مندوب آئے گا جس کے ذریعے غم کا اظہار کیا جائے گا اُس پر بھی صرف یہ حرف ندا "یا" داخل ہو سکتا ہے اور کوئی حرف ندا داخل نہیں ہو سکتا۔

والتزموا رفعَ الرجُلِ اور عربوں نے اپنے اوپر لازم رکھا ہے الرجل کے رفع کو۔ یعنی یہ جو معرف باللام "الرجل" ہے جس پر آپ ایُّها، هٰذا یا اَیُّهٰذا لاتے ہے۔ اس "الرجل" پر عرب ہمیشہ رفع پڑھتے ہیں۔ لانهُ المقصودُ بالنداء اس لئے کہ وہی مقصود بالنداء ہے۔ یعنی "الرجل" مقصود بالنداء ہے۔ یا ایُّها الرجلُ میں اس وقت اصل منادیٰ ایُّ ہے۔ اور ایُّ مبنی علی الضم ہے۔ اور مقصود بالنداء تو الرجل تھا اور وہ آگے چلا گیا۔ اس کو اصل منادیٰ تو نہیں بنا سکتے ، کیونکہ اصل منادیٰ تو مبنی علی الضم ہے۔ اور یہ مبنی علی الضم نہیں بن سکتا۔ لیکن اصل منادیٰ کی طرح بنائیں گے۔ اور اصل منادیٰ کے ضمہ کے مناسبت سے اسکو رفع کی اعراب دیں گے۔ و توابِعِه اسکا عطف ہے الرجل پر۔ ای والتزموا رفعَ الرجُلِ و رَفْعَ توابِعِه: عربوں نے لازم پکڑا ہے الرجل کا رفع اور اسکے توابع کا رفع۔ مثلاً آپ کہتے ہیں، یا ایُّهٰذا الرجلُ ۔ اگر اس الرجل کی آگے کوئی تابع آتا ہے تو عرب اس پر بھی ہمیشہ رفع پڑھتے ہیں۔

باقی جو منادیٰ گزرے اُن کے توابع پر دو حالتیں تھیں۔ یعنی نصب اور رفع۔ لفظوں کے لحاظ سے رفع اور محل کے اعتبار سے نصب۔ لیکن اس "الرجل" کے توابع کے اندر عرب ہمیشہ رفع ہی پڑھتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ منادیٰ معرب کی توابع ہیں۔ اور وہ جو دو حالتیں جائز تھیں وہ منادیٰ مبنی کے اندر تھیں۔ لانہا توابعُ معربٍ اس لئے کہ منادیٰ معرب کے توابع ہے۔ لہٰذا یہاں ایک ہی حالت ہوگی۔

و قالوا یا اللّٰہُ خاصَّۃً اور عرب کہتے ہیں، یا اللّٰہُ خاص طور پر۔ یہ لفظ اللہ کی خصوصیت ہے، کہ اس پر حرف ندا یا براہ راست داخل ہوتا ہے اور درمیان میں ایُّھا وغیرہ کا اضافہ نہیں کیا جاتا۔ جیسے وہ ذات سب سے ممتاز ہے، اور جدا ہے، اُس ذات کی جیسے کوئی ذات نہیں، اسی طرح اُس ذات کے لئے جو عَلَم ہے، وہ علم بھی تمام اسماء سے جدا اور ممتاز ہے۔ اور اس کے اندر بھی وہ خصوصیات ہیں جو کسی اور اسم کے اندر نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت شیخؒ نے اس پر "فتح اللہ" کے نام سے کتاب لکھی۔ جس میں لفظ اللہ کے ساڑھے آٹھ سو سے زیادہ خصوصیات ذکر ہے۔ جو کسی اور عربی کے لفظ میں نہیں پائی جاتی۔ تقریباً بارہ سو یا چودہ سو صفحات صرف اس ایک لفظ کے خصوصیات پر تحریر فرمائے۔ اور اُن خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے۔

یہ عجیب لفظ ہے۔ اگر آپ اس کے حروف اُڑاتے جاتے ہیں پھر بھی ذات باری تعالیٰ پر اس کی دلالت ختم نہیں ہوتی۔ اللہ سے الف ختم کر دے پھر بھی یہ ذات باری تعالیٰ پر دلالت کریگا۔ مثلا "للہ" رہ گیا۔ پھر ایک اور لام ختم کر دو، تو "لَہُ" رہ گیا۔ پھر بھی یہ ذات باری تعالیٰ پر دلالت کرتا ہے۔ پھر ایک اور لام ختم کر دو تو صرف ضمیر رہ جائے گا اور یہ پھر بھی ذات باری تعالیٰ پر دلالت ہے۔

لفظ اللہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس پر حرف ندا میں سے صرف "یا" داخل ہوسکتا ہے۔ ایک خصوصیت یہ ہے، کہ ہمزہ وصلی ہر جگہ مکسور لایا جاتا ہے لیکن اس نام کے اندر ہمزہ وصل مفتوح لایا گیا۔ اسی طرح اس لفظ کا رسم الخط بھی باقی اسماء سے ممتاز ہے۔ ضابطے کے مطابق تو ایک لام لکھا جاتا اور اُس پر شد لکھی جاتی۔ لیکن یہاں دو لام لکھے جاتے ہیں اور شد بھی لکھا جاتا ہے۔ نیز یا اَللّٰہ کہا جاتا ہے۔ اس کا ہمزہ وصلی درمیان عبارت میں آنے کو وجہ سے گرنا چاہئے تھا لیکن یہ نہیں گرتا۔

درس 45۔ و لکَ فی مثلِ یا تیمُ تیمَ عدیٍّ الضَمُّ و النَّصبُ اور آپ کے لئے یا تیمُ تیمَ عَدِیٍّ جیسے ترکیبوں کے اندر ضمہ بھی جائز اور نصب بھی جائز۔ یعنی پہلے تیم کے اندر یا تیمُ تیمَ عدیٍّ بھی جائز اور یا تیمَ تیمَ عدیٍّ بھی جائز۔ ضمہ پڑھیں گے تو مبنی علی الضم ہوگا۔ اور نصب پڑھیں گے تو معرب ہوگا۔ کیونکہ نصب معرب کے ساتھ خاص ہے۔

اس سے مراد وہ اسم ہیں جس کے بعد بعینہٖ اُس اسم کا تکرار آئے۔ اور اُس کے بعد ایک اسم مجرور آئے یعنی مضاف الیہ آئے۔ یعنی منادیٰ کی اضافت ہو رہی ہے، لیکن آپ اُس کا تکرار کر رہے ہیں۔ اوپر کے مثال میں منادیٰ "تیم" کی اضافت ہو رہی تھی عَدِیٍّ کی طرف لیکن آپ نے اسکا تکرار کیا۔

جب منادیٰ مفرد معرفة ہو، اُسکا تکرار ہو اور اُس کے بعد مضافٌ الیہ آئے۔ تو اس میں پہلے اسم کے اندر ضمہ بھی جائز یعنی "یا تیمُ تیمَ عدیٍّ" اور نصب بھی جائز یعنی "یا تیمَ تیمَ عدیٍّ"۔ دوسرے اسم کے اندر تو نصب ہی پڑھیں گے۔ اسکو مبنی علی الضم اس لئے پڑھتے ہیں کیونکہ منادیٰ جب مفرد معرفة ہو تو وہ مبنی علی الضم ہوتا ہے۔ اور آگے تیمَ اسکی تاکید ہے۔ اور یہ تیمَ تابع ہے اور تابع جب مضاف ہو تو اسکو منصوب پڑھا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ "یا تیمَ تیمَ عدیٍّ" میں منادیٰ تیمَ پر نصب کیوں پڑھتے ہیں۔ اسکی وضاحت یہ ہے۔ ایسا کرتے ہیں کہ اس پہلے تیمَ کو مضاف بناتے ہے عدیٍّ کی طرف۔ تو منادیٰ مضاف ہوا۔ اور جب منادیٰ مضاف ہوتا ہے تو منصوب ہوتا ہے، جیسا کہ یا عبدَ اللہِ میں تھا۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ پہلا تیمَ، عدیٍّ کی طرف کس طرح مضاف ہوتا ہے، کیونکہ درمیان میں فصل آرہا ہے اور مضاف اور مضافٌ الیہ کے درمیان فصل جائز نہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ جو درمیان میں لفظ آرہا ہے یہ اُسی پہلی لفظ کا تکرار ہے، تو گویا کہ یہ لا فصل کی طرح ہے۔ تو پہلے تیمَ مضاف ہوا، اور جب یہ مضاف ہوا تو اس پر نصب پڑھیں گے۔ اور اب یہ دوسرا تیمَ تاکید لفظی ہوا۔ اور تاکید لفظی بعینہٖ پہلے لفظ کی طرح ہوتا ہے۔ لہٰذ اس پر بھی نصب پڑھیں گے۔ نیز اشکال یہ بھی ہے کہ نصب پڑھا تو اس دوسرے تیم پر تنوین آنا چاہئے۔ کہتے ہیں کہ وہ جو مؤکد تھا یعنی پہلا تیم اُس سے تنوین اُڑ گئی اضافت کی وجہ سے، تو اس دوسرے تیم پر بھی ہم تنوین نہیں لائے۔ تاکہ تاکید لفظی اس کے مطابق ہو جائے۔

تو اس سے مراد وہ مثال ہے جس میں منادیٰ کی تکرار ہو اضافت کے ساتھ۔ تو اس قسم کی مثالوں میں منادیٰ کے اندر ضمہ بھی جائز اور نصب بھی جائز۔

و المضاف الی یاء المتکلم اور وہ منادیٰ جو مضاف ہو یائے متکلم کی طرف۔ ایک تو منادیٰ کی عام اضافت تھی، اُس میں تو ہمیشہ نصب پڑھیں گے۔ جیسا کہ یا عبدَ اللہ۔ اور ایک یہ اضافت ہے منادیٰ کی یائے ضمیر متکلم کی طرف۔ تو اس میں چار صورتیں جائز ہیں۔ یجوزُ فیه جائز ہے اُس کے اندر یا غلامِیْ و یا غلامِیَ و یا غلامِ و یا غلاما "یا غلامِیْ" یا کے سکون کے ساتھ۔ "یا غلامِیَ" یا پر فتحہ کے ساتھ۔ "یا غلامِ" میم کا کسرہ ہے اور یا کو حذف کر دیا گیا۔ کیونکہ آخری حرف کا کسرہ دلالت کرتا ہے یائے مخذوف پر۔ اور "یا غلاما" میں اُس یا کو الف سے بدل دیا گیا۔ اور یہ ابدال تخفیف کے لئے ہوتا ہے۔ جس طرح ہم پڑھتے ہیں، "یا ربِّ" اس میں یا کو حذف کرتے ہے۔ وصل کی صورت میں تو یہ چار صورتیں ایسی تھیں۔ اب جب اس پر وقف کریں گے تو ہر ایک کے ساتھ ہا ملائیں گے۔ و بالهاء وقفا اور ہا کے

ساتھ کہیں گے حالت وقف میں۔ وقف کی صورت میں ان چاروں کی ادائیگی: "یا غلامیه"، "یا غلامیَهْ"، "یا غلامِهْ" اور "یا غلاماهْ" پڑھیں گے۔یہ ہا بتلائے گی کہ یہ حالت وقف ہے یا حالت وصل۔

اس میں ایک پانچواں صورت الف کے حذف کے ساتھ بھی جائز ہے لیکن وہ انتہائی قلیل الاستعمال ہے۔ اس لئے صاحب کافیه نے اُس کو ذکر نہیں فرمایا۔ اور وہ "یا غلامَ" ہے۔

و قالوا یا ابی و یا اُمِّی صاحب کافیه نے بتلایا کہ جب یائے متکلم کی طرف اضافت ہو تو اس میں چار وجہیں پڑھنا جائز ہیں۔ تو یہاں بھی اب اور اُم کی اضافت یائے متکلم کی طرف ہو رہی ہے۔ تو اس میں بھی چار صورتیں جائز ہیں۔ یعنی " یا ابیْ، یا ابیَ، یا اَبِ اور یا اَبا" اور اسی طرح "یا اُمِّیْ، یا اُمِّیَ، یا اُمِّ اور یا اُمَّا"۔ لیکن ان میں کچھ اور وجہیں بھی جائز ہیں۔ صاحب کافیه آگے وہ بھی بتلا رہے ہیں۔ و یا ابتِ و یا اُمَّتِ فتحا و کسرا یا ابتِ اور یا امتِ فتحه اور کسرہ دونوں طرح جائز ہیں۔ یا ابتِ میں "یا" کے عوض تا لے آئے۔ اسی طرح یا اُمَّتِ میں یا کے عوض تا لے آئے۔ اسی میں یا ابتَ اور یا امَّتَ بھی جائز ہیں۔ اب اور ام کی اضافت جب یائے متکلم کی طرف ہو جائے تو اب تک اسکی چھ صورتیں بن گئیں۔ و بالالف دون الیاءِ اور الف کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں ان کو نہ کہ یا کے ساتھ۔ یعنی "یا ابتا " اور "یا اُمَّتَا" بھی جائز۔ تا بھی یا کے عوض آئی اور الف بھی یا کے عوض آیا۔ تو دونوں عوضوں کو جمع کیا اور "یا ابتا" اور "یا امتا" بنایا۔ لیکن "یا ابتی" اور "یا امتی" یہ نہیں کہه سکتے۔ کیونکه "تا" تو "یا" کے عوض آئی ہے۔ اور "یا" خود بھی موجود ہے تو یہ تو عوض اور مُعوَّض کا اجتماع لازم آیا۔ اور عوَض اور مُعَوَّض کا جمع ہونا جائز نہیں۔ تو اس میں کل سات صورتیں جائز ہوئی۔

یہاں ایک آٹھویں صورت بھی ہے۔ " یا ابتُ" اور " یا اُمَّتُ"۔ لیکن یہ قلیل الاستعمال ہے۔ اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا۔

و یا ابنَ اُمِّ و یا ابن عَمِّ خاصَّةً مثلُ بابِ یا غلامِی اور کہتے ہیں "یا ابن ام" اور "یا ابن عم" باب غلامی کے مثل ہے خاص طور پر۔ ابن کا ہمزہ وصلی ہے۔ تلفظ یَبْنَ ہوگا۔ یہاں ابن کی اضافت خود یائے متکلم کی طرف نہیں ہو رہا بلکه ایسے اسم کی طرف ہو رہی ہے جس کی آگے خود اضافت یائے متکلم کی طرف ہو رہی ہے۔ تو ان کے اندر خاص طور پر یا غلامی کے طرح چار وجہیں جائز ہے۔ آپ کہه سکتے ہیں، "یا ابنَ اُمِّیْ، یا ابنَ اُمِّیَ، یا ابنَ اُمِّ اور یا ابن اُمَّا" اسی طرح " یا ابن عَمِّیْ، یا ابن عَمِّیَ، یا ابن عَمِّ اور یا ابنَ عمَّا" کہه سکتے ہیں۔ اور اسی طرح اس کے مؤنث میں بھی یہی چار صورتیں جائز ہیں۔ آپ کہه سکتے ہیں، ""یا بِنةَ اُمِّیْ، یا بِنةَ اُمِّیَ، یا بِنةَ اُمِّ اور یا بِنةَ اُمَّا" اسی طرح " یا بِنةَ عَمِّیْ، یا بِنةَ عَمِّیَ، یا بِنةَ عَمِّ اور یا بِنةَ عمَّا" کہه سکتے ہیں۔ اور یہ اجازت کثرت استعمال کی وجه سے ہے۔ اور اگر ابن اور بنت کے علاوہ کوئی دوسرا لفظ آجائے، جیسا کہ یا غلامَ اُمِّی تو اب چار وجہیں نہیں جائز۔ بلکه یا غلامَ اُمِّی پورا پڑھے گا۔ اور اگر مضاف بدل

جائے، اُمّ کی جگه کوئی اور آجائے تو بھی چار وجہیں نہیں جائز۔ اور اگر عم کی جگه کوئی اور آجائے تو بھی چار وجہیں نہیں جائز۔ یعنی یا ابنَ خالِی وغیرہ ان میں چار وجہیں پڑھنا جائز نہیں۔ تو دونوں کی بات ہیں، یعنی مضاف بھی یہی ہو اور مضافٌ الیه بھی یہی ہو۔ چاہے مذکر ہو چاہے مؤنث ہو۔

و قالوا یا ابنَ اُمَّ و یا ابنَ عَمَّ اور عرب ان کے اندر یا ابنَ اُمَّ بھی کہتے ہیں اور یا ابنَ عمَّ بھی کہتے ہیں۔ یا غلامِی کے اندر پانچواں صورت یا غلامَ کہنا شاذ تھا، بہت ہی قلیل الاستعمال تھا اس لئے صاحب کافیه نے ذکر نہیں کیا۔ لیکن یا ابنَ اُمَّ اور یا ابنَ عَمَّ یه پانچواں صورت بھی کثرت استعمال میں ہے۔ آپ کہه سکتے ہیں، "یا ابنَ اُمِّیْ، یا ابنَ اُمِّیَ، یا ابنَ اُمِّ ، یا ابن اُمَّا اور یا ابنَ اُمَّ" اسی طرح " یا ابن عَمِّیْ، یا ابن عَمِّیَ، یا ابن عَمِّ ، یا ابنَ عمَّا، اور یا ابنَ عمَّ" کہه سکتے ہیں۔ یه پانچویں صورت الف کے حذف کے ساتھ ہے۔

درس 46۔ و ترخیمُ المنادیٰ جائزٌ اور منادیٰ کی ترخیم جائز ہے۔ منادیٰ کے آخر سے کبھی ایک یا دو حروف حذف کئے جاتے ہیں۔ اس کو ترخیم کہتا ہے۔ جیسا کہ "یا حارثُ" کی بجائے کہا جائے "یا حارِ"۔ رَخَّمَ یُرَخِّمُ ترخیم: نرم کرنا۔ یعنی آپ نے بھی منادیٰ کو نرم کیا۔ یعنی اس میں تخفیف کی۔ یا حارثُ کی جگه یا حارِ پڑھا۔

منادیٰ میں ترخیم کی وجه: مثلا میں کہتا ہوں، "یا زیدُ اِیْتِی بالماءِ" اس میں منادیٰ زید مقصود نہیں، بلکه جواب ندا "اِیْتِی بالماءِ" مقصود ہے۔ اور جب منادیٰ غیر مقصود ہوا تو اب متکلم چاہتا ہے که اس غیر مقصود سے جلدی سے جلدی جان چھوٹ جائے اور مقصود کو بیان کیا جائے۔ تو لہٰذا اس کے اندر ایک دو حرفوں کو یا کلمه کو حذف کر دیا جاتا ہے۔

و فی غیرِہ ضرورۃً اور غیر کے اندر بوجه ضرورت کے۔ ہا ضمیر راجع ہے منادیٰ کو۔ یعنی غیر منادیٰ کے اندر ترخیم جائز نہیں۔ ضرورت سے مراد ضرورت شعری ہے۔ اب صاحب کافیه ترخیم کی تعریف فرما رہے ہیں۔ و ھو حذفٌ فی اٰخرِہ اور وہ حذف کرنا ہے منادیٰ کے آخر سے۔ ھو سے مراد ترخیم ہے۔ اور آخرہ کی ہا ضمیر منادیٰ کو راجع ہے۔ تخفیفًا تخفیف کے لئے۔ یه تخفیفًا ترخیم کی علّت بیان کر رہا ہے۔ تو یه مفعول له ہوا۔ یعنی ترخیم منادیٰ کی آخر سے تخفیف کے لئے حذف کرنا ہے۔

ترخیم کی شرطیں: ترخیم کی چار شرطیں ہیں۔ تین عدمی ہیں یعنی تین چیزیں نہیں ہونی چاہئے اور ایک وُجودی ہے، یعنی ایک چیز ہونا چاہئے۔ و شرطُہٗ اور ترخیم کی شرط یه ہیں۔ پہلے عدمی شرطیں بیان ہو رہی ہے۔ ان لا یکونَ مضافا پہلی عدمی شرط یه ہے که وہ منادیٰ مضاف نه ہو۔ منادیٰ جب مضاف ہو تو اس میں ترخیم اس لئے نہیں کی جاتی کیونکه مضاف کے بعد مضافٌ الیه آتا ہے۔ اور مضاف درمیان میں رہ جاتا ہے۔ جبکه ترخیم آخری کلمه میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ "یا عبدَ اللّٰہِ" اب عبد مضاف ہے اس میں ترخیم نہیں کیا جس سکتا، کیونکه یه آخری کلمه نہیں۔

و لا مستغاثا اور وہ منادیٰ مستغاث بھی نہ ہو۔ یہ دوسرا عدمی شرط ہوا۔ مستغاث کے اندر آواز کو لمبا کیا جاتا ہے۔ اس میں فریاد کی جاتی ہے۔ جبکہ ترخیم کے اندر لفظ کو چھوٹا کیا جاتا ہے۔ پس ترخیم، مستغاث کی ضد ہے۔ و لا جملةً اور وہ منادیٰ جملہ بھی نہ ہو۔ یہ تیسرا عدمی شرط ہوا۔ جملة جب منادیٰ بن جائے تو اس میں ترخیم اس لئے نہیں کیا جاتا، کیونکہ جملہ جب کسی کا نام رکھا جائے تو اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جاتی۔ و یکونَ اِمَّا علما زائدا علی ثلٰثةِ اَحْرُفٍ اور یا تو وہ منادیٰ ایسا علم ہونا چاہئے جو تین حروف سے زائد ہو۔ اگر کوئی کلمہ تین حروف پر مشتمل ہو۔ اور آپ اس سے ایک حرف ہٹا دے۔ تو وہ دو حروف پر مشتمل ہو جائے گا۔ حالانکہ معرب کم از کم تین حروف پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس لئے منادیٰ تین حروف سے زائد ہونا چاہئے۔ و اِما بتاء التانیثِ اور یا وہ منادیٰ تاۓ تانیث کے ساتھ ہونا چاہئے۔ اگر کلمہ کے آخر میں تاۓ تانیث ہے تو پھر چاہے کلمہ تین حروف والا کیوں نہ ہو اس میں ترخیم جائز ہے۔ کیونکہ تاۓ تانیث کبھی ساتھ جُڑتی ہے اور کبھی ساتھ نہیں جُڑتی۔ جیسا کہ قائمٌ میں تاۓ تانیث نہیں۔ اور قائمةٌ میں تاۓ تانیث ہے۔

اب صاحب کافیه یہ بتلائے گا کہ کتنی ترخیم کی جائے گی۔ یعنی کتنے حروف کہاں پر حذف کردی جائے گی۔ فان کان فی اٰخرہٖ زیادتان فی حکم الواحدة اگر اُس منادیٰ کے آخر میں دو زیادتیاں ہوں جو ایک ہی زیادتی کے حکم میں ہو۔ یعنی دو حرف بڑھائے ہیں لیکن ایک کے حکم میں ہے۔ ایک کے حکم میں ہونے کا یہ معنیٰ ہے کہ دونوں حرفوں کو اکھٹا بڑھایا جاتا ہو۔ جیسا کہ الف نون زائدہ تان ہے۔ ان دونوں کو اکھٹا بڑھایا جاتا ہے۔ اور یہ زیادتی واحد کے حکم میں ہے۔ یا تانیث کا الف ممدودة ہوتا ہے۔ یہ دو الف ہوتے ہیں جب بھی آئے۔ اور ان میں ثانی کو ہمزہ سے بدل دیتے ہے۔ جیسا کہ حمرآء۔ جس الف کے بعد ہمزہ آجائے اس کو الف ممدودة کہتے ہے۔ آگے صاحب کافیه بتلائے گا کہ دونوں کو اکھٹے حذف کیا جائے گا۔ کاسمآءَ و مروانَ جیسا کہ اسماء میں الف ممدودہ اور ہمزہ ہے۔ اور مروان میں الف نون زائدہ تان ہے۔ ترخیم کرتے وقت دونوں حروف کو اکھٹے حذف کیاجاتا ہے۔

او حرفٌ صحیحٌ قبلَهُ مَدَّةٌ یا منادیٰ کے آخر میں ایسا حرف صحیح ہو کہ جس سے پہلے مدّہ ہو۔ و ھو اکثرُ من اربعَةِ احرفٍ اس حال میں کہ منادیٰ چار حروف سے زیادہ ہے۔ واو حالیه ہے۔ فان کان فی آخرہٖ میں جو ہا ضمیر ہے یہ منادیٰ کو راجع ہے۔ تو یہ ہا ضمیر ذو الحال ہوا اور " و ھو اکثر من اربعة احرف" حال ہے۔ تو وہ منادیٰ جس کے آخر میں دو زیادتیاں ایسے ہو جو ایک زیادتی کے برابر ہو، یا وہ منادیٰ جس کے آخر میں ایسا حرف صحیح ہو جس سے ماقبل حرف مدّہ ہو، تو وہ منادیٰ چار حروف سے زیادہ ہونا چاہئے۔ یعنی اُس منادیٰ میں کم از کم پانچ حروف ہو۔ جیسا کہ منصور۔ اس کے آخر میں را حرف صحیح ہے اور اس سے ما قبل واو مدّہ ہے۔ کیونک واو کے ماقبل کی حرکت واو کی موافق ہے۔

اب اس صورت میں دونوں کو حذف کیا جائے گا۔ را کو حذف کریں گے تو ساتھ ہی واو کو بھی حذف کریں گے۔

منادیٰ کے ان دونوں صورتوں میں پانچ حروف کم از کم اس لئے ہونے چاہئے کہ دو حروف کو تو ہم نے حذف کرنا ہے۔ یعنی یا تو وہ دونوں زیادتیاں حذف کرنا ہوگی یا وہ حرف صحیح جس سے ماقبل حرف مدّہ ہو اِن دونوں کو حذف کیا جائے تو باقی کم از کم تین حروف رہ جائے گا۔ پس اسماءَ اس میں بھی پانچ حروف ہیں، مروانَ اس میں بھی پانچ حروف ہیں، منصورُ میں بھی پانچ حروف ہیں۔

"فَاِنْ کانَ۔۔ " یہ شرط تھی۔ اگر ایسا ہو تو۔۔ آگے شرط ذکر ہے، حذفتا "حُذِفَتَا "۔۔ یعنی وہ دونوں زیادتیاں جو واحد زیادتی کے حکم میں ہو، اِن دونوں کو بھی حذف کریں گے، اور وہ حرف صحیح جس سے ماقبل مدّہ ہو، اِن دونوں کو بھی حذف کیا جائے گا۔ اور دونوں حروف کو اکھٹا حذف کرنے کی وجہ یہ ہے، کہ ایک تو دونوں کو اکھٹا بڑھایا تھا تو اکھٹا حذف کیا، اور دوسری صورت میں جب "را" حرف صحیح یعنی طاقتور حرف کو حذف کیا، تو " مدّہ زائدہ" کو حذف کرنا بطریق اولیٰ صحیح ہے۔

و ان کان مرکبا اور اگر وہ منادیٰ مرکب ہو۔ حُذِفَ الِاسم الاخیرُ تو آخری اسم کو حذف کیا جائے گا۔ تلفظ: حُذفَ لِسَمُ الاخیرُ۔ مثلا ایک آدمی کا نام ہے ، "خمسةَ عشرَہ" اب اس کو ندا دینا چاہتے ہے، تو " یا خمسةُ" ترخیم کے ساتھ۔ یا کسی کا نام بعلَبَکَّ ہے، تو اس کو "یا بعلُ" کہیں گے۔ اور "یا عبدَ اللّٰہِ" میں ترخیم نہیں کر سکتے کیونکہ ایک شرط یہ تھی منادیٰ مضاف نہ ہو۔

وان کان غیرُ ذلک اور اگر ان دونوں کے علاوہ ہو۔ یعنی نہ تو اُس کے آخر میں دو حرف ایسے ہیں جو زیادتی واحد کے حکم میں ہے، اور نہ ہی اس کے آخر میں ایسا حرف صحیح ہے جس سے ماقبل مدّہ زائدہ ہے، فحرفٌ واحدٌ ای حُذِفَ حرفٌ واحدٌ: تو پھر منادیٰ میں ترخیم کرتے ہوئے حرف واحد کو حذف کیا جائے گا۔

و ھو فی حکم الثابت علی الاکثر اور وہ جو محذوف ہے وہ اکثر کے نزدیک ثابت کے حکم میں ہے۔یعنی وہ حرف جو ہم نے منادیٰ میں ترخیم کے وقت حذف کیا، تو اکثر علماء کے نزدی وہ ثابت کے حکم میں ہے۔ یا استعمال اکثر کو وجہ سے ثابت کے حکم میں ہے۔ یعنی جب آپ منادیٰ سے ایک حرف حذف کرے۔ تو جو حرف آخر میں باقی بچا، اُس پر وہی حرکت پڑھو جو پہلے سے تھی۔ جیسا کہ "یا حارِثُ" میں ثا کے حذف کے بعد را پر کسرہ ہی پڑھنا ہے۔ اور "یا حارِ" پڑھنا ہے۔ اور اب بھی وہی سمجھو کہ "ثا" موجود ہے۔ فیُقالُ پس کہا جائے گا۔ یا حارِ اصل میں یا حارِثُ تھا۔ ثا کو حذف کیا، اور را اور اُس کے حرکت کو ویسے ہی چھوڑا۔ و یا ثَمُوْ اصل میں یا ثَمُوْدُ تھا۔ دال کو حذف کیا، تو واو کو ویسے ہی ساکن رکھا گیا۔ ورنہ یہاں قانون نے لگنا تھا، ثَمُوْ اسم متمکن ہے۔ اور اسم متمکن کے آخر میں جب

واو ساکن آئے اور ماقبل مضموم ہو تو اس واو کو ہمیشہ یا سے بدلیں گے اور یا ثَمِیٌ کہیں گے۔ یعنی اگر ہم ثمود کے دال کو حذف کرنے کے بعد مان لے کہ وہ دال یہاں ہے ہی نہیں، تو پھر " یا ثمو" کے بجائے "یا ثمی" کہیں گے۔

و یا کَرَوَ اصل میں یا کرَوَان تھا۔ اور یہاں بھی اگر "الف نون" کو نہ مان لے تو پھر قانون کے مطابق واو متحرک ماقبل فتحہ کو الف سے بدلیں گے، اور یا کرَا کہیں گے۔ لیکن یہاں ہم نے "الف نون" مخذوف ثابت کی طرح مان لینا ہے، اس لئے واو متحرک ماقبل فتحہ کو الف سے نہیں بدلا، کیونکہ ہم نے قانون میں پڑھا تھا کہ جب واو متحرک ماقبل فتحہ ہو، اور اس کے بعد حرف ساکن ہو تو اس واو اور یا کو الف سے نہیں بدلا جاتا۔ جیسا کہ رَمَیَا میں یا متحرک ماقبل فتحہ کو الف سے نہیں بدلا۔

وقد یُجْعَلُ اسْمًا اور کبھی کبھار اس کو اسم بنا دیا جاتا ہے۔ اسم کا ہمزہ وصلی ہے۔ بِرأسِہٖ ای مُسْتَقِلاً۔ کبھی اس کو مستقل ایک اسم بنا دیا جاتا ہے۔ فیُقالُ تو پھر یوں کہتے ہیں۔ یا حارُ یا حارِثُ سے یا حارِ کہنا چاہئے تھا۔ لیکن جب اس کو مستقل ایک اسم بنا دیا گیا تو اب منادیٰ مفرد معرفۃ کے حکم میں ہوا۔ اور یہ مبنی علی الضم ہوگا۔ مستقل اسم کا مطلب یہ ہے کہ جو ہم نے حذف کیا، وہ گویا تھا ہی نہیں۔ اور جو باقی بچا اب یہی مستقل اسم ہے۔ اور جب مستقل اسم ہو تو پھر اس میں صرفی قوانین کا اجراء ہوگا۔ و یاثمی اور یا ثَمُوٌ میں "یا ثَمِیٌ" پڑھیں گے۔ کیونکہ ثَمُوٌ کو ہم نے مستقل اسم مان لیا۔ اور جو دال حذف ہوا گویا وہ تھا ہی نہیں۔ تو اب ثَمُوٌ اسم متمکن ہے، اور اس کے آخر میں واو ساکن آیا۔ اور اس سے ماقبل مضموم ہے، تو اس واو کو یا سے بدلیں گے۔ اور "یا ثمی" کہیں گے۔ و یا کرا اور یا کرَوَان سے جب الف نون زائدہ تان کو حذف کیا، اور اس حذف کو ایسا مان لیا کہ گویا یہ الف نون تھا ہی نہیں۔ اور کَرَوَ کو مستقل اسم مان لیا۔ تو اب اس میں واو متحرک ماقبل فتحہ کو الف سے بدلا اور "یا کَرَا" کہیں گے۔

درس 47۔ آگے صاحب کافیہ مندوب کے بارے میں بتلائے گا۔ و قدِ اسْتَعْمَلُوا صیغۃَ النداء فی المندوب اور عربوں نے استعمال کیا ہے ندا کا صیغہ مندوب کے اندر۔ مندوب لغت کے اندر وہ مَیَّت جس پر رویا جائے۔ اصطلاحی تعریف آگے متن میں آرہی ہے۔ و ھو الْمُتَفَجَّعُ علیہ اور مندوب وہ ہے جس پر دکھ کا اظہار کیا جائے بیا او وا "یا" کے ساتھ یا "وا" کے ساتھ۔ جیسا کہ مثلاً زید مر گیا، تو "یا زیدُ" "یا زیداہ"، "وا زیدُ" کے ساتھ دکھ کا اظہار کیا جاتا ہے۔ تو یہاں زید کے نہ ہونے پر غم کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اور کبھی کسی چیز کے ہونے پر غم اور دکھ کا اظہارکیا جاتا ہے۔ مثلا "یا پرویزُ" یہ کسی کے ہونے پر دکھ کا اظہار ہوتا ہے۔ یعنی اس سے جان نہیں چھوٹ رہی۔ یا کوئی مصیبت ہے، تو "یا مصیبتاہ" کے ساتھ دکھ کا اظہار کیا جاتا ہے۔ تو مصیبت کے ہونے پر دکھ کا اظہار کیا جاتا ہے۔ تو

مندوب دو قسم پر ہوا۔ ایک یہ کہ کسی چیز کے نہ ہونے پر اظہار غم کیا جاتا ہے اور ایک وہ جو کسی چیز کے ہونے پر اظہار غم کیا جائے۔ وَ اخْتُصَّ بِوا اور مندوب خاص ہے "وا" کے ساتھ۔ "یا" تو عام ہے۔ منادیٰ کے لئے بھی استعمال ہے اور مندوب کے لئے بھی۔ لیکن "وا" صرف مندوب کے لئے استعمال ہوگا۔

و حکمُهُ فی الاعراب و البناء حکم المنادیٰ اور مندوب کا حکم معرب اور مبنی ہونے کے اندر منادیٰ کے حکم کی طرح ہے۔ یعنی اگر مندوب مفرد معرفة ہو تو مبنی علی الضم ہوگا۔ مثلاً " یازیدُ"، "وا زیدُ" یہ دونوں مندوب ہیں۔ نیز مندوب اگر مضاف ہو تو منصوب ہوگا، مثلاً "وا عبدَ اللهِ، یا عبدَ اللهِ"۔ یا مندوب اگر مشابہ مضاف ہو تو منصوب ہوگا۔ مثلا، "یا طالعًا جبلاً"، "وا طالعًا جبلاً"۔ ہاں نکرة غیرِ مُعَیِّنه وہ مندوب واقع نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ رویا جائے گا کسی معروف شخص پر۔ اور کسی غیر معین پر نہیں رویا جاتا۔ و لک زیادة الالف فی اخرہ اور آپ کے لئے الف کا زائد کرنا بھی جائز ہے مندوب کے آخر میں۔ یعنی مندوب کے آخر میں الف کو زیادہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اظہار غم کیا جاتا ہے، اور انسان چاہتا ہے کہ میرا آواز طویل ہو۔ اور آواز کو لمبا بنانے کے لئے مندوب کے آخر میں الف ملایا جاتا ہے۔ یعنی "وا زیدا"۔ ہائے وقف بھی ساتھ ملا سکتے ہو۔ یعنی "وا زیداہ"۔ کیونکہ اس سے آواز مزید لمبا ہو جاتا ہے۔

فان خفت اللُبس قلتَ واغلامکیه و اغلامکموه الف کے بڑھانے سے بعض اوقات التباس لازم آتا ہے۔ جب التباس لازم آتا ہے ۔ تو ضروری نہیں کی صرف الف ہی بڑھایا جائے۔ بلکہ آخری جو حرف ہے اُس کے حرکت کے موافق حرف علّت کو بھی بڑھا سکتے ہیں۔ مثلا آپ رونا چاہتے ہیں مؤنث مخاطبه کے غلام پر، تو آپ کہیں گے، "وا غلامَکِ"۔ یہاں غلامَکِ مندوب ہے۔ اگر اس مندوب کے آخر میں الف بڑھا دیا جائے اور "وا غلامَکا" کہا جائے تو یہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ مؤنث کے غلام پر نُدْبت ہے یا مذکر کے غلام پر۔ تو یہاں التباس لازم آیا۔ تو اس التباس سے بچنے کے لئے مندوب یعنی"غلامَکِ" کے آخری حرف کاف پر کسرہ ہے، تو اس کے موافق حرف علّت یا بڑھایا جائے۔ یعنی "وا غلامَکِی" یا "وا غلامکیه" کہا جائے۔ یہ ہا وقف کے لئے بڑھا دی جاتی ہے۔

اسی طرح اگر کوئی جمع مخاطب کے غلام پر رونا چاہتےہیں۔ تو "وا غلامَکُمْ" کہے گا۔ اگر اس مندوب کے آخر میں الف بڑھایا جائے، یعنی "وا غلامَکُمَا" کہا جائے تو یہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ جمع مخاطب کے غلام پر نُدْبَت کی جاتی ہے یا تثنیه کے غلام پر ندبت کی جاتی ہے۔ تو جمع مخاطب کا تثنیه کے ساتھ التباس لازم آیا۔ تو اس سے بچنے کے لئے یہاں پر واو کو بڑھانا جائز ہے، یعنی "وا غلامکمو" کہنا چاہئے۔ یا وقف کے لئے ہا بھی بڑھائے تو "وا غلامَکُموہ" کہہ جائے گا۔

و لک الهاء فی الوقف اور جائز ہے آپ کے لئے ہا کا لانا حالت وقف میں۔ مثالیں اوپر گزر گئی۔

و لا یُندَبُ اِلّا المعروف اور نُدبت نہیں کی جاتی مگر معروف پر - یعنی کسی معروف شخصیت پر ندبت کی جائے گی۔ فلا یقالُ وا رَجلاہ لہٰذا نکرۃ غیر معینہ کے لئے یوں نہیں کہا جائے گا، "وا رجلاہ"۔

اگر مندوب کی صفت آرہی ہو۔ یعنی تابع ہو۔ تو جمہور کے نزدیک اسی مندوب کے آخر میں الف اور ہا بڑھا سکتے ہو صفت کے آخر میں الف اور ہا نہیں بڑھا سکتے۔ لہٰذا " وا زیداہ طویلُ" یا "وا زیداہ طویلَ" کہیں گے۔ دونوں جائز ہیں۔ اور "وا زیدُ الطویلاہ" جائز نہیں۔ امام یونس نحویؒ کے نزدیک صفت کے آخر میں الف اور ہا بڑھاناجائز ہے۔ و امتنع اور جائز نہیں ہے یہ کہنا وا زیدُ الطویلاہ خلافًا لیونس بخلاف امام یونسؒ کے۔ ان کے نزدیک "وا زیدُ الطویلاہ" کہنا جائز ہے۔

و یجوزُ حذفُ حرفُ النداء اور حرف ندا کا حذف کرنا جائز ہے۔ حروف ندا میں سے صرف "یا" کو حذف کیا جاسکتا ہے۔ کیونک یہ کثیر الاستعمال ہے۔ الا معَ اسْمَ الْجِنسِ اسم جنس وہ ہے جس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہو۔ جیسا کہ رجل۔ اس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے۔ رجل سے ایک رجل بھی مراد لے سکتے ہیں اور تمام افراد رجل بھی مراد لے سکتے ہیں۔ اگر منادیٰ اسم جنس ہو تو اس سے حرف ندا کا حذف کرنا جائز نہیں۔ "یا رجلُ" میں آپ یوں نہیں کہہ سکتے کہ "رجلُ"۔ اس لئے کہ منادیٰ اکثر عَلَم بنا کرتا ہے۔ اور علم جب مبنی علی الضم ہو، تب وہاں ہمیں پتہ چل جائے گا کہ اس سے پہلے حرف ندا محذوف ہے۔ لیکن "رجل" تو بہت منادیٰ استعمال ہوتا ہے بطور اسم جنس۔ تو جب اس سے "یا" کو حذف کریں گے تو یہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ منادیٰ ہے یا نہیں۔ و الاشارۃِ اور اسم اشارہ میں بھی حرف ندا "یا" کو حذف کرنا جائز نہیں۔ "یا ھٰذا" سے "یا" کو حذف کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اسم اشارہ بھی اسم جنس کی طرح مبہم ہے۔ اسم اشارہ کے لئے مشارٌ الیہ چاہئے۔

والمستغاثِ والمندوبِ ان دونوں سے بھی حرف ندا کا حذف کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ مستغاث کو مدد کے لئے پکارا گیا ہے۔ اور وہاں پر تو آواز کو لمبا کیا جاتا ہے۔ اور جب "یا" کو حذف کیا جائے تو آواز تو کم ہو جائے گی۔ تو یہ تو اسکی ضد ہے۔ لہٰذا مستغاث میں بھی "یا" کو حذف نہیں کیا جائے گا۔ اور مندوب بھی اسی طرح ہے اُس میں بھی دکھ درد کے اظہار کے لئے آواز کو لمبا کیا جاتا ہے۔ اور حذف اس لمبا کرنے کے منافی ہے۔ نحو یوسفُ اعرض عن ھذا مثال کے طور پر قرآن میں آیا ہے، اے یوسف علیہ السلام اس سے اعراض کی جئے۔ اصل میں ہے " یا یوسفُ"۔ و ایھا الرجل اصل میں "یا ایھا الرجلُ" ہے۔

و شَذَّ اَصْبِحْ لَیْلُ ای اصبح یا لیلُ: صبح ہو جا اے رات۔ لیل اسم جنس ہے۔ اس کا استعمال قلیل اور کثیر دونوں پر ہوتا ہے۔ اصل میں اصبح یا لیلُ تھا۔ اور صاحب کافیہ نے ابھی بتلایا کہ اسم جنس سے "یا" کا حذف کرنا جائز نہیں۔ لیکن یہاں تو یا کو حذف کیا گیا ہے۔ تو صاحب کافیہ بتلاتے ہیں کہ یہ شاذ ہیں۔ اَصبح لیلُ یہ ضربُ المثل ہے۔ ایک عورت تھی، خاوند سے بہت تنگ تھی۔ رات تھی اور خاوند

سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہ تھی۔ تو اس نے کہا "اصبح لیلُ"۔ یعنی اے رات تو صبح ہو جا۔ یعنی صبح ہوتے ہی میں اس خاوند سے طلاق لوں اور اپنی جان چھڑا لوں۔ اب کوئی بھی شخص ہو، اور شدت کے ساتھ کسی چیز کو طلب کرتا ہے تو یہ کلام کرتا ہے۔ وَ اِفْتَدِ مَخْنُوقُ :ای افتد یا مخنوقُ: فدیه دے اے گلہ گھونٹے ہوئے۔ مخنوق بھی اسم جنس ہے۔ اور یہاں سے بھی یا خلاف القیاس حذف کیا گیا ہے۔ یہ بھی شاذ مثال ہے۔ "افتد مخنوق" یہ بھی ضرب المثل ہے۔ یہ ایک شخص تھا، کہیں لیٹا تھا، سویا ہوا تھا۔ رات کو کوئی آیا، اور اس کے سینے پر سوار ہوا۔ اور گلہ دبایا اور کہا فدیه دو۔ فدیه: مال دے کر چھڑانا۔ تو اُس شخص نے کہا پیسے دو اے گلے گھونٹے ہوئے۔ اور اپنی جان چھڑاؤ۔ پس جب کوئی شخص تکلیف میں ہو اور آپ اُسے ابھار رہے ہو کہ اس سے نکل جاؤ تو "افتد مخنوق" کہا جاتا ہے۔

و اَطْرِقْ کرَا ای اطرق یا کرا۔ اے سرخاب گردن جھکا۔ کروان: سرخاب۔ کرا بھی اسم جنس ہے اور اس سے بھی خلاف القیاس یا کو حذف کیا گیاہے۔ یہ بھی شاذ مثال ہے۔ جب کوئی شکار کھیلنے جاتا تو یہ منتر کی طرح کہہ دیتے اور کام ہو جاتا۔ تو سرخاب اپنا گردن جھکا دیتا اور یہ اس پر چادر وغیرہ ڈال کر پکڑ لیتے تھے۔ اور پورا یوں کہتے، "اطرق کرا اطرف کرا اِنّ النَّعامَةَ فی القُرا"۔ گردن جھکا اے سرخاب، گردن جھکا اے سرخاب، بے شک شتر مرغ بھی بستی میں ہے۔

کہتا ہے سرخاب شتر مرغ سے بڑا ڈرتا ہے۔ جب اس کو دیکھتا ہے تو گردن جھکا لیتا ہے۔ یعنی شتر مرغ تجھ سے بڑا ہے اس کو ہم نے شکار کیا ہے۔ جب بڑا شکار کیا ہے تو تو چھوٹا ہے۔ نیز یہ ضرب المثل ایسے موقع پر بھی بولا جاتا ہے جب کوئی بڑا تو عاجزی اختیار کرے اور چھوٹا تکبر کرے۔

و قد یحذف المنادی لقیام قرینة اور کبھی کبھار منادیٰ کو بھی حذف کیا جاتا ہے جب قرینة قائم ہو۔ جوازا اور یہ حذف جوازی ہے۔ مثل اَلَا یا اسجدوا ای اَلَا یا قومُ اُسْجُدوا۔ یہاں حرف ندا "یا" فعل "اُسجدوا" پر داخل ہو رہا ہے۔ حالانکہ حرف ندا اسم پر داخل ہوتا ہے۔ تو قرینہ موجود ہے کہ یا حرف ندا فعل پر داخل نہیں ہوتا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ منادیٰ یعنی "قوم" محذوف ہے۔ یہ دوسری قرأت کے مطابق ہے۔ ہمارے قرأت کے مطابق " اَلَّا یَسْجُدوا" ہے۔ اَلَّا یہ اَنْ اور لَا سے ہے۔ اور یسجدوا منادیٰ نہیں بلکہ فعل مضارع ہے۔

درس 48۔ والثالث اور تیسرا مقام جہاں مفعول به کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ ما وہ اسم ہے اُضْمِرَ عامِلُهُ جس کے عامل کو مُقَدَّر کیا جائے علیٰ شریطة التفسیر تفسیر کی شرط پر۔ آگے صاحب کافیه "ما اضمر عامله" کی تعریف بیان فرما رہے ہیں۔ و هو کلُّ اسْمٍ "ما اُضْمِرَ عاملُهُ" ہر وہ اسم ہے۔ اسم کا ہمزہ وصلی ہے۔ آگے دو مثالیں ذکر کی ہے۔ زیدًا ضربتُهُ اور زیدًا ضربتُ غلامَهُ۔ ان مثالوں میں زیدًا ایسا اسم ہے کہ جس کی عامل کو حذف کیا گیا ہے۔ تو یہ "ما اضمر عامله" ہوا۔ بعدَهُ فعلٌ او

شِبْهُهُ ہر ایسا اسم کہ جس کے بعد فعل آئے یا شبہ فعل آئے۔ شبهُهُ کی ہا ضمیر فعل کو راجع ہے۔ دونوں مثالوں میں زیدًا کے بعد "ضَرِبْتُ" فعل آرہا ہے۔ شبہ فعل سے یہاں پر مراد صرف اسم فاعل اور اسم مفعول ہے۔اور یہاں شبہ فعل سے مراد مصدر نہیں۔ اس لئے کہ مصدر کمزور عامل ہے۔ اسی طرح صفت مشبہ بھی مراد نہیں۔ کیونکہ صفت مشبہ تو لازمی ہے۔ وہ نصب دیتے ہی نہیں۔ اسم تفضیل بھی مراد نہیں۔ کیونکہ اسم تفضیل بھی کبھی مفعول کو نصب نہیں دیتا۔ مُشْتَغِلٌ عنهُ ایسا فعل یا شبہ فعل کہ وہ اعراض کر رہا ہو اُس اسم سے۔ یعنی اُس میں عمل نہیں کر رہا۔ اشتغل کا صلہ جب عن آجائے تو اسکا معنیٰ "اعراض" کا ہوتا ہے۔ بضميرہٖ اُس کے ضمیر کے ساتھ مشغول ہونے کی سبب۔ او متعلقہٖ یا اُس کے متعلق کے ساتھ مشغول ہونے کی سبب۔ پہلی مثال "زیدًا ضربتُهُ" میں ضربتُ فعل زیدًا کے اندر اس لئے عمل نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اُس کے ضمیر میں مشغول ہے۔ تو اس کے ضمیر میں مشغول ہونے کی وجہ سے یہ فعل ضربتُ زید سے اعراض کر رہا ہے۔ دوسری مثال "زیدًا ضربتُ غلامَهُ" میں ضربتُ فعل زیدًا کو نصب اس لئے نہیں دے سکتا کیونکہ یہ زید کے متعلق یعنی غلام میں مشغول ہے۔ اب چونکہ یہ زید کے متعلق میں مشغول ہے لہٰذا یہ زید سے اعراض کر رہا ہے۔

لَوْسُلِّطَ علیه هو اس طور پر کہ اگر ہم اُس اسم پر اُسی فعل یا شبہ فعل کو مسلط کر دیں۔ ھو ضمیر فعل یا شبہ فعل کو راجع ہے۔ سوال یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل تو دو ہے۔ اور اس کو ہم نے مفرد کی ضمیر لوٹا دی۔ تو جواب یہ ہے فعل یا شبہ فعل کے درمیان عطف "او" کے ذریعے ہے۔ اور جس کے درمیان عطف "او" کے ذریعے ہو تو اس کو مفرد کی ضمیر لوٹا دی جاتی ہے۔ تو فعل یا شبہ فعل یہ دونوں اَحدُ الامرین کی تاویل میں ہے۔ کہ اگر اُس اسم کے بعد اِن دو چیزوں میں سے کوئی ایک ہو، تو یہ مسلط کیا جائے گا اُس اسم پر۔ اَحَدُ الامرین کا لفظ مفرد ہے۔

عبارت کی وضاحت: یعنی پہلی مثال " زیدًا ضربتُهُ" میں زیدًا پر یہی فعل ضربتُ کو مسلط کرے، جیسا کہ " ضربتُ زیدًا ضربتُهُ"۔ آگے صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ "او مناسبُهُ" یعنی دوسری مثال، "زیدًا ضربتُ غلامَهُ" میں زیدًا پر ضربتُ کے مناسب کو مسلط کر دے۔ یہاں ضربتُ کی مناسب "اَهَنْتُ" ہے۔ یعنی اَهَنْتُ کو زیدًا پر مسلط کر دے۔ تو مثال یوں بن جائے گا، "اَهَنْتُ زیدًا ضربتُ غلامَهُ"۔ آگے صاحب کافیہ فرماتے ہیں، "لَنَصَبَهُ"، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ فعل یا فعل کا مناسب دونوں اُس اسم کو نصب دے گا۔ پہلی مثال میں ضربتُ نے زیدًا کو نصب دیا۔ اور دوسری مثال میں اهنتُ نے زیدًا کو ضرب دیا۔ او مناسِبُهُ یا اُس کے مناسب کو۔ لَنَصَبَهُ تو البتہ اُن دونوں کو نصب دے دیتا۔

صاحب کافیہ نے ایک مثال "زیدًا مررتُ به" کو ذکر کیا ہے۔ مررتُ فعل لازم ہے۔ اور فعل لازم مفعول بہ کو نصب نہیں دے سکتا۔ لیکن اگر آپ چاہتے ہیں کہ فعل لازم مفعول بہ کو نصب دے تو یہ حرف جر

کے ذریعے ہوگا۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں کہ میں زید پر سے گزرا، تو مررتُ زیدًا نہیں کہہ سکتا، تو پھر درمیان میں حرف جر لاتے ہیں، تو مررتُ بزیدٍ کہیں گے۔ تو اب یاد رکھو یہ زید مررتُ کے لئے مفعول بہ ہے۔ اور اس کو مفعول بہ غیر صریح کہتے ہے۔ اوپر کی مثال "زیدًا مررتُ بہ" میں مررتُ فعل کو زیدًا پر مسلط نہیں کر سکتے، کیونکہ مررتُ فعل زید کو نصب نہیں دے سکتا۔ تو اسکے مترادف یعنی مناسب جاوزتُ کو زید پر مسلط کریں گے۔ تو کلام یوں ہوگا، " جاوزتُ زیدًا مررتُ بہ"۔ کیونکہ جاوزتُ کا معنیٰ ہے کسی پر سے گزرنا۔ اور یہ مفعول چاہتا ہے۔

پھر صاحب کافیہ نے ایک مثال "زیدًا حُبِسْتُ علیہ" لایا ہے، اُسکی وضاحت: زیدًا کہ میں اُس پر بند کر دیا گیا۔ یعنی میں اُس پر روکا گیا۔ جب آپ کسی پر روکے گئے ہیں تو اس سے آپ کا اُس کے ساتھ تعلق آگیا۔ تو یہاں پر "لابستُ" محذوف نکالیں گے۔ ای "لابَسْتُ زیدً حبسْتُ علیہ"۔ لابستُ: میں متعلق ہوگیا۔ میں زید کے ساتھ متعلق ہوا، اُس پر روکا گیا۔ یہاں "حُبِسْتُ" کو زید پر مسلط نہیں کر سکتے، کیونکہ حُبستُ متعدی ہوا علیٰ کے ساتھ۔ اس وجہ سے یہ زیدًا کو نصب نہیں دے سکتا۔

مثلُ زیدا ضربتہ و زیدا مررت بہ و زیدا ضربت غلامہ و زیدا حُبسْتُ علیہ ان سب مثالوں کی وضاحت اوپر عبارت میں گزر گئی۔ یُنْصَبُ تو "ما اُضمر عاملہ علیٰ شریطۃ التفسیر" جو ہے، یہ منصوب ہوگا۔ یعنی ان مثالوں میں زید کو نصب دیا جائے گا بِفعلٍ ایسے فعل کے ساتھ مُضْمَرٍ جو مقدَّر ہے۔ یُفَسِّرُہُ ما بعدَہُ اور تفسیر بیان کر رہا ہے اُس کا مابعد اُس فعل کی۔ تو زید ان تمام مثالوں میں منصوب ہے ایسے فعل کے ساتھ جو کہ مقدر ہے، اور اُس مقدر فعل کی تفصیل مابعد والا فعل ادا کر رہا ہے۔

آگے صاحب کافیہ اُن تمام افعال کو بیان فرما رہے ہیں، جو کہ مضمر ہے۔ ای ضربت و جاوزت و اَھنتُ و لابَستُ

درس 49۔ آگے صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں، کہ "ما اضمر عاملہ علیٰ شریطۃ التفسیر" میں بعض اوقات رفع بھی پڑھا کرتے ہیں۔ نصب کی صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ اس کا عامل محذوف ہے، اور رفع کی صورت میں اس مبتدا بنا دیا کرتے ہیں۔ مثلاً زیدٌ ضربتُہُ میں زیدٌ مرفوع لفظًا مبتدا ہے اور ضربتُہُ پورا جملہ اسکی خبر ہے۔ اور زیدًا ضربتُہُ بھی جائز۔ لیکن زیدًا پڑھیں گے تو یہ "ما اضمر عاملہ علیٰ شریطۃ التفسیر" کے قبیل سے ہوگا۔ اور اگر زیدٌ پڑھیں گے تو پھر یہ مبتدا بن جائے گا۔ اور پھر مبتدا میں یہاں کوئی عامل مقدَّر نہیں۔

اب یاد رکھو، بعض جگہ ایسی ہیں جہاں رفع کا پڑھنا واجب ہوتا ہے، وہاں آپ نصب نہیں پڑھ سکتے۔ اور بعض جگہ ایسی ہیں جہاں نصب کا پڑھنا واجب ہوتا ہے، وہاں آپ رفع نہیں پڑھ سکتے۔ بعض جگہ ایسی ہیں جہاں دونوں کا پڑھنا جائز ہیں لیکن پسندیدہ نصب ہوتا ہے۔ بعض جگہ ایسی ہیں جہاں دونوں کا

پڑھنا جائز ہیں لیکن پسندیدہ رفع ہوتا ہے۔ اور بعض جگہ دونوں برابر ہوتے ہیں۔ تو یہ کل پانچ صورتیں بن گئیں۔ یعنی پہلی صورت رفع واجب، دوسری صورت نصب واجب، تیسری صورت رفع مختار(پسندیدہ) چوتھی صورت نصب مختار اور پانچویں صورت دونوں برابر۔ تو آگے صاحب کافیہ علامہ ابن حاجبؒ اُن پانچ صورتوں کے بارے میں بیان فرمائیں گا۔

و یُختارُ الرفْعُ اور رفع پسندیدہ ہے۔ یعنی رفع کو ترجیح دی جائے گی۔ رفع کو اختیار کیا جائے گآ۔

بالابتداء بسبب ابتدا کے۔ یعنی مبتدا ہونے کی وجہ سے رفع آئے گا۔ عندَ عدمِ قرینةِ خلافِہٖ جب کہ رفع کے خلاف کا قرینة موجود نہ ہو۔ یعنی نصب کا قرینة موجود نہ ہو۔ سوال یہ ہے کہ جب نصب کا قرینة موجود ہی نہ ہو تو پھر تو رفع کا پڑھنا واجب ہوتا ہے۔ یہ بات تو درست معلوم نہیں ہوتی۔ جواب یہ کہ یہاں ایک مضاف محذوف نکالو تو ساری عبارت صحیح ہو جائے گی۔ ای عندَ عدمِ قرینةِ تَرَجُّحِ خلافِہٖ: خلافہٖ سے مراد نصب ہے۔تو عبارت: عندَ عدمِ قرینةِ ترَجُّح نَصَبِ: جبکہ نصب کے راجح ہونے کا قرینہ نہ ہو۔ معلوم ہوا رفع کے راجح ہونے کا قرینہ ہوگا۔ تو اس وقت رفع پسندیدہ ہوگا۔ مثال اس کی: زیدًا ضربتُہٗ بھی پڑھ سکتے ہو۔ اور زیدٌ ضربتُہٗ بھی پڑھ سکتے ہو۔ زیدًا پڑھے تو یہ "ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر" ہوگا۔ اور اگر زیدٌ پڑھے تو یہ مبتدا ہوگا۔ یہاں قرینة دونوں کا ہے لیکن نصب کا قرینة راجح نہیں۔ لہٰذا رفع پڑھنا پسندیدہ ہے۔ یعنی زیدٌ ضربتُہٗ۔ اور اس صورت میں کلام حذف سے محفوظ رہے گا۔ اور یہ اولیٰ ہے۔ کیونکہ ذکر کرنا حذف سے افضل ہے۔ اور کلام اپنی اصل حالت میں رہے گا۔

خلافہٖ کی ہا ضمیر رفع کو راجع ہے۔ خلافِہٖ ای خلافِ رفع: اس سے مراد نصب ہے۔ کیونکہ یہاں پر دو ہی اعراب ہے۔ رفع اور نصب۔

او عندَ وجودِ اقویٰ منہا او عندَ وجودِ یا جب کہ پایا جائے اقویٰ زیادہ قوی منہا اُس قرینةِ خلافِہٖ سے۔ای قرینةِ نصب: یعنی نصب کے قرینة سے۔ یعنی نصب کے قرینة سے زیادہ قوی قرینہ پایا جائے رفع کا۔یعنی قرینة نصب کا بھی موجود ہے۔ اور قرینة رفع کا بھی موجود ہے۔ لیکن زیادہ قوی قرینة رفع کا ہے۔ منہا کی ہا ضمیر راجع ہے قرینةِ خلافِہٖ کو۔ آگے صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ کہاں کہاں پر زیادہ قوی قرینہ پایا جائے گا۔ کامَّا معَ غیرِ الطلبِ جب "اَمَّا" غیر طلب کے ساتھ آئے۔ یعنی ایسے فعل کے ساتھ آئے جس میں طلب نہ ہو۔ دیکھو "امّا" شرط کے لئے ہے۔ اور اس کے جواب میں "فا" آیا کرتی ہے۔ مثلاً، "اَمَّا زیدٌ فَمُنْطَلِقٌ"۔ امّا شرط ہے۔ اس کے جواب میں فا آئی۔ زیدٌ ہے مبتدا اور منطلقٌ اس کی خبر ہے۔ امّا چونکہ متضمن ہے معنیٰ شرط کو تو لہٰذا خبر پر ہم نے "فا" داخل کر دی۔

یہاں بات چل رہی ہے "ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر" کی۔ اور اوپر کی مثال میں منطلقٌ اسم ہے۔ لہٰذا یہاں امّا کے اندر "ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر" کی صلاحیت موجود نہیں۔ اور "ما اضمر عامله

علی شریطة التفسیر"میں اسم کے بعد فعل آتا ہے۔ جیسا کہ " لقیتُ القومَ و امّا زیدٌ فَاَکْرَمْتُهُ"۔ اب یہاں اکرمتُهُ فعل آیا۔ تو اب اس فعل کو دیکھنا ہوگا، کہ یہ فعل طلب کے لئے آرہا ہے یا غیر طلب کے لئے۔ اگر یہ فعل غیر طلب کے لئے ہو تو پھر رفع کا پڑھنا مختار ہوگا۔ اس لئے کہ "امّا" غیر طلب کے ساتھ آئی۔ اور اگر میں یوں کہتا، "لقیتُ القومَ وَ امّا زیدٌ فَاَکْرِمْهُ"۔ تو اب اَکْرِمْ کے اندر طلب ہے۔ کیونکہ اکْرم امر کا صیغہ ہے۔ اور امر، نہی، دعا، استفہام اور تمنّی طلب کے لئے آتے ہیں۔یعنی انشاء مراد لے لو۔ یعنی ان میں سے امّا کے ساتھ کوئی نہ ہو، تو پھر رفع پسندیدہ ہوگا۔

یہاں نصب کا قرینہ بھی موجود ہے لیکن رفع کا قرینة زیادہ قوی ہے۔ نصب کے قرینة کو سمجھنے کے لئے پہلے وصل اور فصل جان لینا چاہئے۔

وصل: جب دو جملوں کے درمیان حرف عطف ذکر کیا جائے، جیسا کہ، "ضربتُ زیدًا و اکرمتُ عمرًوا"۔

فصل: جب دو جملوں کے درمیان حرف عطف ذکر نہ کیا جائے۔ جیسا کہ، "ضربتُ زیدًا اکرمتُ عمرًوا"۔

اب یاد رکھو جب جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر کیا جائے تو کلام میں حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ تو اوپر کی مثال، "لقیتُ القومَ وَ امّا زیدٌ فاکرمتُهُ" کو اگر ہم "لقیتُ القومَ و امّا زیدًا فاکرمتُهُ" پڑھے۔ تو زیدًا سے پہلے ایک فعل اکرمتُ کو محذوف ماننا پڑے گا۔ تو کلام یوں ہو جائے گا، "لقیتُ القومَ و امّا اکرمتُ زیدًا فاکرمتُهُ"۔ اب اس میں جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر ہوا۔ تو دیکھو واو سے پہلے بھی جملہ فعلیہ ہے اور واو کے بعد بھی جملہ فعلیہ ہے۔ تو یہ عطف بتاتا ہے کہ نصب کا قرینہ موجود ہے اور یہ قرینہ ترجیح دے رہا ہے نصب کو۔

لیکن حرف عطف واو کے بعد آگے "امّا" آرہا ہے۔ اور اکثر یہ "امّا" جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد مبتدا واقع ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا اگر ہم اس کو "امّا زیدًا فاکرمتُهُ" پڑھے، تو اس میں زیدًا مبتدا نہیں۔ لہٰذا "امّا زیدٌ فاکرمتُهُ" پڑھیں گے اور یہ رفع کا قرینة ہوا۔ دیکھو وہ واو جو ماقبل میں آرہا ہے وہ نصب کا قرینة ہے، اور یہ امّا رفع کا قرینة ہے۔ اور یہ قرینة قوی ہے۔اور رفع کا قرینة قوی کیوں ہے؟ کیونک اس کے ساتھ ایک اور چیز کی تائید ہو رہی ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر آپ زیدٌ کو مبتدا بنائیں گے تو کلام حذف سے سلامت رہے گا۔ اور اگر آپ محذوف نکالے تو کلام حذف سے سلامت نہیں رہا۔ اور کلام کے اندر حذف اولیٰ نہیں بلکہ ذکر اولیٰ ہے۔ ذکر کرنا اصل ہے۔ پس کلام حذف سے سلامت رہے، اس نے ترجیح دی رفع والے قرینة کو۔

خلاصہ بحث: واو کے ذریعے ماقبل میں جملہ فعلیہ تھا تو مابعد میں بھی جملہ فعلیہ ہونا چاہئے۔ یہ قرینة ترجیح دے رہا ہے نصب کو۔ اور امّا اکثر اکثر جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے اور اس کے بعد مبتدا آتا ہے۔ تو یہ قرینة رفع کو ترجیح دے رہا ہے۔ اور ساتھ اس کی تائید بھی ہو رہی ہے، کہ اس صورت میں کلام

حذف سے محفوظ رہتا ہے۔ پس رفع کا قرینة زیادہ قوی ہوا۔ لہٰذا رفع پڑھا جائے گا۔ پس "کامّا مع غیر الطلب" کا یہ معنیٰ ہوا۔

بھئی اگر طلب ہو تو پھر، اس صورت میں نصب مختار ہے۔ اور یہ نصب کیوں مختار ہے؟ اس کی وضاحت: طلب والے فعل کے ساتھ مثال: "لقیتُ القومَ و امّا زیدًا فاکرِمْهُ"۔ اکرِمْ امر کا صیغہ ہے۔ تو دیکھو یہ "امّا" کے ساتھ فعل طلبی آیا۔ اگر ہم "امّا زیدٌ فاکرمْهُ" پڑھے، تو زیدٌ کو مبتدا بنائیں گے، اور اکرمْهُ فعل، انت ضمیر اسکے اندر اسکا فاعل، ہا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہٖ کی جو کہ راجع ہے زیدٌ مبتدا کو۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول به سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر یہ خبر ہوئی زید کے لئے۔ اور جملہ انشائیہ خبر نہیں بنا کرتا کبھی بھی۔ یعنی اگر امّا کے بعد فعل طلبی آیا۔ تو یہ فعل طلبی کبھی بھی خبر نہیں بنتا۔

جملہ انشائیہ یعنی فعل طلبی جب بھی خبر واقع ہوتا ہے، علماء اس میں "مَقُولٌ فیه" کی تاویل کرتے ہیں۔ مثلاً، زیدٌ مقولٌ فیه اکرِمْهُ۔ زید کہ کہا گیا ہے اُس کے بارے میں اُس کا اکرام کرو۔

پس جب فعل طلبی خبر نہیں بن سکتا، تو زید کو مبتدا نہ بناؤ، بلکہ زید کو "ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر" بناؤ۔ اور "زیدًا اکرِمْهُ" پڑھو۔ اور "اکْرِمْ زیدًا اکرمْهُ" بنا۔ پس زیدٌ کی صورت میں تاویل کرنا پڑتی، اور یہاں بغیر تاویل کے کلام درست ہوا۔ لہٰذ جب "امّا" کے بعد فعل طلبی آئے تو نصب اولیٰ ہے۔

و اذا للمفاجاةِ اور دوسرہ مقام وہ ہے جب "اذا" آجائے مُفاجاة کے لئے۔ تو اس کے بعد بھی رفع کا پڑھنا پسندیدہ ہے۔ اذا مفاجاتیه "اچانک" کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔

وضاحت: یاد رکھو "اذا مفاجاتیه" اکثر اکثر جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے۔ کبھی کبھار جملہ فعلیہ پر بھی داخل ہو جاتا ہے۔ بعض علماء تو انکار کرتے ہیں، کہ یہ جملہ فعلیہ پر داخل نہیں ہوتا۔ لیکن صاحب کافیه علامه ابن حاجبؒ کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ فعلیہ پر کبھی کبھی داخل ہو سکتا ہے۔

مثلاً "خرجتُ فاذا زیدٌ یضربُهُ عمرٌو"۔ میں نکلا، بس اچانکہ زید کہ پٹھائی کر رہا تھا اُسکی عمرو۔ پس اذا مفاجاتیه کے بعد اکثر جملہ اسمیہ آتا ہے۔ اور کبھی کبھار نصب یعنی جملہ فعلیہ بھی آتا ہے، لیکن بڑا ہی قلیل ہے۔ لہٰذا رفع کا قرینه قوی ہوا۔

فاذا زیدُ یضربُهُ عمرٌو کی ترکیب۔ زیدٌ مبتدا، یضربُ فعل ، ہا ضمیر مفعول به جو ک زید کو راجع ہے، عمرٌو فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر خبر۔ مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ ہوا۔

خرجتُ فاذا زیدًا یضربُهُ عمروٌ کی ترکیب۔ تو یہ "خرجتُ فاذا یضربُ زیدًا یضربُهُ عمروٌ" ہو جائے گا۔ تو پھر یہ جملہ فعلیہ بن جائے گا۔

یہ تھے رفع کے مختار ہونے کی جگہیں۔ اب صاحب کافیہؒ نصب کے مختار ہونے کی جگہوں کے بارے میں بتلائے گا۔

و یختار النصبُ بالعطفِ علیٰ جُملةٍ فعلیةٍ اور نصب مختار ہوگا جملہ فعلیہ پر عطف کرنے کے سبب سے۔ للتناسب تناسُب کی وجہ سے۔ یعنی مناسبت کی وجہ سے۔ کیونکہ وصل کے اندر حسن اس سے زیادہ ہوتا ہے کہ جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر کیا جائے۔ مطلب یہ کہ حرف عطف سے پہلے جملہ فعلیہ ہو، تو حرف عطف کے بعد جملہ فعلیہ پسندیدہ ہے۔ اور جملہ فعلیہ پھر نصب کی صورت میں آئے گا۔ یعنی زید پر پھر نصب آئے گا۔ مثلاً "ضربتُ زیدًا و عمروًا اکرَمْتُهُ"۔ یہاں معطوفٌ علیہ "ضربتُ زیدًا" جملہ فعلیہ ہے۔ تو آگے، "عمروًا اکرَمْتُهُ" معطوف بھی جملہ فعلیہ لایا۔ اور کلام یوں ہو جائے گا، "اکرمتُ عمروًا اکرمتُهُ"۔ تو جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر پسندیدہ ہونے کی وجہ سے یہاں نصب پسندیدہ ہے۔ اور یہاں پر رفع بھی جائز ہے۔ یعنی ضربتُ زیدًا و عمرٌو اکرَمْتُهُ۔ تو اس صورت میں جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر ہوا۔ اور یہ جائز ہے لیکن زیادہ پسندیدہ نصب ہے۔

و بعدَ حرفِ النَّفْیِ اگر حرف نفی کے بعد آئے۔ تو پھر بھی نصب مختار ہوگا۔ نفی سے مراد، "ما، لا، اِنْ" وغیرہ ہے۔ مثلاً "ما زیدًا ضربتُهُ"۔ اسی طرح "لا" لے آؤ۔ مثلاً "لا زیدًا ضربتُهُ"۔ حروف نفی عموماً فعل پر داخل ہوتے ہیں۔ فعل کے نفی کے لئے آتے ہیں، جبکہ ذات کی نفی کے لئے نہیں۔ و الاستفہام اور حرف استفہام کے بعد بھی نصب مختار ہوگا۔ مثلا "اَ زیدًا ضربتَهُ"۔ تقدیر کلام یوں ہے، اَ ضربتَ زیدًا ضربتَهُ۔

درس 50۔ واذا الشَّرطیةِ اور اگر اذا شرطیة کے بعد آجائے تو پھر بھی منصوب پڑھنا مختار ہو گا۔ مثلاً، "اذا زیدًا تَجِدْهُ فَاَکْرِمْهُ"۔ جب تو زید کو پائے تو اسکا اکرام کر۔ اصل کلام" اذا تجد زیدًا تجدْه فاکرمه"۔

و حیثُ اور جب وہ اسم حیثُ کے بعد آئے، تو بھی منصوب پڑھنا مختار ہوگا۔ اور حیثُ بھی وہ جو شرط کے لئے آئے۔ "حیثُ زیدًا تَجِدْهُ فَاَکْرِمْهُ"۔ اصل کلام: حیثُ تجد زیدًا تجده فاکرمْهُ۔ وہی مثال، ہاں فرق یہ ہے کہ "اذا" آئے گا زمانہ کے لئے، حیثُ آتا ہے مکان کے لئے۔"اذا زیدًا تَجِدْهُ فَاَکْرِمْهُ"۔ جب تو زید کو پائے تو اسکا اکرام کر۔ ی جب وقت کے لئے آتا ہے۔ حیثُ زیدًا تَجِدْهُ فَاَکْرِمْهُ کا ترجمہ: جہاں تو زید کو پائے تو اسکا اکرام کر۔ جہاں یہ مکان کے لئے آتا ہے۔

اذا شرطیہ اور حیثُ شرطیہ جب بھی آئیں تو اس کے بعد نصب پڑھیں گے۔ اس لئے کہ یہ شرط کے لئے ہیں۔ اور شرط کہتا ہے، ایک چیز کو دوسرے چیز کے ساتھ مُعَلَّق کرنا۔ تو شرط آیا کرتی ہے تعلیق کے لئے۔ اور تعلیق ہوا کرتی ہے زمانے کے اندر۔ اور زمانہ ہوتا ہے فعل کے اندر۔

و فی الامر والنہی اور امر اور نہی کے اندر بھی نصب پڑھنا مختار ہے۔یعنی اس اسم کے بعد امر اور نہی آجائے، تب بھی اس اسم پر نصب پڑھیں گے۔ مثلا، زیدًا اِضرِبْهُ۔ اصل کلام: اِضْرِبْ زیدًا اضربْهُ۔ اگر ہم یہاں "زیدٌ اضربْهُ" پڑھتے، تو اضربْهُ جملہ فعلیہ انشائیہ ہے۔ اور جملہ فعلیہ انشائیہ کبھی خبر نہیں بنا کرتے، الّا کہ اس میں تاویل کیا جائے، یعنی "زیدٌ اقولُ فیہ اِضربْهُ" کہا جائے۔

زیدٌ اقولُ فیہ اضربْهُ کی ترکیب۔زید مبتدا، اقولُ فعل بافاعل، فیہ متعلق ہوا اقولُ سے، اِضْرِبْهُ فعل، انتَ ضمیر اسکا فاعل، ہا ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا اقولُ کے لئے، اقولُ فعل، اپنے فاعل، متعلق اور مقولے سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی مبتدا زید کے لئے۔

تو اس میں ہمیں تاویل کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں نصب پڑھنا بہتر ہے۔

نہی میں بھی اس طرح ہے۔ مثلاً، زیدًا لا تَضْرِبْهُ۔

اِذْ ھی مَواقِعُ الفعلِ اس لئے کہ یہ فعل کے واقع ہونے کی جگہیں ہیں۔ و عندَ خوفِ لُبسِ الْمُفَسِّرِ بالصفةِ اور اُس وقت بھی نصب پسندیدہ ہے، جب خوف ہو مُفَسِّر کی التباس کا صفت کے ساتھ۔

مثلُ اِنّا کُلَّ شیءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ط کُلَّ شیءٍ کو منصوب پڑھا اور "ما اضمر علیٰ شریطة التفسیر" کے قبیل سے بنایا۔ اصل عبارت، "اِنّا خَلقنا کلَّ شیءٍ خلقنٰهُ بقدرٍ ط" بن گئی۔ اس میں یہ پہلے والا خلقنا مفسَّر ہے اور یہ بعد والا خلقنا مُفَسِّر ہے۔ اور اس مفسِّر کا التباس صفت کے ساتھ لازم آئے گا اگر کل شئ پر رفع پڑھا جائے۔ جسکی وضاحت ذیل میں "انّا کلُّ شیءٍ خلقنٰهُ بقدر" کی ترکیب میں درج ہے۔

اس میں ایک ترکیب "اِنَّا کُلُّ شَیءٍ خلقْنٰهُ بقدر" یہ بھی ہو سکتی ہے۔ اِنّ حرف از حروف مشبہ بالفعل، نا منصوب محلاً اسکا اسم، اور "کُلُّ شَیءٍ خلقنٰهُ بقدر" یہ پورا جملہ ملکر اِنَّ کی خبر بن رہا ہے۔ کلُّ مرفوع لفظًا مضاف، شیءٍ مجرور لفظًا مضافٌ الیہ، مضاف، مضاف الیہ ملکر مبتدا، خلقنٰهُ فعل با فاعل، نا ضمیر مرفوع متصل اسکا فعال، ہا ضمیر منصوب محلاً ذوالحال، اور بِقَدَرٍ اس سے حال بنے گا ظرف مستقر ہو کر۔ با جارّہ قدرٍ مجرور لفظًا، جار اپنے مجرور کے ساتھ ملکر ثابتًا سے متعلق ہوا۔ ثابتًا اس لئے کیونکہ حال منصوب ہوتا ہے۔ ثابتًا منصوب لفظًا صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل،جو کہ راجع ہے ذوالحال کو۔ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلّق سے ملکر شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے ملکر یہ مفعول ہوا خلقنا کے لئے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی مبتدا کی۔ "کلُّ شیءٍ" مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ ہو کر یہ خبر ہوئی "اِنَّ" کے لئے۔ اِنَّ اپنے اسم "نا" اور خبر "کلُّ شئ خلقنٰهُ بقدر" سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترجمہ: یقینًا ہم کہ ہر وہ چیز جو ہے اس کو ہم نے پیدا کیا ہے ایک اندازے سے۔ اور اگر ہم "انّا کلَّ شیءٍ خلقنٰهُ بقدر" حالت نصب والا لے لیں تو پھر بھی یہی ترجمہ بنتا ہے۔ لیکن اس رفع والی حالت میں ایک شبہ پڑھتا ہے۔ اور وہ شُبہ یہ ہے کہ ، "کُلُّ شیءٍ" نکرۃ ہے، اور "خلقنٰهُ " فعل ہے۔ اور نکرۃ کے بعد جب فعل واقع ہو جائے تو عموماً وہ

فعل اُس نکرة کے لئے صفت بنا کرتا ہے۔ یاد رکھو نکرة کی اضافت جب نکرة کی طرف ہو تو وہ نکرة ہی رہتا ہے۔ اور اگر معرفة کی طرف اضافت ہو تو وہ معرفة بنتا ہے۔ تو یہاں کُلُّ نکرة کی اضافت شیءٍ نکرة کی طرف کی گئی۔ اور نکرة کی اضافت نکرة کی طرف ہے تو وہ نکرة ہی رہتا ہے۔ تو یہاں بھی "کلُّ شیءٍ" نکرة آیا، اور شُبہ پڑھتا ہے کہ "خلقنٰہُ " یہ "کلُّ شیءٍ" کی صفت ہے۔ اور خبر آگے ہے، "بقدرٍ"۔

خلاصہ یہ کہ اگر ہم "کلُّ شَیءٍ" پر رفع پڑھیں، تو "خلقنٰہُ بقدرٍ" یہ ساری اسکی خبر ہے۔ لیکن اس صورت میں وہم پڑتا ہے، کہ شائد خبر "بقدرٍ" ہے۔ اور "خلقنٰہُ" کلُّ شیءٍ کے لئے صفت ہے۔ اور اس سے معنیٰ خراب ہو جاتا ہے۔ تو دیکھو التباس آرہا ہے خبر کا صفت کے ساتھ۔ لہٰذا نصب پڑھنا اولیٰ، کہ اس صورت میں پھر یہ خرابی لازم نہیں آتی۔

اگر ہم خلقنٰہُ کو کلُّ شیءٍ کی صفت بنا دیں گے، اور بقدرٍ کو خبر۔ تو ترجمہ یوں بنے گا۔ اور ہم نے پڑھا ہے کہ موصوف صفت کا ترجمہ کرتے ہوئے، "ایسا" یا ایسی کا لفظ لے آتے ہیں۔ ترجمہ : بے شک کہ ہم ہر ایسی چیز جسے ہم نے پیدا کیا ہے، وہ ایک اندازے کے ساتھ ہے۔ اس معنیٰ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہے کہ جسے اللہ نے پیدا نہیں فرمایا۔ حالانکہ ہر چیز کی خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

اور اگر کلَّ شیءٍ کو منصوب پڑیں، تو یہ "ما اضمر علیٰ شریطة التفسیر" کے قبیل سے ہوا۔ اور یہاں خلقنا فعل محذوف نکالیں گے۔ تو اس سے معنیٰ میں خرابی نہیں آتی۔ لہٰذا کل شئ کو مرفوع بھی پڑھا جاسکتا ہے اور منصوب بھی۔ لیکن منصوب پڑھنا اولیٰ ہے۔

آگے صاحب کافیه اُن جگھوں کے بارے میں بتلائے گا جہاں رفع اور نصب دونوں پڑھنا برابر ہیں۔ وَیَستوِی الامرانِ اور دونوں جگہیں برابر ہیں۔ یعنی رفع پڑھنا بھی ٹھیک اور نصب پڑھنا بھی ٹھیک۔ فی مثلِ اس قسم کے مثالوں میں زیدٌ قام و عمرًوا اکرَمْتُهُ یہاں آپ زیدٌ قام و عمرٌو اکرَمْتُهُ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے، کہ جس کو آپ "ما اضمر عامله علیٰ شریطة التفسیر" بنانا چاہتے ہیں۔ اس کا عطف ہو رہا ہو ماقبل جملے پر۔ اور ماقبل میں ایسا جملہ اسمیہ ہو کہ جسکا خبر فعل یعنی جملہ فعلیہ ہو۔ اور "زیدٌ قام" ایسا جملہ اسمیہ ہے کہ جسکا خبر جملہ فعلیہ ہے۔ اس پر آگے "عمرًوا اکرَمْتُهُ" کا عطف آرہا ہے۔ تو عمرًوا پڑھنا بھی جائز اور عمرٌوا پڑھنا بھی جائز۔

دونوں کیوں برابر ہیں؟ اسکی وضاحت:

اگر اس کو عمرٌو اکرمْتُهُ بنا دیں گے، تو حرف عطف سے ماقبل بھی جملہ اسمیہ اور مابعد میں بھی جملہ اسمیہ۔ تو جملہ کا عطف جملہ پر ہو جائے گا۔ اور پہلا جملہ بھی اسمیہ اور ثانی جملہ بھی اسمیہ۔ تو اس سے حُسَن آیا۔

اور اگر آپ اسکو عمرًوا پڑھتے ہیں۔ تو پھر جملہ یوں بنے گا، "زیدٌ قامَ و اکرمتُ عمرًوا اکرَمْتُهُ"۔ تو اکرمتُ عمرًوا ہوا مفسَّر اور اکرمتُهُ ہوئی اسکی تفسیر۔ مُفسَّر تفسیر ملکر انکا عطف ہوگا ماقبل پر۔ اور پھر اسکا عطف قام پر کر دیں گے۔ قامَ جملہ فعلیہ ہے، اور "اکرمتُ عمرًوا اکرمتهُ" بھی جملہ فعلیہ ہے۔ تو جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر آیا۔ تو اس سے بھی حُسَن آیا۔ لہذا عمرٌو اور عمرًوا دونوں پڑھنا جائز ہیں۔

نوٹ: قامَ پورا جملہ معطوفٌ علیہ ہے۔ اسکے اندر ھو ضمیر عائد ہے جو کہ راجع ہے مبتدا زیدٌ کو۔ لیکن اکرمتُ عمرًوا جو کہ مفسِّر اور اکرمتُهُ تفسیر ہے۔ مفسِّر اور تفسیر ملکر یہ معطوف ہوا۔ لیکن اس معطوف کے اندر کوئی عائد نہیں جو زیدٌ مبتدا کولوٹے۔ اکرمتهُ کی ہا ضمیر عمرًوا کو راجع ہے۔ تو اس صورت میں معطوف کے اندر عائد کو مخذوف ماننا پڑے گا۔ یعنی "اکرمتُ عمرًوا اکرمْتُهُ فی دارِہٖ" یا "اکرمتُ عمرًوا اکرمتُهُ عندَهُ"۔ کوئی ایک محذوف نکالنا پڑے گا۔ اور معطوف میں عائد اس لئے نکالا، کیونکہ معطوف اور معطوفٌ علیہ کا حکم ایک ہوتا ہے۔ جب معطوفٌ علیہ میں عائد ہو تو معطوف میں بھی عائد موجود ہونا چاہئے۔

اختیار نصب والی جگہیں بھی گزر گئیں۔ اور اختیار رفع والی جگہیں بھی گزر گئیں۔ اور جہاں دونوں کا پڑھنا برابر تھا، وہ جگہیں بھی گزر گئیں۔ اب صاحب کافیہ ؒ وہ جگہیں بتلاتے ہیں جہاں پر نصب کا پڑھنا واجب ہیں۔ وَ یَجِبُ النَّصْبُ بعدَ حرفِ الشَّرطِ و حرفِ التَّحضِیضِ اور نصب واجب ہے حرف شرط کے بعد اور حرف تحضیض کے بعد۔ حروف شرط تین ہیں۔ اِنْ، لَوْ اور اَمَّا۔ اَمّا کی بات پہلے گزر چکی ہے۔ کہ اگر اَمَّا طلبی کے ساتھ ہو تو نصب پسندیدہ، اور اگر اَمَّا غیر طلبی کے ساتھ ہو تو رفع پسندیدہ۔ اب بات رہ گئی اِنْ اور لَوْ کی۔ تو حروف شرط سے یہاں "اِنْ اور لَوْ" مراد ہیں۔ ان دونوں کے بعد جب اسم آئے گا تو اس پر نصب پڑھنا واجب ہے۔

جیسا کہ "اِنْ زیدًا ضربتَهُ" میں آپ "اِنْ زیدٌ ضربتَهُ" نہیں پڑھ سکتے۔ تو یہاں نصب پڑھنا واجب ہے۔ اور نصب پڑھنا اس لئے واجب ہے کہ یہ اِنْ اور لَوْ حرف شرط ہے، اور حرف شرط ہمیشہ فعل پر داخل ہوتا ہے۔ س۔ یہ فعل پر کیوں داخل ہوتے ہیں؟ ج۔ کیونکہ یہ آتے ہیں شرط کے لئے، اور شرط میں تعلیق ہوتی ہے۔ اور تعلیق زمانے کے اندر ہوتی ہے۔ اور زمانہ فعل کے اندر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں "اِنْ زیدًا ضربتَهُ" پڑھیں گے، اور اصل عبارت، "اِنْ ضربتَ زیدًا ضربتَهُ" ہے۔ تو دیکھو یہ "اِنْ" فعل پر داخل ہوا۔ مثلُ اِنْ زیدًا ضربتَهُ ضربَکَ اگر تو نے زید کی پٹھائی کی تو وہ بھی آپ کی پٹھائی کرے گا۔

حروف تحضیض: هَلَّا، اَلَّا، لَوْ لَا اور لَوْمَا ہیں۔ یہ کسی کام پر دوسرے کو اُبھارنے کے لئے آتے ہیں۔ جیسا کہ، "هَلَّا تضربُ زیدًا: تو زید کی پٹھائی کیوں نہیں کرتا۔ یعنی تجھے زید کی پٹھائی کرنی چاہئے۔"

آگے صاحب کافیه حرف تحضیض کی مثال پیش کر رہا ہے۔اور اگر حرف تحضیض آجائے، اور اس کے بعد اسم آجائے تو اب بھی نصب کا پڑھنا واجب ہے۔ اور مبتدا بناتے ہوئے رفع پڑھنا جائز نہیں۔ کیونکه یه تحضیض کے لئے ہیں۔ اُبھارنے کے لئے ہیں۔ اور اُبھارا کسی فعل پر کیا جاتا ہے۔

یاد رکھو یه حروف تحضیض ماضی پر بھی داخل ہوتے ہیں، اور مستقبل پر بھی۔ اگر مستقبل پر داخل ہو، پھر تو ابھارنے کے لئے ہے۔ جیسا که، هَلَّا تَضْرِبُ زیدًا: تو زید کی پٹھائی کیوں نہیں کرتا۔ یعنی تجھے زید کی پٹھائی کرنی چاہیئے۔ اور کبھی یه ماضی پر بھی آتا ہے، جیسا که، هَلَّا ضَرَبْتَ زیدًا: تو نے زید کی پٹھائی کیوں نہیں کی۔ یه ملامت کے لئے ہے۔ تو یه ملامت کر رہا ہے ایک فعل کے نه کرنے پر۔

پس یاد رکھو یه حروف تحضیض، هَلَّا، اَلَّا، لَوْلَا اور لَوْمَا کبھی اُبھارنے کے لئے آتے ہیں، اور کبھی ملامت کرنے کے لئے۔ لیکن ملامت فعل کے نه کرنے پر کیا جائے گا، اور اُبھارا فعل کے کرنے پر کیا جائے گا۔ تو یه فعل کے کرنے یا نه کرنے پر ملامت یا ابھارنے کے لئے آتے ہیں، لہٰذا تو یه داخل بھی فعل پر ہی ہوں گے اور اسم پر داخل نہیں ہوں گے۔ وَاَلَّا زیدا ضربتَهُ

درس 51۔ صاحب کافیه ؒ ایسی جگه ذکر فرما رہے ہیں، جہاں ہمزه استفہام کے بعد اسم پر رفع پڑھنا واجب ہے۔ اور جہاں پر رفع واجب ہوتا ہے تو یه "ما اضمر عامله علیٰ شریطة التفسیر" کے قبیل سے سرے سے ہے ہی نہیں۔

اَ زیدٌ ذُهِبَ بِهٖ کی ترکیب۔ ہمزه استفہام زیدٌ مرفوع لفظًا مبتدا ، ذُهِبَ فعل مجہول،آگے ہا ضمیر نائب الفاعل ذُهبَ کے لئے۔ با جارّه، ها ضمیر مجرور محلاً محلّ قریب کے اعتبار سے، اور ہا ضمیر مرفوع محلاً ہے محلّ بعید کے اعتبار سے کیونکه یه ذُهبَ کے لئے نائب الفاعل ہے۔ جار مجرور ملکر متعلق ہوئے ذُهبَ فعل سے۔ ذُهب فعل اپنے متعلق اور نائب الفاعل سے ملکر جمله فعلیه ہو کر زید کے لئے خبر۔ مبتدا اپنی خبر سے ملکر جمله اسمیه انشائیه ہوا۔

اب یہاں پر زیدٌ کو "ما اضمر عامله علیٰ شریطة التفسیر" کی قبیل سے نہیں بنا سکتے۔ اس لئے که جب اُس فعل یا فعل کے مناسب کو اُس اسم پر مسلط کرے تو وه اُس اسم کو نصب دے گا۔ لیکن یہاں اگر ذُهب فعل زید پر مسلط کرے تو یه زید کو نصب نہیں دے سکتا۔ اور اگر ذُهب کے مناسب اُذْهِبَ کو زید پر مسلط کرے تب بھی یه زید کو نصب نہیں دے سکتا اور زید کو اپنا نائب الفاعل بنائے گا۔

تو معلوم ہوا که یه " ما اضمر عامله علیٰ شریطة التفسیر" کے قبیل سے نہیں۔ کیونکه یہاں ذُهبَ کو بھی مسلط نہیں کر سکتے اور اس کے مناسب اُذْهِبَ کو بھی مسلط نہیں کر سکتے۔ تو معلوم ہوا یہاں نصب پڑھنا جائز نہیں بلکه رفع پڑھنا واجب ہے۔

و لیس اَزیدٌ ذُهِبَ بِهٖ منهُ اور "اَزیدٌ ذُهِبَ بِهٖ" یه "ما اضمر عامله علیٰ شریطة التفسیر" میں سے نہیں ہے۔ اس کی تفصیل اوپر گزر گئی۔ آگے فالرفعُ میں یه "فا" فصیحه کہلاتا ہے۔ فائے فصیحه وه ہوتی ہے جو

شرط محذوف پر دلالت کرے۔ یہاں شرط "اِذا کانَ الامْرُ کذٰلک" محذوف ہے۔ ای "اِذا کانَ الاَمْرُ کذٰلکَ فالرَّفْعُ"۔ نیز الرفعُ مبتدا ہے اور "واجبٌ" اسکی خبر محذوف ہے۔ فَالرَّفْعُ ای اذا کانَ الامْرُ کذالک فالرَّفْعُ واجبٌ: اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو پھر رفع واجب ہے۔ یعنی جب یہ "ما اضمر عامله علیٰ شریطة التفسیر" کی قبیل سے ہے ہی نہیں، تو پھر رفع پڑھنا واجب ہے۔

و کذلکَ اور اسی طرح یہ آیت بھی ہے۔ کُلُّ شیءٍ فَعَلُوْهُ فِی الزُّبُرِ پہلی ترکیب:(یہاں کلُّ شیءٍ نکرہ ہے اور اس کے بعد فعل آیا ہے۔ تو عموماً یہ موصوف صفت بنتے ہیں۔) کلُّ شیءٍ:موصوف، فَعَلُوْهُ: اسکی صفت، موصوف صفت ملکر مبتدا، فی الزُّبر خبر: ترجمہ: کلُّ شیءٍ: ہر ایسی چیز، فَعَلُوْهُ: جو اُنہوں نے کی ہیں، فی الزُّبُرِ: وہ صحیفوں میں ہیں۔ زبُر یہ جمع ہے زَبور کی۔ اور زبور صحیفے کو کہتے ہے۔ یعنی نامۂ اعمال مراد ہے۔

اگر کلُّ شیءٍ کو منصوب پڑھتے تو پھر معاملة خراب ہو جاتا۔ اسی لئے کہتے ہیں، کہ یہ "ما اضمر عامله علیٰ شریطة التفسیر" کے قبیل سے نہیں۔ اگر ہم "کلَّ شیءٍ" پڑھے، تو پھر اس کے لئے فعل محذوف "فعلوا" نکالتے۔ یعنی "فعلوا کلَّ شیءٍ فعلوهُ فی الزُّبُرِ"۔ تو یہ جملہ فعلیہ بن جاتا۔ اور جملہ فعلیہ کے لئے کسی خبر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور "فی الزُّبُرِ" کو جو ہم نے پہلے خبر بنایا تھا، اب یہ خبر نہیں بن سکتا، یا تو یہ "فعلوا" اسی فعل سے متعلق ہو جائے گا۔ نیز ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جار مجرور جب نکرہ کے بعد آئے تو وہ صفت بنتا ہے۔ اور یہاں "کلَّ شیٍ نکرة ہے، اور آگے فی الزُّبرِ جار مجرور یہ "کلَّ شیءٍ" کے لئے صفت بن جائے گا۔ تو "فی الزُّبر" میں دو صورتیں ہیں۔ چونکہ موصوف صفت کے درمیان فصل جائز نہیں۔ لیکن فرض کریں ہم پھر بھی اس کو موصوف صفت بنا ہی لیتے۔ تو پھر بھی دونوں صورتوں میں معنیٰ درست نہیں رہتا۔

پہلی صورت: ہم اس میں "فی الزُّبرِ" کو متعلق کرتے ہیں، فعل سے۔ ای فعلوا کلَّ شیءٍ فعلوهُ فی الزبرِ: تو اس صورت میں، صحیفے یعنی نامۂ اعمال اُن کے وُقوع فعل کی جگہ بن جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ وقوع فعل کی جگہ نہیں۔ مثال سے بات سمجھ میں آئیگی۔ مثلاً ضربتُ زیدًا فی الدار۔ تو یہ فی الدار متعلق ہے ضربتُ سے۔ اور اسکا معنیٰ یہ ہے کہ یہ ضربٌ گھر میں واقع ہوئی ہے۔ اب دیکھو، "فعلوهُ فی الزبرِ" : ہر چیز اُس نے صحیفوں میں کی ہے۔ یعنی نامۂ اعمال میں کی ہے۔ یعنی یہ فعل نامۂ اعمال میں سر انجام دیا ہے۔ یعنی وہ نامۂ اعمال وقوع فعل کا محل بن گیا، حالانکہ نامۂ اعمال میں یہ فعل سرانجام نہیں دیا گیا ہے۔ تو اس سے معانی میں خرابی آگئی۔ کیونکہ "فی" آیا ہے۔ اور فی ظرفیت کے لئے آتا ہے۔ اور یہ بتلاتا ہے کہ مابعد ظرف ہے۔ تو فعلوه فی الزبر میں بھی فی آیا، تو معلوم ہوا کی فعل کی وقوع کی جگہ زُبر ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ وہاں تو صرف لکھا جاتا ہے۔ فعل تو دنیا کے اندر سرانجام دیا جاتا ہے۔

دوسری صورت: اگر ہم "فی الزبر" کو "کُلَّ شَيءٍ" کے لئے صفت بنائے۔ تو پھر بھی معنیٰ خراب ہو جاتا ہے۔ اور اس صورت میں "فعلُوا کُلَّ شَيءٍ فِی الزُّبُرِ فَعلوهُ" معنیٰ بن جائے گا۔ "فی الزبر" کو صفت بنایا تو "کلَّ شيءٍ" کے ساتھ لکھا۔ تو معنیٰ یوں بن جائے گا۔ فعلُوا اُنھوں نے کیا کُلَّ شَيءٍ ہر اُس چیز کو جو فِی الزُّبُرِ جو صحیفوں کے اندر ہے۔ یعنی صحیفوں میں جو کچھ ہیں، وہ کام اُنھوں نے کیا۔ تو معنیٰ خراب پڑتا ہے۔ اس لئے کہ جو کچھ صحیفوں میں لکھا ہے وہ انسان کو کرنا پڑتا ہے یا جو انسان کرتا ہے وہ صحیفوں میں لکھا جاتا ہے۔ تو ظاہری بات ہے جو انسان کرتا ہے وہی صحیفوں میں لکھا جاتا ہے۔ تو اب یہی معنیٰ بنتا ہے کہ جو کچھ صحیفوں میں لکھا گیا ہے، انھوں نے وہ کیا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ یعنی یہاں مجبور ہونے والا معنیٰ آگیا۔ تو یہ بھی درست نہیں۔ لہٰذ رفع پڑھنا واجب،" کلُّ شيءٍ فعلوهُ فی الزبرِ"۔ تو اس صورت میں "کلُّ شيءٍ موصوف، فعلوهُ اس کی صفت، موصوفت صفت ملکر مبتدا، اور فی الزبر خبر۔

ترجمہ: ہر وہ چیز جو انھوں نے کی ہے وہ صحیفوں میں ہے۔

و نحوُ الزَّانيةُ و الزَّانِی فَاجْلِدُوا کُلَّ واحدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ

یاد رکھو! آپ نے سُنا ہے، سات قرأتیں مشہور ہیں۔ اور اُن ساری قرأتوں کے اندر "الزَّانيةُ والزَّانِیْ" کو مرفوع پڑھا گیا ہے۔ حالانکہ بظاہر تو یہ خیال آتا ہے کہ یہاں نصب پسندیدہ ہونا چاہئے۔ بھئی یہ نصب کیوں پسندیدہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہم نے نصب کے پسندیدہ ہونے کی جگہیں صاحب کافیہ علامہ ابن حاجبؒ نے یہ لکھی تھیں، "و یُخْتارُ النصبُ بالعطفِ علی جملةٍ فعليةٍ للتناسُبِ وَ بعدَ حرفِ النَّفْیِ و الاستفهامِ وَ اِذَا الشَّرْطِيَّةِ و حيثُ و فی الامرِ والنَّهْیِ"۔یعنی کہ "امر اور نہی" کے اندر نصب پسندیدہ ہے۔ یعنی اُس اسم کے بعد "امر اور نہی" آنا چاہئے۔ اور یہاں بھی "الزانيةُ والزَّانِی" کے بعد امر "فاجلدوا" آرہا ہے۔ اور امر کے آنے سے نصب پسندیدہ ہوتا ہے۔ تو یہاں بھی بظاہر یہ لگتا ہے کہ نصب کا پڑھنا پسندیدہ ہونا چاہئے۔ لیکن ان سات کے سات قرأتوں کے اندر قُرَّأ حضرات نے رفع ہی پڑھا ہے۔

تو اب "الزانيةُ والزَّانی" کو اس ضابطہ سے نکالیں گے، نحوی محتاج ہوئے کہ اس میں حیلہ کریں، اس لئے کہ اگر اس میں حیلہ نہیں کرتے تو اس جگہ میں نصب پسندیدہ ہے۔ اور قُرَّاء سارے رفع پڑھ رہے ہیں۔ یعنی سارے قرّاء غیر مُختار پر اکھٹے ہوئے۔ تو یہاں حیلہ کرنے کے لئے دو مذاہب ہیں۔ ایک امام مُبرِّدؒ کا ہے۔ (یہ لفظ معروف مُبَرَّدْ ہے۔ لیکن استاد محترم مولانا محمد زہیر روحانی بازی مد ظله العالی کو مُبَـرِّدْ کہنا پسند ہے۔ کہتے ہیں یہ اُن کے استاد نے اُنہیں کہا تھا، اُن سے کسی بات پر خوش ہوئے تھے، تو فرمایا، "اَنتَ المُبَـرِّدْ": یعنی آپ حق کو ثابت کرنے والے ہے۔ تو بعد میں مخالفین نے مُبَـرِّدْ کو مُبَـرَّدْ سے بدل دیا۔) امام مبرد اسکو ایک جملہ بناتے ہیں، جبکہ امام سیبویہؒ انکو دو جملے بناتے ہیں۔

مبتدا کے اندر ہم نے پڑھا تھا، کہ کبھی کبھار مبتدا کے اندر شرط والا معنیٰ پایا جاتا ہے، تو اس کی خبر پر "فا" کا داخل کرنا جائز ہے۔ اور یہ "فا" کا داخل کرنا اُس وقت ہے جب مبتدا میں ایسا اسم

موصول ہو جسکا صلہ فعل ہو یا ظرف ہو۔ یا مبتدا ایسا نکرہ ہو کہ ظرف یا فعل کے ساتھ موصوف ہو رہا ہو۔ تو یہ بھی اُسی طرح کا مقام ہے، "الزانیةُ والزانی" ۔ (دیکھو آپ نے پڑھا ہے، اسم فاعل اور اسم مفعول پر جو الف لام داخل ہوتا ہے وہ الذی کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ وہ دراصل اسم موصول ہے جو کہ الف لام کی صورت میں آیا ہے۔) تو الزانیةُ اصل میں الّتی زنتْ ہے۔ اور والزانی اصل میں والذی زنیٰ کے معنیٰ میں ہے۔ (جیسا کہ الضاربُ : الذی یَضربُ یا الذی ضربَ کے معنیٰ میں تھا۔ اور المضروبُ: الذی یُضْربُ یا الذی ضُربَ کے معنیٰ میں تھا۔) تو کلام یوں ہوگا، "الَّتِی زَنَتْ و الذی زنیٰ فاجْلِدُوا"۔ تو اس میں الَّتِی مبتدا ایسا اسم موصول ہے کہ جس کا صلہ زَنَتْ فعل آرہا ہے۔ اور مبتدا جب ایسا اسم موصول ہو کہ جسکا صلہ فعل آرہا ہو، تو وہ متضمن ہوتا ہے معنیٰ شرط کو۔ لہٰذا اُسکی خبر پر "فا" کا داخل کرنا جائز ہے۔ الّتی زنتْ معطوفٌ علیہ ہے، اور "الذی زنیٰ" یہ معطوف ہے۔ معطوفٌ علیہ اپنے معطوف سے ملکر مبتدا، اور فاجلدوا آگے اس کی خبر آرہی ہے۔ تو چونکہ یہ مبتدا متضمن ہے معنیٰ شرط کو تو اس کے خبر پر فا کا داخل کرنا جائز ہے۔ تو امام مبردؒ نے اس کو "ما اضمر عاملہ علیٰ شریطة التفسیر" کے قبیل سے نکال دیا۔

جبکہ امام سیبویہؒ فرماتے ہیں کہ یہ دراصل دو جملے ہیں۔ یعنی "الزانیةُ و الزانِیْ" اور "فاجلدوا کلَّ واحدٍ منهما مائةَ جلدةٍ" یہ دوسرا جملہ ہے۔ اصل میں "الزانیةُ و الزانِیْ" یہ ہے مبتدا، اور انکی خبر محذوف ہے۔ اور اس سے پہلے مضاف بھی نکالو، ای "حُکمُ الزانیةِ والزانِی" تو یہ مبتدا بن گیا۔ اور اسکی خبر، "فیما یُتْلیٰ علیکُم بعدُ"۔ اللہ فرماتے ہیں، زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد کا حکم، فیما: اُس آیت کے اندر ہے، یُتْلیٰ علیکم بعدُ: جو تم پر بعد میں تلاوت کی جا رہی ہے۔ فیما کے اندر "ما" آیت سے عبارت ہے۔ تو اس آیت میں وعدہ کیا گیا، کہ اگلی آیت میں ہم زانی اور زانیہ کا حکم بتلانے والے ہیں۔ پھر فورًا ہی تفصیل آگئی، "فاجلدوا:اُن کو کوڑے لگاؤ، ہر ایک کو سو کوڑے"۔

تو اب "فیما یتلیٰ علیکم بعدُ" اس "حکمُ الزانیة و الزانی" کے لئے خبر ہے ۔ تو مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ ہوا۔ اور "فاجلدوا کلَّ واحدٍ منهما مائةَ جلدةٍ" جملہ فعلیہ ہوا۔

لہٰذا حیلہ کر کے اِس کو "ما اضمر عاملہ علیٰ شریطة التفسیر" سے نکال دیا۔

الفاءُ بمعنی الشرط فاجلدوا کی "فا" شرط کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی بسبب شرط کے ہے، جو جزا پر داخل ہے، کیونکہ مبتدا متضمن تھا معنیٰ شرط کو۔ تو اسکی خبر پر فا کا داخل کرنا جائز۔ عند المبرد امام مبرِّد کے نزدیک۔ اسکی تفسیر اوپر گزر گئی۔ و جملتان عند سیبویه اور دو جملے ہیں، امام سیبویہؒ کے نزدیک۔ اس کی تفسیر بھی اوپر گزر گئی۔ جس میں پہلا جملہ اسمیہ تھا اور دوسرا جملہ فعلیہ تھا۔ والّا ای وَاِنْ لَمْ یَکُنْ کَذٰلِکَ: اور اگر ایسا نہ ہو، اِلَّا سے پہلے جب واو آجائے تو یہ استثناء نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ وَ

اِنْ لَا ہوتا ہے۔ تو نون کو لام کر کے لام میں ادغام کیا، تو وَاِلَّا بن گیا۔ فالمختارُ النَّصْبُ تو پھر پسندیدہ نصب ہے۔ یعنی اگر یہ "فا" بمعنیٰ شرط کے نہ ہو یا یہ دو جملے نہ ہوں، تو پھر پسندیدہ نصب ہے۔ لیکن نصب تو ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ کسی ایک بھی قرأت میں نصب ثابت نہیں۔

الرابعُ یہ چوتھی جگہ ہے جہاں پر مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ صاحب کافیہؒ نے بتلایا تھا کہ چار جگہ پر مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ اُن مقامات میں سے پہلا سماعی ہے، دوسرا منادیٰ، تیسرا "ما اضمر عامله علیٰ شریطة التفسیر" ہے۔ اور چوتھا اُن میں سے "تحذیر" ہے۔ لغت میں تحذیر کا معنیٰ ہے ڈرانا۔ اور اصطلاحی تعریف خود صاحب کافیہؒ فرما رہے ہیں۔

التَّحْذِیْرُ ڈرانا، آگے تحذیر کی تعریف ہے۔ و ھو معمولٌ بتقدیرِ اِتَّقِ اور تحذیر معمول ہے جو "اِتَّقِ" کے تقدیر کے ساتھ ہو۔ یعنی اِتَّقِ وہاں مُقَدَّر ہو۔ یہاں معطوف محذوف ہے۔ ای وَ ھو معمولٌ بتقدیرِ اتَّقِ و نحوہٖ۔ یعنی "اِتَّقِ اور اِتَّقِ جیسے الفاظ" کے ساتھ وہ معمول ہوتا ہے۔ جیسا کہ بَعِّدْ بمعنیٰ دور ہو جاؤ اور اِتَّقِ بمعنیٰ بچو۔ تو اِتَّقِ یا اس جیسے الفاظ اس میں عامل ہوتے ہیں۔ تحذیرا ڈرانے کے لئے۔ تحذیرًا مفعول لهٗ ہے۔ مفعول لهٗ وہ ہوتا ہے جو ماقبل فعل کی علّت کو بیان کرے، جیسا کہ ضربتُ زیدًا تادیبًا میں تادیبًا مفعول له ہے جس نے ضرب کی علّت(ادب سکھانا) بیان کر دی۔ تو یہ تحذیرا بھی مفعول له ہے۔ جو فعل کے علّت کو بیان کرنے کے لئے آتا ہے۔ یعنی تحذیر معمول ہوتا ہے اِتَّق یا اِتَّقِ جیسے الفاظ کی تقدیر میں، ڈرانے کے لئے۔ اور یہ ڈرانا کس سے ہوتا ہے۔ آگے صاحب کافیہؒ بیان فرما رہا ہے۔ ممّا بعدَهٗ اُس چیز سے جو اُس کے بعد آتی ہے۔ یعنی اُس چیز سے ڈرانے کے لئے جو اُس کے بعد آتی ہے۔ جیسا کہ "ایّاک والاسدَ" میں ایّاک تحذیر ہے، اور اِیَّاکَ مفعول به کے عامل کو حذف کیا گیا ہے۔ اور اس کو کس سے ڈرایا جاتا ہے؟ ما بعد میں جو الاسد آرہا ہے اس سے ڈرایا جاتا ہے۔ تو اس وجہ سے اِیَّاک مفعول به کے عامل کو حذف کیا گیا۔ یہ تحذیر کا ایک قسم ہوا۔ آگے صاحب کافیہ اس قسم کے بارے میں دو مثالیں بیان فرمائیں گے۔

اب صاحب کافیہ تحذیر کی دوسری قسم کے بارے میں بتلاتے ہیں۔ او ذُکر الْمُحَذَّرُ منه مُکَرَّرًا اور یا "مُحَذَّر منه" کو مکرَّر ذکر کیا جائے۔ محذر منه: وہ چیز جس سے ڈرایا جائے۔ جیسا کہ مثال آگے آرہی ہے، الطریق الطریق۔ دیکھا راستہ سے ڈرایا جاتا ہے تو اسکو دو دفعہ ذکر کیا۔

تحذیر کے بحث کا خلاصہ: تحذیر کی پہلی قسم: تحذیر وہ معمول ہے جو اِتَّقِ یا اِتَّقِ جیسے عامل کی تقدیر کے ساتھ ہو، مابعد سے ڈرانے کے لئے ۔ تحذیر کی دوسری قسم: اس میں محذَّر منه کو مکرَّر ذکر کیا جاتا ہے۔

اب صاحب کافیہ ؒ تحذیر کی پہلی قسم کے بارے میں دو مثالیں ذکر فرمائیں گے۔ مثلُ ایاک والاَسَدَ پہلا مثال۔ یہ اسم صریح کی مثال ہے۔ و ایاک وَ اَنْ تَحْذِفَ دوسری مثال: یہ اسم مؤوَّل کی مثال ہے۔

پہلی مثال "ایّاک والاسدَ" میں الاسد اسم صریح ہے۔ یعنی الاسد صراحتًا ایک اسم ہے۔ اور دوسری مثال "و ایاک و اَنْ تحذِفَ" میں تحْذِفَ فعل ہے اور ایک جملہ ہے۔ اور اس پر اَنْ داخل ہوا۔ اور اَنْ جب فعل پر داخل ہوتا ہے تو اسکو مصدر کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔ اور مصدر بھی اسم ہے۔ تو یہ "اَنْ تحذِفَ" اسم مُؤَوَّل ہے۔ یعنی یہ تاویلاً اسم ہے۔

پہلے مثال کے لئے اِتَّقِ جیسا لفظ بَعِّدْ نکالیں گے۔ یعنی ایّاک میں عامل بَعِّدْ ہوگا۔ ایّاک والاسدَ اصل میں "بَعِّدْ نَفْسَکَ عنِ الاَسَدِ" و بَعِّدِ الاَسَدَ عَنْ نفسِکَ۔ اب یہ "ایّاک والاسدَ" کیسے باقی رہا۔ اس کی تفصیل نیچھے درج ہے۔

ترکیب کے اعتبار سے ترجمہ: بَعِّدْ نَفْسَکَ :تو اپنے نفس کو دور کر، عنِ الاَسَدِ : شیر سے۔ و بَعِّدِ الاَسَدَ: اور تو شیر کو دور کر، عَنْ نفسِکَ: اپنے نفس سے۔ اور اصل معنیٰ یہ ہے "شیر سے دور رہو۔ یا شیر سے دور ہو جاؤ"۔

تو اس کے اندر عامل کو حذف کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ وقت کم ہوتا ہے۔ کیونکہ آپ نے کسی کو فورًا متنبہ کرنا ہے۔ تو لہٰذا اب پورا کلام کہیں گے تو بڑا طویل ہو جائے گا۔ تو عامل وغیرہ حذف کئے اور فورًا کہہ دیا، "ایاک والاسدَ"۔ اسی طرح اگر کسی پر دیوار گرنے والا ہو، تو مختصر کلام کرنا ہوتا ہے، یعنی "الجدارَ الجدارَ" کہنا ہوگا۔ یعنی دیوار سے بچو۔ تو مخاطب بات کو فورًا سمجھ جائے گا اور خطرے سے بچ جائے گا۔

ایّاک والاسدَ کیسے بنا؟ بَعِدْ نفسَکَ عنِ الاسدِ میں "عن الاسدِ" جار مجرور کو اس لئے حذف کیا کیونکہ آگے آنے والا لفظ "الاسدَ" اس پر دلالت کر رہا ہے۔ تو "بَعدْ نَفْسَکَ " رہ گیا۔ پھر بَعِدْ بھی حذف کیا تو "نفسَکَ" رہ گیا۔ پھر "نَفْسَکَ" کو "ایّاک" سے بدل دیا۔ یہ کیسے بدلا؟ اس کی تفصیل یہ ہے۔

اصل میں ہے "دور کرو" اور کس کو دور کرو، یعنی اپنے آپ کو دور کرو، یعنی بَعِدْکَ: جس کا معنیٰ ہے اے مخاطب تو اپنے آپ کو دور کر۔ تو بَعِّد فعل امر کے اندر فاعل انت ضمیر، اور بعدکَ میں بھی کاف ضمیر مخاطب کی ضمیر ہے۔ تو فاعل بھی مخاطب کی ضمیر اور مفعول بھی مخاطب کی ضمیر اور یہ پسندیدہ نہیں۔ پس لہٰذا جب فعل کے اندر فاعل اور مفعول ایک ہی چیز کی ضمیر ہو تو پھر اُس کو بدلتے ہیں۔ ایسے صورت میں بَعِّدْکَ کی بجائے نفس کا لفظ درمیان میں لے آتے ہیں۔ اور اس "نفس" کو مفعول بناتے ہیں، تو "بَعِّد نَفْسَکَ": تو اپنے نفس کو دور کر، بن گیا۔ تو پہلے یہ خرابی لازم آتی تھی کہ فاعل کی بھی وہی

ضمیر اور مفعول کی بھی وہی ضمیر۔ اب فاعل کی ضمیر ہے انتَ اور مفعول نفس کا لفظ بن گیا، اور کاف اب ضمیر نہ رہی، کیونکہ وہ تو مضافٌ الیہ بن گیا۔

عام افعال کے اندر یہ پسندیدہ نہیں کہ فاعل کی بھی وہی ضمیر ہو اور مفعول کی بھی وہی ضمیر ہو۔ ہاں افعال قلوب کے اندر یہ جائز ہے کہ فاعل کی بھی وہی ضمیر ہو اور مفعول کی بھی وہی ضمیر ہو۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "عَلِمْتُنِیْ فاضِلاً": میں نے اپنے آپ کو فاضل جانا۔ تو علمتُ میں تا ضمیر متکلم کی ہے، اور نِیْ: اپنے آپ کو، کے اندر پہلا مفعول بھی متکلم کی ضمیر ہے۔ اور افعال قلوب میں یہ اس لئے جائز ہے کہ وہاں پر دراصل جو مفعول ہوتا ہے وہ مفعول اوّل نہیں ہوتا بلکہ اصل مفعول ثانی ہوتا ہے۔ "علمْتُنِیْ فاضِلاً" میں فاضلاً مفعول ہے اصل میں۔ پس درحقیقت مفعول ثانی اور فاعل کی ضمیر دو مختلف چیزیں ہیں۔

تو عام افعال میں پھر نفس کا لفظ درمیان میں لاتے ہیں۔ تو "بَعِّد نفسک" ہوا۔ اور جب بَعِّد کو حذف کیا تو "نفسَکَ" رہ گیا۔ اور یہ نَفْس کو ہم بعِّد کی وجہ سے لائے تھے۔ اور جب ہم نے بَعِّد کو حذف کیا تو نفس کی ضرورت بھی نہ رہی۔ تو نفس کو بھی حذف کیا اور صرف "کاف" ضمیر رہ گیا۔ اور "کاف" تو ضمیر متصّل ہے۔ اور ضمیر متصّل تو کسی کے ساتھ جُڑی ہوئی آتی ہے۔ وہ تو اکیلی رہ ہی نہیں سکتی۔ تو پھر اس ضمیر منصوب متصل کو ضمیر منصوب منفصل سے بدلو اور اسکی جگہ "اِیّاکَ" لے آؤ۔ انتَ ضمیر مرفوع منفصل کی ضمیر ہے تو وہ نہیں لا سکتے۔ کیونکہ ہمیں منصوب منفصل کی ضمیر چاہئے۔ اور یہ مبتدا بنتا ہے۔ جیسا کہ، انتَ رجلٌ کریمٌ۔

اور اگلے جملے " بَعِدِ الاسَدَ عَنْ نفسِکَ" میں بھی اسی طرح ہے۔ اس میں "عَنْ نفسِکَ" کو حذف کیا۔ کیونکہ اِیّاک اُس پر دلالت کر رہا ہے۔ اور بعد کو بھی حذف کر لیا تو باقی الاسدَ رہ گیا۔ تو کلام ہوا "اِیّاکَ والاسدَ"۔ تو معنیٰ اسکا ہوا شیر سے دور رہو۔

بَعِّدْ نَفْسَکَ عَنِ الاَسَدِ کی ترکیب۔ بعد فعل انت ضمیر اسکے اندر اسکا فاعل، نفسَ منصوب لفظًا مضاف، کاف ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیہ، مضاف اور مضاف الیہ ملکر مفعول ہوا بعِّد فعل کے لئے۔ عنِ الاسدِ جار مجرور بعد فعل سے متعلق ہوئے۔ بعد فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو۔ اور دوسرا جملہ بھی جملہ فعلیہ انشائیہ ہے۔ یہاں تک اُس پہلی مثال کو وضاحت تھی۔

صاحب کافیہ نے تحذیر کی پہلی قسم کے لئے دوسرا مثال "و ایاک و ان تحذفَ" لایا تھا۔ اسکی کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ و ایاک و ان تحذفَ: تو بچاؤ اپنے آپ کو لاٹھی کو پھینک کر مارنے سے۔ یعنی اس سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ حَذَفٌ: کسی کو لاٹھی یا ڈنڈا پھینک کر مارنا۔

تحذفَ فعل، انتَ ضمیر اس کے اندر اسکا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر، پھر اَنْ کے داخل ہونے سے مفرد یعنی مصدر کے حکم میں ہوا۔ تو "اَنْ تَحْذِفَ" یہ "اَلْحَذْفُ" کے معنیٰ میں ہوا۔ تو یہ اصل میں یوں ہوا، "اِیَّاکَ و الْحَذْفَ"۔

تو اصل میں کلام یہ ہے، بَعِّدْ نَفْسَکَ عَنْ اَنْ تَحْذِفَ"۔ اور اگلا "بَعِّدْ اَنْ تَحْذِفَ عَنْ نَفْسِکَ" ۔ اسکی ترکیب بھی بَعِدْ نَفْسَکَ عَنِ الاَسَدِ کی طرح ہے۔ اور ان سے " و ایاک و الحذفَ" کی بناوٹ بھی اُسی طرح ہے۔

اب صاحب کافیہ تحذیر کی دوسری قسم کے لئے مثال ذکر فرما رہے ہیں۔ و الطریقَ الطَّریق یہ تحذیر کی وہ دوسری قسم ہے جس میں محذَّر منہ کو مکرَّر ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ اصل میں ہے، "اِتَّقِ الطَّریقَ الطَّریقَ"۔ تو یہاں اِتَّقِ کو حذف کرنا واجب، کیونکہ وقت کی کمی کی وجہ سے آپ کسی کو فورًا متنبہ کرنا چاہتےہیں۔ اسی طرح دیوار کسی پر گرنے والا ہو، تو آپ الجدارَ الْجِدارَ کہیں گے۔ یا آپ کے کوئی دو ساتھ کُشتی کر رہا ہیں۔ پاس ہی کوئی چھوٹا سا بچہ پڑا ہوا ہے۔ تو آپ اسکو خبردار کرنے کے لئے کہیں گے، "الصَّبِیَّ الصَّبِیَّ"۔ اسی طرح خطبہ میں بھی آتا ہے، "اللّٰہَ اللّٰہَ"۔

یہ طریق ثانی تاکید لفظی ہے اوّل کے لئے۔ کلام اصل میں، "اِتَّقِ الطریقَ الطریقَ" ہے۔

ترکیب۔ اِتَّقِ فعل اسکے اندر انت ضمیر اسکا فاعل، الطریقَ منصوب لفظًا مؤکد، الطریقَ تاکید، مؤکد تاکید ملکر مفعول ہوئے، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

اب صاحب کافیہ آگے آپ کو بتلائیں گا، کہ وہ جو پہلا کلام تھا، یعنی "ایّاک و الاسدَ" اور " ایّاک و اَنْ تَحذِفَ" اس عبارت کو بعض اور طریقوں سے ادا کرنا بھی صحیح ہے۔

و تقولُ اور آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں۔ ایاک من الاسدِ یعنی بَعِّد نفسَکَ منَ الاسدِ ایک جملہ بنا۔ اور پہلے یہ دو جملے بنتے تھے۔ یعنی بَعِّدْ نفسَکَ عن الاسدِ اور بعِّدِ الاَسدَ عَنْ نفسِکَ۔ و مِنْ اَنْ تَحْذِفَ ای اِیَّاک مِنْ اَنْ تحذِفَ ۔ یعنی ایّاک و اَنْ تَحذِفَ میں آپ " اِیَّاک مِنْ اَنْ تحذِفَ" بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ بھی اصل میں بَعِّدْ نفسَکَ مِنْ اَنْ تحذِفَ ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے، کہ صاحب کافیہ بتلانا یہ چاہتے کہ اسم صریح کے اندر بھی یوں کہنا جائز ہے اور اسم مؤوّل کے اندر بھی یوں کہنا جائز ہے۔

و ایاک اَنْ تحذفَ بتقدیر مِنْ یہ کہنا بھی جائز ہے۔ یعنی اِیَّاک مِنْ اَنْ تحذِفَ میں آپ من کو حذف بھی کر سکتے ہیں۔ اور " ایّاک اَنْ تحذفَ" کہہ سکتے ہیں۔ صاحب کافیہ بتلاتے ہیں کہ اسم مؤوّل کے اندر آپ "مِنْ" کو حذف کر سکتے ہیں۔ و لا تقولُ ایاک الاسد اور آپ اس صریح کے اندر یوں نہیں کہہ سکتے "ایّاک الاسدَ"۔ یعنی اسم صریح سے آپ "مِنْ" کو حذف نہیں کر سکتے۔ آگے صاحب کافیہ اس کی وجہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اسم صریح سے "مِنْ" کیوں حذف نہیں کر سکتے۔ لِاِمْتِنَاعِ تقدیرِ مِنْ کیونکہ

"مِنْ" کی تقدیر یہاں ممتنع ہے۔یعنی "مِنْ" کی تقدیر جائز نہیں۔ اِمتناع کا ہمزہ وصلی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اسم مؤوَّل سے تو "مِنْ" کو حذف کرنا جائز ہے، لیکن اسم صریح سے "مِنْ" کو حذف کرنا جائز نہیں۔ یعنی اِیَّاک اَنْ تحذفَ تو کہہ سکتے ہیں لیکن ایّاکَ الْاَسَدَ نہیں کہہ سکتے۔

اس کی وجہ یہ، یہ جو حرف مصدر ہے، "اَنْ" اور اسی طرح ایک حرف مصدر ہے، اَنَّ، یہ وہی اَنَّ ہے جو حرف از حروف مشبہ بالفعل ہے۔ وہ بھی مابعد جملے کو مفرد مصدر کے حکم میں کر دیا کرتا ہے۔ یہ اَنْ بھی مصدریہ ہے اور اَنَّ بھی مصدریہ ہے۔ اور عام کلام کے اندر اکثر اس اَنْ اور اَنَّ سے حرف جر کو حذف کیا جاتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے۔ کیونکہ اَنْ اور اَنَّ کے آنے سے کلام پہلے سے بڑا لمبا ہو جاتا ہے۔ اب یہ تخفیف کا تقاضا کرتا ہے۔ تو اس وجہ سے حرف جر کو حذف کیا جاتا ہے تا کہ خِفَّت آجائے۔

اَنْ اور اَنَّ سے حرف جر کے حذف کرنے کی وجہ۔ مثلا کلام یوں ہے۔ "ایّاک والحذفَ" یا "ایّاک من الحذفِ" ۔ تو حذف تو ایک لفظ تھا۔ لیکن اب آپ کہہ رہے ہیں، ایّاک اَنْ تحذِفَ۔ تو "تحذِفَ" ایک فعل آیا، فعل کے ساتھ فاعل آیا، پورا جملہ بنا، پھر یہ "اَنْ" آیا۔ اَنْ کے لئے یہ صلہ بنا۔ اور پھر یہ اس مفرد کے حکم میں بنا۔ تو بات پہلے اتنی لمبی ہو چکی ہے۔ تو پھر "من" یا حرف جر کو حذف کر لیا جاتا ہے۔

پس اَنْ اور اَنَّ سے حرف جر کا حذف کرنا کثیر ہے۔ لیکن اسم صریح سے حرف جر کا حذف کرنا بہت شاذ ہے۔

سوال: آپ کہتے ہیں، کہ ایّاک الاسد نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ من کی حذف شاذ ہے۔ چلو ایسا کرتے ہیں کہ یہاں واو کو محذوف مانتے ہیں۔ یعنی ایّاک والاسدَ میں واو کو حذف کیا اور ایّاکَ الْاَسَدَ کہا۔ یعنی حرف عطف کو محذوف مان لو تو پہلی قسم کی طرح ہو جائے گا۔ کہتے ہیں کہ مِنْ کا حذف کرنا تو شاذ ہے، اور یہ جو واو حرف عطف کا حذف کرنا ہے، یہ تو بہت بڑے درجے کا شاذ ہے۔ یہ تو انتہائی نادِر ہے کلام عرب کے اندر۔ یعنی یہ تو اَشَذّ شُذُوْذ ہے۔ یعنی بطریق اَوْلیٰ آپ ایسا نہیں کر سکتے۔

درس 53۔ مفعول بہ کے بحث ختم ہونے کے بعد اب صاحب کافیہؒ مفعول فیہ کے بارے میں شروع کر رہے ہیں۔ المفعولُ فیه مفعول فیہ کی تعریف: هو ما ای هوَ اسْمُ ما: وہ نام ہے اُس چیز کا، یہاں اسم مضاف محذوف ہے۔ فُعل فیه فِعْلٌ مذکورٌ جس کے اندر فعل مذکور کو کیا جائے۔ مِنْ زمانٍ او مکانٍ یعنی کہ زمانہ یا مکان۔ یہ مِنْ بیان ہے "ما" کے لئے۔ یعنی "ما" سے مراد زمانہ یا مکان ہے۔ یعنی مفعول فیہ اُس زمانے یا مکان کا نام ہے، جس کے اندر فعل مذکور کو کیا جائے۔ جیسا کہ "الیومَ ضربتُ زیدًا" میں الیوم مفعول فیہ ہے۔

وَ شرطُ نَصْبِهٖ تقديرُ فِیْ اور اس کے منصوب ہونے کی شرط تقدیر "فی" ہے۔ یعنی کہ "فی" وہاں مقدَّر ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ معنیٰ فی وہاں مقدَّر ہوتا ہے۔ جبکہ فی مقدر نہیں ہوتا۔ مثلاً ضربتُ زیدًا الیومَ ای ضربتُ زیدًا فی الیومِ: آج کے در میں نے زید کی پٹھائی کی۔ فی چونکہ ظرفیت کے لئے آتا ہے۔

اور یہ بھی ظرف ہے تو یہاں فی کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ اور ایسا نہیں کہ فی یہاں پر تھا اور پھر فی کو حذف کی۔ نہیں ایسا نہیں۔ فی یہاں سِرے سے ہے ہی نہیں۔ کیونکہ "المقدَّرُ کَالملفوظِ" ہوتا ہے۔ یعنی مقدَّر بھی ملفوظ کی طرح ہوتا ہے۔

چنانچہ علامہ سیوطیؒ "الاشباہ والنظائر" جلد 1 صفحہ 15 پر لکھتے ہیں، کہ یہاں پر "فی" کا معنیٰ مقدَّر ہوتا ہے۔

یہاں پر صاحب کافیہؒ نے جمہور نحویوں سے اختلاف کیا ہے۔ جمہور نحوی حضراتؒ فرماتے ہیں کہ مفعول فیہ ہمیشہ اُسی کو کہیں گے جو منصوب ہوگا۔ اور جس پر حرف جر "فی وغیرہ" داخل ہو جائے تو وہ مفعول فیہ نہیں کہلاتا، بلکہ وہ مفعول بہ غیر صریح کہلاتا ہے۔ جیسا کہ مررتُ بزیدٍ میں زید مفعول بہ غیر صریح ہے۔ کیونکہ مررتُ فعل لازم ہے اور فعل لازم مفعول کو نصب نہیں دے سکتا۔

اسی طرح جمہور نحویوں کے نزدیک ضربتُ زیدًا فی الیومِ میں الیوم مفعول بہ غیر صریح ہے۔ جبکہ ضربتُ زیدَنِ الیومَ میں الیوم مفعول فیہ ہے۔

جبکہ صاحب کافیہ علامہ ابن حاجبؒ جمہور علماء نحوؒ سے اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر "فی" کے ذریعے مجرور ہو تو وہ بھی مفعول فیہ ہے اور جو منصوب ہو وہ بھی مفعول فیہ ہے۔ تو صاحب کافیہؒ کے نزدیک "ضربتُ زیدَنِ الیومَ" میں بھی الیوم مفعول فیہ ہے۔ اور "ضربتُ زیدًا فی الیومِ" میں بھی الیوم مجرور بھی مفعول فیہ ہے۔

معلوم ہوا صاحب کافیہؒ کے نزدیک مفعول فیہ دو قسم پر ہے۔ منصوب بھی آسکتا ہے اور مجرور بھی آسکتا ہے۔ اس لئے صاحب کافیہؒ نے فرمایا " وَ شرطُ نَصْبِہٖ تقدیرُ فِیْ "۔ معلوم ہوا کہ اگر "فی" مقدَّر نہیں اور لفظوں میں آجائے، تو وہ منصوب نہیں ہوگا بلکہ مجرور ہوگا۔ مجرور ہوگا لیکن پھر بھی مفعول فیہ ہوگا۔

لیکن کوئی فرق نہیں یہ صرف اصطلاح کا فرق ہے۔ صاحب کافیہؒ بہت بڑے علّامہ ہے۔ اور امامِ دنیا ہے۔ "وَلَا مُشَاحَّةَ فی الاصطلاحِ": اور اصطلاح میں کوئی بُخل نہیں۔ بس جمہور کے نزدیک مفعول بہ غیر صریح ہے اور اِن کے نزدیک مفعول فیہِ ہے۔

آگے صاحب کافیہؒ ظروف زمان اور ظروف مکان کا ذکر فرما رہے ہیں۔ پہلے اس کی تفصیل سمجھ لیجئے۔ یاد رکھو! مفعول فیہ کو ظرف بھی کہتے ہے۔ اور یہ زمانے اور مکان کا نام ہے۔ اور یہ زمانہ بھی دو قسم پر ہے۔ اور یہ مکان بھی دو قسم پر ہے۔ ایک ظرف زمان مُبہم ہے، ایک ظرف زمان محدود ہے۔ اسی طرح ایک ظرف زمان مُبہم ہے، ایک ظرف مکان محدود ہے۔

ظرف زمان مُبہم وہ ہے جسکی کوئی حد نہ ہو۔ اور ظرف زمان محدود وہ ہے جسکی کوئی حد ہو۔ مثلاً "دن، ہفتہ، مہینہ، سال، صدی" یہ سارے ظرف زمان محدود ہیں۔ اور ظرف زمان مُبہم، مثلاً، وقت

کا لفظ۔ اس کی کوئی حد نہیں۔ تھوڑا بھی ہو سکتا اور لمبا بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح، "حِیْنٌ بمعنیٰ وقت، دَھَرٌ بمعنیٰ زمانہ" ظرف زمان مُبہم ہیں۔

ظرف مکان محدود کی مثال، جیسے مدرسہ، سکول، مسجد، شہر، ملک وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک کی ایک حد متعین ہے۔ لیکن کچھ ظرف مکان ایسے ہیں جن کی حد متعین نہیں۔ وہ ظرف مکان مُبہم کہلاتے ہیں۔ اور وہ چھ جہتیں، یعنی(اَمَام، خَلْف، یمین، شِمال، فوق، تحت بمعنیٰ آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، اوپر اور نیچے)۔ اور انہی پر محمول ہے، عندَ بمعنیٰ پاس اور لَدیٰ بمعنیٰ پاس، جیسے یہ چھ جہات مبہم ہے اسی طرح عند اور لدی بھی مبہم ہے۔ مثلاً، زیدٌ عندی: زید میرے پاس ہے۔ تو عندی کہنے سے جہت کا کوئی تعین نہیں ہوتا۔ زید جس جہت بھی آپ کے ساتھ نزدیک ہو تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ زیدٌ عندی۔

اب یاد رکھنا، ان میں سے جو ظرف مکان محدود ہے، یہ تقدیر "فی" کو قبول نہیں کرتا۔ یہاں "فی" کو لفظوں میں ذکر کرنا پڑے گا۔ مثلاً "جلستُ فی المسجدِ" کہیں گے۔ اور جلستُ المسجدَ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ مسجد ظرف مکان محدود ہے اور یہ تقدیر فی کو قبول نہیں کرتا۔ اسی طرح "دار" بھی ظرف مکان محدود ہے۔ ضربتُ زیدًا فی الدارِ کہہ سکتے ہیں جبکہ "ضربتُ زیدَنِ الدارَ" نہیں کہہ سکتے۔

جبکہ باقی تین یعنی ظرف مکان مُبہم، ظرف زمان مُبہم اور ظرف زمان محدود، تقدیر معنیٰ فی کو قبول کر لیتے ہیں۔ جیسے "قُمْتُ وَقْتَ قِیَامِکَ": میں کھڑا ہوا، آپکے قیام کے وقت۔ تو دیکھو، وقت جو ظرف زمان مُبہم ہے اس نے تقدیر فی کو قبول کیا۔ ای قمتُ فی وقتِ قیامِکَ۔ اور ضربتُ زیدَنِ الیومَ میں الیومَ ظرف زمان محدود ہے جس نے تقدیر فی کو قبول کیا۔ اور ظرف مکان مُبہم کی مثال: قمتُ اَمَامَکَ۔ میں اَمَامَ ظرف مکان مبہم ہے اور اس نے تقدیر فی کو قبول کیا۔

وظُرُوفُ الزَّمانِ کُلُّہا تَقْبَلُ ذٰلِکَ اور ظروف زمان سارے کے سارے قبول کر لیتے ہیں تقدیرِ فی کو۔ذٰلک کے ذریعے "فی" کو اشارہ ہے۔ یعنی مُبہم اور محدود دونوں تقدیر فی کو قبول کر لیتے ہیں۔ و ظروفُ المکانِ ان کان مبھما قَبِلَ ذٰلک اور ظُروفِ مکان اگر مبہم ہو تو وہ تقدیر فی کو قبول کر لیتے ہیں۔ وَالّا فلا ای وَاِنْ لَمْ یَکُنْ کذٰلک: اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ تقدیر فی کو قبول نہیں کرے گا۔ یعنی اگر ظرف مکان محدود ہو تو وہ تقدیر فی کو قبول نہیں کریگا۔ فَلَا: ای فلا یَقْبَلُ تقدیرَ فی۔ یہ اِلَّا استثنا کے لئے نہیں کیونکہ اس سے پہلے واو آیا ہے۔

وَ فُسِّرَ الْمُبْھَمُ بالجہاتِ السِتِّ اور ظرف مکان مُبہم کی تفسیر کی گئی ہے جہات سِتَّ کے ساتھ۔ یعنی چھ جہتیں ہیں۔ و حُمِلَ علیہ عندَ و لدیٰ اور انہی پر محمول ہے عندَ اور لدیٰ بھی۔ یعنی عندَ اول لدیٰ ظرف مکان مُبہم پر محمول کئے گئے ہیں۔ و شِبْھُھُما اور جو اِن دونوں کے مشابہ ہیں۔ یعنی عندَ اور لدیٰ کے مُشابہ۔ اس سے مراد "دُوْنَ اور سِویٰ" ہیں۔ ان دونوں کو بھی ظرف مکان مُبہم پر محمول کیا گیا

ہے۔ یعنی دُوْنَ اور سِویٰ بھی تقدیر فی کو قبول کرتے ہیں۔ لِاِبْہَا مِہِمَا بوجہ ان کے ابہام کے۔ اِبْہام کا ہمزہ وصلی نہیں۔ یعنی دُوْنَ اور سِویٰ کے اندر بھی ابہام پایا جاتا ہے جس طرح عندَ اور لدیٰ کے میں ابہام پایا جاتا ہے۔ و لفظُ مکانٍ ای حُمِلَ علیہِ لفظُ مکانٍ: یہاں عندَ پر عطف ہو رہا ہے۔ یعنی انہی چھ جہات پر محمول ہے عندَ اور لدیٰ بھی اور لفظ مکان بھی۔ یعنی یہ بھی تقدیر "فی" کو قبول کر لیتا ہے۔ لِکَثْرَتِہٖ ای لکثرتِ اسْتِعْمَالِہٖ: بوجہ اس کے کثرت استعمال کے۔ یہ لفظ "مکان" چونکہ کثیرُ الاستعمال ہے۔ اس لئے اس کو ظرف مکان مبہم پر محمول کیا گیا۔ یعنی یہ مکان بھی تقدیر فی کو قبول کر لیتا ہے۔ میں کہتا ہوں، جلستُ مکانَکَ: میں آپ کے جگہ پر بیٹھ گیا۔ اس نے تقدیر فی کو قبول کیا۔

وَ فُسِّرَ الْمُبْہَمُ بالجہاتِ السِتِّ اور ظرف مکان مُبہم کی تفسیر کی گئی ہے جہات سِتَّ کے ساتھ۔ یعنی چھ جہتیں ہیں۔ و حُمِلَ علیہ عندَ و لدیٰ اور انہی پر محمول ہے عندَ اور لدیٰ بھی۔ یعنی عندَ اول لدیٰ ظرف مکان مُبہم پر محمول کئے گئے ہیں۔ و شِبْہُہُما اور جو اِن دونوں کے مشابہ ہیں۔ یعنی عندَ اور لدیٰ کے مُشابہ۔ اس سے مراد "دُوْنَ اور سِویٰ" ہیں۔ ان دونوں کو بھی ظرف مکان مُبہم پر محمول کیا گیا ہے۔ یعنی دُوْنَ اور سِویٰ بھی تقدیر فی کو قبول کرتے ہیں۔ لِاِبْہَا مِہِمَا بوجہ ان کے ابہام کے۔ اِبْہام کا ہمزہ وصلی نہیں۔ یعنی دُوْنَ اور سِویٰ کے اندر بھی ابہام پایا جاتا ہے جس طرح عندَ اور لدیٰ کے میں ابہام پایا جاتا ہے۔ و لفظُ مکانٍ ای حُمِلَ علیہِ لفظُ مکانٍ: یہاں عندَ پر عطف ہو رہا ہے۔ یعنی انہی چھ جہات پر محمول ہے عندَ اور لدیٰ بھی اور لفظ مکان بھی۔ یعنی یہ بھی تقدیر "فی" کو قبول کر لیتا ہے۔ لِکَثْرَتِہٖ ای لکثرتِ اسْتِعْمَالِہٖ: بوجہ اس کے کثرت استعمال کے۔ یہ لفظ "مکان" چونکہ کثیرُ الاستعمال ہے۔ اس لئے اس کو ظرف مکان مبہم پر محمول کیا گیا۔ یعنی یہ مکان بھی تقدیر فی کو قبول کر لیتا ہے۔ میں کہتا ہوں، جلستُ مکانَکَ: میں آپ کے جگہ پر بیٹھ گیا۔ اس نے تقدیر فی کو قبول کیا۔

و مَا بعدَ دَخَلْتُ اس "ما" کا عطف بھی اس "لفظُ مکان" پر ہو رہا ہے یا "عندَ" پر ہو رہا ہے۔ ای وَ حُمِلَ علیہِ عندَ وَ حُمِلَ علیہِ لفظُ مکانٍ و حُمِلَ علیہِ ما بعدَ دخلْتُ: یعنی ما بعد دَخَلْتُ بھی اسی ظرف مکان مُبہم پر محمول ہے۔ یعنی ما بعد دخلتُ بھی تقدیر فی کو قبول کرتا ہے۔ آپ کہتے ہیں، دَخَلْتُ الدارَ۔ الدار اگرچہ ظرف مکان محدود ہے۔ اور یہ تقدیر فی کو قبول نہیں کرتا۔ لیکن جب یہ دخلتُ کے بعد آتا ہے تو یہ تقدیر فی کو قبول کرتا ہے۔ اسی طرح دَخَلْتُ المسجدَ کہنا صحیح ہے۔ اور یہ بھی کثرت استعمال کی وجہ سے ہے۔ نیز نَزَلْتُ اور سَکَنْتُ کا بھی یہی حکم ہے۔ یعنی مابعدِ نزلتُ و ما بعدِ سکنتُ یہ دونوں بھی محمول ہے ظرف مکان مبہم پر۔ یعنی یہ دونوں بھی تقدیر فی کو قبول کرتا ہے۔ ای نزلتُ الدارَ: میں گھر میں نازل ہوا۔ یعنی اُترا یعنی پہنچا۔ و سکنتُ الدارَ: میں نے گھر میں رہائش اختیار کی۔

علی الأَصَحِّ مذہب اصح پر۔ یہ دخلتُ، نزلتُ اور سکنتُ میں نحویوں کے دو مذاہب ہیں۔ میں نے کہا، دخلتُ الدارَ، نحویوں کا ایک گروہ کہتا ہے یہ "الدار" مفعول بہٖ ہے۔ کیونکہ اس پر دُخول واقع ہوا ہے۔ صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ جو دُخول کے بعد منصوب آتا ہے یہ مفعول بہٖ نہیں ہوتا بلکہ مذہب اصح کے مطابق مفعول فیہ ہوتا ہے۔ اور یہی اختلاف نزلتُ الدارَ میں بھی ہے اور سکنتُ الدارَ میں بھی ہے۔

آگے صاحب کافیہؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مفعول فیہ کے عامل کو حذف کرنا جائز ہے۔ و

يُنْصَبُ بِعَامِلٍ مُضْمَرٍ و علی شریطة التفسیر اور نصب دیا جائے گا مفعول فیہ کو عامل مقدَّر کے ساتھ بلا شریطة التفسیر کے اور علیٰ شریطة التفسیر کے۔

بلا شریطة التفسیر کے عامل کو حذف کرنے کی مثال:

مثلاً میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ متیٰ تُسَافِر: تو کب سفر کریگا۔ آپ کہتے ہیں، يَوْمَ الْجُمُعَةِ: ای أُسافِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ: تو یومَ الجُمعةِ ظرف ہے۔ اور اس میں عامل "أُسافِرُ" ہے۔ اور آپ نے اس کو حذف کر دیا بغیر کسی تفسیر کے ۔ جیسا کہ زیدًا ضربتُهُ میں زیدًا مفعول بہٖ تھا۔ اور اسکے عامل ضربتُ کو حذف کیا گیا تھا۔ لیکن آگے اس کی تفسیر آرہی تھی۔ لیکن یہاں يَوْمَ الْجُمُعَةِ کے عامل "أُسافِرُ" کو بلا کسی تفسیر کے حذف کیا۔ تو یہ حذف بلا شریطة التفسیر ہے۔

اور حذف علیٰ شریطة التفسیر کی مثال: مثلاً میں پوچھتا ہوں۔ مثلاً کوئی کہے۔ يَوْمَ الْجُمُعَةِ صُمتُ فيهِ۔ اب دیکھو یومَ الجمعةِ ظرف ہے۔اور اس کے بعد فعل آرہا ہے۔ اور وہ فعل اسکے ضمیر کے اندر مشغول ہے۔ ہا ضمیر یومَ الجمعةِ کو راجع ہے۔ تو معلوم ہوا یومَ الجمعةِ ایک اسم ہے۔ اور صمتُ اس کے بعد ایک فعل آرہا ہے۔ اور وہ فعل مشغول ہے اسکے ضمیر میں۔ یعنی فیہ کے ہا ضمیر میں جو کہ راجع ہے یوم الجمعة کو۔ اس طور پر کہ اگر اسی فعل کو اس ماقبل کے ظرف پر مسلط کر دے تو یہ اس ظرف کو نصب دے سکے۔ تو یومَ الجمعةِ صمتُ فيهِ اصل صمتُ يومَ الجمعةِ صمتُ فيه ہے۔

تو مفعول فیہ کے عامل کو حذف کرنا علیٰ شریطة التفسیر بھی جائز ہے۔ اور بلا شریطةِ التفسیر بھی جائز ہے۔

درس 54۔ المفعولُ له هو ما ای هوَ اسْمُ ما، اسم مضاف محذوف ہے۔ : مفعول لہ نام ہے اُس چیز کا، فُعِلَ لِاَجْلِهٖ فِعْلٌ مذكورٌ جسکی وجہ سے فعل مذکور کو کیا جائے۔ جیسا کہ ضربتُ زیدًا تادیبا: میں نے زید کی پٹھائی کی ادب سکھانے کے لئے۔ تو یہ تادیبًا مفعول لہ ہے۔ اسکی وجہ سے ماقبل کے فعل کو کیا گیا ہے۔ یعنی ضَرَبْ کو کیا گیا ہے۔ مثلُ ضربتُهُ تادیبًا میں نے اُس کی پٹھائی کی ادب سکھانے کے

لئے۔ یہ ادب سکھانا ضربتُ کے لئے علّت ہے۔ وقَعَدْتُّ عن الحربِ جُبْنًا میں بیٹھا جنگ سے بزدلی کی وجہ سے۔ تو یہاں یہ جُبْنًا سبب ہے قُعُوْد عنِ الحرب سے۔

یہاں صاحب کافیہ ؒ نے دو مثالیں ذکر فرمائیں۔ اسکے ذریعے وہ مفعول لہ کی دو قسمیں بیان کر رہے ہیں۔ یعنی کبھی فعل سبب ہوتا ہے مفعول لہ کا۔ اور کبھی مفعول لہ سبب ہوتا ہے فعل کا۔ یعنی کبھی وہ فعل پہلے ہوگا اور کبھی وہ مفعول لہ پہلے ہوگا۔ پہلے مثال میں دیکھے: ضربتُهُ تادیبًا، میں ضرب پہلے واقع ہوئی اور تادیبا بعد میں آتی ہے۔ یعنی ضربٌ کی وجہ سے تادیب حاصل ہوتی ہے۔ اور دوسری مثال، قعدتُ عن الحربِ جُبْنًا: میں قعود عن الحرب پہلے سے نہیں جبکہ جبنا یعنی بزدلی پہلے سے ہے۔ بزدلی ہے تو قعود عن الحرب ہے۔ یعنی بزدلی کی وجہ سے جنگ سے بیٹھا۔

خلاصہ یہ کہ پہلی مثال میں ضرب پہلے ہے اور تادیب بعد میں، یعنی ضرب سبب بن رہی ہے ادب کے حاصل ہونے کا۔ جبکہ دوسرے مثال میں جُبنٌ پہلے سے ہے اور جنگ سے بیٹھنا بعد میں ہے۔ اس میں مفعول لهُ سبب بنا فعل کے حصول کا۔

خلافا للزَّجاج برخلاف امام زَجَّاج ؒ کے۔ فانه عندَهُ مصدرٌ فانه ہا ضمیر راجع ہے مفعول لهُ کو۔ اس لئے کہ مفعول له عندَهُ اُن کے نزدیک مصدرٌ مصدر ہے۔ یعنی امام زَجَّاج ؒ کے نزدیک مفعول لهُ مصدر ہے۔ یعنی مفعول لهُ کوئی الگ چیز نہیں بلکہ مفعول مطلق ہے۔ یعنی ہم نے بیان کیا کہ مفعول لهُ الگ چیز ہے اور ماقبل فعل کی علّت بیان کر رہا ہے۔ اور امام زَجَّاج ؒ فرماتے ہیں کہ یہ مفعول مطلق ہے۔ مفعول مطلق وہ مصدر ہوتا ہے جو ماقبل فعل کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ ضربتُ ضربًا، میں یہ ضربًا مفعول مطلق ہے، کیونکہ یہ اُسی فعل کے معنیٰ میں ہے۔

امام زجاج ؒ فرماتے ہیں کہ "ضربتُهُ تادیبًا" میں یہ تادیب مفعول مطلق ہے۔ اور ما قبل کا فعل اسکے لئے بیان ہے۔ تادیب کا معنیٰ ہے ادب سکھانا۔ ادب سکھانے میں اجمال تھا۔ ماقبل نے بتا کہ کس طرح سکھایا، یعنی ضرب کے ذریعے سکھایا۔ تو اصل میں کلام یوں ہے، اَدَّبْتُهُ بالضَّرْبِ تادیْبًا: اَدَّبْتُهُ: میں نے اسکو ادب سکھایا، بالضَّرْبِ : ضرب کے ساتھ، تادیْبًا ادب سکھانا۔ تو دیکھو تادیبًا مصدر ہے، اور ماقبل کے فعل اَدَّبْتُهُ کے معنیٰ میں ہے۔ تو یہ مفعول مطلق ہوا۔ تو امام زجاج ؒ فرماتے ہیں، کہ یہ جو فعل ما قبل میں لایا جاتا ہے، یہ صرف بیان کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ ورنہ دراصل دونوں ایک چیز ہیں۔ یعنی ضرب اور تادیب دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ یعنی وہی فعل ضرب اس اعتبار سے کہ اس سے تکلیف پہنچ رہی ہے، یہ "ضرب" کہلائے گی۔ اور وہی فعل ضرب اس اعتبار سے کہ اس سے اچھے اخلاق سیکھے جاتے ہیں، یہ "تادیب" کہلایا جائے گا۔ تو "ضرب" اور "تادیب" کوئی الگ چیز نہیں ہوا۔

و شرطُ نَّصْبِهٖ اور مفعول له کے منصوب ہونے کی شرط، ہا ضمیر راجع ہے مفعول له کو۔ تقدیرُ اللّامِ تقدیرِ لام ہے۔ یعنی که لام کا معنیٰ وہاں مقدَّر ہونا چاہیئے۔ لام لفظوں کے اندر مقدَّر نہیں۔ کیونکه لام بھی علّت بیان کرنے کے لئے آتا ہے۔ مثلاً، "ضربتُ زیدًا لتأدیب"۔

یہاں بھی صاحب کافیه علامه ابن حاجبؒ پھر جمہور نحوی حضراتؒ سے اختلاف کر رہے ہیں۔ جمہور نحویوں کے نزدیک مفعول له صرف منصوب ہوا کرتا ہے اور مجرور نہیں ہوتا۔ جبکه صاحب کافیهؒ کے نزدیک معمول ہوا که مفعول له مجرور بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا که ضربتُ زیدًا لتأدیب میں اب لتأدیب مفعول له نه رہا۔ اور یه لتأدیب جمہور نحویوں کے نزدیک مفعول به غیر صریح بنا۔ اور صاحب کافیهؒ کے نزدیک یه اب بھی مفعول له ہے۔

صاحب کافیهؒ کے نزدیک مفعول له پر کبھی لام صراحتًا آئے گا، اور کبھی اس لام کو حذف کیا جائے گا۔ آگے صاحب کافیهؒ اُن مقامات کے بارے بتلائے گا، که کہاں پر لام کی حذف جائز ہے اور کہاں پر لام کی حذف جائز نہیں۔

و انما یجوزُ حَذْفُها اور مفعول لهٗ کی لام کو حذف کرنا جائز ہے۔ حذفُها کی ہا ضمیر لام کو راجع ہے۔ اذا کان فعلا جبکه وہ مفعول لهٗ فعل ہو۔ معلوم ہوا که مفعول له کوئی اِسمِ عین یعنی کوئی ذات، کوئی چیز نه ہو۔ جیسا که، "جئتُکَ لِکِتَابٍ" میں کتاب فعل نہیں بلکه ذات ہے۔ اور ضربتُ زیدًا لِتَّادِیْبِ میں تادیب ذات نہیں بلکه فعل ہے۔ جب اُنہوں نے فعل کہا تو ذات یعنی کتاب وغیرہ کو خارج کر دیا۔

اب وہ فعل کیسے ہونا چاہیئے۔ آگے صاحب کافیه بتلا رہے ہیں۔ لفاعلِ الفِعلِ الْمُعَلَّلِ بِهٖ فعلِ مُعَلَّلٌ به کے فاعل کا فعل ہو۔ یعنی دونوں کا فاعل ایک ہے۔ مثلاً "ضربتُ زیدًا تادیبًا" میں ضربتُ فعل معلَّلٌ بهٖ ہے اور اسکا فاعل متکلم ہے۔ اور یه ادب کون سکھاتا ہے؟ یه بھی متکلم سکھاتا ہے۔ تو دونوں کا فاعل ایک ہوا۔ الفِعلِ الْمُعَلَّلِ بِهٖ: وہ فعل جسکی علّت بیان کی جائے مفعول له کے ساتھ۔ بهٖ کی ہا ضمیر مفعول له کو راجع ہے۔

فعلِ مُعَلَّلٌ بهٖ کی وضاحت: مثلاً: "ضربتُ زیدًا تادیبًا": میں نے زید کی پٹھائی کی ادب سکھانے کے لئے۔ تو یه ادب سکھانا ضربتُ فعل کی علّت ہے۔ تو ضربتُ وہ فعل ہے جس کی علّت بیان کی گئی ہے۔ تو یه فعلِ مُعَلَّلٌ ہوا۔ اور یه علّت مفعول له کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ تو وہ فعل جس کی علّت بیان کی جائے مفعول له کے ساتھ تو وہ فعل معلَّل بهٖ کہلاتا ہے۔

میں نے کہا ضربتُ زیدًا تادیبًا: تو میں تادیبًا کے ذریعے ضربتُ کی علّت بیان کر رہا ہوں۔ تو ضربتُ فعلِ مُعَلَّلٌ بهٖ ہوا۔ کیا معنیٰ فعل مُعَلَّلٌ بهٖ کا، فعلِ مُعَلَّلٌ: وہ فعل جس کی علّت بیان کی جائے، بهٖ: ای بِالمَفْعُول لهٗ: مفعول له کے ساتھ۔

پس ضربتُ زیدًا تادیبًا میں فعل معلل بہٖ ضربتُ ہے۔ اور قعدتُّ عن الحرب جُبنًا کے اندر فعل معلل بہ قعدتُ ہے۔

و مُقَارِنًا له فی الوجودِ اور اسکے ساتھ وُجود میں بھی ملا ہوا ہو۔ یعنی دونوں کا زمانہ ایک ہو۔ یعنی فعل مُعلَّلٌ لہٗ اور مفعول لہٗ کا زمانہ ایک ہو۔ مثلاً، ضربتُ زیدًا تادیبًا: میں فعل مُعَلَّلٌ لہٗ، ضربتُ ہے۔ اور تادیبًا یہ مفعول لہ ہے۔ اور دونوں کا زمانہ ایک ہے۔ جیسے جیسے ضرب لگ رہی ہے، ویسے ویسے ادب بھی حاصل ہو رہا ہے۔ ایسا نہیں کہ ضرب پہلے ہے اور ادب بعد میں۔ بعینہٖ دونوں کا ایک ہی زمانہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ "لام" کے حذف کے لئے دو شرائط ہیں۔ پہلی شرط یہ کہ اُس فعل اور مفعول لہٗ کا فاعل ایک ہو۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ دونوں کا زمانہ بھی ایک ہے۔

مقارِنًا کا عطف ہے فعلاً پر۔ اذا کانَ فعلاً لفاعل الفعل المعلل بہٖ و اذا کان مُقَارِنًا لہٗ فی الوجود۔ دیکھئے، قعدتُّ عنِ الحربِ جُبنًا: اس میں بھی بزدلی اور جنگ سے بیٹھنے کا زمانہ ایک ہے۔ الگ الگ نہیں۔ ہاں بزدلی عام ہے۔ پہلے بھی ہے، بعد میں بھی رہے گی۔ تو معلوم ہوا کہ لام کے حذف کرنے کی دو شرائط ہیں۔ ایک یہ کہ دونوں کا فاعل ایک ہو، اور دوسرا یہ کہ دونوں کا زمانہ بھی ایک ہو۔

بھئی یہ دو شرطیں کیوں لگائی؟ اس کی علّت بھی سُن لو! بڑی پیاری علّت ہے۔ ان دو شرطوں کے ساتھ مفعول لہ کی مشابہت آجائے گی مفعول مطلق کے ساتھ۔ اور مفعول مطلق کو فعل نصب دیتا ہے تو اب مفعول لہ کو بھی نصب دے دیگا۔ پس لام کو حذف کر کے اس کو بھی منصوب بنا لے۔

اب سوال یہ کہ مفعول مطلق کو فعل نصب کیوں دیتا ہے؟ بھئی! مفعول مطلق کو فعل نصب اس لئے دیتا ہے کہ اسکے ساتھ فعل کا تعلق بہت گہرا ہے۔ فعل کا معنیٰ مرکب ہے تین چیزوں سے۔ لفظوں کے اعتبار سے فعل مفرد ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے فعل مرکب ہے۔ ایک یہ مصدر پر دلالت کرتا ہے۔ دوسرا یہ زمانے پر دلالت کرتا ہے۔ تیسرا یہ نسبت الی الفاعل پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "ضربتُ" تو اس نے ضَرْبٌ یعنی مصدر پر دلالت کی۔ دوسرا ضربتُ نے زمانہ کا بتلایا، کہ یہ ضَرْبٌ زمانہ ماضی میں واقع ہوئی ہے۔ اور تیسرا اس نے نسبت الی الفاعل پر دلالت کیا۔ میں کہتا ہوں، ضربتُ ضربًا: آگے اس ضربتُ کے بعد ضَرْبٌ لا رہا ہوں۔ اور یہ ضرب مصدر ہے اور یہ فعل کا جُز ہے۔ تو معلوم ہوا کہ فعل کا اس کے ساتھ بڑا ہی گہرا تعلق ہے۔ یہ تو باقاعدہ اسکا ایک جُز ہے ۔ تو لہٰذا فعل کےساتھ اسکا تعلق نہایت گہرا ہے۔ لہٰذا فعل اب اسکو براہ راست نصب دے سکتا ہے۔

اب مفعول لہ جو ہے اُس کو بھی ہم نے فعل کے ذریعے نصب دینا ہے۔ تو اس کے لئے ضروری ہے، کہ اسکی مشابہت مفعول مطلق کے ساتھ آجائے۔ اور مفعول مطلق کےساتھ اسکی مشابہت دو چیزوں کے ساتھ آئے گی۔ کہ دونوں کا فاعل ایک ہو اور زمانہ بھی ایک ہو۔ جیسے مفعول مطلق میں دونوں کا فاعل بھی ایک ہوتا ہے اور زمانہ بھی ایک ہوتا ہے۔ جیسا کہ ضربتُ زیدًا ضربًا، میں ضربتُ اور ضربًا کا فاعل

ایک ہے۔ اور اسی طرح ضربتُ اور ضربًا کا زمانہ بھی ایک ہے۔ اب جب مفعول لہ کی مشابہت مفعول مطلق کے ساتھ آئی۔ تو اب فعل مفعول لہ کو براہ راست نصب دیگا جس طرح مفعول مطلق کو براہ راست نصب دیتا تھا۔

درس 55۔ المفعولُ مَعَهُ هو مذكورٌ بعدَ الواوِ مفعول معہُ وہ ہوتا ہے جو مذکور ہو واو کے بعد۔ لِمُصاحَبَةِ معمولِ فِعْلٍ فعل کے معمول کی مُصاحَبت کے لئے۔ یہ واو فعل کے معمول کی مصاحبت کے لئے آتا ہے۔ مصاحبت:مُشارِكَتٌ فی الزَّمان: یعنی مُشارکت زمانی کو کہتے ہے۔

واو بمعنیٰ عطف اور واو بمعنیٰ معَ کی وضاحت اور دونوں میں فرق:

مثلاً جاءنی زیدٌ و عمرٌو: واو حرف عطف نے یہ بتلایا کہ مجیئت زید کے لئے بھی ثابت ہے اور مجیئت عمرو کے لئے بھی ثابت ہے۔ لیکن اس عطف نے یہ نہیں بتلایا کہ دونوں اکھٹے آئے یا دونوں الگ الگ آئے۔ یا پہلے زید آیا بعد میں عمرو آیا۔ یا پہلے عمرو آیا بعد میں زید آیا۔ یا زید کے آنے کے فورًا بعد عمرو آیا تھا یا زید کے آنے کے کئی دن بعد عمرو آیا ۔یا عمرو کے آنے کے فورًا بعد زید آیا یا عمرو کے آنے کے کئی دن بعد زید آیا۔

تو واو نے صرف جمعیت کا فائدہ دیا۔ کہ معطوف اور معطوفٌ علیہ کو حکم کے اندر جمع کر دیا۔ تو واو یہاں ترتیب نہیں بتلاتا۔ چاہے عمرو پہلے آیا ہو، آپ تب بھی کہہ سکتے ہوں، جاءنی زیدٌ و عمرٌو۔ اور اگر زید پہلے آیا ہو اور عمرو بعد میں تب بھی آپ، جاء نی زیدٌ و عمرٌو کہہ سکتے ہیں۔

اگر اب میں عمرو کو مفعول معہ بناؤ، یعنی جاءنی زیدٌ و عمرًوا۔ اب عمرو مفعول معہ بنا، کیونکہ یہ واو بمعنیٰ مع کے واقع ہے۔ اور یہ مفعول معہ یہ بتلانے کے لئے بنایا جاتا ہے، کہ یہ بتائے کہ یہ مفعول معہ مصاحب ہے یعنی ساتھی ہے معمول فعل کا۔ جاءنی زیدٌ میں زیدٌ معمولِ فعل ہے۔ تو یہ عمرو جو واو بمعنیٰ مع کے بعد آیا، یہ بتلاتا ہے کہ عمرو ساتھی ہے معمول فعل یعنی زید کا۔ یعنی عمرو اور زید مَصاحب ہے آنے میں اور زمانے میں۔ یعنی مجیئت اور زمانے کے اندر یہ دونوں مصاحب ہیں۔ معنیٰ یہ ہوا کہ دونوں اکھٹے آئیں ہیں۔ تو جاءنی زیدٌ و عمرًوا : ای جاءنی زیدٌ معَ عمرٍو: زید میرے پاس عمرو کے ساتھ آیا۔

واو بمعنیٰ عطف نے صرف یہ بتلایا کہ آنا دونوں کے لئے ثابت ہے۔ اور واو بمعنیٰ مع نے یہ بھی بتلایا کہ آنا دونوں کے لئے ثابت ہیں، نیز ایک اور فائدہ بھی دیا کہ ان دونوں کا آنا ایک زمانے میں ہے۔ تو عطف سے صرف مشارکت فی الفعل معلوم ہوتی تھی۔ جبکہ مفعول معہ نے بتلایا کہ مشارکت فی الفعل بھی ہے اور ایک زائد فائدہ یہ بھی بتلایا کہ مشارکت فی الزمان بھی ہے۔ یعنی ایک ہی زمانے کے اندر ان دونوں نے یہ فعل سر انجام دیا۔

لفظا او معنی چاہے وہ فعل لفظوں کے اعتبار سے ہو یا چاہے وہ فعل معنیٰ کے اعتبار سے ہو۔ یعنی فعل کبھی لفظوں کے اعتبار سے موجود ہوگا۔ اور کبھی فعل لفظوں کے اعتبار سے موجود نہیں ہوگا۔ یعنی مفعول معه واو کے بعد ہوگا، معمول فعل کے مصاحبت کے لئے ہوگا۔ اور وہ فعل کبھی لفظوں میں آئے گا، کبھی لفظوں میں نہیں ہوگا، جبکه معنیٰ کے اعتبار سے ہوگا۔ فَاِنْ کانَ الفعلُ لفظا وَ جازَ العَطْفُ اگر فعل لفظوں کے اعتبار سے ہو اور عطف بھی جائز ہو۔

تو یہاں چار صورتیں بنتی ہیں۔ پہلا: فعل لفظًا ہوگا اور عطف جائز ہوگا۔ دوسرا: فعل لفظًا ہوگا اور عطف جائز نہیں ہوگا۔ تیسرا: فعل معنًی ہوگا اور عطف جائز ہوگا۔ چوتھا: فعل معنًی ہوگا اور عطف جائز نہیں ہوگا۔ اب صاحب کافیہ ؒ ان چاروں کا حکم بتلائے گا۔ فالوجهان تو پھر دو وجہیں پڑھنا جائز ہیں۔

مثل جئتُ انا و زیدٌ و زیدا یہاں فعل لفظًا آیا ہے۔ تو اس صورت میں زیدٌ پڑھنا بھی جائز اور زیدًا پڑھنا بھی جائز۔ مثلاً۔ جئتُ انا و زیدٌ یه بھی جائز۔ اور جئتُ انا و زیدًا یه بھی جائز۔ اگر زیدٌ مرفوع پڑھے یعنی جئتُ انا و زیدٌ تو زیدٌ کا عطف فاعل پر ہے۔ تو یه واو عطف کے لئے ہوا، تو عطف جائز۔ اور اگر جئتُ انا و زیدًا پڑھے، تو اس صورت میں زیدًا مفعول معه ہے۔

جئتُ انا و زیدٌ کا ترجمه: آیا میں بھی اور زید بھی۔ یه ہر صورت کو شامل ہے۔ جس کی تفصیل گزر گئی ہے۔

جئتُ انا و زیدًا کا ترجمه: میں اور زید اکھٹے آئے۔ یا زید میرے ساتھ آیا۔

انا ضمیر مرفوع منفصل لانے کی وجه: جئتُ انا و زیدٌ میں یه "انا" جو لائے۔ یاد رکھے! "تُوٌّ یعنی تا" ضمیر پر آپ زید کا عطف نہیں کر سکتے۔ یه "تا" ضمیر، ضمیر مرفوع متصل ہے۔ اور ضمیر مرفوع متصل ضعیف ہوتی ہے۔ یه الگ قائم نہیں ہو سکتی۔ آپ ایسا نہیں کر سکتے که جاء کو حذف کرے اور "تا" ضمیر کو اکیلا چھوڑ دے۔ یعنی ضمیر مرفوع متصل کا فعل کے ساتھ انفصال نہیں آسکتا۔ یعنی یه فعل سے منفصل ہو کر قائم نہیں ہو سکتی۔ جبکه زید کا لفظ تو قوی ہے۔ وہ اکیلا آسکتا ہے۔ اگر آپ زید کا عطف جئتُ کے "تا" ضمیر پر کر دے۔ تو زید تو ہوا قوی اور "تا" ضمیر ہوا ضعیف۔ اور قوی کا عطف ضعیف پر صحیح نہیں۔ لہٰذا اس صورت میں ضمیر مرفوع متصل کی تاکید ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ لائی جاتی ہے۔ اور متکلم کے لئے ضمیر مرفوع منفصل "انا" ہے۔ اب مؤکَّد کے اندر تاکید کی وجه سے قوّت پیدا ہو گئی۔ اور جب قوت پیدا ہوگئی تو اب زید کا عطف اس پر صحیح ہوا۔

ضابطه: یه جو ضمیر مرفوع متصل ہے، اس پر عطف جائز نہیں۔ ہاں دو صورتوں میں جائز ہیں۔ پہلا: اگر ان کی تاکید آجائے۔ جیسے یہاں آئی ہے۔ جئتُ میں تُوٌّ ضمیر کی تاکید "انا" آئی ہے۔ دوسرا: یا درمیان میں فاصله آجائے۔ مثلاً جئتُ الیومَ و زیدٌ۔ اب "الیوم" ظرف آپ نے بڑھا، اور "و زیدٌ" دور چلا گیا۔ تو اس سے درمیان میں فاصله آگیا۔ اب "تُوٌّ" ضمیر پر زید کا عطف صحیح ہے۔

سوال: اس صورت میں زید کا عطف کیوں صحیح ہے؟ تُوٌ ضمیر ضعیف تھا۔ اور زید قوی تھا۔ لیکن جب زید دور چلا گیا، اور "الیوم" کا فصل درمیان میں آیا۔ تو اس فصل کی وجہ سے تُوٌ ضمیر کا ضعف چھپ گیا۔ تو جب ضعف چھپ گیا تو اب اس پر عطف صحیح ہے۔

وَ الا ای وَ اِنْ لَّمْ یَکُنْ کذٰلک: اور اگر ایسا نہ ہو۔ یعنی فعل تو لفظوں میں ہو، مگر عطف جائز نہ ہو۔ دوسرا صورت ذکر ہو رہا ہے۔ یہ الّا استثنا کے لئے نہیں۔ کیونکہ یہ واو کے بعد آیا ہے۔

فَتَعَیَّنَ النَّصْبُ پھر نصب ہی پڑھیں گے۔ مثلُ جئتُ و زیدًا یہاں فعل لفظوں میں موجود ہے۔ اور عطف جائز نہیں۔ کیونکہ جئتُ میں تُوٌ ضمیر مرفوع متصل کی ہے۔ اور زید قوی ہے۔ اس قوی کا عطف ضعیف پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تُوٌ ضمیر کے بعد نہ تو ضمیر مرفوع منفصل آئی ہے تاکید کے لئے اور نہ ہی کوئی فصل آیا ہے درمیان میں۔ لہٰذا اس صورت میں عطف جائز نہیں۔ تو یہاں زید پر نصب ہی پڑھیں گے۔

اب صاحب کافیہ ؒ تیسری صورت کا ذکر فرما رہے ہیں۔ کہ فعل تو معنیً ہوگا اور عطف بھی جائز ہوگا۔ و ان کان معنًی ای وَ اِنْ کانَ الفعلُ معنًی: اور اگر فعل معنیٰ کے اعتبار سے ہے۔ یعنی معنوی ہے۔ وَ جازَ العَطْفُ اور عطف بھی جائز ہو۔ تَعَیَّنَ العَطفُ تو عطف متعیّن ہو گیا۔ نحوُ مثال کے طور پر ما لِزیدٍ و عمرٍو یہاں فعل لفظوں کے اعتبار سے موجود نہیں۔ لیکن معنیٰ کے اعتبار سے موجود ہے۔ کیونکہ اسکا معنیٰ ہے، "کہ زید اور عمرو کیا کر رہے ہیں۔" ای ما یَصْنَعُ زیدٌ و عمرٌو"۔ تو یہاں فعل معنیٰ کے اعتبار سے موجود ہے۔ اور عطف بھی جائز ہے۔ کیونکہ آپ عمرو کا عطف زید پر کر رہے ہیں۔ اور دونوں قوی ہیں۔ تو جب فعل معنیٰ کے اعتبار سے ہو، اور عطف جائز ہو، تو اس صورت میں صرف عطف ہی کریں گے۔ یعنی ما لزیدٍ و عمرًا نہیں پڑھ سکتے۔

اس لئے کہ جب عطف جائز ہے، تو عامل معنوی کے عمل پر محمول کرنا صحیح نہیں۔ مفعول معہ میں عامل فعل ہوا کرتا ہے۔ اور وہ فعل یہاں لفظوں کے اعتبار سے تو موجود نہیں۔ ہاں صرف معنیٰ کے اعتبار سے موجود ہے۔ اور جب آپ اسے "ما لزیدٍ و عمرًا" پڑھیں گے۔ تو آپ عمرو کو عامل معنوی کے لئے معمول بناتے ہیں۔ اور عمرو کو عامل معنوی کے لئے معمول بنانے کی کیا وجہ ہے، جبکہ یہاں ایک اور وجہ "عطف" بھی موجود ہے۔ پس لہٰذا عامل معنوی کے عمل پر محمول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پس اس کو معطوف بناؤ۔

اب صاحب کافیہ ؒ چوتھی صورت کا ذکر فرما رہے ہیں۔ کہ فعل تو معنیً ہوگا اور عطف جائز نہیں ہوگا۔ و الا ای و ان لم یکن کذٰلک: اور اگر ایسا نہ ہو۔ یعنی فعل معنیٰ کے لحاظ سے ہو اور عطف جائز نہ ہو۔ تَعَیَّنَ النَّصْبُ تو پھر نصب ہی متعین ہوگا۔ مثل ما لَکَ و زیدًا اس مثال میں زیدًا کو

ہم نے مفعول معه بنایا۔ کیونکه زید کا عطف آپ "کاف" ضمیر پر نہیں کر سکتے۔ کیونکه "کاف" ضمیر، ضمیر مجرور متصل ہے۔ مجرور اس لئے که اس پر لام جارّہ داخل ہوا ہے۔ اور یه ضعیف ہے۔ جبکه زید قوی ہے۔ اور قوی کا عطف آپ ضعیف پر نہیں کر سکتے۔ اور ضمیر مجرور متصل اکیلے آتی نہیں۔ تو یه ضمیر مجرور متصل جُز کلمه کی طرح ہوا۔ اور جُز کلمه پر عطف جائز نہیں۔ کیونکه عطف پورے جمله پر کیا جاتا ہے۔

جیسا که "جاءنی زیدٌ و عمرٌو" میں عمرو کا عطف زید کے "دال"، "یا" اور "زا" پر جائز نہیں۔ کیونکه یه تینوں زید کے جز کلمه ہے۔ جبکه عطف پورے کلمه پر کیا جاتا ہے۔ تو "ما لکَ و زیدًا" میں "ما لَکَ" میں کاف ضمیر مجرور متصل ہے۔ اور ضمیر مجرور متصل جُز کلمه کی طرح ہوتا ہے۔ لہٰذا اس پر عطف جائز نہیں۔ بلکه اس صورت میں حرف جر کا اعاده ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً، "ما لکَ و لزیدٍ" کہا کرتے ہیں۔

ما لکَ و زیدًا: کیا ہوا تجھے اور زید کو۔یعنی تم کیا کر رہے ہو۔ یہاں فعل لفظًا موجود نہیں، بلکه معنًی موجود ہے۔ اور عطف بھی جائز نہیں۔ تو ما لکَ و زیدٍ پڑھنا جائز نہیں۔ بلکه "ما لکَ و زیدًا" ہی پڑھیں گے۔ اور زیدًا کو مفعول معه بنائیں گے۔

و ما شانُکَ و عمرًوا یہاں پر شانُ مرفوع لفظًا مضاف ہے۔ اور کاف ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیه ہے۔ یہاں "کاف" ضمیر مجرور متصل ہے، اور اس پر ہم عمرو کا عطف نہیں کر سکتے۔ اور فعل معنیٰ کے اعتبار سے موجود ہے۔ تو جب فعل معنًی موجود ہے۔ اور عطف جائز نہیں تو "ما شانُکَ و عمرًوا" ہی پڑھیں گے۔ اور عمرو کو مفعول معه بنائیں گے۔ اور اس میں "ما شانُکَ و عمرٍو" پڑھنا جائز نہیں۔ ترجمه: تیری اور عمرو کی کیا شان ہے۔ یعنی کیا حال ہے تم دونوں کا۔ یعنی تم دونوں کیا کر رہے ہو۔

سوال: جب عمروًا کا عطف کاف ضمیر پر جائز نہیں! تو اس کا عطف شان پر کیوں نہیں کر رہے؟ کیونکه شان تو اسم ہے ۔ اور اس پر عمرو کا عطف بھی ہو سکتا ہے۔ تو یوں کہه دو، "ما شانُک و عمرٌو"۔ جواب۔ کہتے ہیں، آپ شان لفظ پر عطف نہیں کر سکتے۔ شان لفظ پر عطف کریں گے تو سارا معنیٰ ہی خراب ہو جائیگا۔ یعنی عطف تو جائز ہوگا، لیکن سارا معنیٰ خراب ہوگا۔ یعنی اگر ہم "ما شانُک و عمرٌو" تسلیم کرے۔ تو "ما شانُکَ: تیری کیا شان ہے۔ یعنی تم کیا کر رہے ہو۔ اور آگے شان پر عمرو کا عطف کرتے ہیں۔ اور عطف کے دوران معطوفٌ علیه کو اُٹھاتے ہیں اور اسکی جگه معطوف رکھ دیتے ہیں۔ تو شانُک اُٹھا دو! اور اسکی جگه عمرو رکھ دو۔ تو "و ما عمرٌو" بن جائے گا۔ جس کا معنیٰ ہے۔ اور عمرو کیا چیز ہے۔ یعنی عمرو کون ہے؟ تو پورا ترجمه یوں بنے گا۔ تیرا کیا حال ہے؟ یعنی تم کیا کر رہے ہو؟ اور عمرو کون ہے؟ حالانکه یه پوچھنا مقصد نہیں۔ اور مقصد یه ہے که دونوں کا حال پوچھا جائے۔ که تم اور عمرو کیا کر رہے ہو؟ تو شان پر عطف کرنے سے معنیٰ کی خرابی لازم آتی ہے ۔ لان المعنیٰ اس لئے که

معنیٰ جو ہے ما تَصنعُ وَ نحوُہٗ ما تَصْنَعُ مخاطب کا صیغہ ہے۔ جہاں مخاطب کا صیغہ ہو تو مخاطب کا ترجمہ کرو۔ یا اس جیسا ترجمہ کرو۔

الحالُ ما تُبینُ ھیئۃَ الفاعلِ اوِ الْمَفعولِ بہٖ حال وہ چیز ہے جو بیان کرے فاعل کی ھیئت کو یا مفعول کی ھیئت کو۔ یعنی اُن کی حالت کو بیان کر دے۔ لفظا او معنًی وہ فاعل یا مفعول بہٖ لفظوں کے اعتبار سے ہو یا معنیٰ کے اعتبار سے ہو۔ یہ صاحب کافیہ ؒ وغیرہ کا مذہب ہے۔ لیکن بہت سی جگہ حال آتا ہے کسی ایسی چیز سے جو فاعل نہیں ہوتی ، جو مفعول بہٖ نہیں ہوتی۔ پھر صاحب کافیہ ؒ وغیرہ وہاں تاویل کر کے فاعل بناتے ہے یا مفعول بہٖ۔ اس لئے صاحب کافیہ ؒ نے فرمایا، کہ "لفظا او معنًی" یہ معنیً کا قید اس لئے بڑھایا۔ کہ اگر فاعل یا مفعول بہٖ لفظًا نہ ہو تو پھر تاویل کر کے فاعل یا مفعول بہٖ کو بنانا پڑھتا ہے۔ جبکہ ابن مالک ؒ اور دوسرے نحویوں کے نزدیک حال کسی بھی چیز کی حالت بیان کرنے کے لئے آتا ہے۔

آگے صاحب کافیہ دو مثالیں ذکر فرما رہے ہیں، ان میں پہلے مثال کے اندر فاعل اور مفعول لفظًا بھی ذکر ہے اور اس پر ہم تلفظ بھی حقیقتًا کرتے ہیں۔ اور دوسری مثال میں فاعل لفظًا تو ذکر ہے لیکن ہم اس پر تلفظ حقیقتًا نہیں کر رہے، بلکہ حُکمًا تلفظ کر رہے ہیں۔

نحوُ مثال کے طور پر ضربتُ زیدا قائما اب قائما حال بن رہا ہے زید مفعول بہٖ سے۔ اور یہاں زیدًا پر ہم تلفظ بھی کرتے ہے۔ تو یہ مفعول بہٖ لفظًا کی مثال ہوا۔ اور یاد رکھو! یہ قائمًا ضربتُ کی تُوٌ ضمیر سے بھی حال بن سکتا ہے اور زیدًا مفعول بہٖ سے بھی حال بن سکتا ہے۔ اور قائمًا جس کے لئے حال بنائیں گے اُسی کے مطابق ضمیر بھی نکالیں گے۔

اگر قائمًا تُوٌ ضمیر سے حال ہوگا تو تُوٌ ضمیر کے لئے قائمًا کے اندر انا ضمیر اِسکا فاعل ہوگا، اور زیدًا کے لئے قائمًا کے اندر ھو ضمیر اسکے اندر اسکا فاعل ہوگا جو زید کو راجع ہوگا۔ زید اسم ظاہر ہے۔ اور اسم ظاہر غائب کے درجے میں شمار ہوتا ہے۔ اس لئے قائما کے اندر ھو ضمیر نکالا۔

ترکیب۔ جب قائم حال ہوگا تُوٌ ضمیر سے۔ ضربتُ فعل با فاعل، تُوٌ ضمیر ذوالحال، زیدًا مفعول بہٖ، قائمًا صیغہ اسم فاعل، انا ضمیر اسکے اندر اسکا فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر حال۔ ذوالحال اپنے حال سے ملکر ضربتُ کے لئے فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہٖ سے ملکر جملہ فعلیہ ہوا۔

جب قائم حال ہوگا زیدًا مفعول بہٖ سے: ضربتُ فعل با فاعل، زیدًا منصوب لفظًا ذوالحال، قائمًا صیغہ اسم فاعل، اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل، جو کہ لوٹ رہی ہے ذوالحال کو، صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے ملکر مفعول بہٖ: فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ ہوا۔

تو اس مثال میں صاحب کافیہ ؒ نے فاعل کا بھی حال بتلایا، اور مفعول بہٖ سے بھی حال کا بتلایا۔ نیز دونوں پر ہم تلفُّظ بھی کرتے ہیں۔ یعنی تُوٌّ ضمیر پر بھی تلفظ کرتے ہے اور زیدًا پر بھی تلفظ کرتے ہے۔

اگلی مثال بھی لفظی کی ہے، لیکن وہ ملفوظ حکمًا ہے۔ و زیدٌ فی الدار قائما زیدٌ مرفوع لفظًا مبتدا، فی جارّہ، الدارِ مجرور، جار مجرور ملکر متعلق ہوئے ثابتٌ سے۔ ثابتٌ صیغہ اسم فاعل اسکے اندر ھو ضمیر جو کہ راجع ہے مبتدا کو، اور یہ ھو ضمیر ذوالحال ہے۔ قائمًا صیغہ اسم فاعل، اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع لفظًا اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے ذوالحال کو، صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے ملکر فاعل، ثابتٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

یہاں "ھوَ" ضمیر لفظوں کے اعتبار سے فاعل ہے، لیکن یہاں ہم ھو پر تلفظ نہیں کرتے۔ پچھلے مثال میں فاعل اور مفعول ملفوظ تھے حقیقتًا۔ لیکن اس مثال میں ھو ضمیر پر تلفظ حُکمًا ہے۔

آگے صاحب کافیہ معنوی مثال ذکر فرما رہے ہیں۔ یعنی فاعل یا مفعول لفظوں کے اعتبار سے نہ ہو، بلکہ معنیٰ کے اعتبار سے ہو۔ و ھٰذا زیدٌ قائما ھٰذا مبتدا، زیدٌ ذوالحال، قائمًا صیغہ اسم فاعل، اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے ذوالحال کو، صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے ملکر خبر۔ مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

یہاں پر ہم نےقائما کو زیدٌ سے حال بنایا۔ اور زید نہ فاعل ہے اور نہ ہی مفعول بہٖ ہے۔ بلکہ زید یہاں پر خبر ہے۔ صاحب کافیہ ؒ فرما رہے ہیں، لفظوں کے اعتبار سے زید تو خبر ہے ، لیکن معنیٰ کے اعتبار سے زید مفعول ہے۔ سوال: معنیٰ کے اعتبار سے یہ کیسے مفعول بنا؟ جواب۔ کہتے ہیں کہ آپ نے اسم اشارہ استعمال کیا یا نہیں؟ ھٰذا کا معنیٰ ہے، "یہ"۔ معلوم ہوا ! آپ اشارہ کر رہے ہیں۔ اور اس سے ایک معنیٰ سمجھ میں آیا، "اُشیرُ" یعنی "میں اشارہ کر رہا ہوں"۔ اور یہ اشارہ میں "زید" کی طرف کر رہا ہوں۔ تو "زید" ہوا مُشارٌ الیہ یعنی مفعول ہوا۔ یعنی آپ ہوئے مُشیر اور زید ہوئے مُشارٌ الیہ۔ تو آپ ہوئے فاعل اور جس کی طرف اشارہ ہوا وہ ہوا مفعول بہٖ۔ پس ثابت ہوا کہ لفظوں کے اعتبار سے تو زید خبر ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے زید مفعول بہٖ ہے۔ اور مفعول بہٖ سے حال آیا کرتا ہے، لہٰذا اس سے حال کا آنا صحیح ہے۔

آگے صاحب کافیہ ؒ یہ بتلاتے ہیں کہ حال کے اندر عامل کون ہوتا ہے؟ و عامِلُھَا الفِعْلُ او شِبْھُہٗ او معناہُ حال کے اندر عامل فعل ہوتا ہے، یا شبہ فعل ہوتا ہے، یا معنیٰ فعل اس کے اندر عامل ہوتا ہے۔ جیسا کہ ضربتُ زیدًا قائمًا کے اندر ضربتُ فعل عامل تھا۔ اور زیدٌ فی الدارِ قائمًا میں ثابتٌ صیغہ اسم فاعل یعنی شبہ فعل عامل تھا۔ اور "ھٰذا زیدٌ قائما" میں معنیٰ فعل "اُشیرُ" تھا۔ اور وہ قائما کے اندر عامل تھا۔

و شرطُها اور حال کی شرط یہ ہے۔ حال مؤنث سماعی ہے، اس لئے اس کی طرف مؤنث کی ضمیر راجع کر دی۔ اَنْ تکونَ نکرۃً کہ وہ نکرۃ ہونا چاہئے۔ یاد رکھو! حال ہمیشہ ہمیشہ نکرۃ آتا ہے۔ اگر کبھی معرفۃ آ بھی جائے، تو تاویل کر کے اسکو نکرۃ بنا لیں گے۔ یا صورۃً وہ معرفۃ ہوگا لیکن معنیٰ کے اعتبار سے نکرۃ ہوگا۔ و صاحبُها ای صاحبِ حال: یعنی ذوالحال، ها ضمیر حال کو راجع ہے۔ حال مؤنث سماعی ہے۔ معرفۃٌ غالبًا وہ غالبًا معرفۃ ہوتا ہے۔ ذوالحال نکرۃ بھی آسکتا ہے اور معرفۃ بھی آ سکتا ہے۔ لیکن زیادہ تر معرفۃ آتا ہے۔

آگے صاحب کافیہ ؒ ایک مثال ذکر فرما رہے ہیں۔ جس میں حال معرفۃ واقع ہوا ہے۔ وَ اَرْسَلَهَا العِرَاکَ یہ العراک معرفۃ ہے اور یہ حال ہے۔ ایک شاعر جا رہا تھا۔ اُس نے ایک جنگل میں عجیب منظر دیکھا۔ اُس نے دیکھا کہ ایک حِمار وحشی(جنگلی گدھا) ہے۔ جنگلی گدھا ہے اور جنگلی گدھیاں ہیں۔ اُس نے اُن کو پانی پینے کے لئے بھیجا۔ خود ایک جگہ کھڑا ہے اور وہ ساری پانی پی رہی ہیں، تا کہ میں حفاظت کروں تاکہ کوئی شکاری شکار کے لئے نہ آجائے۔ اب وہ جنگلی گدھیاں بہت زیادہ تھیں۔ اور اُس نے ہجوم کردیا پانی پر۔ تو شاعر کو یہ منظر بڑا عجیب لگا۔ کہ خود تو حفاظت کے لئے کھڑا ہوا اور اُن کو پانی پینے کے لئے بھیج دیا۔ تو اُس نے اس پر ایک شعر کہا۔ اور اُس میں ایک مصرعہ کے اندر یہ آتا ہے۔

" وَ ارسلها العراکَ"۔ اَرْسَلَ: بھیجا۔ اور اس کے اندر ضمیر راجع ہے حمارِ وحشی کو۔ یعنی حمارِ وحشی نے بھیجا۔ ها ضمیر راجع ہے اُتُنْ کو۔ اور اُتُنْ جمع ہے اَتَان کی۔ اور اَتَان جنگلی گدھی کو کہتے ہے۔ (حمار: گدھا، اَتان: گدھی، اُتُن یہ جمع ہے اَتان کی۔ اُتُوْن جمع اُتُن: بھٹی، تنور، حمام کا چولھا، اینٹ پکانے کا بھٹہ) اَرْسلَها: اُس جنگلی گدھے نے جنگلی گدھیوں کو بھیجا۔ عراک: ہجوم کرتے ہوئے۔ یعنی بڑا اتحاد ہوگیا اُس کا آپس میں۔ العِراکَ: اس حال میں کہ وہ ہجوم کرنے والی تھی۔ العراکَ یہ ها ضمیر سے حال ہے۔

تو اس پر اشکال ہوا، کہ اے صاحب کافیہ ؒ آپ نے تو کہا تھا کہ حال ہمیشہ نکرۃ آتا ہے۔ لیکن یہاں العراکَ حال تو معرفۃ واقع ہوا۔ صاحب کافیہ ؒ بتلاتے ہیں کہ یہ صورت میں معرفۃ کے ہیں۔ لیکن دراصل یہ نکرۃ ہے۔ اس میں تاویل کی گئی ہے۔ العراک بمعنیٰ مُعْتَرِکَۃً کے ہے۔ ای ارسلَها مُعْتَرِکَۃً: بھیجا اُن جنگلی گدھیوں کو اس حال میں کہ وہ ہجوم کرنے والی تھی۔

و مَرَرْتُ بِهٖ وحدَهٗ میں اُس پر گزرا اس حال میں کہ وہ اکیلا تھا۔ یہ وحدَهٗ حال ہے بِهٖ کی ها ضمیر سے۔ یہ وحدَ مضاف ہے ها ضمیر کی طرف۔ اور جب مضافٌ الیہ معرفۃ ہو تو مضاف بھی معرفۃ بن جاتا ہے۔ تو یہاں وحدَ کا لفظ بھی معرفۃ بنا۔ تو حال معرفۃ بنا۔ حالانکہ آپ ؒ نے فرمایا تھا کہ حال ہمیشہ نکرۃ ہوتا ہے۔ تو صاحب کافیہ ؒ فرماتے ہیں کہ اس میں تاویل کی گئی ہے۔ وحدَہ یہ مُنْفَرِدًا کے معنیٰ میں

ہے۔ ای مررتُ بہٖ مُنْفَرِدًا: میں اُس پر گزرا اس حال میں کہ وہ اکیلا تھا۔ و نحوُہٗ اور اس جیسی جو مثالیں ہیں۔ مُتَاَوَّلٌ اس میں تاویل کی گئی ہے۔

درس 56۔ فان کان صاحبُہا نکرۃً اگر ذوالحال نکرۃ ہو۔ ھا ضمیر راجع ہے حال کو۔ وَجبَ تقدیمُہا تو پھر حال کا ذوالحال پر تقدیم واجب ہے۔

جب ذوالحال معرفۃ ہو اسکی مثال: جاءنی زیدٌ راکبًا۔ یہ راکبًا حال ہے یا تو زید سے ہے اور یا متکلم کی ضمیر سے ہے۔ اور دونوں صورتوں میں ذوالحال معرفۃ ہے۔

اور جب ذوالحال نکرۃ ہو، جیسا کہ "ضربتُ رجلاً راکبًا" میں اگر راکبًا کو ہم رجلاً سے حال بنانا چاہے، تو یہ جملہ جائز نہیں۔ اس لئے کہ ابھی صاحب کافیہؒ نے ضابطہ بتلایا کہ ذوالحال جب نکرۃ ہو تو حال کو مقدَّم کرنا واجب ہے۔ تو اس صورت میں "ضربتُ راکبًا رجلاً" کہوں گا۔

ذوالحال جب نکرۃ ہو تو حال کو دو وجہوں سے مقدَّم کرنا واجب ہے۔ ایک تو یہ کہ ذوالحال اور حال آپس میں مبتدا اور خبر کے درجے میں ہوتے ہیں۔ ذوالحال مبتدا کی طرح ہوتا ہے اور حال خبر کے درجے میں ہوتا ہے۔ اور ہم نے پڑھا ہے کہ نکرۃ محض مبتدا نہیں بن سکتا۔ اگر نکرۃ میں تخصیص پیدا کیا جائے تو پھر یہ مبتدا بن سکتا ہے۔ اور تخصیص کا ایک طریقہ ہم نے یہ پڑھا تھا کہ خبر کو مقدَّم کیا جائے مبتدا پر ۔ مثلاً، "فی الدارِ رجلٌ" میں رجلٌ مبتدا مؤخر ہے اور نکرۃ محض ہے۔ لیکن جب "فی الدار" کو مقدَّم کیا تو اس میں تخصیص پیدا ہوئی۔ تو "فی الدار" خبر مقدَّم اور رجلٌ مبتدا مؤخر۔ تو اسی طرح "ضربتُ رجلاً راکِبًا" میں رجلاً ذوالحال ہے، مبتدا کے درجے میں ہے اور نکرۃ محض ہے۔ اور نکرۃ محض مبتدا نہیں بن سکتا، تو لہٰذا اب اس وقت بھی اس کو مؤخر کر دیں گے تا کہ اس میں تخصیص پیدا ہو جائے۔ تو اب میں کہتا ہوں، "ضربتُ راکبًا رجلاً"۔ اب راکبًا حال ہے، خبر مقدَّم کے درجے میں ہے اور رجلاً ذوالحال ہے مبتدا مؤخر کے درجے میں ہے۔ اب اس کا مبتدا خبر بننا صحیح، کیونکہ اب اس کے اندر تخصیص آ گئی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حالت نصبی کے اندر التباس لازم آئے گا۔ پتہ نہیں چلے گا، کہ یہ حال ہے یا صفت ہے۔ مثلاً، ضربتُ رجلاً راکبًا میں راکبًا کو میں نے حال بنایا رجلاً سے۔ لیکن دیکھتے ہی آپ یہ کہیں گے کہ یہ تو صفت ہے۔ دیکھو رجلاً بھی نکرۃ ہے اور منصوب ہے۔ راکبًا بھی نکرۃ ہے اور منصوب ہے۔ تو آپس میں موصوف صفت لگیں گے۔ تو لہٰذا حالت نصبی کے اندر اس حال کا التباس لازم آتا تھا صفت کے ساتھ۔ لہٰذا اس حال کو مقدَّم کر دیں گے۔ اور یوں کہوں گا، ضربتُ راکبًا رجلاً۔ اب ذہن میں یہ نہیں آتا ہے راکبًا صفت ہے اور رجلاً موصوف ہے۔ کیونکہ صفت کبھی بھی موصوف پر مقدَّم نہیں ہوتی۔ تو لہٰذ اس کو مقدّم کر دیں گے، تا کہ حالت نصبی میں حال کا التباس لازم نہ آئے صفت کے ساتھ۔ اور جب حالت نصبی میں ہم نے ضروری قرار دیا کہ حال کو مقدّم کر دو! تو حالت جرّی اور رفعی میں بھی حال کو مقدّم کرنا ضروری قرار دیا۔ تا کہ ساروں کا حکم ایک جیسا ہو جائے۔

و لا تَتَقَدَّمُ اور مقدَّم نہیں ہوتا حال **علی العامل المعنویِّ** عامل معنوی پر۔ عامل معنوی پر حال مقدَّم نہیں ہو سکتا۔ حال کے اندر عامل کبھی فعل ہوتا ہے، کبھی شبہ فعل ہوتا ہے اور کبھی معنیٰ فعل عامل ہوتا ہے۔ جب حال کے اندر عامل معنیٰ فعل ہو، تو اس صورت کے اندر حال کو اُس عامل معنوی پر مقدَّم کرنا جائز نہیں۔ تو لہٰذا، "ھٰذا زیدٌ قائمًا" میں قائمًا جو کہ حال ہے اس کے اندر عامل معنیٰ فعل "اُشیرُ" ہے۔ تو اس قائمًا کو "ھٰذا" پر مقدَّم کرنا جائز نہیں، اور یوں نہیں کہہ سکتے، "قائمًا ھٰذا زیدٌ"۔ **بَخِلاف الظرف** بخلاف ظرف کے۔ یعنی جب ظرف عامل ہو حال کے اندر، تو اس صورت میں حال کو ظرف پر مقدَّم کرنا جائز ہے۔ مثلاً، "زیدٌ فی الدارِ قائمًا" میں قائمًا حال ہے۔ اور اس کے اندر عامل "فی الدار" ہے۔ اور "فی الدار" ظرف ہے۔ کیونکہ جار مجرور مجازًا ظرف ہوتا ہے۔ تو یہ ظرف مجازی عامل ہے حال کے اندر۔ تو اس صورت میں قائمًا کو "فی الدار" پر مقدَّم کرنا جائز ہے۔

گہری بات: زیدٌ فی الدار قائمًا میں ہم کہتے ہیں کہ "زیدٌ ثابتٌ فی الدار قائمًا"۔ ثابتٌ شبہ فعل ہے۔ اسکے اندر ھو ضمیر ذوالحال ہے۔ اور اس ھو ضمیر سے قائمًا حال ہے۔ اب ثابتٌ چلا گیا، اور اس کی جگہ "فی الدار" ظرف مجازی نے پکڑا۔ تو جو کام ثابتٌ کر رہا تھا، اب وہی کام "فی الدار" ظرف کرے گا۔ جیسا کہ ثابتٌ نے ھو ضمیر کو رفع دیا تھا۔ اب وہ "ھو" ضمیر "فی الدار" کے اندر آکر چھپ گیا ہے۔ اور "فی الدار" ظرف اس ھو ضمیر کو رفع دیتا ہے۔ تو "فی الدار" کے لئے ھو ضمیر ذوالحال بنا۔ اور پہلے قائمًا کو نصب ثابتٌ دے رہا تھا، اب ثابتٌ چونکہ جا چکا ہے، تو اب "فی الدار" ظرف اس قائمًا یعنی حال کو نصب دیتا ہے۔ اب قائمًا یعنی حال کے اندر عامل ظرف "فی الدار" ہوا۔ تو اب اس صورت میں حال کو ظرف پر مقدّم کرنا جائز ہے ۔ اور یہ امام اخفشؒ کے نزدیک ہے۔ تو امام اخفشؒ کے نزدیک، "زیدٌ قائمًا فی الدار" کہہ سکتے ہے۔

جبکہ امام سیبویہؒ کے نزدیک حال کو ظرف پر مقدَّم کرنا جائز نہیں۔ یعنی یوں کہنا، "زیدٌ قائمًا فی الدار" جائز نہیں۔ امام سیبویہؒ کے نزدیک ظرف عاملِ ضعیف ہے۔ اور یہ ما بعد میں عمل کر سکتا ہے لیکن ماقبل میں عمل نہیں کر سکتا۔ جبکہ امام اخفشؒ کے نزدیک حال کو ظرف پر مقدم کرنا جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے مبتدا آیا ہو۔ مثلاً "زیدٌ قائمًا فی الدار" میں قائمًا کے اندر عامل "فی الدار" ہے۔ اور اس قائمًا سے پہلے مبتدا زید آیا ہے۔ لہٰذا امام اخفشؒ کے نزدیک یہ جائز ہے۔ اور اگر مبتدا پر بھی مقدّم کر دے، اور یوں کہیں، "قائمًا زیدٌ فی الدار" یہ کہنا جائز نہیں۔

و لا علی المجرور ای **و لا تَتَقَدَّمُ علی المجرورِ**: اور اسی طرح حال مقدّم نہیں ہو سکتا مجرور پر۔ مجرور دو ہیں۔ یا مجرور بحرف یا مجرور باضافت۔ اور دونوں صورتوں میں حال مجرور پر مقدّم نہیں ہو سکتا۔ مجرور بحرف کی مثال: مررتُ بزیدٍ راکبًا: میں گزرا زید پر، اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ تو راکبًا کو ہم نے حال بنایا زید سے۔ تو یاد رکھو! اس راکبًا کو زید پر مقدَّم کرنا جائز نہیں۔ یوں آپ نہیں کہہ سکتے، مررتُ

راکبًا بزیدٍ۔ اور یہ راکبًا حال ہے زید سے۔ اس لئے کہ یہ حال تابع ہوتا ہے ذوالحال کے۔ اور ذوالحال یہاں زید ہے۔ اور زید مجرور ہے۔ اور یہ زید "با" پر مقدَّم نہیں ہو سکتا۔ اور جب زید یعنی ذوالحال اُس عامل پر مقدّم نہیں ہو سکتا، تو حال جو کہ تابع ہے ذوالحال کا، وہ بطریق اولیٰ اُس عامل پر مقدّم نہیں ہو سکتا۔ مجرور بہ اضافت کی مثال تھی۔ اگر وہ مجرور مضافٌ الیہ ہو، اور اُس سے آگے حال آرہا ہو، تو اس حال کو بھی اس پر مقدّم کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ حال، ذوالحال کی تابع ہوا کرتا ہے۔ اور جب ذوالحال یعنی مضافٌ الیہ کو مضاف پر مقدّم نہیں کیا جا سکتا، تو حال کو بطریقِ اولیٰ مقدّم نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً، جاءنی ضاربُ زیدٍ راکبًا: اور اس راکبًا کو میں حال بنا رہا ہوں زید سے۔ اور زید یہاں اضافت کی وجہ سے مجرور ہے۔ تو اس صورت میں بھی راکبًا کو زید پر مقدّم نہیں کیا جا سکتا۔ تو "جاءنی راکبًا ضاربُ زیدٍ" کہنا صحیح نہیں اس وقت جب آپ راکبًا کو حال بنانا چاہتے ہیں زید مجرور سے۔ اس لئے کہ ضاربُ زیدٍ کے اندر زید مضافٌ الیہ ہے اور مضافٌ الیہ مضاف پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ اور جب زید یعنی مضافٌ الیہ یعنی ذوالحال جب وہ مضاف پر مقدّم نہیں ہو سکتا، تو حال بطریق اولیٰ مقدّم نہیں ہو سکتا۔ یعنی جب متبوع یعنی ذوالحال کو جب مجرور پر ہم مقدّم نہیں کر سکتے، تو تابع یعنی حال کو بطریق اولیٰ مقدم نہیں کر سکتے۔ علی الاصح صحیح مذہب کے مطابق۔

یہاں سے صاحب کافیہ ؒ جمہور نحویوں کے مذہب کے خلاف بات کر رہے ہیں۔ جمہور نحوی حضرات ؒ یہ کہتے ہیں کہ حال کے لئے مشتق کا صیغہ ضروری ہے۔ یعنی اسم جامد وغیرہ حال نہیں بن سکتا۔ مثلاً جاءنی زیدٌ راکبًا میں یہ راکبًا اسم مشتق ہے۔ لیکن کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ اسم جامد حال بنتا ہے۔ تو جمہور نحوی پھر اس کو مشتق کی تاویل میں کر دیتے ہیں۔ جیسے حال کبھی معرفة آتا تو ہم اس میں تاویل کر کے نکرة بناتے تھے۔ صاحب کافیہ ؒ فرماتے ہیں کہ کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور جو بھی چیز ھیئت پر دلالت کرے وہ حال بن سکتا ہے۔ چاہے وہ اسم مشتق ہو چاہے وہ اسم جامد ہو۔ وکُلُّ ما دَلَّ علیٰ ھیئَةٍ اور ہر وہ چیز جو دلالت کرے ھیئت پر۔ یعنی ہر وہ اسم جامد جو دلالت کرے ھیئت پر۔

صَحَّ ان یقع حالا صحیح ہے اُس کا حال واقع ہونا۔ مثلُ مثال کے طور پر ھذا بُسْرًا اَطْیَبُ منه رُطَبًا

یاد رکھو! کھجور کی تین حالتیں ہیں۔ ایک ہے، بُسْرَةٌ، ایک ہے رُطَبَةٌ اور ایک ہے تمرةٌ۔ جب کھجور کے پھل میں مٹھاس آتا ہے، لیکن ابھی اس میں سختی ہوتا ہے اور رنگ بھی اسکا بدل جاتا ہے، تو اسکو بُسْرَةٌ کہتے ہیں۔ اور اسکی جمع ہے بُسْرٌ۔ اردو میں اسے ڈوکا کہتے ہیں۔ اور پھر جب کھجور نرم ہو جاتی ہے تو اس حال میں یہ رُطَبَةٌ کہلاتی ہے۔ اور اسکی جمع رُطَبٌ ہے۔ اسکو تازہ کھجور بھی کہتے ہیں۔ لیکن اس میں رس زیادہ ہوتا ہے۔ لہٰذا رس زیادہ ہونے کی وجہ سے جب اسے درخت سے اتارا جاتا ہے، تو زیادہ عرصے تک محفوظ رکھنے کے لئے دھوپ میں اسے خشک کیا جاتا ہے۔ تو دھوپ کی وجہ سے اس کا زائد پانی

خشک ہو جاتا ہے، اور پھر جو عام کھجور ہم کھاتے ہیں یہ بن جاتا ہے۔ اور اسکو تمرۃٌ کہتے ہیں۔ بعض تمرۃٌ کا معنیٰ چھوہارے کرتا ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ تَمْرَۃٌ کی جمع تَمْرٌ ہے۔

هذا بُسْرًا اَطْيَبُ منه رُطَبًا کی وضاحت: اس مثال میں کہنے والا یہ کہتا ہے کہ یہ کھجور "ڈوکے" کی حالت زیادہ مزیدار ہوتا ہے اُس حالت سے جب یہ رُطَبٌ بن جاتی ہے۔

هٰذا بُسْرًا: یہ کھجور اس حال میں کہ یہ ڈوکا ہو، اَطْيَبُ: یہ زیادہ بہتر ہے، منهُ رُطَبًا: اسی کھجور سے اس حال میں کہ یہ رُطَبٌ ہو۔ تو یہ کھجور ڈوکا ہونے کی حالت میں رطب ہونے کی حالت سے زیادہ مزیدار ہے۔

تو دیکھو! بُسْرًا بھی حال بنا، اور یہ اسم جامد ہے۔ اور رُطَبًا بھی حال بنا اور یہ بھی اسم جامد ہے۔ تو جمہور اس میں کچھ تاویل کریں گے۔ لیکن صاحب کافیہ ؒ بتلاتے ہیں، کہ کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں۔ پس صاحب کافیہ ؒ کے نزدیک جو بھی چیز چاہے اسم جامد ہو، چاہے اسم مشتق ہو، اگر ہیئت پر دلالت کرے تو اسکا حال بنانا صحیح ہے۔

س۔ فعل کے اندر بھی ضمیر ہوتا ہے، اور آپ اسے جملہ کہتے ہیں۔ جبکہ صفت کے صیغوں کے اندر بھی ضمیر ہوتا ہے لیکن آپ اسے شبہ جملہ یعنی مفرد کہتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب۔ صفت کا صیغہ مثلا قائمٌ کی ایک مشابہت فعل کے ساتھ ہے۔ جس طرح فعل کے اندر ضمیر ہوتا ہے اسی طرح صفت کے صیغے کے اندر بھی ضمیر ہوتا ہے۔ لیکن اس کی ایک مشابہت اسم جامد کے ساتھ بھی ہے۔ اسم جامد خالی عنِ الضمیر ہوتا ہے۔ اور تینوں حالتوں میں یکساں ہوتا ہے۔ یعنی متکلم، مخاطب اور غائب تینوں کے لئے اسم جامد ایک جیسا ہوتا ہے۔ جیسا کہ، انا رجلٌ، انتَ رجلٌ اور ھو رجلٌ۔ تو رجلٌ اسم جامد تینوں صورتوں میں ایک جیسا ہے۔ اسی طرح صفت کے صیغے بھی تینوں حالتوں میں ایک جیسے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ، انا قائمٌ، انتَ قائمٌ اور ھو قائمٌ۔ تو صفت کے صیغے کی مشابہت اسم جامد کے ساتھ بھی آئی۔ تو اسی وجہ سے ہم صفت کے صیغے پر جملے کا حکم نہیں لگاتے۔ البتہ یہ یاد رکھنا کہ صفت کے صیغے کو جس چیز کے ساتھ جوڑتے ہیں، تو صفت کے صیغے میں وہی ضمیر ہوگی۔ مثلاً، انا قائمٌ میں قائمٌ کے اندر "انا" ضمیر ہے۔ ھو قائمٌ میں قائمٌ کے اندر ھو ضمیر ہوتا ہے۔ اور انتَ قائمٌ میں قائمٌ کے اندر "انت" ضمیر ہوتا ہے۔

درس 57۔ ابھی تک ہم نے حال کے بارے میں جو پڑھا وہ حالِ مفرد تھا۔ اب صاحب کافیہ حال کے بارے میں بتلائے گا، کہ حال جملہ بھی ہو سکتا ہے۔ جملہ دو قسم پر ہے۔ یا تو جملہ اسمیہ ہوگا، یا تو جملہ فعلیہ ہوگا۔ جملہ فعلیہ میں پھر دو اقسام ہیں۔ یا تو اس میں فعل مضارع آئے گا، یا اس میں فعل ماضی آئے گا۔ تو جملہ تین قسم پر ہوا۔ اور پھر مضارع یا تو مثبت ہوگا یا منفی۔ اور اسی طرح ماضی بھی یا

مثبت ہوگا یا منفی۔ تو جملہ کی پانچ قسمیں بنی۔ یعنی جملہ اسمیہ، مضارع مثبت، مضارع منفی، ماضی مثبت اور ماضی منفی۔

نیز ہم نے پڑھا ہے کہ جملہ مستقل ہوتا ہے۔ وہ اپنا معنیٰ ادا کرنے میں کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ جب آپ جملے کو کسی کے ساتھ جوڑ رہے ہو، تو درمیان میں ربط چاہیئے۔ لیکن جب آپ جملے کو حال بنا رہے ہو۔ تو اس صورت میں ربط کے لئے کبھی واو لاتے ہے اور کبھی ضمیر لاتے ہے۔ اور اس واو کو واو حالیہ کہتے ہے۔

اگر حال جملہ مضارع مثبت ہو، تو ربط صرف ضمیر کے ساتھ دیں گے۔ اور جملے کے باقی چار صورتوں میں ربط صرف واو کے ذریعے بھی دے سکتے ہیں، صرف ضمیر کے ساتھ بھی دے سکتے ہیں۔ اور دونوں کے ساتھ بھی ربط دے سکتے ہیں۔ یعنی ربط کے لئے واو بھی لایا جا سکتا ہے اور ضمیر بھی لایا جا سکتا ہے۔ تو ربط کی تین صورتیں بن گئی۔

اگر حال جملہ اسمیہ ہو، تو اس میں بھی تینوں کے ساتھ ربط دیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس صورت میں صرف ضمیر کے ساتھ ربط دینا ضعیف ہے۔

و تکونُ جملةً خبريةً اور حال جملہ خبریہ ہوگا۔ جملہ خبریہ میں ایک جملہ اسمیہ ہوتا ہے۔ اب اسکی تفصیل صاحب کافیہ ؒ بتلاتا ہے۔ فالاسميةُ بالواوِ والضميرِ پس اسمیہ واو اور ضمیر کے ساتھ آئے گا۔ یعنی جملہ اسمیہ میں واو اور ضمیر دونوں کے ساتھ ربط دے سکتے ہیں۔ او بالواو یا صرف واو کے ذریعے ربط دیا جائے گا۔ او بالضمير اور یا ربط صرف ضمیر کے ساتھ دیا جائے گا۔ علىٰ ضُعْفٍ ضعف کے طریقے پر۔ یعنی حال جب جملہ اسمیہ ہو، اور آپ صرف ضمیر کے ساتھ ربط دینا چاہے تو یہ ضعیف ہے۔ پس یا ربط واو کے ساتھ دو اور یا واو اور ضمیر دونوں کے ساتھ ربط دو۔

اب جملہ خبریہ کی دوسری قسم جملہ فعلیہ ہے۔ اب صاحب کافیہ ؒ اسکی تفصیل بیان فرما رہے ہیں۔ و الْمُضارِعُ المثبَتُ بالضمير وحدَهُ اور جب حال مضارع مثبت ہو تو ربط صرف واو کے ساتھ آئے گا۔ و ما سواهُما بالواو و الضمير اور ان کے علاوہ جو ہیں، وہ واو اور ضمیر دونوں کے ساتھ آئیں گے۔ او بأَحَدِهِما اور یا واو اور ضمیر دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ۔ و لا بُدَّ فی الماضی المثبت من قد ظاهرة او مقدرة اور ماضی مثبت کے اندر ضروری ہے "قد" کا آنا اس حال میں کہ وہ ظاہر ہو یا مقدَّر ہو۔ مثلاً جاءنی زیدٌ وَرکِبَ۔آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ رَکِبَ ماضی ہے اور حال واقع ہو رہا ہے۔ اور ربط کے لئے واو کو لایا گیا۔ تو یہاں رَکِبَ سے پہلے قد کا ہونا ضروری ہے۔ اگر لفظوں میں موجود ہو تو بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن اگر لفظوں میں موجود نہ ہو تو وہاں مقدَّر ماننا پڑے گا۔ ای جاءنی زیدٌ و قد رکِبَ۔

یه قد ماننا اس لئے ضروری ہے کیونکہ آپ حال لا رہے ہیں۔ اور حال بھی آپ ماضی کو لا رہے ہوں۔ حال اور ماضی میں مُنافات ہے۔ کیونکہ حال موجودہ زمانے پر دلالت کرتا ہے اور ماضی گذشتہ زمانے پر دلالت کرتا ہے۔ تو دونوں ایک ساتھ نہیں آسکتے۔ اب اس پر قد ماننا پڑیگا۔ کیونکہ قد کی وجہ سے ماضی، ماضی قریب بن جاتی ہے۔ جیسا کہ، جاءَ زیدٌ: زید آیا۔ جاءَ ماضی ہے۔ اب زید کب آیا؟ ایک منٹ پہلے آیا تھا، تب بھی آپ کی بات صحیح۔ بیس سال پہلے آیا تھا تب بھی آپ کی بات صحیح۔ کیونکہ جاءَ نے صرف یہ بتلایا کہ زید ماضی میں آیا ہے۔ تو وہ قریب کو بھی شامل ہے اور بعید کو بھی شامل ہے۔ لیکن جب اس پر قد داخل کردو تو اسکا معنیٰ ماضی قریب کا بن جاتا ہے۔ جیسا کہ قد جاءَ زیدٌ: زید آیا ہے۔ اب یہ ماضی قریب بن گیا۔ یعنی ابھی قریب کے ماضی میں آیا ہے۔ تو جب ماضی پر قد کو مانا جائے تو اس قد کی وجہ سے ماضی حال کے قریب ہو جائے گی۔ اور "قریب الی الشئی فی حکم الشئ" ہوا کرتی ہے۔

اب صاحب کافیہ ؒ آپ کو بتلائے گا کہ حال کے عامل کو کہاں پر حذف کرنا جائز ہے اور کہاں پر حذف کرنا واجب ہے۔ جب قرینة موجود ہو تو عاملِ حال کو حذف کرنا جائز ہے۔ ویجوزُ حذفُ العامل کقولکَ للمسافر اور حال کے عامل کو حذف کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ آپ کا کہنا مسافر سے۔ ایک شخص ہے سفر پر جا رہا ہے۔ اور آپ اُس سے کہے۔ راشدًا مهديًا: ای اِذْهَبْ راشدًا مهديا: جا تو اس حال میں کہ تو ہدایت پر ہو۔ مهديا: کہ تجھے ہدایت دیا گیا ہو۔ تو دیکھو، "راشدًا مهديا" حال ہے۔ اور اس کے عامل "اذهب" کو حذف کرنا جائز ہے، اس لئے کہ قرینة موجود ہے۔ کیونکہ مسافر ویسے بھی تو جا رہا ہے۔ راشدًا مهديًا ای اِذهب راشدًا مهديًا۔

اب صاحب کافیہ ؒ اُس صورت کو بتلائے گا کہ جہاں پر حال کے عامل کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔اس عبارت کو سمجھنے سے پہلے حالِ مؤکدہ کے بارے میں یہ تفصیل یاد رکھو۔

یاد رکھو! ایک حالِ مؤکِّدَہ ہے ایک حالِ منتقلہ ہے۔ حالِ مؤکِّدَة یہ غالبًا یعنی اکثر ذوالحال سے جُدا نہیں ہوتا۔ جب تک ذوالحال رہتا ہے حال بھی عمومًا اُس کے ساتھ رہتا ہے۔ حالِ مُنتقلہ اکثر اوقات اپنے ذوالحال سے جُدا ہو جایا کرتا ہے۔

حالِ مؤکِّدَة کی مثال: زیدٌ ابوکَ عَطُوْفًا: زید آپ کا باپ ہے، اس حال میں کہ وہ بہت شفقت کرنے والا ہے۔ عطوف یہ مبالغہ کا صیغہ ہے، یہ حال بن رہا ہے۔ جس کا معنیٰ بہت شفقت کرنے والا ہے۔ اس مثال میں ابوکَ ذوالحال ہے۔ اور عطوفًا حال ہے۔ اور یہ شفقت اکثر باپ سے جدا نہیں ہوتی۔ یعنی اکثر باپ شفقت والا ہوگا۔ یعنی جب بھی باپ ہوگا وہ شفیق ہوگا۔

حالِ منتقلہ کی مثال: جاءنی زیدٌ راکبًا: آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ تو ایسا نہیں کہ زید اکثر سوار رہتا ہے۔ یا یہ سواری زید سے اکثر جدا نہیں ہوتی۔

اب یاد رکھو! یہ حالِ مؤکِّدَة تین قسم پر ہے۔ پہلا: حالِ مؤکدة للعامل، دوسرا: حالِ مؤکدة لِذی الحال، تیسرا: حال مؤکدة لمضمونِ الجملة۔ مؤکدة کا مطلب ہے تاکید پیدار کرنے والا۔ یا تو تاکید پیدا کرے گا عامل کے اندر، یا تو تاکید پیدا کریگا ذو الحال کے اندر۔ اور یا تاکید پیدا کریگا مضمونِ جملة کے اندر۔

[1]حالِ مؤکدة للعامل کی مثال: اِنَّا ارسلنٰکَ للناسِ رسولاً۔ ہم نے آپ کو بھیجا، اس حال میں کہ آپ رسول ہیں۔ تو دیکھو! رسولاً کے اندر عامل ارسلنا فعل ہے۔ ارسلنا کا معنیٰ بھیجنا، اور رسول بھی بھیجے ہوئے کو کہتے ہیں۔ تو رسولاً یہاں حال مؤکدة للعامل ہے۔ کیونکہ رسولاً کے لفظ نے ارسلنٰکَ کے معنیٰ میں تاکید پیدا کر دی۔

[2]حالِ مؤکدة لِذی الحال کی مثال: لَآمَنَ مَنْ فِی الارضِ کُلُّھُمْ جمیعًا: لَآمَنَ البتہ ایمان لے آئے مَنْ فِی الارضِ جو زمین کے اندر ہیں کُلُّھُمْ سارے کے سارے جمیعًا اس حال میں کہ وہ سارے کے سارے ہوں۔ تو دیکھو! جمیعًا حال ہے، ذوالحال کُلُّھُمْ سے۔ کلُّھم کا معنیٰ: سارے کے سارے، جمیعًا کا معنیٰ: سارے کے سارے۔ تو حال نے ذوالحال کے معنیٰ میں تاکید پیدا کر دی۔ تو جمیعًا یہاں حال مؤکدة لذی الحال ہوا۔

[3]حال مؤکدة لمضمونِ الجملة کی مثال:زیدٌ ابوکَ عطوفًا: زید تمہارا باپ ہے، اس حال میں کہ بہت شفقت کرنے والا ہے ۔ یہاں مضمون جملة، "زید کی شفقت" ہے۔ کیونکہ والد اکثر شفیق ہوتا ہے۔ اور آگے حال "عطوفًا" کا معنیٰ بھی شفقت کے ہے۔ یعنی مضمون جملة میں بھی شفقت کا بیان ہے، اور حال کے معنیٰ بھی شفقت کے ہے، تو حال نے مضمون جملة میں تاکید پیدا کی۔

آگے صاحب کافیه فرماتے ہیں، کہ جب حال مضمون جملة کے اندر تاکید پیدا کر رہا ہو، تو اس صورت میں حال کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ یعنی حالِ مؤکِّدَة لمضمونِ الجملة ہو، تو اس کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ اور جملة بھی جملة اسمیه ہونا چاہئے۔ اگر جملہ فعلیه ہو، تو پھر وہ فعل ہی حال کے اندر عامل ہوتا ہے۔ اگر فعل نہیں تو پھر شبه فعل یا معنیٰ فعل حال کے اندر عامل ہوتا ہے۔

ویجبُ فی المؤکِّدَةِ ای یجبُ حذفُ العاملِ فی المؤکِّدَةِ اور واجب ہے عامل کا حذف کرنا حالِ مؤکِّدة کے اندر۔ مثلُ زیدٌ ابوک عطوفًا زید تمہارا باپ ہے اس حال میں کہ وہ بہت شفقت کرنے والا ہے۔ عطوف مبالغه کا صیغه ہے۔ اب حال تاکید پیدا کر رہا ہے مضمون جملہ کے اندر۔ تو اس حال کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ آگے صاحب کافیه، "ای اُحِقُّهُ" کے ذریعے عطوفًا کے عامل کو بتلا دیا۔ ای اُحِقُّهُ ای زیدٌ ابوک اُحِقُّهُ عطوفًا: زید تمہارا باپ ہے، میں زید کی اُبُوَّت آپ کے لئے ثابت کرتا ہوں، اس حال میں کہ وہ بہت ہی شفقت کرنے والا ہے۔ اُبُوَّتِ زید: زید کا باپ ہونا۔ اُحِقُّهُ کی ہا ضمیر اُبُوَّتِ زید کو راجع ہے۔

حال مؤکِّدة کے عامل کو کب حذف کیا جائے گا۔ آگے صاحب کافیہؒ اُس شرط کو بیان فرما رہے ہیں۔ و شرطُها اور عامل کے حذف کرنے کی شرط یہ ہے۔ اَنْ تکونَ مُقَرِّرَةً ای مؤکِّدَةً کہ وہ حال جو ہے تاکید پیدا کرنے والا ہو، قَرَّرَ یُقَرِّرُ تقریر: پختہ کرنا۔ مقرِّرَةً: اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ کہ وہ حال پختہ کرنے والا ہو۔ لِمضمونِ جملةٍ اسمیةٍ جملہ اسمیہ کے مضمون کو۔ یعنی وہ حال جملہ اسمیہ کے مضمون کو پختہ کرنے والا ہو، تو اس صورت میں اس حال کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔

معلوم ہوا جملہ اسمیہ کے مضمون کی تاکید کے لئے جو حال آتا ہے، تو اسکے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔

درس 58۔ کافیہ کی مشکل ترین ابحاث میں سے ایک بحث تمیز کی ہے۔ التمییز ما ای التمییزُ اسمُ ما: تمیز اُس چیز کا نام ہے۔ یَرْفَعُ الْاِبْهامَ جو ابہام کو دور کرتی ہے۔ اَلْمُسْتَقِرَّ وہ ابہام جس نے قرار پکڑا ہو۔ یعنی ایسا ابہام جو پختہ ہو، جو جمع ہوا ہو۔ یعنی وضع کے اعتبار سے اُس کے اندر ابہام ہو۔ استعمال کی وجہ سے ابہام آئے یا کسی اور وجہ سے ابہام آئے وہ مراد نہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "عِشرونَ"۔ تو اس کا معنیٰ بیس ہے۔ اور بیس تو ایک معلوم معنیٰ ہے۔ لیکن اس کی جنس میں ابہام ہے، کہ کیا چیز بیس ہے۔ یعنی انسان بیس ہیں، کتابیں بیس ہیں، یا کوئی اور چیز بیس ہے۔ اور یہ ابہام باعتبار وضع ہی کے ہے۔ عن ذاتٍ ایسی ذات سے مذکورةٍ او مُقَدَّرَةٍ جو یا مذکور ہوگی یا مقدَّر ہوگی۔ ذات کی قید لگائی، تو معلوم ہوا تمیز ذات سے ابہام کو دور کرتی ہے، جبکہ وصف سے ابہام کو دور نہیں کرتی۔

جبکہ صفت اور حال وصف سے ابہام کو دور کرتے ہیں۔ جیسا کہ جاءنی زیدُنِالعالمُ: العالم یہ زید کی صفت ہے۔ ہمیں معلوم نہیں تھا، کہ زید عالم ہے یا نہیں۔ العالم نے آکر اُس ابہام کو دور کر دیا۔ اسی طرح، جاءنی زیدٌ راکبًا: زید کے بارے میں ابہام تھا، کہ سوار ہو کر آیا ہے یا بغیر سواری کے آیا ہے۔ تو راکبًا نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔

تمیز کبھی مفرد سے ابہام کو دور کرتی ہے، جیسا کہ "عندی عشرونَ دِرْهَمًا" میں درهما تمیز ہے اور اس نے عشرون سے ابہام کو دور کر دیا۔ اور عشرونَ مفرد ہے۔ اور تمیز کبھی نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے، جیسا کہ "طابَ زیدٌ": زید خوش ہوا۔ میں نے خوش ہونے کی اسناد یعنی نسبت زید کی طرف کی۔ تو اس نسبت میں ابہام ہے، کہ کس وجہ سے زید خوش ہوا۔ تو آگے میں تمیز لے آیا، "نفسًا" یعنی اپنے نفس کے اعتبار سے خوش ہوا۔ ای طابَ زیدٌ نفسًا۔

تو تمیز کبھی مفرد سے آتی ہے اور کبھی نسبت سے آتی ہے۔ اب یاد رکھو! یہ جو نسبت سے تمیز آتی ہے یہ دراصل ذاتِ مقدَّرة سے تمیز ہوتی ہے۔ میں نے جب کہا، "طابَ زیدٌ" تو یہ کلام اصل میں، "طابَ شَیئٌ منسوبٌ الیٰ زیدٍ": طابَ شَیئٌ خوش ہوئی ایک ایسی چیز منسوبٌ الیٰ زیدٍ : جو منسوب ہے زید کی

طرف۔ ایک ایسی چیز جس کی نسبت زید کی طرف ہے خوش ہوئی۔ اب وہ کیا چیز ہے، آگے "نفسًا" نے آکر اُس شَیئٌ سے ابہام کو دور کر دیا۔ تو نفسًا نے ایک شے مقدَّرة سے ابہام کو دور کر دیا۔ اور وہ شے مقدَّرة یہاں شَیئٌ ہے۔ تو یہاں پر تمیز نے ذات مقدّرة سے ابہام کو دور کیا۔ اس لئے صاحب کافیہ ؒ نے فرمایا کہ تمیز کبھی ذات مذکورة سے ابہام کو دور کرتی ہے اور کبھی ذات مقدَّرة سے ابہام کو دور کرتی ہے۔

پس ذات مذکورة سے مراد ایسا تمیز ہے جو مفرد سے ابہام کو دور کرے، اور ذات مقدَّرة سے مراد ایسا تمیز ہے جو نسبت سے ابہام کو دور کرے۔

فالاوَّلُ عن مفردٍ پہلی قسم جو ہے تمیز کی، وہ ابہام کو دور کرتی ہے مفرد سے۔ یعنی ذات مذکورة والی تمیز مِقدارٍ غالبا ایسا مفرد جو اکثر اوقات مقدار ہوتا ہے۔

مقداریں پانچ قسم پر ہیں۔ پہلا: وزن، دوسرا: کَیل،ماپنا، تیسرا: مساحت یعنی پیمائش، چوتھا: عدد، پانچواں: مِقیاس یعنی اندازہ وغیرہ۔

مفرد سے مراد مفرد تام ہے۔ یعنی وہ مفرد جو پورا ہو جائے یعنی مکمل ہو جائے۔ اور کسی مفرد کے تام ہونے کی چار علامتیں ہیں۔ یا وہ تام ہوتا ہے تنوین کے ساتھ، یا نون تثنیہ کے ساتھ، یا نون جمع کے ساتھ، یا مضافٌ الیہ کے ساتھ۔ مفرد کے تام ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ مفرد ایسی حالت میں ہو کہ آگے اسکی اضافت ممکن نہ ہو۔ یعنی آگے اسکے مضافٌ الیہ نہ ہو۔ جب کسی اسم پر تنوین آجائے تو اس مطلب یہ ہوا کہ یہ اسم مکمل ہوا اب آگے اسکا مضافٌ الیہ نہیں آسکتا۔ اسی طرح جب اسم پر نونِ تثنیہ یا نون جمع آجائے تو پھر بھی آگے اسکا مضافٌ الیہ نہیں آسکتا۔ اسی طرح ایک مضاف کے لئے ایک ہی مضافٌ الیہ آتا ہے۔ آگے اس اسم کا کوئی اور مضافٌ الیہ نہیں آتا۔ تو یہ اسم اپنے مضافٌ الیہ سے ملکر تام ہو جاتا ہے۔

تنوین پھر دو قسم پر ہے۔ تنوین یا حقیقتًا ہوگی یا تقدیرًا ہوگی۔ حقیقتًا تنوین کی مثال، جیسا کہ رطلٌ اور تقدیرًا تنوین کی مثال: جیسا "خَمْسَةَ عشرَ" ہے۔ مبنی ہے اور تام ہے۔ اگر چہ اس پر تنوین نہیں۔ لیکن اس پر تقدیرًا تنوین ہے۔

یاد رکھو! یہ اسم جب تام ہو جائے تو اب اسکے بعد تمیز آسکتی ہے۔ اور اگر اسم تام نہیں، تو پھر اس کے بعد تمیز نہیں آسکتی۔

یاد رکھو! مفرد سے جو تمیز آئے اُس کے اندر عامل یہی مفرد ہوتی ہے۔ یعنی یہ اسم تام مبہم جو ہے یہی تمیز کے اندر عامل ہوتا ہے۔ جیسا کہ، عندی عشرونَ درھمًا میں درھما کو نصب عشرون نے دیا۔ یہاں عشرونَ مفرد ہے، تام ہے اور مُبہم ہے۔ تو اس نے تمیز کو نصب دیا۔ جس طرح فعل تام ہوتا ہے فاعل کے ساتھ۔ اسی طرح یہ اسماء بھی تام ہوتے ہیں، تنوین کے ساتھ، یا نون تثنیہ کےساتھ، یا نون جمع کے

ساتھ یا مضافٌ الیہ کے ساتھ۔ اور جب فعل تام ہو جائے فاعل کے ساتھ، تو پھر اس کے بعد کبھی وہ مفعول کو نصب بھی دیا کرتا ہے۔ جیسا کہ ضربَ زیدٌ ۔ ضربَ یہاں زید کے ساتھ تام ہوا۔ اب یہ مفعول کو نصب دے سکتا ہے۔ ای ضربَ زیدٌ عمرًوا۔ تو یہاں وہ مفرد فعل کی طرح ہوا اور یہ علامات فاعل کی طرح ہوئی۔ عشرونَ کے اندر عشرونَ کا کلمہ فعل کی طرح ہوا۔ اور یہ جو تام ہونے کی علامت ہے یعنی نونِ جمع یا فاعل کے درجے میں ہوئی۔ جس طرح فعل تام ہو کر کبھی مفعول کو نصب دیتا ہے اسی طرح یہ اسم بھی تام ہو کر آگے تمیز کو نصب دے سکتا ہے۔

اِمَّا فِی العَدَدِ وہ مقدار یا تو عدد میں ہوں گی۔ نحوُ عشرون دِرْھَما ای عندی عشرونَ درھمًا۔ یا ھٰذا عشرونَ دِرھمًا و سَیَأتِیْ اور عنقریب آ جائے گا۔ صاحب کافیہؒ بیان فرما رہے ہیں کہ آگے عدد کا بڑا تفصیلی بیان آ جائے گا۔ وَ اِما فی غیرِہٖ اور یا وہ مقدار غیر عدد میں ہوگی۔ نحوُ رِطْلٌ زیتا ای عندی رطلٌ زیتًا: زیتون کے تیل کو زیت کہتے ہے۔ رطل وزن کی ایک مقدار کا نام ہے۔ اور یہ بارہ اُوقِّیہ ہوتا ہے۔ اور ایک اوقیہ ساڑھے دس تولے کا ہوتا ہے۔ اور ساڑھے دس تولے، چالیس دِرھم کے برابر ہوتا ہے۔ تو ایک رطَل ایک سو چھبیس تولے کے برابر ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک سیر میں اسّی تولے ہوتا ہے۔ تو ایک رطل ڈیڑھ سیر اور چھ تولے کے برابر ہوا۔ و مَنوانِ سَمْنًا اور دو من گھی۔ ایک رطل نصفِ من کے برابر ہوتا ہے۔ یعنی ایک من میں دو رطل ہوتے ہیں۔ تو دو من چھ سیر اور چوبیس تولے کے برابر ہوا۔ ای عندی منوانِ سمنًا: میرے پاس دو من گھی ہے۔ و قَفِیزان بُرًّا ای عندی قفیزان بُرًّا: میرے پاس دو قفیز گندم کے ہیں۔ قفیز گندم ماپنے کا ایک پیمانہ ہے۔ یہ کَیل کی مثال ہے۔ و عَلَی التَّمْرَۃِ مِثْلُھا زُبَدًا اور کھجور پر اسی کے مثل مکّھن ہے۔ یہ مِقْیَاس یعنی اندازے کی مثال ہے۔ مساحت یعنی پیمائش کی مثال: عندی ذراعٌ ثوبًا: میرے پاس ایک ذراع کپڑا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ صاحب کافیہؒ نے مساحت کی مثال کیوں ذکر نہیں کی؟ اس سے پہلے ایک بات سُن لو! یہ جو آپ کے نسخوں میں ایک لفظ آیا، "و قفیزانِ بُرًّا"۔ یہ بھی کافیہ کے اکثر نسخوں میں موجود نہیں۔ تو صاحب کافیہؒ نے کیل اور مساحت کی مثالیں کیوں ذکر نہیں فرمائی؟ تو جواب یہ کہ صاحب کافیہؒ کا مقصد یہاں مقداریں گنوانا نہیں، کہ مقداریں پانچ ہیں۔ بلکہ اُن کا مقصد یہاں تمیز کی بحث سمجھانا ہے۔ اور یہاں پر اُنہوں نے صرف یہ بتلانے پر اکتفا کیا، کہ اسم چار صورتوں میں تام ہوتا ہے۔ جیسے عشرونَ کے اندر نون جمع کے ساتھ اسم تام ہوتا ہے، رِطْلٌ کے اندر تنوین کے ساتھ اسم تام ہوا، منوانِ کے اندر نونِ تثنیہ کے ساتھ اسم تام ہوا، اور مثلُھا میں مثل مضافٌ الیہ کے ساتھ تام ہوا۔

اب یاد رکھو! عشرونَ کے اندر یہ نونِ جمع نہیں ہے، بلکہ نونِ مشابہ جمع ہے۔ کیونکہ جمع کے کم از کم تین افراد ہوتے ہیں۔ اور اگر آپ یہ کہے کہ یہ عَشْرٌ کی جمع ہے۔ تو عَشْرٌ کے تین افراد ہونے چاہئے۔ تو

پھر عشرونَ کا اطلاق تیس پر ہونا چاہئے تھا۔ لیکن عشرونَ کا اطلاق بیس پر ہوتا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ عَشْرٌ کی جمع نہیں ہے۔ البتہ یہ نون اُس نونِ جمع کے مشابہ ہے۔ اور نونِ جمع اور نونِ مشابہ جمع کا ایک ہی حکم ہے۔

فَيُفْرَدُ اِنْ كان جنسا الا اَنْ يُّقْصَدَ الْاَنواعُ تو تمیز مفرد لائی جائے گی، اگر وہ جنس ہوئی، مگر یہ کہ اُس سے انواع کا ارادہ کیا جائے۔

فَيُفْرَدُ اِنْ كان جنسا کی وضاحت: جنس وہ ہوتا ہے جس کے اجزاء باہم مشابہ ہو ایک دوسرے کے ساتھ۔ جیسے پانی ہے۔ پانی کے اجزاء آپس میں مشابہ ہیں۔ اور اس کا اطلاق قلیل اور کثیر پر بھی ہوتا ہے۔ تھوڑا ہوں پھر بھی ماء اور زیادہ ہوں پھر بھی ماء۔ یعنی جنس وہ ہوتا ہے جس میں دو شرطیں پائی جائے۔ پہلا کہ یہ اس کے اجزاء باہم مشابہ ہوں، دوسرا یہ کہ اس کا اطلاق قلیل اور کثیر دونوں پر ہوتا ہے۔ اسی طرح گندم، چاول وغیرہ بھی ہے۔ تو کہتے ہیں! کہ تمیز جب جنس ہوں، تو اس صورت میں اس کو مُفْرَدْ ہی لاتے ہیں۔ تثنیہ اور جمع لانے کی ضرورت اس لئے نہیں کہ اسم جنس قلیل اور کثیر سب پر صادق آتا ہے۔ جیسے مثالیں گزری، رِطْلٌ زیتًا اور منوانِ سَمْنًا۔ زیت یعنی زیتون کا تیل، اس کے اجزاء آپس میں مشابہ ہے۔ اور تھوڑا ہوں تب بھی زیت کہیں گے، اور اگر زیادہ ہوں تب بھی زیت کہیں گے۔ تو تمیز یہاں پر جنس ہے۔ تو اسکو تثنیہ اور جمع لانے کی ضرورت نہیں، اگر چہ ماقبل میں وہ جو مُبہم ہے، وہ چاہے تثنیہ اور جمع کیوں نہ ہو۔ مثلاً، عندی رطلٌ زیتًا، عندی رطلانِ زیتًا اور عندی ارطالٌ زیتًا۔ اسی طرح عندی منٌ سَمْنًا، عندی منوانِ سَمْنًا، اور عندی اَمْناءُ سَمْنًا۔

معلوم ہوا مُمَیَّز چاہے مفرد ہو، چاہے تثنیہ ہو، چاہے جمع ہو، لیکن تمیز جب جنس ہو تو اسکو مفرد ہی رکھتے ہے، تثنیہ اور جمع نہیں۔

الا اَنْ يُّقْصَدَ الْاَنواعُ کی وضاحت: اگر تمیز سے انواع کا ارادہ کیا جائے تو پھر تمیز تثنیہ اور جمع بھی لے آتے ہیں۔ مثلاً میں زیت کا لفظ کہتا ہوں، لیکن زیت یعنی زیتون کے تیل دو قسم کے ہیں۔ اور میں دونوں مراد لینا چاہتا ہوں الگ الگ۔ میں یہ بتلانا چاہتا ہوں! میرے پاس ایک رطل ہے دو قسم کا زیتون کا تیل۔ تو یوں کہوں گا، عندی رطلٌ زیتَینِ۔ اور اگر میں تین یا زیادہ انواع بتلانا چاہتا ہوں تو یوں کہوں گا، عندی رطلٌ زُیُوْتًا۔

و يُجْمَعُ فی غيره اور اگر تمیز جنس نہ ہو، تو جمع لائی جا سکتی ہے۔ جمع سے مراد یہاں جمعَ لُغَوی ہے۔ یعنی مَا فَوْقَ الواحد، مطلب کہ ایک سے زیادہ ۔ لغت کے اندر جب دو ہو تب بھی جمع کہلاتا ہے۔ تو یہ مطلب نہیں کہ جمع لائی جائے گی اور تثنیہ نہیں لایا جا سکتا ہے۔ بلکہ یہ شاملہ ہے تثنیہ اور جمع دونوں کو۔

صاحب کافیہ ؒ فرماتے ہیں، کہ جب اسم تام ہو رہا ہوں تنوین کے ساتھ یا نونِ تثنیہ کے ساتھ۔ تو پھر اس اسم تام کی تمیز کی طرف اضافت بھی جائز ہے۔ مثلاً، عندی رطلٌ زیتًا سے عندی رطلُ زیتٍ اور عندی منوانِ سمنًا سے عندی منوا سمنٍ۔ تو مضافٌ الیہ یعنی تمیز پر جر آ جائے گا۔ اور اگر اسم تام ہو رہا ہو نون جمع کے ساتھ، یا اضافت کے ساتھ، تو پھر اس اسم تام کی تمیز کی طرف اضافت جائز نہیں۔

اضافت کی بات تو واضح ہے۔ جب ایک مضافٌ الیہ پہلے سے آیا ہے تو آگے اس کی اضافت جائز نہیں۔ جیسا کہ مِثْلُهَا میں ھا ضمیر پہلے سے مضافٌ الیہ ہے تو زُبَدًا کی طرف اسکی اضافت نہیں کی جا سکتی۔ لیکن جمع کے اندر، عندی عشرونَ درھَمًا کی جگہ عندِیْ عِشْرُوْ دِرْھَمٍ کیوں نہیں کہہ سکتے؟ کہتے ہیں، جمع کی اضافت اکثر غیر تمیز کی طرف ہوتی ہے۔ اگر ہم تمیز کی طرف بھی اضافت کرے۔ تو اس صورت میں تمیز مضافٌ الیہ بن جائے گا۔ اور پھر یہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ مضافٌ الیہ تمیز ہے یا غیر تمیز۔

ثم ان کان بتنوینٍ او بنونِ التثنیةِ پھر اگر اسم تام تنوین کے ساتھ ہو یا نون تثنیہ کے ساتھ ہو۔

جازت الاضافةُ تو تمیز کی طرف اضافت جائز ہے۔ **و الا فلا** ای وَاِنْ لا فلا: ای وَاِنْ لَمْ یَکُنْ کذٰلک فلا یجوزُ: اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر تمیز کی طرف اضافت جائز نہیں۔

و عن غیرِ مقدارٍ اسکا عطف "عنْ مفردٍ مقدارٍ" پر ہے۔ ای عنْ مفرَدٍ غیرِ مقدارٍ: اور کبھی کبھی تمیز مفردِ غیر مقدار سے بھی آتی ہے۔ **مثلُ خاتَمٌ حدیدا** یا مثلُ خاتَمٍ حدیدًا: انگوٹھی، تو جنس میں ابہام آیا، کہ سونے کی انگوٹھی ہے، یا چاندی کی انگوٹھی ہے یا لوہے کی انگوٹھی ہے۔ حدیدًا نے آکر ابہام کو دور کردیا۔ اب یہ خاتَم مقدار نہیں بلکہ غیر مقدار ہے۔ تو غیر مقدار سے بھی کبھی کبھی تمیز آجایا کرتی ہے۔

و الْخَفْضُ اکْثَرُ اور اس کے اندر جر اکثر ہے۔ اور جرّ کیسے آئے گا؟ تو اس صورت میں تمیز کی طرف اضافت کرتے ہے۔ یعنی خاتمُ حدیدٍ۔ تو تمیز مقدار سے بھی آتی ہے اور غیر مقدار سے بھی آتی ہے۔ لیکن غیر مقدار کے اندر اس پر اکثر جرّ پڑھتے ہیں۔

یہ تھی تمیز کی قسم اوّل جو ذات مذکورۃ سے آئی۔ اور ذات مذکورۃ سے جو تمیز آتی ہے وہ مفرد سے آیا کرتی ہے۔ اور نسبت سے جو تمیز آتی ہے وہ ذات مقدَّرۃ سے ہوتی ہے۔ اب صاحب کافیہ ؒ اُس کی بحث کرنے جا رہے ہیں۔

درس 59۔ **والثانی** اور تمیز کی دوسری قسم **عن نِسْبَةٍ** نسبت سے۔ یعنی تمیز کی دوسری قسم جو ابہام کو دور کرتی ہے نسبت سے۔ تمیز جب نسبت سے ہو تو اس میں عامل فعل یا شبہ فعل ہوتی ہے۔

فی جُملَةٍ وہ نسبت جو جملے میں ہو۔ **او مَا ضَاهَا هَا** ضاها یُضاهِیْ مُضاهاتًا: مشابہ ہونا۔ ضاها اصل میں ضاهَیَ بروزن فَاعَلَ باب مفاعلة سے ہے۔ او مَا ضَاهَا وہ جو مشابہ ہو هَا جملے کی، هَا ضمیر راجع ہے جملے کو۔ یعنی تمیز کی دوسری قسم جو ذات مقدَّرۃ سے آئے۔ وہ ابہام کو دور کرتی ہے اُس چیز سے

جو جملے کے مشابہ ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ یا تو جملے سے ابہام کو دور کریگا یا شبہ جملہ سے ابہام کو دور کریگا۔ شبہ جملہ سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل وغیرہ۔

اب صاحب کافیہ رح اُ نسبت کو ذکر فرما رہے ہیں، جو جملہ کے اندر ہو۔ طابَ کا اسناد ہو رہا ہے زید کی طرف۔ مثلُ طابَ زیدٌ نفسا زید خوش ہوا باعتبار نفس کے۔ یہ نفسًا تمیز ہے نسبت سے یعنی ذاتِ مقدَّرۃ سے۔ اصل میں کلام، طابَ شیئٌ منسوبٌ الیٰ زیدً : ایک چیز خوش ہوئی جو زید کی طرف منسوب ہے۔ تو زید خوش ہوا! لیکن کس اعتبار سے خوش ہوا۔ اس نسبت میں ابہام تھا۔ تو نفسًا تمیز نے آکر ابہام کو دور کر دیا۔ یعنی اپنے نفس کے اعتبار سے خوش ہوا۔

اب صاحب کافیہ رح اُس نسبت کو ذکر فرما رہے ہیں، جو شبہ جملہ کے اندر ہو۔ یہاں زیدٌ ہے مبتدا اور طَیِّبٌ ہے صفت مشبہ۔ اور طیِّبٌ میں ھو ضمیر اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے زید مبتدا کو۔ تو طیِّب کی نسبت آگئی ھو ضمیر کے ساتھ۔ و زیدٌ طَیِّبٌ: زید اچھا ہے۔ زید کس اعتبار سے اچھا ہے۔ آگے ابًا نے آکر ابہام کو دور کر دیا۔ ابًا باپ کے اعتبار سے۔ بھئی اسکے دو ترجمے ہو سکتے ہیں۔ زید اچھا ہے، باپ کے اعتبار سے۔ یعنی زید اچھا ہے اس اعتبار سے کہ وہ خود باپ ہے۔ دوسرا معنیٰ: زید اچھا ہے، باپ کے اعتبار سے یعنی " زید کا باپ اچھا ہے"۔ و اُبُوَّۃً باپ ہونا، مصدر کا صیغہ ہے۔ زید اچھا ہے، باپ ہونے کے اعتبار سے۔ و دارًا زید اچھا ہے، گھر کے اعتبار سے و علمًا زید اچھا ہے، علم کے اعتبار سے۔

یہاں صاحب کافیہ رح نے دس مثالیں ذکر فرمائیں۔ "طابَ زیدٌ" کے ساتھ یہ سارے تمیز لگاتے جاؤ، تو پانچ یہ بنتے ہیں۔ طابَ زیدٌ نفسًا، طابَ زیدٌ ابًا، طابَ زیدٌ اُبُوَّۃً، طابَ زیدٌ دارًا، طابَ زیدٌ علمًا۔ اور "زیدٌ طَیِّبٌ" کے ساتھ بھی یہ سارے تمیز لگاؤ، تو پانچ یہ بنتے ہیں۔ زیدٌ طَیِّبٌ نفسًا، زیدٌ طَیِّبٌ ابًا، زیدٌ طَیِّبٌ اُبُوَّۃً، زیدٌ طَیِّبٌ دارًا، زیدٌ طَیِّبٌ علمًا۔ تو یہ سارے دس مثالیں بن گئیں۔ ان دس مثالوں کے ذریعے صاحب کافیہ رح انواع بتلانا چاہتے ہیں۔

چند اصطلاحات کی وضاحت:

عین: وہ چیز جو اپنے وجود میں غیر کی محتاج نہ ہو۔ جیسا کہ انسان اپنے وجود میں غیر کا محتاج نہیں۔ اسے جوہر بھی کہتے ہے۔ اسی طرح دیوار، کتاب، قلم وغیرہ اپنے وجود میں غیر کے محتاج نہیں۔

غرض: وہ چیز جو اپنی وجود میں غیر کی محتاج ہو۔ یعنی غیر کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔ غیر ہے تو اسکا وجود ہے۔ غیر نہیں تو اسکا اپنا ایک الگ وجود بھی نہیں۔ جیسا کہ بہادری۔ بہادری کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں۔ بہادری ہمیشہ انسان یا حیوان کے ساتھ قائم ہوگی۔ اسی طرح سفیدی کا علیحدہ اپنا کوئی وجود نہیں۔ کوئی جسم ہوگا تو سفیدی ہوگی۔ اسی طرح سخاوت کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں۔

کہتے ہیں کہ تمیز یا تو عین ہوگی یا غرض ہوگی۔

تو صاحب کافیہ ؒ نے کچھ وہ مثالیں ذکر فرمائی ہیں جو عین ہے، اور کچھ وہ مثالیں ذکر فرمائی ہے جو غرض ہے۔ نفسًا یعنی ذات یہ عین ہے۔ یعنی ذاتِ زید۔ کیونکہ زید کا اپنا الگ وجود ہے۔ اَبًا بھی عین ہے۔ کیونکہ اس کا اپنا الگ وجود ہے۔ اُبُوَّۃً :باپ ہونا یہ مصدر ہے اور غرض ہے۔ مصدر کا خارج میں اپنا الگ کوئی وجود نہیں ہوتا، یہ جب بھی آئے گا تو غیر کے ساتھ قائم ہوگا۔ جیسا کہ، کھانا مصدر ہے، اور خارج میں اسکا اپنا الگ کوئی وجود نہیں۔ بھئی کوئی کھانے والا ہوگا، تو کھانے کا فعل ہوگا۔ دارًا عین ہے۔ علمًا غرض ہے۔ علم کے لئے کوئی ذات چاہئے جس کے ساتھ وہ قائم ہو جائے۔

پھر یہ عین اور غرض دو دو قسم پر ہیں۔ عین اضافی ہوگا یا غیر اضافی۔ اسی طرح غرض اضافی ہوگا یا غیر اضافی۔ وہ چیز جس کا سمجھنا غیر کے سمجھنے پر موقوف ہو، وہ اضافی کہلاتا ہے۔ مثلاً استاد اور شاگرد۔ استاد وہ ہوتا ہے جسکا کوئی شاگرد ہو۔ استاد کا سمجھنا شاگرد کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ اور شاگرد اُسے کہتے ہے جسکا کوئی استاد ہو۔ تو شاگرد کا سمجھنا استاد کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ اسی طرح میاں اور بیوی۔ بیوی ہے تو پھر میاں ہے۔ اور میاں ہے تو پھر بیوی ہے۔ اسی طرح باپ اور اولاد وغیرہ یہ امورِ اضافیہ ہیں۔

اور غیر اضافی وہ ہوتا ہے جسکا سمجھنا غیر کے سمجھنے پر موقوف نہ ہو۔ مثلاً کتاب، قلم، گھر، کمرہ وغیرہ غیر اضافی ہے۔ کیونکہ اسکا سمجھنا غیر کے سمجھنے پر موقوف نہیں۔

نفسًا عین غیر اضافی ہے۔ ابًا عین اضافی ہے۔ اُبُوَّۃً: باپ ہونا: غرض اضافی ہے۔ دارًا عین غیر اضافی ہے۔ اور علمًا غرض غیر اضافی ہے۔

تو تمیز یا تو عین ہوگی یا غرض۔ پھر دونوں کی دو دو قسمیں ہیں۔ یا اضافی ہوگی یا غیر اضافی۔ تو یہ کل چار قسمیں بن گئی۔ پھر یہ تمیز یا تو مُنْتَصَبٌ عنهُ کے لئے ہوگی۔ یا متعلِّقِ مُنْتَصَبٌ عنهُ کے لئے ہوگی۔ یا دونوں سے ہونے کا احتمال ہوگا۔ تو یہ تین احتمال بن گئے۔ اور تمیز پہلے سے چار قسم پر تھا۔ اور ہر ایک میں یہی تین احتمال آسکتے ہیں۔ تو کل بارہ احتمالات بن گئے۔

مُنتصَبٌ عنهُ: مُنتصَبٌ عنهُ وہ ہے جس کے سبب سے تمیز کو نصب دیا گیا ہے۔ مثلاً میں نے کہا، طابَ زیدٌ نفسًا: یہ نفسًا تمیز ہے نسبت سے۔ لیکن یہ نسبت آئی فاعل کی وجہ سے۔ اور طابَ زیدٌ میں فاعل زید ہے۔ تو وہ جو فاعل ہے وہ منتصب عنه ہے۔ اُسکی سبب سے تمیز کو نصب دیا گیا ہے۔ اصل میں ابہام نسبت کے اندر تھا اور تمیز نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔ تو نسبت نے نفسًا کو نصب دیا ہے۔ تو نسبت منتصب عنهُ ہوئی۔ لیکن مجازًا اس کا اطلاق فاعل پر کر دیا جاتا ہے۔ تو لہٰذا یوں کہو کہ زید منتصب عنهُ ہے۔ پس اصل منتصب عنهُ نسبت ہے۔ لیکن مجازًا فاعل کو بھی منتصب عنهُ کہتے ہے۔ کیونکہ یہ نسبت آئی فاعل کی وجہ سے۔

منتصب: جس کو نصب دیا گیا ہے۔ عنهُ: اُس سے۔

زیدٌ طَیِّبٌ اَبًا میں منتصب عنهُ کون ہے؟ طَیِّبٌ کے اندر جو فاعل ہے، وہ منتصب عنهُ ہے۔
مُتَعَلِّقِ مُنْتَصَبْ عنهُ: وہ ذاتِ مُقَدَّر مُتَعَلِّقِ منتصب عنه ہے۔ اور طابَ زیدٌ کے اندر ذاتِ مقدَّر شَیئٌ ہے۔ کلام اصل میں یوں تھا، "طاب شَیئٌ منسوبٌ الی زیدٍ" ۔ تو شَیئٌ متعلق منتصب عنهُ ہے۔ کیونکه شَیئٌ منسوب ہے زید کی طرف۔ تو شیئٌ کا تعلق زید کےساتھ آیا۔ تو زیدٌ منتصب عنه ہے۔ اور وہ ذات مقدَّر شَیئٌ متعلق منتصب عنه ہے۔

پس طابَ زیدٌ نفسًا میں منتصب عنه "زیدٌ" ہے۔ اور متعلق منتصب عنه "شَیئٌ " ہے۔ تمییز تو اصل میں اُس ذات مقدَّر سے ہے۔ لیکن اس تمییز کا اطلاق منتصب عنهُ پر جائز ہوگا یا نہیں ہوگا۔ طابَ زیدٌ نفسًا میں منتصب عنه "زیدٌ" ہے۔ اور نفس کا اطلاق زید پر صحیح ہے۔ اور کبھی تمییز کا اطلاق منتصب عنه پر صحیح نہیں ہوگا۔ زیدٌ طَیِّبٌ دارًا: زید اچھا ہے گھر کے اعتبار سے۔ تمییز "دارًا " ہے۔ طَیِّبٌ کے اندر ھو ضمیر زید کو راجع ہے۔ تو زید منتصب عنه ہوا۔ تو تمییز "دارًا" کا اطلاق زید پر صحیح نہیں۔ کیونکه زید دار نہیں۔

تو کبھی اس تمییز کا اطلاق صرف منتصب عنه پر ہو سکتا ہے، متعلق منتصب نه پر ہو ہی نہیں سکتا۔ کبھی تمییز کا اطلاق منتصب عنه پر بھی ہو سکتا ہے اور متعلق منتصب عنه پر بھی ہو سکتا ہے۔ اور کبھی اس کا اطلاق صرف متعلقِ منتصب عنه پر ہوتا ہے۔ مثلاً زید طیب دارًا، تو دارًا کا اطلاق منتصب عنه زید پر نہیں ہو سکتا۔

خلاصه کلام: تمییز یا تو عین ہوگی، یا غرض۔ پھر عین اور غرض دو دو قسم پر ہیں۔ یا اضافی ہوگی یا غیر اضافی۔ پھر ہر ایک میں تین احتمال ہیں۔ یا تو تمییز ہوگی منتصب عنه سے، یا متعلق منتصب عنه سے یا دونوں سے۔

طابَ زیدٌ نفسًا میں نفسًا کا اطلاق صرف زید پر ہوتا ہے، کیونکه زید کی ذات زید ہی ہے۔ لہٰذا نفسًا کا حمل زید پر صحیح ہے۔ تو یه تمییز ہوا مُنتصب عنه سے۔ اور منتصب عنه یہاں پر زید ہے۔ تو نفسًا کا حمل زیدٌ پر صحیح ہے۔ لیکن اگر اسکا حمل شیئ پر کرتے ہے، تو شیئ تو زید سے غیر ہے، لہٰذا یہاں نفسًا کا اطلاق شیئٌ یعنی متعلق منتصب عنهُ پر صحیح نہیں۔

اور زیدٌ طیِّبٌ ابًا میں ابًا کا اطلاق زید پر ہو سکتا ہے۔ کیونکه زید خود باپ ہو سکتا ہے۔ یا زید کے متعلق یعنی زید کے باپ پر بھی ابًا کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ تو یہاں پر تمییز منتصب عنه یعنی "زیدٌ" سے بھی ہو سکتا ہے اور متعلق منتصب عنهُ یعنی زید کے ابّا سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور اُبُوَّۃً اسکا اطلاق زید پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکه یه مصدر ہے ۔ اور مصدر کا اطلاق انسان پر نہیں ہوتا۔ تو اسکا اطلاق متعلق منتصب عنه سے ہو سکتا ہے۔ دارًا اسکا اطلاق بھی زید یعنی منتصب عنه پر نہیں ہو سکتا۔ معلوم ہوا یه

تمیز بھی صرف متعلق منتصب عنه سے ہے ۔ علمًا کا اطلاق منتصب عنه زیدٌ پر نہیں ہو سکتا۔ اور اسکا اطلاق متعلق منتصب عنه سے ہے۔

تو نفسًا صرف منتصب عنه سے تمیز تھی۔ ابًا منتصب عنه اور متعلق منتصب عنه دونوں سے تمیز تھی۔ ابوّۃ، دارًا، اور علمًا صرف متعلق منتصب عنه سے تمیز تھی۔ اسی لئے صاحب کافیه نے کئی مثالیں ذکر کی۔

تو دیکھو! تمیز کی ثانی قسم جو ہے۔ وہ ابہام کو دور کرتی ہے نسبت سے۔ اور وہ نسبت جملہ میں ہوگی یا شبہ جملہ میں ہوگی۔ آگے صاحب کافیہ رح فرماتے ہیں کہ مضاف اور مضافٌ الیه کے درمیان جو نسبت ہو۔ تو تمیز کبھی اس سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ او فی اضافَةٍ یا وہ ابہام اضافت کے اندر ہوگی۔ مثلُ مثال کے طور پر یُعْجِبُنِیْ تعجُّب میں ڈالا مجھے طِیْبُهُ اُس کے خوش ہونے نے ابًا باعتبار باپ کے۔ و ابوة و دارا و علما ای یُعجِبُنِیْ طِیْبُهُ نفسًا: یُعجِبُنِیْ طِیْبُهُ ابًا: یُعجِبُنِیْ طِیْبُهُ ابوَّةً، یُعجِبُنِیْ طِیْبُهُ دارًا اور یُعجِبُنِیْ طِیْبُهُ علمًا۔

فارِس اسم فاعل کا صیغه ہے۔ صاحب کافیه تمیز کی یه مثال لے آئے۔ جس سے صاحب کافیه یه بتلانا چاہتے ہیں کہ تمیز کبھی مشتق بھی آیا کرتی ہے۔ ماقبل میں تمیز کی جتنی مثالیں گزری وہ سب کے سب غیر مشتق تھے۔ و للّٰهِ دَرُّهُ فارسًا : اور اللہ ہی کے لئے ہے، اُس کی خیر کثیر، باعتبار شہسوار ہونے کے۔ دَرٌّ اصل میں دودھ کو کہتے ہے۔ بھئی عربوں کے لئے دودھ میں سب سے زیادہ خیر تھی۔ خانه بدوشی کی وجه سے دودھ کا استعمال کثرت سے تھا۔ پھر بعد میں بڑے کمال کو، خیر کثیر کو دَرٌّ کہنے لگے۔ اور یه کلمات عرب تعجب کے موقع پر کہتے تھے۔ فارِس: شہسوار، فَرُسَ، یَفْرُسُ، فَرَاسَتًا: گھڑ سواری میں ماہر ہونا۔ فَرَس: گھوڑا۔ تو کلام کا معنیٰ یه ہوا: کہ اس کہ یه خوبی اللہ کی طرف سے عطا ہونے والی ہے، یه اپنے بس کی بات نہیں۔

درس 60۔ ثم اِنْ کانَ اسْمًا پھر اگر تمیز ایسا اسم ہو۔ کان کی ضمیر تمیز کو راجع ہے یه اسمًا صفت کے مقابلے میں آیا ہے۔ جس کا ذکر آگے صاحب کافیه نے کیا ہے۔ اور وہاں صفت سے مراد مشتق ہے۔ تو یہاں پر اسمًا سے مراد ایسا اسم جو مشتق نه ہو۔ یعنی تمیز اسم مشتق نه ہو۔ یَصِحُّ جَعلَهُ لِما انْتُصِبَ عنه کہ صحیح ہے اُس کو بنانا مُنْتَصَبٌ عنهُ کے لئے۔ صاحب کافیه فرماتے ہیں کہ اگر تمیز ایسا اسم ہو صحیح ہو اُسکو منتصَب عنهُ کے لئے بنانا۔ یعنی اُس پر تمیز کا اطلاق صحیح ہو۔ یه شرط ہوا، اور آگے صاحب کافیه اس کی جزا کے بارے میں فرمائے گا، جو کہ "جاز ان یکونَ لهُ و لمتعلّقهٖ" ہے۔

جیسا کہ طابَ زیدٌ ابًا: میں ابًا تمیز کا اِطلاق زیدٌ یعنی منتصب عنه پر صحیح ہے۔ اور کبھی تمیز کا اطلاق منتصب عنه پر صحیح نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر: طابَ زیدٌ دارًا میں دارًا تمیز کا اطلاق منتصب عنهُ یعنی زید پر صحیح نہیں۔ تو یه ایسا تمیز ہے جسکا اطلاق مُنْتَصَبٌ عنهُ پر صحیح نہیں ہو سکتا۔

اسکو لِمَا انْتَصَبَ عنهُ بھی پڑھ سکتے ہے۔ ما انْتَصَبَ عنهُ پڑھے، تو اس صورت میں "ما" موصولہ ہوا، اِنْتَصَبَ فعل اسکے اندر ھو ضمیر ہے،جو کہ راجع ہے تمیز کو، عنهُ کی ھا ضمیر اسم موصول ما کو راجع ہے۔ اور اگر چاہے تو اس کو لِمَا انْتُصِبَ عنهُ پڑھے۔ اُنْتُصِبَ فعل مجہول آیا۔ ما موصولہ، اُنْتُصِبَ فعل مجہول، یہ فعل لازم ہے۔ اور فعل لازم سے مفعول نہیں آتا۔ اُنْتُصِبَ فعل مجہول ہے اور نائب الفاعل چاہتا ہے۔ جب اس سے مفعول آتا نہیں تو نائب الفاعل کس سے بنائیں گے؟ جیسا کہ ضربْتُ زیدًا میں زیدًا مفعول بہٖ ہے۔ اگر ضَرب کو فعل مجہول بنایا جائے تو پھر ضُرِبَ زیدٌ پڑھیں گے۔ اِنْتصب چونکہ فعل لازم ہے، اس سے مفعول آتا ہی نہیں تو پھر کس کو نائب الفاعل بنائیں گے۔ تو یاد رکھنا! اس صورت میں اس کے اندر جو ضمیر ہوتی ہے وہ اِس فعل کے مصدر کی جانب راجع کی جاتی ہے۔ تو اُنْتُصِبَ کے اندر نائب فاعل کی جو ضمیر ہے وہ اسی فعل کے مصدر کی طرف راجع کیا جائے گا۔ ای اُنْتُصِبَ الْاِنْتِصَابُ عنهُ: اور ترجمہ کریں گے، یَقَعُ کے ساتھ۔ ای یَقَعُ الْاِنْتِصابُ عنهُ: یعنی نصب واقع ہوا ہے، اُس سے۔ یعنی اُسی اسم سے۔

یاد رکھو! بعض اوقات کتابوں کے اندر فعل آجاتا ہے اور اسکے فاعل کا پتہ نہیں چلتا، یا فعل مجہول آتا ہے اور اس کے نائب الفاعل کا پتہ نہیں چلتا۔ تو پھر اس صورت میں اس فعل کے اندر فاعل یا نائب الفاعل کی جو ضمیر ہوتی ہے وہ اُسی فعل کے مصدر کی طرف لوٹا دی جاتی ہے۔ اور پھر یَقَعُ کے تاویل میں ترجمہ کریں گے۔

جاز اَنْ یکونَ لهُ و لِمُتَعَلَّقِهٖ تو جائز ہے یہ تمیز ہو منتصب عنهُ سے اور اس کے متعلق سے۔ یعنی اس کو مُنتصب عنه سے بھی تمیز بنانا صحیح اور متعلق منتصب عنه سے بھی تمیز بنانا صحیح۔ جیسا کہ طابَ زیدٌ ابًا میں ابًا کا اطلاق منتصب عنه یعنی زید پر صحیح ہے۔ تو اس کو منتصب عنه یعنی زید سے تمیز بنانا بھی صحیح۔ اور معنیٰ ہوگا: زید خوش ہوا اس اعتبار سے کہ وہ باپ ہے۔ اور اگر آپ چاہے تو ابًا کو مُتعلقِ مُنْتَصَبٌ عنهُ کے لئے تمیز بنا دے۔ ای طابَ شَیئٌ منسوبٌ الیٰ زیدٍ ابًا: زید کی طرف منسوب ایک چیز خوش ہوئی اور وہ زید کا باپ ہے۔ زید کا باپ، اس میں باپ کی نسبت زید کی طرف ہو گئی ہے۔ تو یہ ایک شے ہے جس کی نسبت زید کی طرف ہو رہی ہے۔

تو یہاں پر تمیز ایسا اسم تھا جس کا حمل مُنتصب عنه پر صحیح تھا۔ تو اس صورت میں اس کو منتصب عنه سے تمیز بنانا بھی جائز اور متعلق منتصب عنه سے بھی تمیز بنانا جائز۔

و الا اور اگر ایسا نہ ہو۔ یعنی اُس کو منتصب عنهُ کے لئے بنانا جائز نہ ہو۔ مثلاً، طابَ زیدٌ دارًا، اس دار کا حمل زید پر صحیح نہیں۔ کیونکہ زید دار نہیں۔ دار کا اطلاق زید پر صحیح نہیں۔ تو لہٰذا اس صورت میں منتصب عنه کے لئے اس کا تمیز بنانا درست ہی نہیں ہے، تو پھر لازمی بات ہے یہ تمیز صرف متعلقِ منتصب عنه کے لئے ہوگی۔ فهو لمتعلقه تو یہ تمیز اُس منتصب عنه کے متعلق کے لئے ہوگی۔

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے۔ غور سے پڑھے۔ تو دیکھو! میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہاں تین صورتیں بنتی ہیں۔ پہلی صورت: تمیز کبھی صرف مُنْتَصَبٌ عنهُ سے آئے گی متعلق منتصب عنه سے نہیں آئے گا۔ دوسری صورت: تمیز صرف متعلق منتصب عنه سے آئے گی۔ تیسری صورت: کبھی تمیز دونوں سے آئے گی۔ لیکن صاحب کافیه جو عبارت ذکر فرما رہے ہیں۔ اُس میں صرف دو صورتیں آ رہی ہیں۔ ایک صورت یه که تمیز صرف متعلق منتصب عنه سے آئے گی۔ دوسرا صورت یه ذکر کیا که تمیز کا حمل منتصب عنه پر بھی صحیح اور متعلق منتصب عنه پر بھی صحیح۔ اور تیسرا صورت که تمیز صرف منتصب عنه سے آئے گی۔ اس کا ذکر نہیں فرمایا۔

تمیز صرف منتصب عنه سے ہو، اور اسکا متعلق منتصب عنه سے ہونا صحیح نه ہو، اسکی مثال:

طابَ زیدٌ نفسًا میں نفسًا کا اطلاق صرف زید پر ہوتا ہے، کیونکه زید کی ذات زید ہی ہے۔ لہٰذا نفسًا کا حمل زید پر صحیح ہے۔ تو یه تمیز ہوا مُنتصب عنه سے۔ لیکن اگر اسکا حمل شیئ پر کرتے ہے، تو شیئ تو زید سے غیر ہے، لہٰذا یہاں نفسًا کا اطلاق شیئٌ یعنی متعلق منتصب عنهُ پر صحیح نہیں۔

لیکن صاحب کافیه فرما رہے ہیں، " ثم ان کان اسمًا یَصِحُّ جعلهُ لما انتصبَ عنهُ جاز ان یکون له و لمتعلقِهٖ"۔ اب اس میں شرط، " ثم ان کان اسمًا یَصِحُّ جعلهُ لما انتصبَ عنهُ": پھر اگر تمیز ایسا اسم ہو، جسکو منتصب عنه سے بنانا صحیح ہو۔ تو اوپر کی مثال میں نفسًا ایسا تمیز ہے جسکا حمل منتصب عنهُ یعنی زید پر صحیح ہے۔ یعنی شرط پورا ہو رہا ہے۔ لیکن آگے جزا، " جاز ان یکون له و لمتعلقِهٖ": تو اس صورت میں وہ تمیز منتصب عنه سے بھی ہو سکتی ہے اور متعلق منتصب عنه سے بھی صحیح ہو سکتی ہے۔ تو یہی جزا اس پر صادق نہیں آتی۔

صاحب کافیه کے نزدیک اگر مُنتصب عنه سے تمیز بنانا صحیح ہوا تو متعلق منتصب عنه کے لئے بھی تمیز بنانا صحیح ہوگا۔ لیکن یہاں اس مثال "طاب زیدٌ نفسًا" میں ہم نے دیکھا که نفسًا تمیز تو زید یعنی مُنتصب عنه کے لئے بنانا صحیح ہے لیکن شیئٌ جوکه متعلق منتصب عنه ہے اس کے لئے بنانا صحیح نہیں۔

چنانچه شارحین اس شرط "ثم ان کان اسمًا" کے اندر ایک قید بڑھاتے ہیں۔ اور وہ قید یه ہے، که وہ تمیز مُنْتَصَبٌ عنهُ کے لئے متعیَّن نه ہو۔ تو کلام یوں بن جائے گا، اگر تمیز ایسا اسم ہو جو متعیَّن نه ہو منتصب عنهُ کے لئے اور اسکا حمل منتصب عنه پر صحیح ہو، تو "جاز ان یکون له و لمتعلقِهٖ " پھر جائز ہے که وہ منتصب عنه کے لئے بھی ہو اور مُتَعَلِّق منتصب عنه کے لئے بھی ہو۔

اور طابَ زیدٌ نفسًا میں تمیز منتصب عنه کے لئے متعیَّن ہے۔ تو شارحین نے شرط لگائی که وہ تمیز منتصب عنهُ کے لئے متعین نه ہو۔ اب جب تمیز منتصب عنهُ کے لئے متعیَّن ہو تو یه تمیز صرف منتصب

عنه سے ہوگی اور متعلق منتصب عنه سے نه ہوگی۔ جیسا که نفسًا صرف زید سے تمیز ہے لیکن متعلق منتصب عنه جو که شیئٌ ہے اس سے تمیز نہیں۔

پس ایک صورت یه ہے که تمیز متعین ہو منتصب عنهُ کے لئے اور ایک صورت یه ہے که تمیز متعیّن نه ہو منتصب عنه کے لئے۔ لیکن یه شرط، " ثم ان کان اسمًا یَصِحُّ جعلهُ لما انتصبَ عنهُ " دونوں پر صادق آتا ہے۔ یعنی اگر تمیز ایسا اسم ہو جس کا حمل منتصب عنهُ پر صحیح ہوں، تو دونوں صورتیں، طابَ زیدٌ نفسًا بھی اس شرط میں آیا، کیونکه نفس کا اطلاق زید پر صحیح ہے۔ اور طابَ زیدٌ ابًا بھی اس شرط میں داخل ہوا، کیونکه ابًا کا اطلاق بھی زید پر صحیح ہے۔ لیکن جزا، " جاز ان یکون له و لمتعلقِهٖ : جائز ہے وہ تمیز منتصب عنه کے لئے ہو یا متعلق منتصب عنه کے لئے " صادق نہیں آتی۔ طابَ زیدٌ ابًا میں شرط بھی پایا جاتا ہے اور یه جزا بھی صادق آتی ہے، کیونکه ابًا کا اطلاق منتصب عنهُ یعنی زید پر بھی صحیح ہے اور اس کے متعلقِ منتصب عنه پر بھی صحیح ہے۔ لیکن طابَ زیدٌ نفسًا کے اندر یه جزا صادق نہیں آتی، اگر چه اس میں شرط پایا جاتا ہے۔ کیونکه نفسًا کا اطلاق منتصب عنهُ زید پر صحیح ہے، لیکن متعلق منتصب عنهُ پر نفس کا اطلاق صحیح نہیں۔ تو صاحب کافیه کی عبارت میں خرابی آ رہی ہے۔

تو شارحین اس بات کے محتاج ہوئے که شرط کے اندر ایک قید بڑھایا جائے، تا که بات درست ہو جائے، ورنه شرط جزا درست نہیں رہتے۔ اور شرط کی وضاحت اوپر میں نے لکھا ہے۔ تو شرط کے ذریعے اُس صورت کو نکالا جب تمیز منتصب عنهُ کے لئے متعین ہو۔ لہٰذا شرط کے ذریعے نفسًا والی صورت خارج ہوئی۔ اور صاحب کافیه کی عبارت سے دو قسموں کی وضاحت ہوگئی۔ یعنی تمیز کا اطلاق یا تو صرف متعلِّقِ منتصب عنهُ پر ہوگا۔ یا منتصب عنه اور متعلق منتصب عنهُ دونوں پر ہوگا۔

اور جب ہم تمیز کو منتصب عنه کے لئے متعین کرے تو پھر تیسرا صورت بھی آ جائے گا۔ جس میں تمیز کا اطلق صرف منتصب عنهُ پر صحیح ہو سکتا ہے اور متعلق منتصب عنه پر صحیح نہیں ہوسکتا۔ جس کی مثال طابَ زیدٌ نفسًا ہے۔

اب میں عبارت کو دوباره لکھتا ہوں، اور اس کے ساتھ شرط والا ترجمه بھی شامل کرتا ہوں۔

ثم اِنْ کانَ اسْمًا یَصِحُّ جَعَلَهُ لِما انْتُصِبَ عنه پھر اگر وه تمیز جب که وه متعیَّن نه ہو منتصب عنهُ کے لئے، ایسا اسم ہو که صحیح ہو اُس کا اطلاق منتصب عنهُ پر، جاز اَنْ یکونَ لهُ و لِمُتَعَلِّقِهٖ تو جائز ہے که وه تمیز مُنْتَصَبٌ عنهُ کے لئے ہو اور اسکے متعلق کے لئے ہو۔

و الا ای وَاِنْ لَمْ یَکُنْ کَذٰلِکَ: اور اگر ایسا نه ہو، ۔ فهو لمتعلقهٖ تو وه تمیز متعلِّقِ منتصب عنه کے لئے ہوگی۔

فَيُطابِقُ پس تمیز مطابق ہوگی۔ فيهما ان دونوں صورتوں میں، ای تمیز عن الْمُنتصب عنهُ اور تمیز عن متعلق منتصب عنه: یعنی تمیز یا تو منتصب عنه سے آئے یا متعلق منتصب عنه سے آئے، ان دونوں صورتوں میں تمیز مطابق ہوگی۔ کس چیز کی مطابق ہوگی، اس کو ما قصد میں ذکر کیا گیا ہے۔ ما قُصِدَ اُس چیز کے جس کا ارادہ کیا گیا ہے۔ اگر منتصب عنه کا ارادہ کیا گیا ہے تو تمیز اُس کے مطابق ہوگی افراد، تثنیه اور جمع میں۔ اور اگر متعلق منتصب عنه سے ارادہ ہو تو تمیز متعلق منتصب عنه کے مابطق ہوگی، افراد، تثنیه اور جمع کے اندر۔ یعنی مفرد کے لئے مفرد تمیز آئے گی، تثنیه کے لئے تثنیه اور جمع کے لئے جمع آئے گی۔

مثلاً : جب تمیز منتصب عنه سے ہو۔ طابَ زیدٌ ابًا، میں ہم نے ابًا کو منتصب عنهُ یعنی زید سے تمیز بنانے کا ارادہ کیا گیا ہے۔ تو زید مفرد ہے تو تمیز بھی مفرد آیا۔ اب زید کی تثنیه لاؤ تو تمیز بھی تثنیه لانا ہوگی۔ طابَ الزَّیدانِ اَبَوَیْنِ۔ اور زید کی جمع کی صورت میں، طابَ الزَّیدونَ آبَاءً۔ تو تمیز جس کا ارادہ کیا گیا ہے اُس کے مطابق ہے، افراد، تثنیه اور جمع میں۔

آگے صاحب کافیہ ؒ فرماتے ہیں کہ اگر تمیز اسم جنس سے ہو تو پھر اسکا تثنیه اور جمع لانے کی ضرورت نہیں۔ یعنی تمیز کو مفرد لایا جائے گا، چاہے منتصب عنه مفرد ہو، یا تثنیه ہو یا جمع ہو۔ پس اسم جنس کی صورت میں تمیز کا منتصب عنه کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔ کیونکه اسم جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے۔ الا اَنْ یکونَ جنسا مگر یه که تمیز اسم جنس سے ہو۔ اسم جنس جس کا اطلاق قلیل اور کثیر دونوں پر ہوتا ہے اور اس کے اجزاء ایک جیسے ہو۔ مثلاً پانی، گندم وغیرہ۔ بھئی تو اسکا اطلاق قلیل اور کثیر دونوں پر ہوتا ہے، تو اس صورت میں تمیز کے تثنیه اور جمع بنانے کی ضرورت نہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں، طابَ زیدٌ علمًا، طابَ الزیدانِ علمًا اور طابَ الزیدونَ علمًا۔ کیونکه علم اسم جنس ہے۔ اور اسکی تثنیه اور جمع کی ضرورت نه ہو۔

اگر تمیز اسم جنس ہو، اور اس سے انواع کا ارادہ کیا جائے۔ تو پھر یه افراد، تثنیه اور جمع آئے گی۔ الا اَنْ یُّقصدَ الانواعُ مگر یه که تمیز سے انواع کا ارادہ کیا جائے۔ اگر انواع کا ارادہ کیا جائے تو پھر اسم جنس کو بھی تثنیه اور جمع لے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر، عندی رطلٌ زیتًا۔ اب زیتًا اسم جنس ہے۔ قلیل اور کثیر پر اسکا اطلاق ہوتا ہے۔ اگر اس سے انواع کا ارادہ کیا جائے تو پھر "عندی رطلٌ زیتَینِ" اور "عندی رطلٌ زُیُوتًا" کہیں گے۔ اور یوں بھی کہه سکتے ہیں، "طاب زیدٌ علمًا"، طابَ الزیدَانِ عِلْمینِ" اور "طابَ الزَّیدونَ عُلُومًا"۔ علم چونکه اسم جنس ہے۔ لیکن یہاں اس سے انواع کا ارادہ کیا گیا ہے۔

تو یہاں پر "فیطابقُ فیهما ما قصد" سے دو استثنا آ گئے۔ "الّا ان یکونَ جنسا" یه ایک استثنا ہے۔ اور "الّا ان یقصد الانواع" یه دوسرا استثنا ہے۔ اور یه دوسرا استثنا مفہوم کلام سے استثنا ہے۔ ماقبل کلام " فیطابقُ

فیهما ما قصد الّا ان یکونَ جنسا " میں یہ بتایا گیا، "کہ تمیز اُس کے مطابق ہوگی جس سے لائی گئی ہے۔ اور یہ مطابقت افراد، تثنیہ اور جمع میں ہوگی۔ مگر یہ کہ تمیز اسم جنس ہو۔" اس سے ایک بات سمجھ میں آگئی۔ " ای یُفْرَدُ التمییزُ اذا کان جنسًا" کہ تمیز جب اسم جنس ہو تو مفرد رہے گی۔ تو "الّا ان یقصد الانواع" کے ذریعے اس بات کو واضح کیا اگر تمیز سے انواع کا ارادہ ہو پھر چاہے اسم جنس ہی کیوں نہ ہو، اس سے تثنیہ اور جمع لایا جا سکتا ہے۔ تو یہ استثناءِ ثانی مفہوم کلام سے ہے۔

و ان کانت صفةً اور اگر تمیز صفت کا صیغہ ہو۔ یعنی تمیز مشتق کا صیغہ ہو۔ صفت سے مراد مشتق کا صیغہ ہو۔ جیسے "للّٰہ درُّ فارسًا" میں فارس اسم فاعل یعنی مشتق کا صیغہ ہے۔ پہلے صاحب کافیہ نے فرمایا تھا، و ان کان اسمًا اور یہاں فرمایا و ان کانت صفةً۔ تو اس معلوم ہوا وہ اسم صفت کے مقابلے میں آیا تھا۔ کانت لهُ تو پھر یہ صرف منتصب عنهُ کے لئے ہوگی۔ اور یہ صفت متعلِّقِ منتصَبْ عنهُ کے لئے نہیں ہو سکتی۔ وَ طِبْقَهُ اور یہ مشتق تمیز منتصب عنهُ کے مطابق ہوگی۔ اگر منتصب عنهُ مفرد ہے تو یہ تمیز بھی مفرد ہوگی۔ اگر منتصب عنه تثنیہ ہے تو یہ مشتق تمیز بھی تثنیہ ہوگی۔ اور اگر منتصب عنه جمع ہے تو یہ مشتق تمیز بھی جمع ہوگی۔ اسی طرح اگر منتصب عنه مذکر ہو تو یہ مشتق تمیز بھی مذکر ہوگی، اور اگر منتصب عنه مؤنث ہو تو یہ مشتق تمیز بھی مؤنث ہوگی۔ یہ واو بمعنیٰ مع کے ہے۔ طِبْقٌ اسم ہے بمعنیٰ مطابقت کے۔ یہ مفعول معهُ آگیا۔ جاءنی زیدٌ و عمرًوا: آیا میرے پاس زید، عمرو کے ساتھ۔ وَ احْتَمَلَتِ الحال اور یہ صفت جو ہے حال کا بھی احتمال رکھتی ہے۔ یعنی تمیز جب مشتق ہو تو اس میں حال کا احتمال بھی ہوتا ہے۔ معلوم ہوا تمیز مشتق بھی آسکتی ہے۔ لیکن جو تمیز مشتق ہو اُس کو حال بنانا بھی صحیح ہے۔

و لا یَتَقَدَّمُ التَّمییزُ علیٰ عاملِهِ اور تمیز اپنے عامل پر مقدَّم نہیں ہوگی۔ و الْاَصَحُّ اور صحیح مذہب یہ ہے۔ ای اصحُّ الاقوال: تمام اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے۔ یعنی "عندی رطلٌ زیتًا" میں عندی زیتًا رطلٌ جائز نہیں۔ اور آگے بتلا رہے ہیں کہ صحیح مذہب کے مطابق تمیز فعل پر یا شبہ فعل پر بھی مقدّم نہیں ہو سکتی۔ جبکہ امام مازنیؒ اور امام مُبَرِّدؒ فرماتے ہیں کہ تمیز فعل پر مقدَّم ہو سکتی ہے۔ ان لا یتقدَّمَ علی الفعل کہ تمیز فعل پر بھی مقدَّم نہیں ہوتی۔ خلافا للمازنی و المبرد بخلاف امام مازنیؒ اور امام مبرِّدؒ کے۔ تمیز کی بحث یہاں تک ختم ہوئی۔ اب کچھ زائد چیزیں تمیز کے بارے میں۔

یاد رکھو! نسبت سے جو تمیز آتی ہے وہ دو قسم پر ہے۔ کبھی مُحَوَّل ہوگی کبھی غیر مُحَوَّل ہوگی۔ محوَّل کا معنیٰ ہے پھیرا گیا۔ یعنی اسکو ایک حالت سے دوسرے حالت کی طرف پھیرا گیا ہو۔ محوَّل تین قسم پر ہے۔ پہلا: محول عن الفاعل: جیسے طاب زیدٌ نفسًا۔ اصل میں تھا، طابَ نفسُ زیدٍ۔ تو یہ تمیز دراصل فاعل

تھی، پھر اس کو پھیر کر تمیز بنا دیا گیا۔ تو مضاف کو حذف کر کے مضافٌ الیه کو اسکا قائم مقام بنا دیا گیا۔ اور فاعل کو تمیز بنا دیا گیا۔

دوسرا: محوّل عن الفاعل: جیسے فَجَّرْنَا الاَرْضَ عُیُوْنًا:اصل میں تھا، فجَّرْنا عُیونَ الارضِ۔ تو یه تمیز دراصل مفعول تھی۔ پھر اسکو پھیر کر تمیز بنایا گیا۔ یہاں بھی مضاف کو حذف کر کے مضافٌ الیه کو اسکا قائم مقام بنایا گیا۔ اور اس مضاف کو جو ہم نے حذف کیا تو اس کو تمیز بنایا گیا۔

تیسرا: محوّل عن المبتدا: انا اکثرُ منک مالاً: میں تم سے زیادہ ہوں باعتبار مال کے۔ اصل میں "مالِیْ اکثرُ من مالِکَ"۔ مالِیْ میں مال مبتدا ہے۔ مال چونکه یائے متکلم کی طرف مضاف ہے۔ اس لئے اس پر تقدیری رفع ہے۔ اور سوله قسموں میں سے جمع مذکر سالم کے علاوہ جو بھی اسم یائے متکلم کی طرف مضاف ہو تو اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے، غلامِیْ کی طرح۔ تو پھر اس "مال" کو اٹھایا اور یا جو ضمیر متکلم تھی، اس کو متّصل سے بدل کر منفصل کیا گیا، اور اسکی جگه "انا" لایا گیا۔ اور یه پہلے مضافٌ الیه تھا اور اب اسکو مرفوع لے آیا یعنی "انا"۔ اور اس مال کو ہم نے تمیز بنایا۔ تو "انا اکثرُ منک مالاً" بن گیا۔ تو یه محوَّل عن المبتدا ہے۔

غیر محوَّل کی مثال: اِنْ طَلَعَ الْعِنَاءُ ماءً: برتن بھر گیا باعتبار پانی کے۔ تو یہاں ماءً تمیز ہے اور نه یه محوّل عن الفاعل ہے، نه محوّل عن المفعول ہے اور نه یه محوّل عن المبتدا ہے۔

اور تمیز جس سے پھیرا گیا ہے، تمیز اُس کے درجے میں ہوگا۔ یعنی اگر محوّل عن الفاعل ہو تو تمیز فاعل کے درجے میں ہوگا۔ اور اگر محوّل عن المفعول ہو تو تمیز مفعول کے درجے میں ہوگا۔ اور اگر تمیز محوّل عن المبتدا ہو تو مبتدا کے درجے میں ہوگا۔

درس 61۔ المستثنیٰ متصلٌ و منقطعٌ مستثنیٰ متّصل ہے اور مُنقطع ہے۔ فالمُتَّصِلُ پس متّصل جو ہے۔ ھو وہ ہے۔ المخرج عن متعَّددٍ جسکو متعدَّد یعنی مستثنیٰ منه سے نکالا گیا ہو۔ یعنی مستثنیٰ پہلے مستثنیٰ منهُ میں داخل تھا۔ پھر اسکو حرف استثنیٰ کے ذریعے مستثنیٰ منه سے نکالا جائے۔ لفظا او تقدیرا اس حال میں که وه متعدَّد یعنی مستثنیٰ منه یا تو لفظًا ہوگا یا تقدیرًا ہوگا۔

مثلاً میں کہوں، "ما جاءنِی احدٌ": میرے پاس کوئی بھی نہیں آیا۔ یعنی ساروں کے میں نے نفی کر دی۔ تو اِن ساروں کے اندر تو "زید" بھی آرہا تھا۔ تو میں نے "اِلَّا" کے ذریعے "زید" کو اس متعدَّد سے نکالا۔ اور کلام یوں کہا۔ "ما جاءنی احدٌ الّا زیدًا"۔ یہاں مستثنیٰ متّصل ہے، اِلَّا کے بعد ہے اور کلام غیر مُوجَب میں ہے۔نیز مستثنیٰ منه مذکور بھی ہے۔ تو اس صورت میں مستثنیٰ پر نصب بھی آسکتا ہے اور اسکو مستثنیٰ منه سے بدل بھی بنا سکتے ہے۔ چونکه مستثنیٰ منهُ "احدٌ" مذکور ہے۔ اور اسکو جاء نے رفع دیا۔ اگر مستثنیٰ منهُ مذکور نه ہو تو پھر مستثنیٰ کا اعراب علیٰ حسبِ العوامل ہوگا۔ تو جاءَ یہاں فاعل کا تقاضا کر رہا ہے، اور اگر احدٌ کو حذف کیا جائے تو پھر جاءَ "زید" کو فاعل بنا دے گا اور اس کو رفع دے گا۔ یعنی "ما

جاءنی اِلّا زیدٌ" بن جائے گا۔ بالا و اخواتها اِلّا اور اس کے جو مشابہ کلمات ہیں۔ استثنیٰ کے لئے کل گیارہ الفاظ آتے ہیں۔ و المنقطع اور دوسرا مستثنیٰ منقطِعْ ہو۔ المذکورُ بعدَها جو اِلّا کے بعد مذکور ہو۔ غیرَ مُخْرَج اور اسکو متعدّد یعنی مستثنیٰ منه سے نکالا بھی نه گیا ہو۔ یعنی مستثنیٰ پہلے سے مستثنیٰ منه میں داخل ہی نہیں تھا۔

آگےصاحب کافیہ مستثنیٰ کے اعراب کی تفصیل بیان فرما رہے ہیں۔ و هو منصوبٌ اور مستثنیٰ منصوب ہوگا۔ اذا کان بعدَ اِلّا جب مستثنیٰ "اِلّا" کے بعد آئے۔ غیرِ الصِّفَةِ ایسا "اِلّا" جو صفت نه ہو۔ اصل میں اِلّا استثنیٰ کے لئے ہے۔ لیکن کبھی کبھار یه صفت کے لئے بھی آتا ہے اور غیرُ کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ فی کلامٍ مُوْجَبٍ کلام موجب میں۔ کلام موجب وہ ہوتا ہے جس میں نفی، نہی اور استفہام نہیں ہوتا۔ او مُقَدَّمًا علی المستثنیٰ منه اور یا مستثنیٰ مقدّم ہو مستثنیٰ منه پر۔ او مُنْقَطِعًا یا مستثنیٰ منقطع ہو۔ فی الاکثرِ اکثر علماءِ نحو کے نزدیک او کان بعد خلا و عدا فی الاکثر اور یا خلا اور عدا کے بعد آئے اکثر استعمالات میں۔ جبکه بعض اوقات مجرور بھی آسکتا ہے۔ او ما خلا و ما عدا و لیس و لا یکونُ اور ما خلا، ما عدا، لیس اور لا یکونُ کے بعد۔ ان تمام صورتوں میں مستثنیٰ منصوب ہوگا، چاہے اِلّا کے ساتھ آئے یا غیر الّا کے ساتھ آئے۔

و یجوزُ فیه النصبُ و یختارُ البَدَلُ اور نصب بھی جائز اور بدل پسندیده ہے۔ جب مستثنیٰ ہو اِلّا کے ساتھ، اور استثنیٰ بھی متّصِل ہو، کلام غیر موْجَب ہو، غیر مقدَّم ہو اور مستثنیٰ منه کلام میں مذکور ہو۔ تو اس صورت میں نصب پڑھنا بھی جائز اور بدل بنانا بھی جائز۔ آگے صاحب کافیه شرائط ذکر کر رہے ہیں۔ که کن کن شرائط کے بعد مستثنیٰ کو منصوب پڑھنا بھی جائز ہے اور مستثنیٰ کو بدل بنانا بھی جائز ہے۔ فی ما بعدَ الّا اُس مستثنیٰ میں جو اِلّا کے بعد آئے۔ فی کلامٍ غیرِ موجبٍ اور کلامِ غیر مُوْجَب میں ہو۔ و ذُکِرَ المستثنیٰ منه اور مستثنیٰ منه کو بھی ذکر کیا گیا ہو۔ مثلُ ما فعلوهُ اِلّا قلیلٌ و الا قلیلاً ای مافعلُوهُ اِلّا قلیلٌ: ما نافیه، فعلوْا فعل با فاعل، اس کے اندر واو ضمیر مرفوع محلاً مبدل منهُ، ها ضمیر منصوب محلاً مفعول به، الّا حرف استثناء، قلیلٌ مرفوع بدل فعلوا کی واو ضمیر سے۔ مبدل منه اپنے بدل سے ملکر فعل کے لئے فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول به سےملکر جمله فعلیه خبریه ہوا۔ قلیلٌ مرفوع اس لئے پڑھا تا که یه بدل بن جائے۔اور منصوب پڑھنا بھی جائز ہے۔ 43

ما فعلُوْهُ الّا قلیلاً کی ترکیب: ما نافیه، فعلوْا فعل با فاعل، اس کے اندر واو ضمیر مرفوع محلاً مستثنیٰ منهُ، ها ضمیر منصوب محلاً مفعول به، الّا حرف استثناء، قلیلاً منصوب لفظًا مستثنیٰ۔ مستثنیٰ منه اپنے مستثنیٰ سے ملکر فل کے لئے فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول به سےملکر جمله فعلیه خبریه ہوا۔

و یُعربُ اور اعراب دیا جائے گا مستثنیٰ کو۔ اور کلام غیر موجب کے اندر مستثنیٰ کو اعراب دیا جائے گا، علیٰ حسبِ العواملِ عوامل کے مُقتضیٰ کے مطابق، یعنی جس چیز کا عوامل تقاضا کر رہے ہو۔ اذا کان المستثنیٰ منه غیرَ مذکورٍ جبکه مستثنیٰ منه مذکور نه ہو۔ و هو فی غیر الموجب اور وہ غیر موجب میں ہو۔ لِیُفِیْدَ تاکه کلام فائده بھی دیں۔ مثلُ ما ضربنی الا زیدٌ: کسی نے میری پٹھائی نہیں کی سوائے زید کے۔ اصل میں تھا، " ما ضربنی احدٌ الا زیدًا"۔ مستثنی منهُ احدٌ کو حذف کیا، اور عامل ضربَ کی وجه سے زید کو رفع دیا گیا، تو "ما ضربنی الّا زیدٌ" بنا۔ یه کلام ٹھیک ہے۔ نوٹ: احدٌ نکره ہے، اور جب نکره تحتَ النفی آئے تو وہ عموم کا فائده دیتا ہے۔

آگے صاحب کافیہ ؒ فرماتے ہیں، که اگر معنیٰ صحیح بنتا ہو، تو کلام موجب کے اندر بھی مستثنیٰ منه کو حذف کرنا اور پھر مستثنیٰ کو علیٰ حسبِ العوامل اعراب دینا جائز ہے۔

درس 62۔ اِلّا اَنْ یَّسْتَقِیْمَ المعنیٰ مگر یه که معنیٰ سیدھا رہے۔ یعنی معنیٰ ٹھیک رہے۔ اگر کلام موجب کے اندر مستثنیٰ منه مذکور نه ہو، تو وہ عموماً فائده نہیں دیتا۔ مثلاً اوپر والا جمله " ما ضربنی الّا زیدٌ" کو کلام موجب میں لے آؤ تو ، "ضربنی الّا زیدٌ": میری پٹھائی کی سوائے زید کے۔ اسکا معنیٰ یه ہوا که ہر ایک نے میری پٹھائی کی سوائے زید کے۔ اور یه تو ممکن نہیں۔ ضربنی الّا زیدٌ اصل میں "ضربنی کُلُّ واحدٍ الّا زیدًا" ہے۔ اور یه ممکن ہی نہیں که دنیا کے سارے انسان کسی کی پٹھائی کر دے۔ اگر کوئی قرینة موجود ہو که کوئی خاص جماعت مراد ہے، تو پھر کلام موجب کے اندر بھی جائز ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "ضربنی الّا زیدٌ": میری پٹھائی کی ہر ایک نے سوائے زید کے۔ یہاں "ہر ایک" سے پوری دنیا مراد نہیں، بلکه ایک خاص جَماعت مراد ہے۔ یعنی وہ جو ایک جماعت ہے اُن میں سے ہر ایک نے میری پٹھائی کی سوائے زید کے ۔ تو قرینة بتلا دے گا که عام مراد ہے یا کوئی خاص جماعت مراد ہے۔ پس جب کلام موجب کے اندر معنیٰ صحیح ہو تو پھر جائز ہے۔ مثل قرأتُ اِلّا یومَ کذا: میں نے پڑھا مگر اتنے دن نہیں پڑھا۔ کلام موجب کی اس مثال میں قرأتُ فعل یومَ کو مفعول فیه بنا رہے ہے۔ اور مستثنیٰ منهُ مذکور نہیں۔ چونکه یہاں معنیٰ ٹھیک بن رہا ہے، تو کلام موجب کے اندر بھی یه جائز ہے، که مستثنیٰ منه کو حذف کرے اور مستثنی کو علی حسبِ العوامل اعراب دیا جائے۔ تو یہاں قرینة یه بتلا رہا ہے پڑھنے والا کہه رہے ہیں که میں نے مثلاً پورا ہفته پڑھا لیکن اتنے دن نہیں پڑھا۔ یا میں نے پورا مہینه پڑھا لیکن اتنے دن نہیں پڑھا۔ یہاں پڑھنے والا یه نہیں کہتا که میں نے سارے زمانے کے سارے ایّام پڑھائی کی اور اتنے دن پڑھائی نہیں کی۔ کیونکه یه تو ممکن ہی نہیں که انسان سارے زمانے کے سارے ایّام پڑھائی کرے۔ کیونکه سارے زمانے سے تو انسان کا عمر بہت ہی کم ہے۔ وَ مِن ثَمَّ اور اسی وجه سے، ثَمَّ بعید مکان کے لئے ذٰلک کی طرح اس اشاره ہے۔ ہم نے جو استقامتِ معنیٰ کی شرط لگا دی اسی وجه سے۔ لم یَجُز جائز نہیں ہے۔ ما

زال زیدٌ الا عالما یہ جملہ کہنا درست نہیں۔ زالَ: زائل ہونا، ختم ہونا، نہ ہونا۔ مَا زالَ: ہمیشہ، نفی پر جب نفی داخل ہو جائے تو وہ اثبات کا فائدہ دیتا ہے۔ ما زال زیدٌ الا عالما : ہمیشہ سے زید کے لئے ہر صفت ہے سوائے صفت علم کے۔ یعنی ہمیشہ سے زید ہے سوائے عالم ہونے کے ۔ اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی ایک انسان کے لئے تمام صفات ثابت ہو جائے سوائے کسی ایک صفت کے۔ اور تمام صفت میں تو صفاتِ متضادّ بھی آگئے، اور وہ بھی اس کے لئے ثابت ہو گئی۔ مثلا ایک ہے بہادری اور ایک ہے بزدلی۔ تو وہ ہمیشہ سے بہادر بھی ہے اور ہمیشہ سے بزدل بھی ہے۔ تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح قیام بھی ایک وصف ہے اور لا قیام بھی ایک وصف ہے۔ اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص ایک ہی وقت کے اندر کھڑا بھی ہو اور بیٹھا بھی ہو۔ پس معلوم ہوا، یہ کہنا " ما زال زیدٌ الا عالما" جائز نہیں۔ اور جب یہ کہنا ہی جائز نہیں تو لہٰذا اس کی ترکیب بھی نہیں کریں گے۔

و اذا تَعَذَّرَ البَدَلُ علی اللفظِ ای اذا تَعَذَّرَ حَمْلُ البدلِ علی اللفظِ : جب بدل کا حمل کرنا لفظوں پر ممکن نہ رہے۔ فعلَی الْمَوضِع ای فَیُحْمَلُ عَلَی الْمَوْضِعِ: تو اس بدل کا حمل پھر مَوْضِعْ یعنی مَحل پر کیا جائے گا۔ جب مستثنیٰ متصّل ہو، کلام غیر موجب کے اندر، مستثنیٰ غیر مقدم ہو اور مستثنیٰ منه مذکور ہو، تو اس صورت میں مستثنی کو نصب دینا بھی جائز ہے اور مستثنیٰ کو بدل بنانا بھی جائز ہے۔ جب مستثنیٰ کو بدل بنایا جائے تو جو اعراب مستثنیٰ منه کا ہو وہی اعراب بدل کا بھی ہوگا۔ اور جب مستثنیٰ کا لفظوں پر حمل کرنا ممکن نہ ہو تو پھر مستثنیٰ کا محل پر حمل کریں گے۔

مثلُ ما جاءنی مِنْ احدٍ الا زیدٌ نہیں آیا میرے پاس کوئی ایک بھی، مگر زید۔ یعنی زید میرے پاس آیا۔ یہ مِنْ جارّ زائدہ ہے۔ اصل میں کلام، " ما جاءنی احدٌ : میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا۔

نوٹ: حروف جارّہ آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ضرور متعلق ہوتے ہیں۔ لیکن حروف جارّہ زائدہ کسی کے ساتھ متعلق نہیں ہوتے۔ حلا، عدا اور حاشا کبھی جرّ بھی دیتے ہیں۔ یہ بھی جب جرّ دیں گے تو کسی سے متعلق نہیں ہوں گے۔ اسی طرح، "لعلَّ اور لولا" بھی کبھی جرّ دیتے ہیں۔ یہ بھی اُسی وقت کسی سے متعلق نہیں ہوں گے۔ اسی طرح "رُبَّ" جارّہ بھی کسی سے متعلق نہیں ہوتے۔ بعض علماء اسے متعلق بناتے ہیں۔

پس یہ "مِنْ" جارّہ زائدہ ہے، یہ کسی سے متعلق نہیں ہوتے۔ اور یہ اَحَدٍ جاءَ کے لئے فاعل ہے۔ تو لفظوں کے اعتبار سے " احدٍ" مجرور ہے، لیکن محل کے اعتبار سے "احد" مرفوع ہے، کیونکہ یہ فاعل ہے جاء کے لئے۔

اب ایک بات یاد رکھو! یہ "مِنْ" کلام منفی کے اندر قیاساً زائد کیا جاتا ہے، کلام مثبت کے اندر زائد نہیں کیا جاتا۔ دوسری بات یہ یاد رکھو! بدل تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے۔ تکرار عامل کے درجے میں ہونے کا یہ معنیٰ کہ گویا اس پر عامل دوبارہ داخل ہوتا ہے۔ مثلاً میں نے کہا، "ما جاءنی عمرٌو" میں

ے کہنا زید تھا لیکن غلطی سے منہ سے عمرو نکلا۔ اب میں فورًا اصلاح کرتا ہوں، زیدٌ یعنی "ما جاءنی عمرٌو زیدٌ"۔ تو یہ زیدٌ بدل ہے عمرٌو سے ۔ اور اسکو بدل الغلط کہتے ہے۔ کیونکہ اس بدل کا سبب متکلم کی غلطی بنی۔ اور یہ تکرار عامل کے درجے میں ہوتا ہے۔ یعنی "ما جاءَ" عمرو کو رفع دے رہا تھا۔ تو گویا "زید" پر ایک اور "ما جاء" داخل ہو رہا ہے۔ تیسری بات یہ یاد رکھو! جب اِلَّا سے ماقبل نفی ہو تو اِلَّا اس نفی کو تھوڑ دیتا ہے۔ یعنی ما بعد میں اثبات آجائے گا۔ مثلاً، ما جاءنی احدٌ الَّا زیدٌ۔ اِلَّا سے ماقبل نفی ہے۔ اور اِلَّا کے بعد اثبات ہے۔ یعنی میرے پاس کوئی بھی نہیں آیا مگر صرف زید آیا۔ چوتھی بات یہ کہ جب مستثنیٰ کا حمل لفظوں پر ممکن نہ ہو تو پھر اس کا حمل مستثنیٰ منہ کے محل پر کرتے ہے۔

اب دیکھو! ماجاءنی من احدٍ : میں یہ "مِنْ" زائدہ ہے، کلام منفی کے اندر آیا۔ اب آگے "اِلَّا زیدٌ" آرہا ہے۔ اور "زیدٌ" کو ہم "احد" سے بدل بنانا چاہتے ہیں۔ اور بدل تکرار عامل کے حکم میں ہوتا ہے۔ اور "احدٍ" کے اندر عامل "مِنْ" ہے۔ اور جب ہم زید کو بدل بنائیں گے اور لفظوں پر حمل کریں گے تو گویا اس پر "مِنْ" داخل ہوا۔ تو یہ "اِلَّا مِنْ زیدٍ" ہو جائے گا۔ اور ماقبل میں کلام منفی تھا، تو اِلَّا کے بعد مُثبت کلام آیا ہے۔ تو اب مثبت کلام کے اندر "مِنْ" کو زائد ماننا پڑے گا۔ اور مثبت کلام کے اندر "مِنْ" زائد نہیں آتا۔ لہٰذا زیدٌ کا لفظوں پر حمل کرنا درست نہیں ہوا۔ لہٰذا اب محل پر حمل کریں گے۔ او محل کے اعتبار سے احد مرفوع ہے کیونکہ جاءَ کے لئے فاعل ہے، تو زید بھی مرفوع پڑھیں گے۔ اسی لئے کہا، "ما جاءنی من احدٍ الّا زیدٌ" اور اس میں الّا زیدٍ کہنا صحیح نہیں۔

و لا احدَ فیہا الا عمرٌو و لا احدَ اور کوئی ایک بھی نہیں ہے فیہا ای فی الدارِ گھر میں الا عمرٌو گھر میں۔ اب دیکھئے الا عمرًوا ہم نہیں پڑھ سکتے۔ "لا" نے "احدَ" کو مبنی علی الفتح بنایا۔یہ لائے نفی جنس ہے اور لائے نفی جنس مبتدا خبر پر داخل ہوتا ہے۔ تو احد لفظوں کے اعتبار سے مبنی علی الفتح ہے اور محل کے اعتبار سے مرفوع ہے، کیونکہ یہ مبتدا ہے لائے نفی جنس کے لئے۔ لائے نفی جنس جونکہ نفی کی وجہ سے عمل کر رہا تھا، اور الّا نے آکر اس کے نفی کو تھوڑ دیا، تو اب یہ عمرو میں عمل نہیں کرتا۔

اب عمروٌ کو بدل بنانا ہے۔ اب اگر اسکا حمل لفظوں پر کریں گے تو حمل صحیح نہیں رہے گا۔ کیونکہ احدَ مبنی علی الفتح ہے۔ اور الّا عمرَو نہیں پڑھ سکتے کیونکہ الّا نے "لائے نفی جنس" کے عمل کو تھوڑ دیا۔ لہٰذا اب محل پر حمل کرتے ہے، اور محل کے اعتبار سے احد مبتدا ہے۔اس کے مطابق عمرٌو مرفوع پڑھا جائے گا۔

و ما زیدٌ شیئًا الا شئ لا یُعْبَأُ بہٖ و ما زیدٌ شیئًا اور زید کوئی چیز نہیں ہے۔ الا شئٌ مگر ایسی چیز لا یُعْبَأُ بہٖ جس کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ یعنی زید ایسا چیز ہے جسکی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اَعْبَأُ: میں پرواہ نہیں کرتا۔ لا اَعْبَأُ بِزَیْدٍ: مجھے زید کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ تو دیکھئے شَیئٌ نکرۃ ہے اور اس کے بعد "لا یُعْبَأُ" فعل آ

رہا ہے۔ اور نکرۃ کے بعد فعل عموماً صفت بنتا ہے۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کرتے وقت موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لاتے ہے۔

یہاں شیئٌ کے لئے صفت کیوں لایا گیا؟ آپ کو پتہ ہے ہم نے مستثنیٰ منہُ سے مستثنیٰ کو نکالنا ہے۔ تو لازمی بات ہے مستثنیٰ منہ کے اندر تعدُّد کا ہونا ضروری ہے۔ اگر اُس میں تعدُّد نہیں تو مستثنیٰ کا اُس سے نکالنا بھی صحیح نہیں۔ یعنی اگر صاحب کافیہ ؒ مستثنیٰ کی صفت نہ لاتے، تو پھر الا سے ماقبل بھی شَیئ ہے اور الّا کے مابعد میں شیئ ہے۔ تو یہ استثناء صحیح نہیں رہتا۔ مثلاً میں کہتا ہوں، ما جاءنی زیدٌ الّا زیدٌ: نہیں آیا میرے پاس زید مگر زید آیا۔ تو یہ کلام صحیح نہیں۔ کیونکہ اِلّا سے پہلے زید کی نفی ہے اور اِلّا کے بعد زید کا اثبات ہے۔ یہ تو تناقُض لازم آیا۔ اور یہ جائز نہیں۔ اور اس کو استثناءُ شَیئًا من نَفسہٖ کہتے ہے۔ اور یہ جائز نہیں۔ پس مستثنیٰ منہ بھی شَیئ کا لفظ ہے اور استثنیٰ بھی شَیئ کا لفظ ہے، تو یہ جائز نہیں۔ اس لئے صاحب کافیہ ؒ نے شئ کی صفت "لا یُعْبَأُ بہٖ " بڑھا دی۔

لا یُعْبَأ بہٖ : مستثنیٰ ایسی چیز ہے جس کی پرواہ نہ کی جائے۔ معلوم ہوا ما قبل میں شیئًا مطلق ہے۔ وہ دونوں قسم کے چیزوں کو شامل ہے۔ ایک وہ چیز جس کی پرواہ کی جاتی ہے۔ اور ایک وہ چیز جس کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ تو یہ دو ہو گئے۔ اور ان میں سے ایک چیز جس کی پرواہ نہیں کی جاتی اُس کو نکالا گیا۔ تو ایک وہ چیز رہ گئی جس کی پرواہ کی جاتی ہے۔ تو اب " استثناءُ شَیئًا من نَفسہٖ لازم نہیں آیا۔

اب شیئٌ کو ہم نے شیئًا کے محل سے بدل بنانا ہے۔ ماقبل میں شیئًا منصوب ہے۔ اور الّا کے ما بعد شیئٌ کا حمل ہم لفظوں پر نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ شیئًا کو نصب "ما" دے رہا ہے۔ اور یہ "ما" مشابہ بہ لیسَ ہے۔ اور یہ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب دیتا ہے۔ تو اس "ما" مشابہ بلیس نے شیئًا کو نصب دیا۔ اور یہ عمل نفی کی وجہ سے کرتا ہے۔ اور اِلّا کی وجہ سے اسکی نفی ٹوٹ چکی ہے۔ تو لہٰذا اب وہ مابعد میں عمل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اب لفظوں پر حمل صحیح نہ رہا۔ یعنی اِلّا شیئًا کہنا صحیح نہ رہا، کیونکہ "ما" عمل نہیں کر سکتا۔ تو پھر محل پر حمل کریں گے، اور محل کے اعتبار سے شیئًا مرفوع ہے، کیونکہ شیئًا خبر ہے۔ لہٰذا الّا کے بعد شَیئٌ کا محل پر حمل کرتے ہوئے مرفوع پڑھیں گے۔

پس خلاصہ یہ کہ یہاں صاحب کافیہ ؒ نے تین مثالیں ذکر فرمائی، جن میں مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے محل سے بدل بنایا۔ پہلے مثال میں یہ بتلایا کہ کلام مثبت کے اندر مِنْ کو نہیں بڑھایا جاتا، دوسری اور تیسری مثال میں یہ بتلایا کہ "لا اور ما" کی نفی اِلّا کی وجہ سے ٹوٹ چکی ہے۔ لہٰذا مابعد میں وہ عمل نہیں کر سکتے۔

یہی بات اب صاحب کافیہ ؒ فرما رہے ہیں۔

لِاَنَّ مِنْ اس لئے کہ "مِنْ" کا لفظ لا تُزَادُ بَعْدَ الْاِ ثْبَاتَ اثبات کے بعد نہیں بڑھایا جاتا۔ بلکہ اس کو کلام منفی میں بڑھایا جاتا ہے۔ اس سے پہلا مثال ما جاءنی مِنْ احدٍ الا زیدٌ مراد ہے۔ و ما و لا اور "ما اور

لا" جو ہیں۔ اس سے بعد کے دو مثالیں لا احدَ فیہا الا عمرٌو اور ما زیدٌ شیئًا الا شئ لا یُعْبَأ بہ مراد ہے۔ لا تُقَدَّرَانِ انکو مقدَّر نہیں کیا جاتا عاملتَین اس حال میں کہ یہ عمل کرنے والے ہوں۔ بعدَہُ ای بعدَ الاثباتِ: اثبات کے بعد۔ "ما اور لا" پہلے آئے تھے۔ ما قبل میں کلام منفی تھا، پھر اِلَّا نے آکر اس کے منفی کو تھوڑ دیا تو ما قبل میں کلام مثبت آیا۔ اور کلام مثبت کے اندر "ما اور لا" کو مقدَّر نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ جب ہم استثنیٰ کو بدل بناتے ہیں، تو بدل تَکرار عامل کے درجے میں ہوتا ہے۔ تو پھر اِلَّا کے بعد بھی ایک "لا اور ما" کو مقدَّر ماننا پڑے گا۔ حالانکہ اِلَّا کے بعد "لا اور ما" کو مقدَّر نہیں مان سکتے۔ لانہما عملتا لِلنَّفْیِ اس لئے کہ یہ دونوں عمل کرتے ہیں نفی کی وجہ سے۔ و قَدِ انْتَقَضَ النَّفْیُ بِاِلَّا اور تحقیق ٹوٹ گئی نفی اِلَّا کے ساتھ۔

صاحب کافیہؒ نے پچھلے مثالوں میں فرمایا کہ جب لفظوں پر حمل صحیح نہ ہو تو پھر محل پر حمل کریں گے۔ اب یہاں ایسی مثالیں ذکر فرما رہے ہیں کہ جہاں لفظوں پر حمل کرنا ٹھیک ہو۔ بخلاف یہ مثالیں ماقبل کے خلاف ہے۔ لیسَ زیدٌ شیئا الا شیئا یہ کہنا صحیح ہے۔ لیسَ زیدٌ شیئا الا شیئا میں مستثنیٰ بھی شیئا ہے اور مستثنیٰ منہ بھی شیئا ہے۔ حالانکہ دونوں میں فرق ہونا چاہئے۔ لہٰذا یہاں یا تو "لَا یُعْبَأُ بہٖ" صفت نکالے۔ اور صاحب کافیہؒ نے اس کو دوبارہ ذکر نہیں کیا کیونکہ ماقبل میں وہ چیز ایک مرتبہ ذکر ہو چکا ہے۔

یا "لا یعبأ بہٖ" مقدَّر نکالنے کی بھی ضرورت نہیں۔ شیئًا کی جو تنوین ہے۔ تنوین کبھی تحقیر کے لئے بھی آتی ہے۔ تنوین کبھی تعظیم کے لئے بھی آتی ہے۔ تو یہاں بھی شیئًا کی تنوین یا تعظیم کے لئے بنائے یا تحقیر کے لئے بنائے۔ تو معلوم ہوا چیزیں دو قسم پر ہیں۔ ایک حقیر اور ایک عظیم۔ اگر مستثنیٰ کی تنوین یہاں تحقیر کے لئے لے لیں، تو معنیٰ یہ ہوگا، زید کچھ بھی نہیں مگر ایک حقیر چیز۔ اور ماقبل میں شیئًا مطلق تھا وہ عظیم کو بھی شامل تھا اور حقیر کو بھی شامل تھا۔ تو اِلَّا کے ذریعے اُس میں سے حقیر کو نکال دیا گیا۔ تو مستثنیٰ منہ میں تعدُّد آیا۔

یا مستثنیٰ کی تنوین تعظیم کے لئے بناؤ۔ تو پھر ایک چیز باقی رہ جائیگی۔ اور ماقبل میں تعدُّد بھی آجائے گا۔
لیسَ زیدٌ شیئا الا شیئا: لیسَ فعل از افعال ناقصہ، زیدٌ مرفوع لفظًا لیس کا اسم، شیئًا منصوب لفظًا مبدل منہ، الّا حرف استثنا شیئًا منصوب لفظًا بدل، مبدل منہ اپنے بدل سے ملکر لیس کا خبر۔
اشکال: اشکال یہ کہ "لیس" بھی تو عمل نفی کی وجہ سے کر رہے ہیں۔ اور الّا نے آکر اس نفی کو ختم کر دیا۔ جب لیسَ کے عمل کو ختم کیا تو الّا کے مابعد منصوب نہیں ہونا چاہئے۔ تو صاحب کافیہؒ فرما رہے ہیں کہ ایسا نہیں! لیسَ عمل نفی کی وجہ سے نہیں کر رہا بلکہ فعل کی وجہ سے عمل کر رہا ہے۔ پس اِلَّا کے

آنے سے لیس کا نفی ہونا ٹوٹ گیا لیکن اس کا فعل ہونا اب بھی باقی ہے۔ لہٰذا لیسَ مابعدِ اِلّا میں بھی عمل کریگا اور مستثنیٰ شیئًا کو نصب دے گا۔

لِاَنہا عَمِلَتْ للفعلیة اس لئے کہ "لیسَ" نے عمل کیا فعل ہونے کی وجہ سے۔ فلا اثرَ پس کوئی اثر نہیں فیہا لیسَ کے عمل کے ٹوٹنے میں۔ ھا ضمیر راجع کرو، فِی انْتِقَاضِ عَمَلِ لیسَ کو۔ لِنَقْضِ مَعْنَی النَّفْیِ نفی کے معنیٰ کے ٹوٹنے کا۔ یعنی اِلّا کے ذریعے لیسَ کے نفی کا معنیٰ تو ٹوٹ گیا، لیکن اِلّا لیسَ کے عمل کو ختم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ لیسَ فعل ہونے کی وجہ سے عمل کر رہا ہے نہ کہ نفی ہونے کی وجہ سے عمل کر رہا ہے۔ لِبَقاءِ الامرِ باقی رہنے اُس امر کے۔ یعنی لیسَ کا معنیٰ تو الّا کے ذریعے ختم ہوا لیکن وہ امر جس کی وجہ سے لیسَ عمل کر رہا ہے وہ امر باقی ہے۔ اور وہ امر لیس کا فعل ہونا ہے۔ اَلْعَامِلَةِ ھِیَ کہ یہ لیسَ عمل کرنے والا ہے۔ ھی ای لیس۔ ھِیَ ضمیر لیسَ کو راجع ہے۔ جس طرح فعل کے لئے فاعل چاہئے، اسی طرح اسم فاعل کے لئے بھی فاعل چاہئے۔ اور فاعل یا تو ضمیر آئے گی اور یا آگے اسم ظاہر فاعل بنے گا۔ تو یہاں اس کے ضمیر کو آگے ظاہر کر کے العاملةِ کے لئے فاعل بنایا۔ یہ بتلانے کے لئے کہ العاملةِ کے اندر جو ضمیر ہے وہ ماقبل میں الامرِ کو نہیں لوٹ رہی بلکہ وہ لیس کو لوٹ رہی ہے۔ تو لفظوں کے اعتبار سے العاملة یہ صفت ہے الامر کی۔ کیونکہ الامر بھی معرفة ہے اور العاملة بھی معرفہ ہے۔ اور معرفة کے بعد معرفة آئے تو عموماً موصوف صفت بنتے ہے۔ تو لفظوں کے اعتبار سے العاملة یہ صفت ہے الامر کی اور معنی کے لحاظ سے یہ صفت ہے لیسَ کی۔ کیونکہ اسکے اندر جو ضمیر ہے وہ لیس کو راجع ہے جو اس نے آگے ظاہر کر دی۔ لاجلہٖ اُس چیز کی وجہ سے۔ یعنی لیسَ کا فعل ہونے کی وجہ سے۔ ھا ضمیر راجع ہے الامر کو۔ خلاصہ یہ کہ اِلّا نے تو لیس کے نفی کو ختم کر دیا۔ لیکن لیس نفی کی وجہ سے عمل نہیں کر رہا بلکہ فعل ہونے کی وجہ سے عمل کر رہا اور اس کا فعل ہونا باقی ہے لہٰذ لیسَ مستثنیٰ میں عمل کریگا۔

وَمِنْ ثَمَّ جاز اور اسی وجہ سے یہ ترکیب جائز ہے۔ لیس زیدٌ الا قائمًا ترکیب۔ لیسَ فعل از افعال ناقصہ، زیدٌ مرفوع لفظًا لیس کا اسم، الّا حرف استثناء، قائمًا لیس کی خبر، لیسَ اپنے اسم اور خبر سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ تو لیسَ نے فعل ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ میں عمل کیا۔

وامتنعَ اور یہ ترکیب مُمْتَنِعٌ ہے۔ ما زیدٌ الا قائمًا ما مشابہ بلیس ہے۔ اس نے قائمًا کو نصب دیا۔ لیکن یہ قائم کو نصب نہیں دے سکتا۔ کیونکہ یہ نفی کی وجہ سے عمل کر رہا ہے اور اسکی نفی اِلّا کے ذریعے ٹوٹ گئی۔

درس 63۔ و مَخْفُوضٌ بعدَ غیرٍ اور مستثنیٰ مجرور ہوگا غیرُ کے بعد۔ اسکو آپ بعدَ غیرَ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس صورت میں غیرَ غیر منصرف ہوگا۔ اسکے اندر ایک سبب علمیت ہے۔ کیونکہ غیرُ سے لفظ

غیرُ مراد ہے۔ وہ جو عبارتوں کے اندر غیرُ کا لفظ آتا تھا، اُس کا نام ہی ہم نے غیرُ رکھ دیا۔ جب بھی کوئی لفظ بولا جائے اور مراد وہ لفظ ہو تو وہ علم کے درجے میں ہوتا ہے۔ اور ایک اس میں تانیث ہے۔ یعنی یہ کلمہ ہے۔ کلمۃٌ تانیث کی تاء ہے۔ اگر ہم اسکو لفظٌ کی تاویل میں لے لیں، تو اب یہ منصرف بن جائے گا کیونکہ اب اس میں صرف علمیت کی سبب باقی رہی۔ اور بعدَ غیرٍ پڑھیں گے۔ و سِوىٰ اور مستثنیٰ مجرور ہوگا سِوىٰ کے بعد۔ اس کو سِوىٰ پڑھنا بھی جائز اور سُوىٰ پڑھنا بھی جائز۔ و سَواء اور سَوَاء کے بعد بھی مستثنیٰ مجرور ہوگا۔ اس کو آپ سِواء بھی پڑھ سکتے ہیں۔ و بعدَ حاشا فی الاکثر اور اکثر علماء کے نزدیک حاشا کے بعد مستثنیٰ مجرور ہوگا۔

و اعرابُ غیرٍ اور غیرُ کا اعراب فیه ای فی بابِ الاستثناءِ: یا ایک فی الااستثناء: استثنیٰ میں غیرُ کا اعراب۔ کاعراب المستثنی بِاِلّاعلی التفصیل مستثنیٰ بَاِلّا کی اعراب کی طرح ہوگا اُسی تفصیل پر۔ اِلّا کے بعد جو مستثنیٰ آتا تھا، اُس کا اعراب غیرُ کو دیں گے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ غیرُ استثنیٰ کے لئے آئے۔

یاد رکھو! اِلّا اصل میں استثنیٰ کے لئے وضع ہے۔ اور غیرُ اصل میں وضع ہے صفت کے لئے۔ لیکن کبھی کبھی ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ کبھی غیرُ آتا ہے استثنیٰ کے لئے اِلّا کی جگہ، اور کبھی اِلّا آجاتا ہے صفت کے لئے غیرُ کی جگہ۔ اِلّا تو حرف تھا اور حرف مبنی ہوتا ہے اس پر اعراب آتا ہی نہیں اور مستثنیٰ پر اعراب آتا تھا۔ اب غیرُ آیا ہے۔ تو غیرُ کا ما بعد یعنی مستثنیٰ تو مضافٌ الیه بن جائے گا۔ مثلاً، جاءنی القومُ غیرَ زیدٍ: زید تو یہاں مضافٌ الیه ہے اُس پر جرّ آئے گا۔ لیکن غیرُ جب استثنیٰ کے لئے آئے تو پھر غیرُ کا اعراب کیا ہوگا؟ اگر غیرُ صفت کے لئے آئے تو پھر تو آسان ہے جو اعراب موصوف کا ہوگا وہی اعراب غیرُ کا ہوگا۔ اور جب غیرُ استثنیٰ کے لئے آئے توکہتے ہیں غیرُ کا وہی اعراب ہوگا جو اِلّا کے مستثنیٰ کا تھا۔

غیرُ کے اعراب کی وضاحت:

اگر مستثنیٰ منقطع ہوا تو غیرُ کو بھی مستثنیٰ منقطع کے اندر نصب دیں گے۔ مثلاً جاءنِی القومُ غیرَ حِمارٍ۔

اگر مستثنیٰ متصل ہو کلام مُوْجَبٌ کے اندر تو پھر بھی غیر کو نصب دیں گے۔ جاءنی القومُ غیرَ زیدٍ

اگر مستثنیٰ مُقدَّم ہو تو اس صورت میں بھی غیر منصوب ہوگا۔ ما جاءَنی غیرَ زیدٍ احدٌ۔ یہاں مستثنیٰ متّصل ہے، کلام غیر موجب میں ہے اور مستثنیٰ مقدّم ہے۔

اگر مستثنیٰ متصل ہو، کلام غیر موجب میں ہو،مستثنیٰ غیر مقدَّم ہے، اور مستثنیٰ منه مذکور ہو۔ تو اس صورت میں غیر پر نصب بھی جائز اور مستثنیٰ منهُ سے بدل بنانا بھی جائز۔

نصب کی صورت میں مثلاً: ما جاءنِی احدٌ غیرَ زیدٍ۔ اور بدل کی صورت میں: ما جاءنِی احدٌ غیرُ زیدٍ۔

اگر مستثنیٰ متصل ہو، کلام غیر موجب میں ہو، اور مستثنیٰ منه مذکور نه ہو تو اس صورت میں غیر کا اعراب علیٰ حسبِ العوامل ہوگا۔ مثلاً، ما جاءنِی غیرُ زیدٍ، ما رَأیتُ غیرَ زیدٍ اور ما مررتُ غیرَ بِزیدٍ۔

و غیرٌ صفةٌ اور غیرُ ایسی صفت ہے۔ اس کو غیرُ صفةٌ بھی پڑھ سکتے ہے۔ پھر غیرُ غیر منصرف ہوگا۔

حُمِلَتْ علیٰ اِلَّا جس کا حمل اِلَّا پر ہوتا ہے۔ فی الاستثناءِ استثنیٰ کے اندر کما حُملت اِلَّا علیها فی الصفة جیسے صفت کے اندر اِلَّا محمول ہے غیرُ پر۔ مطلب یه که اِلَّا تو اصل میں وضع ہے استثنیٰ کے لئے، لیکن کبھی کبھار صفت کے لئے بھی آتا ہے۔ اور غیرُ اصل میں وضع ہے صفت کے لئے لیکن کبھی کبھار استثنیٰ کے لئے بھی آتا ہے۔

آگے صاحب کافیہ رح فرماتے ہیں که اِلَّا صفت کے لئے کب استعمال ہوتا ہے؟ اذا کانت تابعةً لِجَمْعٍ مَنْکُورٍ جب یه تابع ہو ایسی جمع کے بعد جب یه نکرة ہو۔ یعنی اِلَّا ایسی جمع کے بعد آئے جو که نکرة ہو۔ غیرِ محصُورٍ اور اُس جمع منکور میں حصر بھی نه ہو۔یعنی اُس نے اپنے تمام افراد کا احاطه نه کیا ہو۔ محصور: جس نے تمام افراد کا احاطه کیا ہو۔ جیسے نکرة تحت النفی ہو تو وہ عُموم اور استغراق کا فائده دیتا ہے۔ مثلاً: ما جاءنی رجلٌ: میرے پاس کوئی آدمی نہیں آیا۔ یہاں رجلٌ نکرة ہے اور تحت النفی آیا۔ تو اس کا مطلب یه ہوا که میرے پاس ایک بھی آدمی نہیں آیا۔ تو اس نکرة نے ساروں کا حصر کرکے سب کی نفی کر دی۔اب رجلٌ لفظوں کے اعتبار سے مفرد ہے، لیکن معنیٰ کے اعتبار سے جمع ہے۔ کیونکه یه جمع کا معنیٰ ادا کر رہا ہے۔ یه ہوا استغراق جنسی کا مثال۔

اسی طرح عدد بھی ہے۔ اس میں بھی استغراق ہوتا ہے۔ یعنی اپنے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، عشرونَ درهمًا۔ تو اِس عشرونَ نے بیس کے بیس سب درهم کا احاطه کیا۔

تو صاحب کافیہ رح نے غیر محصور کہه کر استغراقِ جنسی کو بھی نکالا اور عدد کو بھی نکالا۔ صاحب کافیہ رح نے یه دونوں کیوں نکالا ؟ اسکی وجه سُنو!

مثلاً میں کہتا ہوں! جاءنی الرّجالُ اِلَّا زیدًا۔ یہاں مستثنیٰ منه "الرجال" ہے۔ الف لام کے ذریعے کسی کی طرف اشاره ہو رہا ہے۔ تو معلوم ہوا که اس سے کوئی خاص لوگ مراد ہے۔ جس کا پته مجھے بھی ہے اور آپ کو بھی ہے۔ تو معلوم ہوا که استثنیٰ صحیح ہے۔ اگر اُس جماعت کے اندر زید پہلے سے داخل تھا تو یه مستثنیٰ متصل ہو جائے گا، اور اگر زید پہلے سے داخل نہیں تھا تو یه مستثنیٰ منقطع ہو جائے گا۔ پس یاد رکھو! استثنیٰ کے لئے ضروری ہے که آپ کو قطعی طور پر یه معلوم ہو که مستثنیٰ، مستثنیٰ منه کے اندر داخل ہے یا داخل نہیں۔ پس جب آپ کو قطعی طور پر معلوم ہو که مستثنیٰ، مستثنیٰ منه کے اندر داخل ہے تو یه مستثنیٰ متصل ہوا، اور جب آپ کو قطعی طور پر معلوم ہو که مستثنیٰ، مستثنیٰ منه کے اندر داخل نہیں تو یه مستثنیٰ منقطع ہوا۔ اور جب میں یه کہوں، جاءنی رجالٌ : میرے پاس کچھ لوگ آئے۔ رِجال نکرة ہے

یعنی "کچھ لوگ"، اور اس میں تَعِین نہیں۔ اور جب تَعِیّن ہی نہیں تو اب آپ کو یہ پتہ چل نہیں سکتا کہ زید اس میں پہلے سے داخل ہے یا نہیں۔ اگر زید پہلے سے داخل ہوتا تو آپ اسکو متصل بناتے اور اگر پہلے سے داخل نہ ہوتا تو آپ اسے منقطع بناتے ، لیکن یہاں تو پتہ ہی نہیں چلتا۔ اور "کچھ لوگ" سے پتہ نہیں کون سے کچھ لوگ مراد ہے۔ لیکن یہاں ہم قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے، پس لہٰذا اس "اِلَّا" کو ہم صفت پر محمول کرنا پڑے گا۔ اور "اِلَّا زیدٌ" کہیں گے۔ کیونکہ ماقبل میں موصوف "رجالٌ" مرفوع ہے۔ یعنی جاءنی رجالٌ اِلَّا زیدٌ کہیں گے۔ یہاں اِلَّا، غیرُ کے معنیٰ میں ہے۔ اور اِلَّا تو حرف ہے، اور حرف پر اعتبار آتا ہی نہیں۔ لہٰذا وہ اعراب زید پر آئے گا۔

پس جمع منکور غیر محصور کے اندر اِلَّا کو ہم صفت پر محمول کرتے ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں ہم نہ اس کو مستثنیٰ متصل بنا سکتے ہیں نہ مستثنیٰ منقطع بنا سکتے ہیں۔

حصر والی مثال: مثلاً، ما جاءنِی رجلٌ : یہ رجلٌ نکرۃ تحت النفی نے عموم اور استغراق جنس کا فائدہ دیا۔ یعنی کوئی بھی آدمی میرے پاس نہیں آیا۔ تو زید بھی آدمیوں میں سے ہے۔ تو زید کی بھی نفی ہو گئی۔ تو اب آپ آگے کہتے ہیں، "الّا زیدٌ" یعنی ما جاءنی رجلٌ الّا زیدٌ۔ تو یہ مستثنیٰ متصل ہے۔ رجلٌ یہاں معنیٰ کے اعتبار سے جمع ہے کیونکہ یہ نکرۃ تحت النفی ہے۔ اور یہ محصور ہے کیونکہ اس نے ہر رجل کا حصر کر لیا۔ تو اس صورت میں اب استثناء صحیح ہوا۔ اسی لئے صاحب کافیہ نے دوسرا شرط یہ لگایا تھا کہ وہ جمع منکور غیر محصور ہوگا۔ کیونکہ غیر محصور کے اندر پھر استثنیٰ صحیح نہیں ہوتا۔ اور جب استثناء صحیح نہ ہو تو پھر اس صورت میں "اِلَّا" صفت کے لئے ہوگا۔ اور جو اعراب صفت پر آتا ہے وہی اعراب اِلَّا کے مابعد پر آئے گا۔

عدد کی مثال: مثلاً میں کہتا ہوں، لِفُلَانٍ عَلَیَّ عَشَرَۃُ دَرَاھِمَ اِلَّا دِرْھَمًا۔ فلاں کے مجھ پر دس درھم ہیں مگر ایک درھم نہیں، یعنی نو درھم ہیں۔ تو یہاں عدد آیا۔ اور عشرۃ کے اندر وہ ایک درھم شامل تھا جس کا میں نے استثناء کیا۔ تو یہاں استثناء کرنا صحیح ہے۔ اور یہ مستثنیٰ متصل بن جاتا ہے۔ تو محصور کے اندر استثنیٰ صحیح ہوتا ہے۔ اور محصور کے آنے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلا: یا تو حصر استغراقِ جنس کے ساتھ آئے ۔ جیسا کہ نکرۃ تحتَ النفی، دوسرا: یا حصر عدد کے ساتھ آئے۔ دونوں صورتوں میں استثنیٰ صحیح ہوتا ہے۔ پس اس لئے صاحب کافیہ نے جمع منکور غیر محصور کی شرط لگائی تھی۔

لِتَعَذُّرِ الاستثناءِ بوجہ استثناء کے متعذّر ہونے کی وجہ سے۔ یعنی استثناء کے ممکن نہ رہنے کی وجہ سے۔ یعنی یہاں نہ مستثنیٰ متصل ممکن ہے اور نہ استثنیٰ منقطع ممکن ہے۔ تو اس صورت میں پھر اِلَّا کو صفت پر محمول کریں گے۔

مثلُ لو کان فیھما اٰلِھَۃٌ الا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا لو کان فیھما اگر ہوتے زمین اور آسمان کے اندر اٰلِھَۃٌ کچھ اور معبود الا اللّٰہُ علاوہ اللہ کے لَفَسَدَتَا تو دونوں فاسد ہو جاتے۔ یعنی اِن کا نظام خراب ہو جاتا۔ تو دیکھئے اِلَّا آیا

اور یہ تابع ہے اٰلِهَةٌ کی۔ اور اَلِهَةٌ یہ اِلٰہ کی جمع ہے۔ اٰلِهَةٌ نکرۃ ہے اور غیر محصور ہے۔ پس اٰلِهَةٌ جمع منکور غیر محصور ہے، تو لہٰذا "اِلَّا" یہاں صفت کے لئے آرہا ہے۔ یہ "برھانِ تمانُع" کہلاتی ہے۔ اور توحید کی دلیل ہے۔ کہ ایک ہی اِلٰہ ہے ۔ ایک اللہ ہے۔ اس زمین اور آسمان میں ایک ہی معبود ہے۔ اور کوئی معبود نہیں۔

وَ ضَعُفَ اور ضیعف ہے۔ یعنی اِلَّا کا حمل کرنا ضعیف ہے غیرُ پر۔ پیچھے ذکر ہوا کہ اِلّا محمول ہوتا ہے غیرُ پر صفت کے اندر جب یہ "اِلَّا" جمع منکور غیر محصور کے تابع ہو۔ اس کے علاوہ باقی صورتوں میں اِلَّا کو غیرُ پر محمول کرتے ہوئے صفت بنانا ضعیف ہے۔ فی غیرہٖ ھا ضمیر جمع منکور غیر محصور کو راجع ہے۔ یعنی جمع منکور غیر محصور کے علاوہ میں اِلَّا کا غیرُ پر محمول کرنا ضعیف ہے۔

و اعرابُ سَوىٰ و سِواءَ النَّصبُ علی الظَّرفِ عَلَی الاَصَحِّ صحیح مذہب کے مطابق سَوىٰ اور سِواء کا اعراب منصوب ہوگا ظرفیت کی بناء پر۔ یہ سوىٰ اور سواء استثناء کے لئے آتے ہیں لیکن کلام کے اندر یہ ظرف یعنی مفعول فیہ واقع ہوتے ہیں۔ اور مفعول فیہ منصوب ہوتے ہیں۔ یہ امام سیبویہؒ کا مذہب ہے۔ امام سیبویہؒ کے نزدیک یہ لازمُ الظرفیۃ ہے، یعنی جب بھی کلام میں آئے تو ظرف واقع ہوں گے۔ جبکہ کوفہ کے نحوی علماءؒ فرماتے ہیں، کہ یہ غیرُ کی طرح صفت بھی واقع ہو سکتے ہیں۔ اور پھر ان پر تینوں اعراب رفع، نصب اور جرّ آسکتے ہیں۔

یہاں تک مستثنیٰ کی بحث ختم ہوئی۔ لیکن اس سے متعلق ایک قیمتی بات یاد رکھئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مستثنیٰ کے اندر عامل کون ہوتا ہے؟ مثلاً، جاءنی القومُ الّا حمارًا، جاءنی القومُ الّا زیدًا، ما جاءنی اِلَّا زیدًا احدٌ وغیرہ میں مستثنیٰ کے اندر عامل کون ہے؟ یاد رکھو! مستثنیٰ میں عامل فعل یا معنیٔ فعل ہوتا ہے۔ مثلاً جاءنی احدٌ اِلَّا زیدًامیں زید کو نصب جاء فعل نے دیا۔ یہ اکثر علماء کے نزدیک ہے۔ بعض علماءؒ کے نزدیک مستثنیٰ میں عامل "اِلَّا" ہوا کرتا ہے۔ اور اِلَّا یہ قائم مقام ہے "اَسْتَثْنِیْ" کے ۔ متکلم کا صیغہ ہے باب استفعال سے، میں اِستثنیٰ کرتا ہے۔

درس 64۔ خبرُ کان و اخواتِها افعالِ ناقصہ کی خبر ھو الْمُسندُ بعدَ دُخولِہا کانَ اور اس کے اخوات کے داخل ہونے کے بعد وہ خبر مسند ہوتی ہے۔ کانَ افعال ناقصہ میں سے ہے۔ اور افعال ناقصہ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتےہے۔ بھئی جب وہ مبتدا اور خبر ہے، تو ان میں پہلے سے ہی اِسناد موجود ہے۔ خبر تو پہلے سے مُسند ہے، تو اس کا کیا معنیٰ ہوا، کہ کان کے آنے کے بعد وہ خبر مُسند بنے گا؟ جواب یہ کہ پہلا اِسناد ختم ہو جائے گا۔ مثلاً زیدٌ قائمٌ پر جب کانَ داخل ہوجائے تو کانَ زیدٌ قائمًا بن جائے گا۔ تو قائمٌ تو پہلے سے مسند تھا۔ اب اس کا کیا مطلب کہ کانَ کے آنے کے بعد یہ قائم مسند بن جائے گا۔ تو جواب یہ کہ پہلا اسناد ختم ہوا اور یہ جدید اسناد ہے۔ مثلُ کان زیدٌ قائمًا

وَ اَمْرُهُ کامر خبر المبتدأ اور کانَ کی خبر کا معاملہ مبتدا کے خبر کی معاملے کی طرح ہے۔ امرہُ میں ھا ضمیر خبرِ کانَ کو راجع ہے۔ یعنی مبتدا کے لئے خبر چاہئے ہوتا ہے۔ اور مبتدا میں اصل ہے معرفة ہونا، اور خبر میں اصل ہے نکرة ہونا۔ تو وہ احوال جو ہم نے مبتدا خبر میں پڑھے تھے وہ احوال یہاں بھی جاری ہوں گے۔ جیسے مبتدا کی خبر کبھی مفرد ہوتی ہے اور کبھی جملہ، تو کان کی خبر بھی کبھی مفرد ہوگی اور کبھی جملہ۔ کان کی خبر بھی کبھی معرفة آسکتی ہے جس طرح مبتدا کی خبر کبھی معرفة آسکتی ہے۔ وغیرہ و یَتَقَدَّمُ معرفةً اور مقدَّم ہو جاتی ہے اس حال میں کہ وہ معرفة ہو۔ مبتدا اور خبر کے اندر اگر خبر معرفة ہو تو پھر اس کو مبتدا پر مقدّم کرنا جائز نہیں۔ مثلاً زیدُنِ القائمُ میں القائمُ زیدٌ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ پھر التباس لازم آئے گا، اور یہ پتہ نہیں چلے گا کہ کون مبتدا ہے اور کون خبر۔ لیکن کانَ کی خبر جب معرفة ہو تو پھر اسکو مقدّم کرنا بھی صحیح ہے۔ اور یہ اس لئے صحیح ہے کیونکہ کانَ کا اسم مرفوع ہوتا ہے، اور کانَ کی خبر منصوب ہوتی ہے۔ تو یہ اعراب بتلائے گا کہ کون کان کا اسم ہے اور کون کان کا خبر۔ مثلاً۔ کانَ زیدُنِ القائمَ میں زیدٌ کان کا اسم ہے اور القائم کان کی خبر۔ اب اگر ترتیب بدل دے، جیسا کہ کانَ القائمَ زیدٌ۔ تو اب یہ اعراب بتلاتا ہے کا القائمَ کان کے لئے خبر مقدّم ہے اور زیدٌ کان کا اسم مؤخر ہے۔

لیکن اس میں بھی شرط یہ ہے، کہ التباس لازم نہ آئے۔ اگر کوئی ایسا صورت ہو کہ دونوں پر اعراب تقدیری ہو۔ یا دونوں پر اعراب محلاً ہو، تو پھر اس صورت میں کانَ کے اسم کو کانَ کے خبر پر مقدّم رکھنا واجب ہے۔

و قد یُحذَف عاملُه اور کبھی کانَ کی خبر کے عامل کو حذف کیا جاتا ہے۔ کانَ کے خبر میں عامل کانَ یا اسکے اخوات ہے۔ تو اس عامل کو کبھی کبھار حذف کیا جاتا ہے۔ فی نحوِ اس قسم کے مثالوں میں الناسُ مَجْزِیُّونَ بِاَعمالِهم اِنْ خیرًا فخیرٌ وَ اِنْ شرًا فشرٌّ الحدیث: الناسُ مَجْزِیُّونَ لوگ بدلا دیئے جانے والے ہیں بِاَعمالِهم اپنے عملوں سے اِنْ خیرًا فخیرٌ اگر ان کے عمل اچھے ہوئے تو اسکا بدلا بھی اچھا ہوگا وَ اِنْ شرًا فشرٌّ اور اگر اُس کے عمل برے ہوئے تو جزا بھی بری ہوگی۔

یہاں یہ بات ذکر ہو رہی ہے! کہ خبرِ کانَ کے عامل کو حذف کرنا جائز ہے۔ تو یہاں "اِنْ خیرًا فخیرٌ" پر نظر رکھئے۔ جب ایسی جگہ جس میں اِنْ شرطیہ کے بعد ایک اسم آئے، اور آگے فا کے ساتھ اُس کی جزا ذکر ہو، اور جزا کے بعد ایک اسم ہو۔ تو صاحب کافیہ ؒ فرماتے ہیں کہ اس جیسے جگہوں کے اندر کان کے خبر کے عامل کو حذف کرنا جائز ہے۔

یاد رکھو! "اِنْ اور لَوْ" حروف شرط میں سے ہیں۔ اور حروف شرط ہمیشہ فعل پر داخل ہوتے ہیں اسم پر داخل نہیں ہوتے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ شرط تعلیق کے لئے ہوتی ہے۔ یعنی ایک کام کو دوسرے

کام کے ساتھ لٹکا دیتی ہے۔ اور تعلیق ہوگی زمانے کے اندر۔ اور زمانہ فعل کے اندر ہے ۔ پس "اِنْ خیرًا" میں یہ اِنْ شرطیہ ہے ، اور اِنْ شرطیہ فعل پر داخل ہوتا ہے اسم پر نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں فعل محذوف ہے۔ اور "اِنْ اور لَوْ" کے بعد اکثر "کانَ" کو حذف کیا جاتا ہے، کثرتِ استعمال کی وجہ سے۔

تو اصل عبارت یوں ہے، " اِنْ کانَ عَمَلُهُمْ خیرًا فَجَزَاءُهُمْ خیرٌ وَ اِنْ کانَ عملُهُمْ شرًّا فَجَزَاءُهُمْ شَرٌّ": اگر ان کا عمل بہتر ہوا، تو اُن کا بدلہ بھی اچھا ہوگا، اور اگر اُن کا عمل برا ہوا، تو اُن کی جزا بُری ہوگی۔

پس اِنْ حرف شرط ہے اور حرف شرط فعل پر داخل ہوتا ہے اور یہاں اِنْ کے بعد اسم ہے تو اس سے خود بخود پتہ چلتا ہے کہ فعل کو حذف کیا گیا ہے۔ نیز فا کے بعد ایک اسم ہے۔ اور فا آئی ہے جزا پر۔ اور جزا ایک اسم نہیں ہوتا بلکہ جزا جملہ ہوتا ہے۔ اور جملہ اگر اسمیہ ہو تو اس کے لئے کم از کم دو اسم چاہئے ہوتا ہے۔

ویجوز فی مثلها اور جائز ہے ان جیسے مثالوں میں **اربعةُ اَوْجُهٍ** چار وجہیں پڑھنا۔ یعنی چار اعراب پڑھنا جائز ہیں۔

پہلی صورت: اس میں پہلا اسم منصوب ہے اور دوسرا اسم مرفوع ہے۔ ایک تو یہ ہم نے پڑھی، "اِنْ خیرًا فخیرٌ و اِنْ شرًّا فَشَرٌّ" ہے جسکی اصل " اِنْ کانَ عَمَلُهُمْ خیرًا فَجَزَاءُهُمْ خیرٌ وَ اِنْ کانَ عملُهُمْ شرًّا فَجَزَاءُهُمْ شَرٌّ" ہے۔ تو اس میں "کانَ" کو بھی حذف کیا، اور کانَ کے اسم "عملُهم" کو بھی حذف کیا۔ اور خیرًا کانَ کی خبر ہے۔ تو دیکھو! کانَ کے خبر کی عامل کو حذف کیا گیا ہے۔ اور جَزَاءُهُمْ ہے مبتدا اور خیرٌ ہے اسکی خبر۔ تو مبتدا کو بھی حذف کیا گیا اور اسکی خبر عبارت میں موجود ہے۔ اور آگے " وَ اِنْ کانَ عملُهُمْ شرًّا فَجَزَاءُهُمْ شَرٌّ" میں کانَ اور اس کے اسم عملُهم کو حذف کیا گیا۔ اور پھر فَجَزَاءُهُمْ شرٌّ میں جَزَاءُهُمْ مبتدا کو حذف کیا گیا اور اسکی خبر "شرٌّ" باقی رکھا گیا۔

پس اِنْ خیرًا فخیرٌ و اِنْ شَرًّا فشرٌّ میں ترکیب کی تفصیل۔ اِنْ خیرًا میں اِنْ کے بعد کانَ کو محذوف نکالنا ہے۔ اب خیرًا منصوب ہے اور کان کی خبر منصوب ہوتا ہے۔ تو اس صورت میں کانَ کو بھی محذوف نکالیں گے اور کانَ کے اسم کو بھی محذوف نکالیں گے۔ اور کان کا اسم مرفوع ہوتا ہے۔ تو کلام یوں ہوگا۔ اِنْ کانَ عَمَلُهُمْ خیرًا۔ پھر آگے فَخیرٌ میں، فا چونکہ جملة پر داخل ہوتا ہے۔ اور اس میں یہ خیرٌ نکرة ہے اور مرفوع ہے پس یہ خبر بن جائے ہے۔ اور اس کے لئے مبتدا محذوف نکالیں گے۔ اور مبتدا یہاں "جزاءُهم" ہے۔ تو کلام بن جائے گا، فَجَزَاءُهم خیرٌ ہو جائے گا۔ یعنی " اِنْ کانَ عَمَلُهُمْ خیرًا فَجَزَاءُهُمْ خیرٌ" بن جائے گا۔ اور آگے " وَ اِنْ شَرًّا فشرٌّ" بن جائے گا، "وَ اِنْ کَانَ عَمَلُهُمْ شَرًّا فَجَزَاءُهُمْ شرٌّ" بن جائے گا۔

اگلے تین تراکیب بھی اسی طرح ہوگی۔

دوسری صورت: اب یہ پہلی صورت کا عکس ہے۔ یعنی پہلے اسم کو مرفوع پڑھو اور دوسرے اسم کو منصوب پڑھو۔ ای "اِنْ خیرٌ فخیرًا وَ اِنْ شَرٌّ فَشَرًّا"۔ ترکیب۔ اِنْ کانَ فِی عملِهِمْ خیرٌ فیَکُوْنُ جَزائُهُمْ خیرًا وَ اِنْ

كانَ فِي عملِهِمْ شرٌّ فيَكُوْنُ جَزائُهُمْ شرًّا۔ یہاں اِنْ کے بعد خیرٌ مرفوع آیا ہے اور یہ کانَ کے لئے اسم ہوتا ہے تو کانَ کو بھی محذوف نکالنا پڑے گا اور کانَ کے خبر "فِی عملِهِم" کو بھی محذوف نکالنا پڑے گا۔ جار مجرور خبر بن سکتے ہیں۔ کسی کے لئے اسم نہیں بن سکتے۔ اور آگے فخیرًا میں خیرًا منصوب ہے۔ لہٰذا یہ مبتدا کے لئے خبر نہیں بن سکتا اور کانَ کے لئے خبر بن سکتا ہے۔ کیونکہ کانَ کی خبر منصوب ہوتی ہے۔ اور فا چونکہ جملہ پر داخل ہوتا ہے، لہٰذا اب یہاں کانَ فعل کو محذوف نکالیں گے۔ تو یہاں یکونُ فعل محذوف نکالیں گے اور اس کے ساتھ اس کا اسم "جزائُهُم" نکالیں گے۔ پس "اِنْ خیرٌ" بن جائے گا، "اِنْ كانَ فِی عملِهِمْ خيرٌ"۔ اور آگے فَخَیْرًا بن جائے گا، "فَيَكُوْنَ جَزَائُهُمْ خيرًا۔ اسی طرح " اِنْ شَرٌّ فشرًّا" میں بھی ہے۔

تیسری صورت: یعنی دونوں کو مرفوع پڑھو۔ "اِنْ خیرٌ فخیرٌ وَ اِنْ شَرٌّ فَشَرٌّ" ترکیب۔ اِنْ كانَ فِي عملِهِمْ خيرٌ فجَزائُهُمْ خيرٌ وَ اِنْ كانَ فِي عملِهِمْ شَرٌّ فجَزائُهُمْ شَرٌّ۔

چوتھی صورت: یعنی دونوں کو منصوب پڑھو۔ "اِنْ خیرًا فخیرًا وَ اِنْ شَرًّا فَشَرًّا" ترکیب۔ اِنْ كانَ عملُهُمْ خيرًا فيَيَكُونُ جَزائُهُمْ خيرًا وَ اِنْ كانَ عملُهُمْ شَرًّا فَيَكُونُ جَزائُهُمْ شَرًّا۔

خلاصہ بحث: اِنْ کے بعد کانَ ضرور نکالنا ہے۔ اگر اِنْ کے بعد اسم منصوب ہو، تو پھر کانَ اور کانَ کی اسم دونوں محذوف نکالیں گے۔ اور اگر اِنْ کے بعد اسم مرفوع ہو تو پھر کانَ اور کانَ کی خبر (جار مجرور کی صورت) میں محذوف نکالیں گے۔ آگے شرط کے لئے "فا" آتی ہے۔ اور "فا" جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ دونوں پر داخل ہو سکتی ہے۔ اگر فا کے بعد اسم مرفوع ہو تو اس صورت میں مبتدا محذوف نکالیں گے۔ اور اگر فا کے بعد اسم منصوب ہو تو پھر اس صورت میں کانَ اور کان کا اسم محذوف نکالیں گے۔ کیونکہ مبتدا کی خبر منصوب نہیں ہوتی بلکہ کانَ کی خبر منصوب ہوتی ہے۔

ان چار جگہوں میں سب سے احسن یعنی اقویٰ صورت یہ ہے جو کہ کتاب میں درج ہے۔ اور یاد رکھو! ضعف کا پتہ حذف سے چلے گا۔ جس میں جتنی زیادہ حذف ہو اُس میں اُتنی ہی زیادہ ضُعف ہوگی۔

پہلی صورت جو کہ کتاب میں ذکر ہے۔ "اِنْ خیرًا فخیرٌ" میں کانَ اور کانَ کا اسم حذف ہے۔ اور جزا میں سے مبتدا "جزائُهم" ہے۔ یعنی کل تین چیزیں حذف ہوئی۔

دوسری ترکیب، "اِنْ خیرٌ فخیرًا" میں کانَ، کانَ کی خبر یعنی جار مجرور، اور جزا میں سے کانَ اور کانَ کا اسم یعنی پانچ چیزیں حذف کی گئی ہے۔ باقی دو بھی اسی طرح خود دیکھ لیں۔

اب صاحب کافیہؒ اُن جگہوں کو ذکر فرما رہے ہیں، جن میں کانَ اور اسکے اَخوات کو حذف کرنا واجب ہے۔ | ویَجبُ الحَذفُ فی مثلِ | اور کان کو حذف کرنا واجب ہے اس قسم کے مثالوں میں۔

اَمّا انت مُنْطَلِقَانِ انطلقت ای لِاَنْ کنتَ منطلقَانِ انْطَلَقْتُ۔ اَمّا انتَ کو اٹھا لے اور اسکی جگہ لِاَنْ کنتَ رکھ لے۔ تو بن جائے گا، "لِاَنْ کنتَ منطلقَانِ انْطَلَقْتُ"۔ لِاَنْ کنتَ منطلقا اس لئے کہ تو چلنے والا تھا، اِنْطَلَقْتُ میں چلا۔ میں اس لئے چلا کہ تو چل رہا تھا۔ تو یہ "لِاَنْ" جار مجرور ہے۔ اور جار مجرور آٹھ چیزوں

میں سے کسی ایک چیز سے متعلق ہوتا ہے۔ اور یہ یہاں "اِنْطَلَقْتُ" جو آخر میں فعل آرہا ہے اس سے متعلق ہے۔ اِنْطَلَقْتُ : میں چلا، لِاَنْ کنتَ منطلقًا: کیونکہ تو چلنے والا تھا۔

اب کیا کیا گیا کہ اصل میں "لان کنت منطلقا" سے یہ "اَمَّا انت منطلقًا" بن گیا۔ سب سے پہلے "لِاَنْ کنتَ منطلقًا" سے لام کو حذف کیا گیا۔ تو "اَنْ کنتَ منطلقًا" رہ گیا۔ اور یہ اس لئے حذف کیا گیا، کیونکہ اَنْ مصدریہ ہے، اور اَنِ مصدیہ سے عموماً لام کو حذف کیا جاتا ہے۔ اب "اَنْ کنتَ منطلِقًا" رہ گیا۔ پھر "اَنْ کنتَ" میں سے "کانَ" کو حذف کیا۔ کانَ تو حذف ہوا لیکن کانَ کے ساتھ ضمیر متصل مخاطب کی تھی۔ اب وہ ضمیر منفصل بن گئی یعنی انتَ۔ اب "اَنْ انتَ منطلقًا اِنطلقتُ" رہ گیا۔ اب کانَ کو حذف کیا گیا تھا تو اس کے عوض "ما" لائے گئے۔ تو عبارت "اَنْ ما انتَ منطلقًا انطلقتُ" بن گیا۔ پھر "اَنْ ما" سے "اَمَّا" بن گیا۔ اور کلام "اَمَّا انتَ منطلقًا انْطلقْتُ" بن گیا۔

تو کانَ کو اُن جگہوں میں حذف کرنا واجب ہے، جہاں ہم کانَ کا عوض لائیں گے۔ اور جب آپ عوَض لائے تو مُعَوَّض نہیں لا سکتا۔

درس 65۔ اسمُ اِن واخواتها اِنَّ اور جو اِن کے مشابہ کلمات ہیں، اِن کا اسم بھی منصوب ہوگا۔ هو المسندُ اليه بعدَ دخولِها ان کا اسم ان کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہوتا ہے۔ مثلُ اِنَّ زيدًا قائمٌ ۔ترکیب خود کرے۔

المنصوبُ بِلَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ منصوبات میں سے ایک وہ ہے جو منصوب ہو لائے نفی جنس کی وجہ سے۔ المنصوبُ وہ جو منصوب ہوتا ہے بِلَا لَا کے ساتھ۔ یہاں لا کا لفظ مراد ہوتا ہے۔ اور جب لفظ بولا جاتا ہے تو وہ عَلَم کے درجے میں ہوتا ہے۔ اَلَّتِي وہ لا۔ اَلَّتِي یہ صفت ہے "لا" کے لئے۔ اسم موصول ہے اور معرفة ہے۔ لِنَفْيِ الْجِنْسِ جو نَفْيِ جنس کے لئے ہو۔ یہ جنس کی نفی کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ یہاں مضاف محذوف ہوتا ہے۔ ای لِنَفْيِ صفتِ الجنسِ : جنس کی صفت کے لئے نفی ہوتا ہے۔ یعنی لائے نفی جنس، جنس کی نفی کے لئے نہیں ہوتا بلکہ جنس کی صفت کی نفی کے لئے ہوتا ہے۔

دیکھئے! میں نے کہا، لَا رجلَ قائمٌ : کوئی شخص کھڑا نہیں۔ یہاں پر جنسِ رجل کی نفی نہیں کی گئی۔ اگر جنس رجل کی نفی ہوتی تو پھر " کوئی شخص موجود نہیں" ترجمہ کرتے۔ بلکہ رجل کی ایک صفت یعنی قیام کی نفی کی گئی۔

یہاں صاحب کافیہ ؒ نے یہ نہیں کہا کہ لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہوتا ہے۔ جس طرح فرمایا تھا کہ کانَ کی خبر منصوب ہوتا ہے، یا فرمایا تھا کہ اِنّ کا اسم منصوب ہوتا ہے۔ بلکہ صرف منصوب کہا۔ اس لئے کہ لائے نفی جنس کا اسم ہمیشہ منصوب نہیں ہوتا۔ بلکہ کبھی مرفوع بھی ہوتا ہے، کبھی مبنی علی الفتح ہوگا، اور کبھی منصوب ہوگا۔

هو المسندُ الیه وہ جو لائے نفی جنس کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے وہ مسند الیہ ہوتا ہے۔ بعدَ دُخولِہا لائے نفی جنس کے داخل ہونے کے بعد۔ ھا ضمیر راجع ہے لائے نفی جنس کو۔ لائے نفی جنس کا اسم اُس وقت منصوب ہوتا ہے جب اس میں تین شرائط پائے جائے۔ یہ شرائط صاحب کافیہؒ آگے ذکر فرما رہے ہیں۔ یَلِیْہَا ملا ہوا ہو وہ جو منصوب ہے وہ اسم۔ یعنی "لا" کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ درمیان میں کوئی اور چیز نہ ہو۔ یہ پہلی شرط ہے۔ ھا ضمیر راجع ہے "لا" کو، اور عربی میں حرف زیادہ تر مؤنث مستعمل ہے۔ مذکر بھی مستعمل ہے لیکن وہ بہت کم ہے۔ نکرۃً اس حال میں کہ وہ اسم نکرۃ ہو۔ یہ دوسری شرط ہے۔ مضافًا او مُشَبِّھًا بہٖ تیسری شرط یہ ہے کہ مضاف ہو یا مشابہ مضاف ہو۔ مشابہ مضاف: مشابہ مضاف وہ اسم ہوتا ہے جب تک اس کے ساتھ دوسرا اسم نہ ملایا جائے اس کا معنیٰ سمجھ میں نہیں آتا۔ مثلا میں کہتا ہوں، عشرونَ یعنی بیس۔ تو یہ بیس کیا چیز ہے۔ جب تک اس کے ساتھ دوسرا اسم یعنی درھم یا رجل وغیرہ نہ ملایا جائے عشرونَ سمجھ میں نہیں آتا۔

آگے صاحب کافیہؒ دو مثالیں ذکر فرما رہے ہے۔ پہلا مثال مضاف کی ہے۔ اور دوسرا مثال مشابہ مضاف کی ہے۔ مثلُ لا غلامَ رجلٍ ظریفٌ فیھا نہیں ہے کسی آدمی کا غلام خوش طبع اُس گھر کے اندر۔ ظریفٌ یہ خبرِ اوّل ہے اور فیھا ای فی الدارِ یہ خبرِ ثانی ہے۔ یہ خبر ثانی اس لئے لایا تا کہ کذب لازم نہ آئے۔ اگر یوں کہتا، لا غلامَ رجلٍ ظریفٌ: کسی مرد کا کوئی غلام خوش طبع نہیں ہے۔ تو پھر اس سے کذب لازم آتا۔ اور جب یہ کہا، لا غلامَ رجلٍ ظریفٌ فیھا: اُس گھر میں کوئی غلام خوش طبع نہیں۔ تو ایسا ممکن ہے۔

صاحب کافیہؒ نے لائے نفی جنس کے اسم کے منصوب ہونے کی جو تین شرائط ذکر فرمائے تھے۔ وہ یہاں موجود ہے۔ پہلا یہ کہ "لا" اور غلام کے درمیان فصل نہیں۔ دوسرا یہ کہ غلام کا لفظ نکرۃ ہے، اگر چہ اس کی اضافت کی گئی ہے۔ لیکن جب نکرۃ کی اضافت نکرۃ کی طرف کیا جائے تو پھر بھی وہ نکرۃ ہی رہتا ہے۔ اور تیسرا یہ کہ غلام کا لفظ مضاف واقع ہو رہا ہے اور رجلٍ مضافٌ الیہ ہے۔

یہ مشابہ مضاف کی مثال ہے۔ وَ لا عشرینَ دِرھمًا لک : آپ کے لئے کوئی بیس دِرھم نہیں ہے۔ عشرینَ "لا" کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یہ پہلا شرط ہوا۔ عشرینَ نکرۃ ہے یہ دوسرا شرط ہے۔ اور تیسرا شرط عشرینَ یہاں مشابہ مضاف ہے۔ اب عشرینَ منصوب ہے۔ حالت رفعی میں یہ واؤ کے ساتھ آتا ہے۔ اور حالت نصبی جرّی میں یا کے ساتھ آتا ہے۔

فان کان مُفردًا اگر لائے نفی جنس کا اسم مفرد ہو، یعنی کہ لائے نفی جنس کا اسم مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو۔ فھو مبنِیٌّ تو وہ مبنی ہوگا۔ علیٰ ما اُس علامت پر یُنصبُ بہٖ جس کے ساتھ نصب دیا جاتا ہے۔ یعنی مبنی ہوگا علامتِ نصب پر۔ اور علامتِ نصب، فتحہ بھی ہے، کسرۃ بھی ہے، یا ماقبل

مفتوح بھی ہے، یا ما قبل مکسور بھی ہے اور الف بھی ہے۔ مثالیں: ضربتُ رجلاً میں نصب فتح کے ساتھ آیا۔ رَأیتُ مسلماتٍ میں نصب کسرۃ کے ساتھ آیا۔ ضربتُ رجلَیْنِ میں نصب "یا ما قبل فتحه" کے ساتھ آیا۔ اکرمتُ مسلمینَ میں نصب "یا ما قبل کسرۃ" کے ساتھ آیا۔ رَأیتُ اَباکَ میں نصب "الف" کے ساتھ آیا۔ تو جو بھی علامت ہوگی اُس اسم کی نصب کی، تو لائے نفی جنس کا اسم اُس علامت پر مبنی ہو جائے گا، جب وہ اسم لائے نفی جنس کا اسم بن رہا ہو اور اُس میں وہ تیسری صورت مضاف یا مشابه مضاف کی نه پایا جائے۔ مثلاً، "لا رجلَ فی الدارِ"۔ رجل میں پہلا شرط پایا جاتا ہے یعنی "لا" کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ دوسرا شرط بھی پایا جاتا ہے کیونکه رجل نکرۃ ہے۔ لیکن تیسرا شرط پایا نہیں جاتا، کیونکه رجل کسی کی طرف مضاف نہیں ہے۔ تو اب یه مبنی علی الفتح ہوا۔ اسی طرح تثنیه میں، "لا رجلَیْنِ فی الدار" کہیں گے۔ اور جمع میں "لا مسلمِیْنَ فی الدار" کہیں گے۔ یه سارے مبنی ہیں۔

لا رجلَ فی الدار وغیرہ کے مثالوں میں یه اسم مبنی اس لئے ہے که یه متضمن ہے مِنْ کو۔ اصل میں "لَا مِنْ رجلٍ فی الدار" ہے۔ تو یه مِنْ جو ہے یه رجل میں چھپ گیا۔ اور مِنْ تو حرف ہے۔ اور حروف مبنی ہوتے ہیں۔ تو اس مِنْ نے رجل کو بھی مبنی بنا دیا۔ جیسے اَحَدَ عشَرَ میں اَحَدَ بھی مبنی ہے اور عَشَرَ بھی مبنی ہے۔ یه اصل میں اَحَدٌ وَّ عَشَرٌ تھا۔ تو یه واؤ درمیان میں آرہا تھا۔ اور واؤ حرف ہے۔ اور حرف مبنی ہوتا ہے۔ تو یه واؤ پھر عَشَرٌ میں چھپ گیا۔ تو یه واؤ چونکه مبنی تھا تو جس کے اندر چھپ گیا وہ بھی مبنی ہو گیا۔ اسی طرح اَمْسِ بھی مبنی ہے۔ کیونکه یه اصل میں اَلْاَمْسِ تھا۔ پھر الف لام اس کے اندر چھپ گیا۔ اور الف لام حرف ہے۔ اور حرف مبنی ہوتا ہے۔ تو جب الف لام اَمسِ کے اندر چھپ گیا تو اس نے اَمْسِ کو مبنی کر دیا۔

و اِنْ کان معرفةً اور اگر لائے نفی جنس کا اسم معرفة ہو۔ کانَ کے اندر ھو ضمیر راجع ہے لائے نفی جنس کو۔ یعنی دوسرا شرط نه پایا جائے۔ او مفصولا بینَهُ و بینَ لا اور یا "لا" اور لائے نفی جنس کے اسم کے درمیان فاصله ہو۔ یعنی پہلی شرط نه پایا جائے۔ یعنی ساتھ ملا ہوا نه ہو۔ وجبَ الرفعُ تو ان دونوں صورتوں میں لائے نفی جنس کے اسم کو مرفوع پڑھنا واجب ہے۔ و التکریرُ اور اس کے ساتھ ایک اور لا کا تکرار بھی ہوگا اور ساتھ ایک اور اسم بھی آئے گا۔

اگر پہلے دو شرطوں میں سے کوئی ایک نه پائی گئی ، یعنی ساتھ نه ملا ہوا ہو، یا نکرۃ نه ہو بلکه معرفة ہو، تو اس صورت میں رفع پڑھنا واجب ہے۔ اور نیز یاد رکھو! تکرارِ "لا" ہوگا یعنی "لا" دو دفعه آئے گا۔ اور اس کے ساتھ ایک اور اسم بھی آئے گا۔

اب دوسری شرط کو ختم کرتے ہیں۔ نکرۃ کی جگه معرفة لاتے ہے۔ تو میں کہوں گا، لَا زیدٌ فی الدار، اور تکرار "لا" بھی ہوگا، اور ایک اور اسم بھی ہو گا، یعنی "لا زیدٌ فی الدارِ و لا عمرٌو"۔

یا پہلی شرط نہ ہو، یعنی ساتھ نہ ملا ہوا ہو یعنی لا اور اسم کے درمیان فصل آجائے۔ تو تکرار "لا" بھی ہوگا، اور ایک اور اسم بھی ہوگا۔ مثلاً میں کہتا ہوں، لا فی الدارِ رجلٌ وَلَا اِمْرَءَۃٌ۔ یہاں "لا" اور رجل کے درمیان فصل کے لئے "فی الدار" آیا ہے۔ اِمْرَءَۃ کا ہمزہ وصلی ہے۔ لَا اِمْرَءَۃٌ کو لَمْرَءَۃٌ پڑھیں گے۔

و مثلُ قَضِیَّۃٌ و لا ابا حسنٍ لہا یہاں پر صاحب کافیہ رح مذکورۃ ضابطوں پر ذکر ہونے والے ایک اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اے صاحب کافیہ رح آپ نے ابھی بتایا کہ لائے نفی جنس کا اسم جب معرفۃ ہو تو اُس پر رفع پڑھنا واجب ہے اور نیز تکرارِ لا اور تکرارِ اسم ہوگا۔ ہم آپ کو دکھاتے ہیں، کہ لائے نفی جنس کا اسم معرفۃ آیا، لیکن نہ تو وہاں پر تکرار ہے اور نہ ہی وہاں اُس پر رفع ہے۔ دیکھئے، قَضِیَّۃٌ و لا ابا حسنٍ لہا۔ ای ھٰذِہٖ قَضِیَّۃٌ : یہ ایک معاملہ ہے۔ یہ ایک مسئلہ ہے۔ یہاں مبتدا محذوف ہے اور قَضِیَّۃٌ اُسکی خبر ہے۔ ابو الحسن رض یہ کنیت ہے حضرت علی رض کی۔ تو یہ معرفۃ ہے۔ اور لائے نفی جنس ہے۔ اور اسکا اسم معرفۃ آیا۔ تو اسکو مرفوع ہونا چاہئے تھا۔ اور نیز تکرارِ لا ہونا چاہئے تھا۔ لیکن یہ مرفوع نہیں منصوب ہے اور تکرار لا بھی نہیں۔ ابا حسنٍ، ابٌ یہ اسمائے ستہ مکبرہ میں سے ہے۔

مُتَاَوَّلٌ صاحب کافیہ رح فرماتے ہیں، "مُتَأَوَّلٌ" یعنی اس میں تاویل کی گئی ہے۔ یعنی تاویل کر کے ہم اس کو نکرۃ بناتے ہے۔ تو تاویل کیسے کی گئی۔ تو یہاں پر "مثلُ" کا لفظ محذوف نکال لیتے ہیں۔ یعنی، قَضِیَّۃٌ و لا مِثلَ ابی حسنٍ لہا۔ قَضِیَّۃٌ ایک معاملہ ہے، ایک مسئلہ ہے۔ و لا مِثلَ ابی حسنٍ اور کوئی ابو الحسن کے مثل نہیں لہا:اس معاملے کے لئے۔ یعنی اس معاملے کے لئے کوئی ابو الحسن کے مثل نہیں۔ تو مثل کا لفظ مضاف محذوف نکال لیا۔ (یہاں ذہن میں ایک سوال آتا ہے کہ مثلُ تو مضاف ہوا معرفۃ کی طرف۔ تو پھر مثلُ کو معرفۃ ہونا چاہئے۔ لیکن کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں جس کے اندر بہت زیادہ ابہام ہوتا ہے، اگر وہ معرفۃ کی طرف مضاف بھی ہو جائے تو وہ پھر بھی معرفۃ نہیں بنتا۔ اُن الفاظ میں سے ایک مثلُ بھی ہے۔ اسی طرح غیرُ اور شِبْہُ وغیرہ بھی ہیں۔ معرفۃ کسی متعین ذات پر دلالت کرتا ہے۔ اور اگر میں کہوں، مثلُ زیدٍ: زید جیسا، تو کوئی بھی متعین نہیں ہوا۔ اسی طرح غیرُ زیدٍ: زید کے علاوہ، تو یہاں بھی کوئی متعین نہیں ہوا۔ اور شِبْہُ زیدٍ: زید کے مشابہ: تو یہاں بھی کوئی متعین نہیں ہوا۔)

یا ابو حسن سے مراد اسکی صفت مشہورہ ہے۔ تو اسکے ساتھ تاویل کی گئی۔ ای قَضِیَّۃٌ: ایک مسئلہ ہے۔ وَلَا فیصَلَ لہا: اور اسکے لئے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو، قَضِیَّۃٌ وَ لَا حاکِمَ لَہا: ایک مسئلہ ہے اور اس کے لئے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں۔ تو یہ فیصل اور حاکم دونوں نکرۃ ہیں۔ تو پھر یہ مبنی علی الفتح ہو گئے۔ تو یہاں تین جواب ہو گئے۔

یاد رکھو! یہ ابو الحسن حضرت علی رض چوتھے خلیفہ راشد کے۔ یہ قول ہے، قَضِیَّۃٌ وَ لَا اَبا حسنٍ لَہا: یعنی معاملہ ہے اور کوئی اسکو حل کرنے والا ہی نہیں۔ یہ صحابہ رض کا قول ہے۔ اس لئے کہ حضرت علی رض فیصلہ کرنے میں بڑے مشہور تھے۔ حدیث میں بھی آتا ہے، آپ ص فرماتے ہیں، "اَقْضیٰ کُمْ علی" تم میں سب

سے بہتر فیصلہ کرنے والے حضرت علیؓ ہے۔ تو حصرت علیؓ کی یہ خصوصیت تھی، کہ وہ مشکل سے مشکل فیصلہ چُٹکیوں میں حل فرماتا۔

آپؓ بڑے حاضر جواب تھے۔ یہودی کا واقع جس نے انڈے دینے والے اور دودھ دینے والے جانور کے بارے میں پوچھا تھا۔ لنا کا واقعہ: جس میں ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کہاں جا رہے تھے۔ علیؓ درمیان میں تھے۔ تو ایک صاحب نے فرمایا کے اے علیؓ آپ ہمارے درمیان ایسے ہیں جیسا کہ "لنا" کا نون ہوتا ہے۔ تو حضرت علیؓ نے فورًا جواب دے دیا کہ اگر میں درمیان سے ہٹ گیا تو آپ "لا" بن جائیں گے۔ کھجور کی گھٹلیوں کا واقعہ بھی بڑا مشہور ہے۔

حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ ہم کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَہٗ پڑھتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ آپ کے زمانے میں خوارج کا فتنہ اٹھا تھا۔ ایک دن آپ جمعہ کو تقریر فرما رہے تھے۔ تو خوارج درمیان میں کھڑے ہو کر نعرہ لگاتے تھے، سَوَّدَ اللّٰہُ وجْھَکَ : اللہ آپ کے چہرے کو سیاہ کر دے۔ (نعوذ باللہ) ۔ تو پھر مسلمان اس کے مقابلے میں کہتے تھے، کَرَّمَ اللّٰہُ وجھَہٗ۔: اللہ اُن کے چہرے کو مُکَرَّم فرمائیں۔ یعنی اُنہیں عزت نصیب فرمائیں۔

اسی طرح حضرت علیؓ کو حیدرِ کرَّار کہتے ہیں۔ کَرَّ کا معنیٰ ہے پلٹ کر حملہ کرنا۔ تو یہ حضرت علیؓ کے جنگ کا کوئی خاص انداز تھا جس میں وہ پلٹ پلٹ کر حملے کیا کرتے تھے۔ اُسی سے اسکا نام حیدرِ کرَّار پڑ گیا۔ حیدر: شیر

چنانچہ جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا اور حضرت علیؓ وہاں نہ ہوتے تو صحابہؓ فرماتے، " قَضِیَّۃٌ وَ لَا اَبَا حسنٍ لَہا": ایک معاملہ ہے اور اسکا کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔ تو صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ اس "ابا حسن" میں تاویل کر کے نکرۃ بنایا گیا ہے۔

و فی مثلِ لا حولَ و لا قوۃَ الا باللہ خمسۃُ اوجُہٍ اور "لا حولَ و لا قوَّۃَ الّا باللہِ" جیسے جملوں کے اندر پانچ وجہیں جائز ہیں۔ لا حولَ و لا قوّۃَ اِلّا باللہِ سے وہ مقام مراد ہے، جس میں تَکرارِ لا آرہا ہو، اور "لا" کے ساتھ اسم کا بھی تَکرار ہو، اور وہ اسم نکرۃ ہو ساتھ ملا ہوا ہو۔ تو اس قسم کی جگہوں میں پانچ وجہیں پڑھنا جائز ہے۔ ترجمہ: لا حولَ نہیں ہے رُجوع کرنا اور نہیں ہے پلٹنا گناہ سے، حَوْل: پھرنا، پلٹنا، رُجوع کرنا،: یہاں حول تو لائے نفی جنس کا اسم ہے اور اسکا خبر محذوف ہے، ای لا حولَ موجودٌ و لا قوۃَ اور قوّت نہیں ہے نیکی کی، ای لا قوّۃ موجودٌ۔ تو دونوں کی الگ الگ خبر نکال لئے۔ اور اگر چاہے تو دونوں کی ایک خبر بھی نکال سکتے ہیں۔ لا حولَ و لا قوّۃ موجودانِ ، الا باللہ مگر اللہ کی مدد کے ساتھ۔ پس دو خبروں کی صورت میں کلام یوں ہوگا۔ لا حولَ موجودٌ و لا قوّۃَ موجودٌ الا باللہ۔ اور ایک خبر کی صورت میں کلام یوں ہوگا، "لا حولَ و لا قوّۃَ موجودانِ الا باللہ"۔ اور دونوں کی ایک ہی خبر مفرد بھی نکال سکتے ہے۔ "لا حولَ و لا قوّۃ موجودٌ الا باللہ"۔

بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ تین قسم کے نام ہیں۔ ضَمٌّ، فَتْحٌ اور کسرٌ بغیر تاء کے یہ ایک قسم کے نام ہیں۔ اور یہ خاص ہے مبنی کے ساتھ۔ ضَمَّةٌ، فتحةٌ اور کسرَةٌ تاء کے ساتھ یہ دوسرے قسم کے نام ہیں۔ یہ عام ہے۔ دونوں کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ مبنی میں بھی استعمال ہوتے ہے اور معرب میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اور رفْعٌ، نصْبٌ اور جرٌّ یہ تیسرے قسم کے نام ہیں۔ یہ خاص ہے معرب کے ساتھ۔

اس عبارت کو پانچ طریقوں سے پڑھنا جائز ہیں۔ اب صاحب کافیہ کے عبارت میں یہ نام آئیں گے جو اوپر ذکر ہوئے، جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ لائے نفی جنس کا اسم معرب ہے یا مبنی۔ فتحُهُما پہلی صورت کہ دونوں اسموں پر فتحہ پڑھنا۔ تو معلوم ہوا کہ دونوں کو مبنی علی الفتح پڑھنا جائز ہے۔ یعنی "لا حولَ و لا قوّةَ الا باللّٰہ"۔ و فتحُ الاوّل و نصبُ الثانی دوسری صورت یہ کہ پہلے کو مبنی علی الفتح پڑھو اور دوسرے کو معرب پڑھو۔ یعنی "لا حولَ و لا قوّةً الّا باللّٰہ"۔ و رفعُهُ ای فتحُ الاوّلِ و رفعُ الثانی: اور ثانی پر رفع پڑھے۔ پہلے کو اُسی طرح مبنی علی الفتح پڑھے۔ یعنی "لا حولَ و لا قوةٌ الا باللّٰہ"۔ و رفعُهُما اور دونوں پر رفع پڑھو۔ یعنی "لا حولٌ و لا قوةٌ الا باللّٰہ"۔ و رفعُ الاَوّلِ علیٰ ضُعْفٍ و فتحُ الثانی اور پہلے کو رفع کے ساتھ پڑھو اور یہ رفع ضعیف ہے، اور دوسرے کو فتحہ کے ساتھ پڑھو۔ یعنی "لا حولٌ و لا قوَّةَ الا باللّٰہ"۔

و اذا دَخَلَتِ الهمْزةُ اور جب اس لائے نفی جنس پر ہمزہ استفہام داخل ہو جائے لم یَتَغَیَّرِ العَملُ تو اس لائے نفی جنس کا عمل بدلتا نہیں۔ مثلاً دیکھو! لَا رجلَ قائمٌ تھا۔ اب اس پر ہمزہ استفہام لے آؤ۔ اَلَا رجلَ قائمٌ۔ یہ اسی طرح رہے گا۔ جس طرح پہلے لا اپنے اسم کو مبنی بنا رہا تھا یہ اب بھی ویسے ہی رہے گا۔ تو ہمزہ استفہام کے داخل ہونے سے اس لائے نفی جنس کے عمل میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ و معناها اور اس ہمزہ کا معنیٰ اَلْاِسْتفهامُ استفہام ہوگا، مثلاً میں کہتا ہوں، لا رجلَ فی الدار۔ اس سے میں خبر دے رہا ہوں۔ اور جب میں کہوں، "اَلَا رجلَ فی الدارِ" تو اب میں نفی نہیں کر رہا بلکہ استفہام کر رہا ہوں۔ تو جب ہمزہ استفہام آئے تو کبھی معنیٰ استفہام ہوگا۔ والعَرضُ اور کبھی معنیٰ عرض ہوگی ہمزہ استفہام کے آنے سے۔ یعنی عرض کا فائدہ دے گا۔ عرض کی مثال: اَلَا نُزُولَ لَکَ عندنا فَنُحْسِنَ اِلَیْکَ: کیا آپ ہمارے پاس تشریف نہیں لائیں گے کہ ہم آپ کے ساتھ نیکی کریں۔ یہاں ہمزہ استفہام تو آرہا ہے۔ لیکن مطلب استفہام نہیں بلکہ درخواست کرنا ہے۔ والتمنی اور لائے نفی جنس سے پہلے ہمزہ استفہام کبھی تمنّی کا فائدہ دیتا ہے۔ تمنی کی مثال: اَلَا مَا اَفَاَشْرَبَهُ: کیا پانی نہیں کہ میں اُسے پی لیتا۔ یہاں استفہام مقصد نہیں بلکہ تمنی مقصد ہے، کہ کاش مجھے پانی ملتا اور میں اُسے پی لیتا۔

سوال یہ کہ یہ مسئلہ کیوں ذکر کیا، صاحب کافیہ نے؟ جواب یہ کہ لائے نفی جنس نفی کا فائدہ دیتا ہے۔ اور نفی کی وجہ سے لائے نفی جنس عمل کرتا ہے۔ اور جب اس سے پر ہمزہ استفہام داخل ہو جائے تو یہ نفی کا فائدہ نہیں دیتا۔ تو اس کی نفی ٹوٹ چکی ہے۔ تو وہاں جیسے ہم نے استثنیٰ کے بحث میں پڑھا تھا کہ "اِلَّا" کے بعد وہ "لا" عمل نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ اِلَّا آکر اُس کے نفی کو توڑ دیتا تھا۔ تو یہاں پر بھی لائے نفی جنس کی نفی ہمزہ استفہام کے آنے سے ختم ہو چکی ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اب بھی لائے نفی جنس عمل کرے گا کہ عمل نہیں کرے گا۔ صاحب کافیہ ؒ فرماتے ہیں کہ اب بھی لائے نفی جنس عمل کریگا، اگر چہ اسکی نفی ٹوٹ چکی ہے۔

یہاں تک لائے نفی جنس کے اسم ک پوری تفصیل گزر گئی۔ اب لائے نفی جنس کے تابع کا کیا حکم ہے۔ صاحب کافیہ ؒ اب وہی بتلائے گا۔ توابع کل پانچ ہے۔ یعنی، صفت، تاکید، بدل، عطف بیان اور معطوف بحرف ہے۔ لائے نفی جنس کے تین اعراب آتے ہیں۔ یا تو منصوب ہوگا یا تو مرفوع ہوگا اور یا مبنی علی الفتح ہوگا۔ اگر لائے نفی جنس منصوب ہو یا مرفوع ہو تو اسکا تابع بھی منصوب ہوگا یا مرفوع ہوگا۔ لیکن اگر لائے نفی جنس مبنی علی الفتح ہو تو اس صورت میں لائے نفی جنس کے تابع کا کیا اعراب ہوگا۔ صاحب کافیہ ؒ اب اسکی تفصیل بیان فرما رہے ہیں۔ صاحب کافیہ ؒ اُن پانچ توابع میں سے ایک یا دو کو ذکر فرمائیں گا۔ اس لئے کہ باقی کی تصریح ائمہ سے نہیں آئی۔ یعنی کوئی ایسی روایت نہیں جو صاحب کافیہ ؒ تک پہنچی ہو۔

درس 66۔ و نعتُ الْمَبْنِیِّ مبنی کی نعت۔ صفت اُس لائے نفی جنس کے اسم کی جو مبنی ہو۔ لائے نفی جنس کا اسم اُس وقت مبنی ہوتا ہے، جب نکرۃ ہو، ساتھ ملا ہوا اور مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو۔ جیسا کہ لَا رجلَ فی الدارِ۔ المبنیِّ پر جر پڑھنا ہے کیونکہ یہ مضافٌ الیہ ہے۔ اور الاوّلُ پر رفع پڑھنا ہے کیونکہ یہ نعت کی صفت ہے۔ اَلْاَوَّلُ ای نعتُ المبنیِّ الاوّلُ اُسکی پہلی صفت۔ یعنی لائے نفی جنس کے اسم جو کہ مبنی ہو اُسکی پہلی صفت۔ کبھی کبھار ایک ہی چیز کی کئی صفات ذکر کی جاتی ہے۔ اگر صفات کئی ہوں تو یہاں پہلے نمبر والا صفت مراد ہے۔دوسری، تیسری کا ذکر مراد نہیں۔ مُفردا اس حال میں کہ وہ صفت مفرد ہو۔مفرد کا معنیٰ یہاں یہ ہے کہ مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو۔ یَلِیْهِ موصوف کے ساتھ ملے ہوئے ہو۔ یعنی درمیان میں کوئی فاصل نہ ہو۔ مبنیٌّ و معربٌ رفعا و نصبا مبنی ہوگی یا معرب ہوگی اس حال میں کہ مرفوع پڑھا جائے یا منصوب۔ یعنی اس کو مبنی بنانا بھی صحیح اور معرب بنانا بھی صحیح۔ مثلاً، لا رجلَ شریفَ فی الدارِ۔ تو دیکھو! چار شرطیں اُنہوں نے ذکر کی۔ اگر وہ چار شرائط لائے نفی جنس کے اسم کی صفت میں پائے جائے پو پھر اس صفت کو معرب بھی پڑھ سکتے ہیں اور مبنی بھی۔ پہلی شرط: وہ لائے نفی جنس کے اُس اسم کی صفت ہو جو مبنی ہو۔ دوسری شرط یہ کہ وہ صفت

اوّل ہو، تیسری شرط یہ ہے کہ وہ صفت مفرد ہو، مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ صفت اپنے موصوف سے ملا ہوا ہو یعنی درمیان میں کوئی فاصل نہ ہو۔ پس جب یہ چار شرائط پوری ہو تو پھر اس کو معرب بنانا بھی صحیح اور مبنی بنانا بھی صحیح۔ یعنی " لا رجلَ شریفَ فی الدارِ " بھی صحیح۔ اور اسکو معرب پڑھنا بھی صحیح ہے۔ معرب مرفوع کی صورت میں، "لا رجلَ شریفٌ فی الدارِ" اور معرب منصوب کی صورت میں، "لا رجلَ شریفًا فی الدارِ"۔

سوال۔ اس صفت کو مرفوع اور منصوب کیوں پڑھتے ہیں؟ جواب یہ کہ رجلَ مبنی ہے۔ اور ہم نے اس کے صفت کو معرب بنانا ہے۔ اگر ہم لفظوں کے تابع کرے تو منصوب آئے گا۔ اور اگر محل کے تابع کرے تو پھر یہ مرفوع ہوگا۔ رجل ہمیشہ سے مبنی نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی یہ بِنا عامل کی وجہ سے آئی ہے۔ تو اس وقت یہ ہے تو مبنی لیکن یہ بنا اعراب کی طرح ہے۔ کیونکہ اعراب بھی عامل کی وجہ سے آتی ہے۔ تو رجلَ کی فتح، مُعرب کی نصب کی طرح ہے ۔ پس لہٰذا صفت کو جب لفظوں کی تابع بنائیں تو اس کو منصوب پڑھیں گے۔ ای لا رجلَ شریفًا فی الدارِ۔

اور محل پر حمل کرتے ہوئے رفع پڑھنا بھی جائز۔ کیونکہ لائے نفی جنس مبتدا اور حبر پر داخل ہوتا ہے۔ تو لائے نفی جنس کا اسم محل کے اعتبار سے مبتدا ہے۔اور مبتدا مرفوع ہوتا ہے۔ لہٰذا رجلَ کی جو تابع ہے یہاں یعنی شریف، تو اس کو مرفوع پڑھیں گے، کیونکہ یہاں ہم نے اس کا حمل رجلَ کے محل پر کر دیا۔ یعنی لا رجلَ شریفٌ فی الدارِ۔

مثلُ لا رجلَ ظریفَ و ظریفٌ و ظریفًا ای لا رجلَ ظریفَ۔ ظریفَ مبنی ہے۔ لا رجلَ ظریفٌ۔ میں ظریفٌ معرب ہے اور رجل کے محل پر حمل کیا۔ اور لا رجلَ ظریفًا میں ظریفًا مبنی ہے اور رجلَ کے لفظوں پر حمل کیا۔ جس کی تفصیل اوپر گزر گئی۔

وَ الّا ای وَ اِنْ لَمْ یَکُنْ کذٰلک : اور اگر ایسا نہ ہو۔ یعنی اُن چار شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی پوری نہ ہو۔ فالاعرابُ ای فالاعرابُ واجبٌ: پھر اعراب پڑھنا واجب ہے۔ اور اعراب میں پھر وہی دونوں حالتیں جاری ہوں گی۔ نصب بھی پڑھ سکتے ہیں اور رفع بھی پڑھ سکتے ہیں۔ لا رجلَ شریفَ ظریفٌ فی الدارِ یا لا رجلَ شریفَ ظریفًا فی الدارِ۔ مطلب کہ پہلی صفت نہ ہو دوسری صفت ہو۔ تو اس دوسری صفت کو مبنی نہیں بنا سکتے۔ یہ ایک تابع کی بات ہوئی۔ آگے دوسرے تابع کی بات فرما رہے ہیں۔

و العطفُ علی اللفظ عطف کرنا حمل کرتے ہوئے اسمِ لا کے لفظوں پر و علی المحلِّ اور اُس اسمِ لا کے محل پر جائزٌ جائز ہے۔ اگر لائے نفی جنس کے اسم کا تابع معطوف ہو۔ تو پھر معطوف پر بھی وہی دونوں اعراب پڑھ سکتے ہیں۔ یعنی لفظوں پر حمل کرتے ہوئے معطوف کو منصوب پڑھیں گے۔ اور محل پر حمل کرتے ہوئے معطوف کو مرفوع پڑھیں گے۔ فی مثلِ لا ابَ وَ ابْنًا و ابنٌ ای لا ابَ وَ ابنًا

اور لَا ابَ و ابنٌ۔ یہاں صاحب کافیہ نے پوری مثال ذکر نہیں فرمائی بلکہ صرف لائے نفی جنس کے اسم کو ذکر فرمایا۔ پورا مثال اس طرح ہوگا۔ لا ابَ وَ ابْنًا مثلُ زیدٍ۔ اس صورت میں معطوف ابن منصوب ہے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے۔ اور لا ابَ وَ ابنٌ مثلُ زیدٍ۔ اس صورت میں معطوف ابن مرفوع ہے اسم لا کے محل پر حمل کرتے ہوئے۔

و مثل لا ابَا له و لا غلامَیْ له جائزٌ لا ابَ له میں لا ابَا له اور لا غلامینِ لهُ میں لا غلامَیْ له پڑھنا بھی جائز ہے۔ جمع بھی اس پر قیاس کریں اور تثنیه کا انہوں نے بتا دیا۔ تشبیهًا لهُ بالمضافِ اِسم لا کو مضاف کے ساتھ مشابه بنانے کے لئے۔ تشبیهًا مفعول له ہے۔ جیسا که ضربتُ زیدًا تادیبًا میں تادیبًا مفعول له ہے۔ یه علّت بتاتا ہے۔ شَبَّهَ یُشَبِّهُ تَشْبِیهًا: تشبیه دینا، مُشابه بنانا۔ لمشارکته بوجه اُس اِسم لا کے شریک ہونے کے لهُ مضاف کے ساتھ فی اصل معناه اُس مضاف کے اصلِ معنیٰ میں۔ یعنی وه اِسم لا شریک ہے مضاف کے ساتھ اصلِ معنیٰ میں۔ اور مضاف کا اصلِ معنیٰ اختصاص ہے۔

تو کہتے ہیں که اس قسم کے ترکیبوں میں مضاف والی صورت دینا بھی جائز ہے۔ اس سے مراد وه ترکیبیں ہیں جہاں لائے نفی جنس کے بعد نکرة آئے، اور وه نکرة لائے نفی جنس کے ساتھ ملا ہوا ہو، اور اس کے بعد لامِ اختصاص آئے۔

وضاحت:

لا ابَ له میں لائے نفی جنس کا اسم مبنی علی الفتح ہے۔ کیونکه یہاں تیسرا شرط پورا نہیں۔ پہلا شرط پورا ہے یعنی یه نکرة ہے، دوسرا شرط بھی پورا ہے یعنی لا کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ لیکن تیسرا شرط پورا نہیں یعنی آگے مضافٌ الیه نہیں ہے۔ اس لئے یه مبنی علی الفتح ہے۔ اور "لا غلامَیْنِ له" میں پہلا شرط پورا ہے یعنی یه نکرة ہے، دوسرا شرط بھی پورا ہے "لا" کے ساتھ ملا ہوا ہے، جبکه تیسرا شرط پورا نہیں، کیونکه آگے مضافٌ الیه نہیں آرہا۔ اور تثنیه کی صورت میں حالت نصبی یا ماقبل فتحه کے ساتھ ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں غلامَیْنِ مبنی علی الفتح ہے۔ صاحب کافیہ رح فرماتا ہے که اس میں "لا ابَا له" اور "لا غلامَیْ له" بھی جائز ہے۔

اَبٌ اسمائے سته میں سے ہے۔ اور اسمائے سته کا اعراب حالت رفعی میں واؤ کے ساتھ، حالت نصبی میں الف کے ساتھ، اور حالت جرّی میں یا کے ساتھ آتا ہے۔ لیکن ویسے نہیں، وہاں کئی شرائط انہوں نے ذکر کی ہیں۔ وه شرائط یه ہیں۔ اسمائے ستّه ہو، مکبَّره ہو، مؤحَّده ہو، مضافّه ہو غیرِیائے متکلم کی طرف۔ جب یه شرائط پائے جائے تو پھر حالت رفعی واؤ کے ساتھ، حالت نصبی الف کے ساتھ اور حالت جرّی یا کے ساتھ ہوگا۔ لیکن یہاں "لا ابَ له" میں اب مضاف نہیں ہے۔ اب واؤ، الف اور یا کے ساتھ اس کا اعراب نہیں آئے گا، اب تینوں اعراب اس پر حرکت والے آئیں گے۔ یعنی ابًا، ابٌ اور ابٍ۔

اب یہاں پر دیکھئے! اب ہم ذرا اسکی اضافت کرے، جاءنِی ابو زیدٍ، رأیتُ ابَا زیدٍ، مررتُ بِأَبِی زیدٍ۔ یہ الف جو آیا، "رأیتُ ابَا زیدٍ" میں یہ الف اس وقت آتا ہے جب منصوب ہو اور مضاف ہو رہا ہو غیرِیائے متکلم کی طرف۔ تو اُس وقت ابٌ کے ساتھ الف آیا کرتا ہے ویسے الف آیا نہیں کرتا۔

تو دیکھو! میں نے کہا، ابو زیدٍ : زید کا باپ، تو اضافت نے ابٌ کی تخصیص کی زید کے ساتھ۔ اسی طرح جب میں نے کہا، "لا ابَ لهُ" تو اس میں بھی اَبٌ کے بعد لام آرہا ہے۔ اور "لام" اختصاص کا فائدہ دے رہا ہے۔ جیسے اضافت اختصاص کا فائدہ دے رہا ہے، اس طرح یہ "لام" بھی اختصاص کا فائدہ دیتا ہے۔ مثلاً غلامُ زیدٍ میں غلام کی زید کی طرف اضافت ہو رہا ہے۔ اور یہ اضافت اختصاص کا فائدہ دے رہا ہے، کہ غلام خاص ہے زید کے ساتھ۔ اور غلامُ زیدٍ میں لام مقدّر ہوتا ہے۔ یہ اصل میں "غلامٌ لِزیدٍ" ہے۔ تو اضافت نے اختصاص کا فائدہ دیا، اور جب میں نے کہا "لا ابَ لهُ" یہاں پر بھی لام آیا۔ اور لام بھی اختصاص کا فائدہ دیتا ہے۔ تو یہ ترکیب، "لا ابَ لَهُ" مشابہ ہو گئی مضاف، مضاف الیہ کی معنیٰ کے اعتبار سے۔ یعنی جیسے اضافت اختصاص کا فائدہ دے رہی ہے یہ ترکیب بھی اختصاص کا فائدہ دے رہی ہے۔ تو جب یہ "لا ابَ لهُ" اختصاص کا فائدہ دے رہی ہے یعنی یہ اُس کی طرح ہے تو ہم صورت بھی اُس کی طرح دے رہے ہیں۔ یعنی ابٌ جب مضاف ہے حالت نصبی میں تو اباهُ کہیں گے۔ اور جیسے یہ اباهُ تخصیص کا فائدہ دے رہا ہے، تو یہ "لا ابَ لهُ" میں لام بھی تخصیص کا فائدہ دے رہا ہے، تو اس میں "لا ابَا لهُ" کہنا جائز ہے۔ کیونکہ تخصیص کے اندر دونوں مشترک ہے۔ اَبَا پر تنوین نہیں آئے گی۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ "لا ابَ له" میں "لا ابَا له" کہنا جائز ہے۔ اور یہ "اَبَا" مبنی علی الفتح ہے۔

اسی طرح میں کہتا ہوں! جاءنی غلامَا زیدٍ اصل میں جاءنی غلامانِ لِزیدٍ تھا۔ پھر اضافت کی وجہ سے نون گر گیا اور جاءنی غلاما زیدٍ ہو گیا۔ اور حالت نصبی میں رَأیتُ غُلَامَیْ زیدٍ بنتا ہے۔ اور "غلامَیْ زیدٍ" یہ اختصاص کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی زید کے دو غلام۔ اور "لا غلامَیْنِ له" میں بھی لام آرہا ہے اور یہ اختصاص کا فائدہ دے رہا ہے۔ تو یہ ترکیب بھی اضافت والے ترکیب کے ساتھ مشابہ ہو گئی۔ جب یہ اُس کے ساتھ اصلِ معنیٰ میں شریک ہے تو صورت بھی اُسی طرح دیتے ہے، جیسے اضافت میں نون گر گیا تھا تو "لا غلامَیْنِ لهُ" میں بھی نون گرانا جائز ہے، اور "لا غُلَا مَیْ له" کہنا جائز ہوگا۔ تو خلاصہ یہ کہ "لا غلامینِ لهُ" میں "لا غلاما له" کہنا جائز ہے۔

وِمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے۔ ثَمَّ اسم اشارہ ہے۔ لم یَجُزْ لا ابَا فیها جائز نہیں ہے یہ ترکیب "لا ابَا فیها" بلکہ "لا ابَ فیها" کہیں گے۔ اسکو مضاف جیسی صورت دیتے ہے اَبَ سے اَبَا پڑھنا جائز نہیں۔ کیونکہ لامِ اختصاص نہیں آرہا اور یہ مضاف کے ساتھ اصلِ معنیٰ میں شریک نہیں ہوا۔ اور جب یہ اصلِ معنیٰ میں مضاف کے ساتھ شریک نہیں ہوا تو مضاف جیسی صورت دینا بھی جائز نہیں۔

آگے صاحب کافیہ ؒ ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں۔ پہلے اشکال کو سمجھ لیجئے۔ بھئی یاد رکھو! "وَ مثلَ لَا ابا لهُ وَ لَا غُلامَیْ لَهُ" کو ہم نے مضاف والی صورت دی ہے۔ اس پر امام خلیل ابن احمد ؒ، امام سیبویہ ؒ، علامہ زَمَخشَرِی ؒ وغیرہ اور جمہور علماءِ نحو ؒ اعتراض فرماتے ہیں کہ یہ "اَبٌ اور غلامَینِ" اصلاً معنیٰ کے اعتبار سے مضاف ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ یہ "ابٌ" جو ہے یہ "لا اَبَا له" میں مضاف ہے ھا ضمیر کی طرف اور "لا غلامَیْ لهُ" میں یہ غلامَیْ مضاف ہے ھا ضمیر کی طرف اور یہ اضافت معنیٰ کے اعتبار سے ہے۔ اور جب مضاف ہو تو حالت نصبی میں اَبٌ کے ساتھ "الف" آرہا ہے۔ اور جب تثنیہ اور جمع کی اضافت ہو تو اس سے نون گر جایا کرتا ہے۔ تو یہ بھی اصل میں مضاف ہے۔ اس لئے اَبٌ کے ساتھ الف آیا اور غُلامَیْ سے نون تثنیہ گر گیا۔ تو درحقیقت یہ مضاف ہین۔

اور جب یہ مضاف ہے تو اب اے صاحب کافیہ ؒ آپ کا اشکال ہی ختم ہو گیا۔ یعنی آپ نے فرمایا تھا کہ جس طرح مضاف اختصاص کا فائدہ دے رہے ہیں اسی طرح یہ ترکیبیں " لَا ابَ لهُ وَ لَا غُلامَیْنِ لَهُ"بھی اختصاص کا فائدہ دے رہے ہیں۔ اور اس اختصاص کی وجہ سے یہ کہنا " لَا ابا لهُ وَ لَا غُلامَیْ لَهُ" کہنا جائز ہے۔ حالانکہ یہ اصلاً معنیٰ کے اعتبار سے مضاف ہے۔ اور جب یہ معنیٰ کے اعتبار سے مضاف ہے، تو اب اس میں لائے نفی جنس کے اسم کی تینوں خصوصیات پائے گئے۔ یعنی پہلا یہ کہ یہ نکرۃ ہے، اور یہ نکرۃ "لا" کے ساتھ ملا ہوا بھی ہے، اور یہ مضاف بھی ہے، تو اس صورت میں یہ لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہوتا ہے۔ اور ابٌ کی حالت نصبی اضافت کے وقت ابا ہے اور غلامینِ کی حالت نصبی غلامَیْ اضافت کے ساتھ۔ پس اے صاحب کافیہ ؒ "لَا ابا لهُ وَ لَا غُلامَیْ لَهُ" میں یہ ابا مبنی علی الفتح نہیں بلکہ منصوب ہے۔ اور غلامَیْ بھی مبنی نہیں بلکہ منصوب ہے۔

خلاصہ اس بحث کا یہ کہ صاحب کافیہ ؒ کے نزدیک "لَا ابَ لهُ وَ لَا غُلامَیْنِ لَهُ" کو لَا ابا لهُ وَ لَا غُلامَیْ لَهُ" کہنا جائز ہے۔ اور صاحب کافیہ ؒ کے نزدیک دونوں اسماء "ابا" اور "غلامی" مبنی ہیں۔ جبکہ جمہور علماء نحو ؒ، امام سیبویہ ؒ، امام خلیل ابن احمد ؒ اور علامہ زمخشری ؒ وغیرہ کے نزدیک لَا ابا لهُ وَ لَا غُلامَیْ لَهُ" میں یہ دونوں اسماء منصوب ہیں۔

جمہور علماء کے مذہب پر اعتراض ہوتا ہے، کہ یہ "ابا" اور "غلامی" یہ کیسے مضاف ہیں؟ کیونکہ مضاف اور مضافٌ الیہ کے درمیان کوئی لام وغیرہ نہیں آتا۔ یہاں تو ہم دیکھتے ہیں کہ لام لفظوں میں آرہا ہے۔ مضاف اور مضافٌ الیہ کے درمیان ہمیشہ لام مقدّر ہوتا ہے۔

جمہور علماء ؒ جواب دیتے ہیں، کہ یہ وہ لام اختصاص نہیں۔ وہ لام اختصاص حذف ہو چکا ہے۔ ہاں یہ دوسرا لام ہے جو اُس لامِ اختصاص کی تاکید کے لئے آیا ہے۔ یعنی جیسا کہ غلامُ زیدٍ اصل میں غلامٌ لزیدٍ تھا، جیسے وہاں غلامُ زیدٍ کہہ کر لام کو مقدر کیا۔ اسی طرح یہاں بھی "لا اباهُ" تھا اصل میں اور لام درمیان

میں مقدَّر ہے۔ لیکن پھر وہ جو لامِ اختصاص مقدَّر کیا پھر اُس کی تاکید کے لئے دوسرا لام لے آئے جو "لا ابا له" میں آپ کو نظر آتا ہے۔ اور لامِ اختصاص تو اب بھی حذف ہو چکا ہے۔

اس پر پھر اشکال ہوا جمہور علماء نحوؒ پر۔ کہ جب لامِ اختصاص حذف ہوا، تو اب یہ "لا ابا لهُ" اور "لا غلامَیْ لهُ" میں یہ دونوں اسماء اب معرفة بن گئے، کیونکہ معرفة کی طرف جب کوئی چیز مضاف ہو تو وہ معرفة بنتا ہے۔ اور یہاں ابٌ کی اضافت ھا ضمیر کی طرف ہو رہی ہے تو یہ معرفة بن گیا، اور اسی طرح غلامین کی اضافت ھا ضمیر کی طرف ہو رہی ہے تو یہ بھی معرفة بن گیا۔ تو لائے نفی جنس کا اسم معرفة ہو گیا۔ اور جب لائے نفی جنس کا اسم مرفوع ہوتا ہے تو وہ منصوب نہیں ہوتا، حالانکہ یہاں پر آپ اسے منصوب پڑھ رہے ہیں۔ حالانکہ معرفة کی صورت میں لائے نفی جنس کا اسم مرفوع پڑھا جاتا ہے اور تکرار لا ہوتا ہے اور ساتھ ایک اور اسم بھی ہوتا ہے۔

جمہور علماء نحوؒ اسکا جواب دیتے ہیں۔ جمہور علماء نحوؒ فرماتے ہیں کہ یہ جو دوسرا لام ہم لے کر آئے ہیں، یہ تو اسی لئے لائے ہیں کہ یہ معرفہ نہ بن جائے لفظوں کے اعتبار سے۔ جمہور علماء نحوؒ فرماتے ہیں کہ معنیٰ کے اعتبار سے یہ اب بھی معرفة ہے لیکن صورت کے اعتبار سے یہ نکرة ہے۔ تو اب اس میں تینوں شرطیں پوری ہوئی، یعنی یہ نکرة بھی ہوا، لائے نفی جنس کے ساتھ ملا ہوا بھی ہے اور مضاف بھی ہے۔ تو اس صورت میں لَا ابا لهُ وَ لَا غُلامَیْ لَهُ" میں یہ دونوں اسمیں منصوب ہیں نہ کہ مبنی ہیں۔

یہ ہُوا جمہورؒ کا مذہب کہ یہ حقیقتًا مضاف ہے۔ صاحب کافیہ علامہ ابن حاجبؒ اسکو ردّ کر رہے ہیں۔ صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حقیقتًا مضاف نہیں، بلکہ جس طرح مضاف اختصاص کا فائدہ دے رہا ہے تو یہ ترکیب بھی اختصاص کا فائدہ دے رہا تھا، تو فائدہ چونکہ دونوں کا ایک ہے اس لئے ہم نے اس ترکیب کو مضاف والا حکم دیا، ورنہ حقیقتًا یہ مضاف، مضاف الیہ نہیں ہے۔ اگر یہ مضاف ہوا تو پھر اسکے معنیٰ میں خرابی لازم آتی ہے۔

و لیسَ بِـمُضافٍ یہ اسمِ لا مضاف نہیں ہے۔ صاحب کافیہؒ جمہور علماء نحوؒ کے مذہب پر رد فرما رہے ہیں۔ **لِفسادِ المعنیٰ** کیونکہ معنیٰ خراب ہو رہا ہے۔ **خلافا لسیبویه** بخلاف امام سیبویہؒ کے۔ کیونکہ امام سیبویہؒ فرماتے تھے کہ یہ حقیقتًا مضاف ہے۔ صاحب کافیہؒ نے باقی ائمہ اور جمہور کو ذکر نہیں کیا۔ بلکہ یہاں صرف اختلاف بتلانا مقصد تھا۔ اس کے لئے صرف امام سیبویہؒ کو ذکر کیا۔ اور یہ امام نحو کے اندر مشہور بھی بہت ہے۔

صاحب کافیہ کے نزدیک: لا ابا لهُ: "لا" لائے نفی جنس ہے، ابا لائے نفی جنس کا اسم مبنی علی الفتح، لهُ لائے نفی جنس کی خبر۔

امام سیبویہؒ کے نزدیک: لا ابا لهُ: یہ "ابا لهُ" ابا مضاف، لام تاکید کے لئے، اور ھا ضمیر مضافٌ الیہ ہے۔ جب یہ مضاف، مضافٌ الیہ ہوئے تو لازمی بات ہے یہ لائے نفی جنس کا اسم ہوا، اور آگے لائے نفی

جنس کی خبر کو محذوف ماننا پڑے گا۔ تو ایک تو یہ خرابی لازم آئے گی کہ خبر کو ہم نے الگ محذوف نکالنا پڑے گا۔ اور پھر خبر "موجودٌ" کو محذوف نکالنا پڑے گا۔

نیز یہاں پر ہے "لا ابَا له" اسکا مقصد کیا ہے۔ یعنی "لا ابا له" کی ترکیب کا مقصد کیا ہے۔ صاحب کافیه فرماتے ہیں کہ یہ کہنا ہے "کہ فلاں کا باپ ہی نہیں ہے"۔ تو "جنسِ اب" کی نفی کرنا مقصد ہے اُس شخص کے لئے۔ اور اگر ہم اس کو مضاف مان لے تو اس کا معنیٰ ہوگا "لا ابَالهُ موجودٌ"۔ یعنی اُس کا وہ جو معلوم باپ ہے اُس سے وجود کی نفی ہوگی۔ یعنی اُس کا جو معلوم باپ ہے اُس کا وجود نہیں ہے۔ اور معلوم باپ سے وجود کی نفی کرنا، یہ معنیٰ صحیح نہیں بنتا۔

لا ابا له موجودٌ میں ترجمہ کرتے وقت آپ نے "معلوم" کا ترجمہ کیوں کیا۔ جواب یہ کہ جمہور کے نزدیک یہ اب کا لفظ مضاف ہے ھا ضمیر کی طرف۔ اور معرفة کی طرف جب کوئی چیز مضاف ہو تو وہ معرفة بن جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ابٌ کا لفظ معرفة ہے۔ اور جب ابٌ معرفة ہے تو معرفة تو کسی متعیَّن ذات پر دلالت کرتا ہے۔ تو یہاں پر بھی جب اضافت آگئی تو "لا ابا له موجودٌ" یہ "لا ابوهُ موجودٌ" کے معنیٰ میں ہوا۔ یعنی اُس کا جو معلوم اور متعیّن باپ ہے۔ اُس سے ایک صفت وجود کی نفی کی گئی۔ تو جب ایک چیز معلوم اور متعیّن ہوا تو اس سے وجود کی نفی کیسے کی جاتی ہے؟ تو یہ درست نہیں۔

اسی طرح "لا غُلَامَیْ لَهُ موجودَانِ" اُس کے وہ جو دو متعیَّن غلام ہیں اُن کا کوئی وجود نہیں۔ تو یہ بات بھی درست نہیں بنتی۔

درس کے شروع میں، میں نے آپ سے کہا تھا، کہ "لا ابًا لهُ" نہیں کہنا چاہئے۔ کیونکہ جمہور کے نزدیک یہ "اب" مضاف ہے۔ اور مضاف پر تنوین نہیں آتا۔ اضافت مانع تنوین ہے۔

و یُحْذَفُ کثیرا اور بسا اوقات لائے نفی جنس کے اسم کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ فی مثلِ اس قسم کے مثالوں میں۔ لا علیکَ ای لا بأسَ علیکَ : یہاں قرینہ موجود ہے۔ لائے نفی جنس یہاں جار مجرور "علیکَ" پر داخل ہوتا ہے۔ حالانکہ لائے نفی جنس جار مجرور پر داخل نہیں ہوتے بلکہ یہ اسم پر داخل ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اس کا اسم محذوف ہے اور وہ "بأسَ" ہے۔ ترجمہ: آپ پر کوئی حرج نہیں۔ یعنی کوئی فکر نہ کر۔ کسی کو تسلی دینے کے لئے یہ جملہ بولا جاتا ہے۔

درس 67۔ منصوبات کی بحث میں یہ آخری منصوب ہے۔ خبرُ ما و لا المشبَّهتین بلیس اُس "ما اور لا" کی خبر جو لیس کی مشابہ ہو۔ یہ خبر بھی منصوب ہوتی ہے۔ هو المسند بعد دخولِهما ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد وہ خبر مسند ہوتی ہے۔ و هی لُغةٌ حِجازیَّةٌ اور یہ حجازی لغت ہے۔ تِہامہ اور نجد کے درمیان کا علاقہ جس میں مکہ، مدینة وغیرہ آتے ہیں، یہ حجاز کہلاتا ہے۔ یعنی اہل حجاز والے "ما اور لا" کے خبر پر نصب پڑھتے ہیں۔ یعنی "ما زیدٌ قائمًا" یہ اہل حجاز کا لغت ہے۔ اور بنو تمیم والے نصب نہیں

دیتے، وہ کہتے ہیں، "ما زیدٌ قائمٌ"۔ کہتے ہیں زیدٌ مبتدا، قائمٌ اسکی خبر اور "ما" عمل ہی نہیں کرتا۔ اور قرآن بھی اہل حجاز کی لغت میں ہے۔ قرآن میں آتا ہے، "ما ھٰذا بشرًا"، تو دیکھو "ما" نے اپنے خبر کو نصب دیا۔ جبکہ بنو تمیم والے کہتے ہیں کہ یہ "ما" خبر کو نصب نہیں دیتے اور "ما ھٰذا بشرٌ" پڑھیں گے۔

آگے صاحب کافیہ علامہ ابن حاجبؒ اُن صورتوں کو ذکر فرما رہے ہیں جن میں "ما اور لا" کا عمل لغو ہو جائے گا۔ یعنی "ما اور لا" عمل نہیں کرے گا۔ یعنی "ما اور لا" اپنی خبر کو نصب نہیں دیگا۔

فَإِذا زیدتْ إِن مع ما جب اِنْ کو بڑھا دیا جائے "ما" کے ساتھ۔ اُس میں پہلا صورت یہ ہے کہ جب "ما" کے بعد "اِنْ" کا اضافہ کیا جایا۔ مثلاً، ما زیدٌ قائمًا کے اندر "ما" نے اپنے اسم کو رفع دیا اور خبر کو نصب دیا۔ "ما" کا معنیٰ تھا نفی، اسی نفی کے معنیٰ کے لئے کبھی "اِنْ" بھی آتا ہے۔ تو "ما" کی تاکید کے لئے ہم نے "اِنْ" بڑھا دیا۔ اور "ما اِنْ زیدٌ قائمٌ" پڑھیں گے۔ یہ "اِنْ" کے آنے کی وجہ سے اب "ما" کا عمل لغو ہو گیا، اور یہ اب اپنے اسم کو نصب نہیں دے سکتا۔

اَوِ انْتَقَضَ النَّفْيِ بِإِلَّا یا "ما" کی نفی ٹوٹ جائے اِلَّا کے ساتھ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نفی ٹوٹ جائے "اِلَّا" کے ساتھ۔ ما زیدٌ قائمًا: زید کھڑا نہیں۔ جب خبر سے پہلے اِلَّا آجائے تو اِلَّا نفی کو تھوڑ دیتا ہے، اور "ما" تو نفی کی وجہ سے عمل کرتا ہے، اور جب "ما" کی نفی ٹوٹ گئی تو اب یہ اپنے خبر کو نصب نہیں دے سکتا، یعنی "ما زیدٌ الّا قائمٌ" پڑھیں گے۔

او تقدَّمَ الخبرُ بطلَ العملُ یا "ما" کی خبر، "ما" کے اسم پر پر مقدَّم ہو جائے، تو "ما" کا عمل باطل ہو جائے گا۔ تیسری صورت یہ کہ جب خبر، اسم پر مقدَّم ہو جائے۔ یعنی "ما قائمٌ زیدٌ" قائمٌ جو کہ خبر تھا اس کو مقدَّم کیا، اور زیدٌ جو کہ "ما" کا اسم تھا اسکو مؤخر کر دیا۔ تو اس صورت میں بھی "ما" کا عمل لغو ہو جاتا ہے۔

و اذا عُطِفَ علیه بِمُوجبٍ فالرَّفْعُ اور جب خبر "ما" پر عطف کیا جائے ایجاب والے حرف کے ساتھ، تو پھر رفع پڑھیں گے۔ موجِب سے مراد "بل اور لٰکن" ہے۔ وہ حرف عطف جو ایجاب کے لئے ہو۔ مُوجِبْ: اثبات کرنے والا۔ نفی کے بعد جب "بل اور لٰکن" آئے تو اثبات کا فائدہ دیتے ہے۔ آپ نے کہا، "ما زیدٌ قائمًا : زید کھڑا نہیں، "بل قاعدٌ": بلکہ بیٹھا ہے۔" یہاں "بَل" کے ساتھ "قاعدٌ" کا عطف کیا گیا "قائمًا" پر۔ اور یوں کہیں گے، "ما زیدٌ قائمًا بَل قاعدٌ"۔ یہاں "بَل" نے اثبات کا فائدہ دیا اور "ما" کی نفی تھوڑ دی۔ اب "بَل" حرف عطف ہے۔ قاعدٌ معطوف ہے۔ اور قائمًا معطوفٌ علیہ ہے۔ قائمًا اگر چہ لفظوں کے اعتبار سے منصوب ہے۔ لیکن محل کے اعتبار سے یہ خبر ہے اور خبر مرفوع ہوتی ہے۔پس قائمًا محلاً مرفوع ہے۔ لٰہذا قاعدٌ معطوف کو حمل کیا قائمًا معطوف علیہ کے محل پر۔ اور قاعدٌ کو رفع دیا۔

اسی طرح "لٰکن" بھی ہے۔ "ما زیدٌ جالسًا لٰکن قائمٌ"۔

درس 68۔ المجرورات اس میں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔

1۔ ای ھٰذا بحثُ المجروراتِ۔ المجرورات کو خبر بنائے۔ اس کے لئے مضاف محذوف نکالے، اور مبتدا بھی محذوف نکالے۔

2۔ المجروراتِ کو مبتدا بنائے، اس کے لئے بحث مضاف محذوف نکالے۔ اور خبر ھٰذا بھی محذوف نکالے تو "بحثُ المجروراتِ ھٰذا" ہو جائے گا۔

3۔ یا صرف مبتدا محذوف نکالے، ھٰذہِ المجروراتِ۔

4۔ یا اسکو مفعول بنائے، اِقْرَأ المجروراتِ۔

5۔ المجرورات کو مبتدا بنائے اور ھٰذا خبر کو محذوف نکالے۔ المجروراتُ ھٰذِہٖ

5۔ یا اسکا کوئی اعراب نہیں اور عنوان ہے، "اَلمجروراتْ"۔

هوَ مَا اشْتَمَلَ مجرور وہ چیز ہے جو مشتمل ہو۔ ھو ضمیر راجع ہے مجرور کو۔ مجرورات جمع ہے۔ اس کے ضمن میں مجرور آگیا۔ مفرد بھی آگیا تو ضمیر اُس مفرد کو راجع ہے۔ علیٰ عَلَمِ الْمُضافِ الیهِ مضاف الیہ کی علامت پر۔ یعنی مجرور وہ ہے جو مضافٌ الیہ کی علامت پر مشتمل ہو۔ اور مضافٌ الیہ کی علامت جرّ ہے۔ یعنی جس پر جرّ آئے وہ مجرور ہے۔ اور یہ جرّ کئی صورتوں میں آتا ہے۔ کبھی جرّ کسرہ کی صورت میں آتا ہے۔ مثلاً مررتُ برجلٍ۔ اور کبھی یہ جرّ نصب کی صورت میں آتا ہے۔ مثلاً مررتُ بِاَحْمَدَ۔ یہ احمدُ غیر منصرف ہے۔ اور کبھی جرّ "یا" کے ساتھ آتا ہے اسمائے ستہ مکبرہ میں۔ مثلاً مررتُ بَاَبِیْکَ۔ اور تثنیہ میں بھی جرّ "یا" کی صورت میں آتا ہے۔ رَأَیْتُ مُسْلِمَیْنِ۔ اور جمع میں بھی جرّ یا کی صورت میں آتا ہے۔ مررتُ بِمُسْلِمِیْنَ۔ نیز جرّ کبھی تقدیری ہوگا۔ مثلاً مررتُ بِمُوْسیٰ۔

آگے صاحب کافیہؒ مضافٌ الیہ کی تعریف بتاتے ہیں۔ و المضافُ الیهِ کلُّ اسْمٍ اور مضاف الیہ ہر ایسا اسم ہے۔ نُسِبَ اِلیهِ شیٌٔ کہ نسبت کی جائے اُس کی طرف کسی چیز کی۔ بواسطةِ حرفِ الجرِّ بواسطہ حرف جرّ کے۔ لفظا او تقدیرا اس حال میں کہ وہ حرف جرّ لفظوں میں ہوگا یا وہ حرف جرّ مقدّر ہوگا۔ مثلاً مررتُ بزیدٍ میں مضافٌ الیہ زید ہے۔ اور زید کی طرف مُرور کی نسبت کی گئی ہے حرف جرّ "با" کے واسطے سے۔ اور یہ حرف جرّ "با" لفظی ہے۔ اور غلامُ زیدٍ میں زید مضافٌ الیہ ہے، اور اس کی طرف غلام کی نسبت حرف جر کے واسطے سے کی گئی ہے۔ اور یہ حرف جرّ تقدیری ہے۔ اور غلامُ زیدٍ کی ترکیب کو اصطلاح میں مضاف، مضافٌ الیہ کہتے ہے۔ مُرادًا اس حال میں کہ اُس کا ارادہ بھی کیا گیا ہوگا۔ ارادے کا مطلب ہے کہ اُس کا اثر ظاہر ہوگا۔ بھئی وہ جو حرف جرّ تھا چاہے لفظوں میں ہو چاہے تقدیری ہو، اُس کا اثر بھی ظاہر ہوگا۔ مثلاً میں نے کہا، غلامُ زیدٍ جو کہ اصل میں غلامٌ لزیدٍ تھا۔ وہ لام

اب لفظوں میں موجود نہیں لیکن اب بھی اسکا ارادہ کیا گیا ہے لہٰذا اس وجہ سے زید پر جرّ آگیا ہے۔ یعنی اُس لام کا اثر ظاہر ہو رہا ہے۔

کبھی کبھار بغیر حرف جرّ کے واسطے سے بھی کسی چیز کی نسبت دوسرے کی طرف کی جاتی ہے۔ مثلاً میں نے کہا، صمتُ یومَ الجمعةِ۔ یہاں صوم کی نسبت ہے جمعہ کی طرف۔ یعنی صوم جمعہ کے دن میں رکھا گیا۔ تو یہاں پر "فی" کا معنیٰ مقدّر ہے۔ یہاں پر بھی حرف جرّ آگیا لیکن اس کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ کیونکہ یومَ الجمعةِ پر اسکا اثر ظاہر نہیں ہوا۔ کیونکہ یومَ پر جر نہیں آیا۔

آگے صاحب کافیہؒ حرف جرّ کے مقدّر ہونے کے شرائط ذکر فرما رہے ہیں۔ فالتقديرُ شرطُهُ حرف جرّ کے مقدّر ہونے کی شرط یہ ہے۔ اَنْ یکونَ الْمُضافُ اسْمًا کہ مضاف ایسا اسم ہو۔ مُجَرَّدًا کہ مضاف کو خالی کیا گیا ہو تنوينُهُ اسکی تنوین کو۔ مُجَرَّدًا اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ اور تنوین اس کے لئے نائب الفاعل ہے۔ اور اسم مفعول کے اندر نائب فاعل اس کے اندر عموماً ضمیر ہوا کرتی ہے لیکن کبھی کبھار آگے اسم ظاہر کی صورت میں بھی آتا ہے۔

مضاف سے ہمیشہ تنوین گر جاتا ہے۔ اور اسی طرح قائم مقام تنوین بھی مضاف سے گر جاتا ہے۔ قائم مقام تنوین سے مراد نون تثنیہ اور نون جمع ہے۔ مثلاً غلامُ زیدٍ میں غلام سے تنوین گر گئی۔ غلاما زیدٍ میں غلاما سے نون تثنیہ گر گیا۔ اسی طرح مسلمو مصرٍ میں مسلمو سے نون جمع گر گیا۔ لاجلِها ای لِاَجْلِ الْاِضافَةِ : اضافت کی وجہ سے۔ یعنی اُس اسم سے تنوین اضافت کی وجہ سے گرائی جائے تو پھر حرف جرّ کو مقدّر کرنا جائز ہے۔ کبھی تنوین الف لام کی وجہ سے بھی گر جاتا ہے۔ الف لام کی وجہ سے گرنے والا تنوی مراد نہیں۔ جب کسی اسم پر تنوین آجائے تو اُس سے اسم تام ہو جاتا ہے۔ لیکن جب تنوین گر جائے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسم تام نہیں اور آگے کوئی اور اسم آرہا ہے۔ جیسا کہ "غلامُ" یہ اسم تام نہیں، معلوم ہوا آگے مضافٌ الیہ آرہا ہے، یعنی غلامُ زیدٍ۔

و هی معنويَّةٌ و لفظيَّةٌ اور اضافت معنوی ہوتی ہے اور لفظی ہوتی ہے۔ یعنی اضافت دو قسم پر ہے۔ ایک اضافتِ معنوی اور اضافت لفظی۔

اضافتِ لفظی وہ ہوتا ہے کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ زیدٌ ضاربٌ عمرًوا: زید عمرو کی پٹھائی کرنے والا ہے۔ یہ عمرًوا کو نصب ضاربٌ نے دیا۔ یہ ضاربٌ صفت کا صیغہ ہے۔ اور کبھی اس کی اضافت کرتے ہے، جیسا کہ "زیدٌ ضاربُ عمرٍو"۔ تو یہ "ضاربُ عمرٍو" اضافت لفظی ہے۔ یعنی اضافت لفظی میں دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ صیغہ صفت کا ہو۔ دوسرا یہ کہ مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ اور صفت کے صیغوں سے اسم فاعل، اسم مفعول اور صفت مشبہ مراد ہیں۔ اور

معمول سے مراد فاعل اور مفعول ہیں۔ اگر اِن میں سے کوئی ایک بھی شرط منتفی ہو گئی تو یہ اضافت لفظی نہ رہے گی بلکہ اضافتِ معنوی بن جائے گا۔

اور اضافت معنوی وہ ہوتا ہے جو اسکے علاوہ ہو۔ یعنی جس میں صیغہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو۔ چاہے وہ صفت کا صیغہ ہی ہو لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو۔ جیسا کہ "کریمُ البلدِ" میں یہ "کریم" صفت کا صیغہ ہے۔ لیکن البلد یہ معمول نہیں ہے "کریم" کے لئے۔ کیونکہ البلد یہ نہ فاعل ہے "کریم" کے لئے اور نہ مفعول ہے "کریم" کے لئے۔ کریمٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ صفت مشبہ فعل لازم سے بنتا ہے۔ اور اس کے لئے مفعول کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ فعل لازم سے بنتا ہے۔ پس "کریم" صفت کا صیغہ تو ہے لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہیں۔ لہٰذا یہ اضافت لفظی نہ ہوا بلکہ اضافت معنوی ہوا۔ اسی طرح غلامُ زیدٍ میں غلام صفت کا صیغہ نہیں۔ نہ یہ اسم فاعل ہے، نہ اسم مفعول ہے اور نہ صفت مشبہ ہے۔ تو یہ اضافت بھی اضافتِ لفظی نہیں بلکہ اضافتِ معنوی ہے۔ پس اضافت لفظی کے دونوں شرائط میں سے اگر ایک بھی شرط منتفی ہو جائے تو یہ اضافت لفظی نہ رہے گی بلکہ اضافت معنوی رہ جائے گی۔

فالمعنويةُ اضافت معنویہ یہ ہے۔ اَنْ يكونَ الْمُضافُ غيرَ صفةٍ کہ مضاف ایسی صفت نہ ہو۔ اگر ترجمہ یوں کرے کہ "مضاف صفت کا صیغہ نہ ہو" تو یہ ترجمہ غلط ہوگا، کیونکہ اضافتِ معنوی میں مضاف صفت کا صیغہ ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ "کریمُ البلدِ" میں ہے۔ اور اگر یہ ترجمہ کیا جائے، "مضاف صفت کا صیغہ نہ ہو" تو پھر اس سے بہت ساری صورتیں نکل جائیں گی۔ مضافةٍ الى معمولِـها جو مضاف ہو رہی ہے اپنے معمول کی طرف۔ و هي اِمّا بمعنى اللام اور اضافتِ معنوی یا تو لام کے معنیٰ میں ہوگی۔ اضافتِ معنوی تین حروف یعنی لام، مِنْ اور فِی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر مضافٌ الیہ، مضاف کے لئے جنس ہو، یعنی مضاف اپنے مضاف الیہ سے بنی ہو، تو اس صورت میں "مِنْ" کے ساتھ اضافت ہوگی۔ مثلاً، خاتمٌ فِضَّةٍ ای خاتـمٌ مِنْ فِضَّـةٍ۔ اور اگر وہ مضافٌ الیہ اپنے مضاف کے لئے ظرف ہے تو پھر اضافت "فی" کے ساتھ ہوگی۔ مثلاً ، صلوةُ الیلِ ای صلٰوةٌ فی الیلِ۔ یہاں پر "لیل" ظرف ہے "صلٰوة" کے لئے۔ اور اگر مضافٌ الیہ نہ تو مضاف کے لئے جنس ہو اور نہ ظرف ہو تو پھر اضافت "لام" کے ساتھ ہوگی۔

آگے صاحب کافیہؒ دوشرائط ذکر فرما رہے ہیں۔ اگر یہ دو شرائط نہ پائے جائے مضافٌ الیہ کے اندر تو پھر اضافت "لام" کے ساتھ ہوگی۔ پہلا شرط یہ کہ مضافٌ الیہ مضاف کے جنس سے نہ ہو تو پھر یہ اضافت لام کے ساتھ ہوگی۔ دوسرا یہ کہ مضافٌ الیہ اپنے مضاف کے لئے ظرف نہ ہو تو پھر بھی یہ اضافت لام کے ساتھ ہوگی۔ فی ما عَدَا جِنْسَ الْمُضَافِ مضاف کے جنس کے علاوہ میں، یعنی مضافٌ الیہ مضاف کے لئے جنس نہ ہو۔"ما" سے مراد مضافٌ الیہ ہے۔ خاتمُ فضَّةٍ میں یہ فضَّةٍ ، خاتم کے لئے

جنس ہے۔ تو یہ اضافت مِن کے ساتھ آئی۔ و ظرفَهُ ای وَ فی ما عَدَا ظَرْفَهُ : اور مضافٌ الیہ، مضاف کے لئے ظرف نہ ہو۔ ظرفَ کا عطف جنس پر ہوتا ہے۔ مثلاً صلٰوةُ الیلِ میں یہ لیل، صلٰوة کے لئے ظرف ہے۔ تو یہاں اضافت لام کے ساتھ نہیں بلکہ "فی" کے ساتھ ہے۔ ای صلٰوةٌ فی الیلِ۔ اگر یہ دو صورتیں نہ ہو تو پھر اضافت "لام" کے ساتھ ہوگی۔

او بمعنی مِنْ اور اضافت مِنْ کے معنیٰ میں ہوگی۔ فی جنسِ المضافِ مضاف کی جنس میں۔ او بمعنی فی اور یا اضافت "فی" کے ساتھ ہوگی فی ظرفِه جب مضافٌ الیہ ظرف ہو اپنے مضاف کے لئے۔ و هو قلیلٌ اور یہ قلیل ہے۔ یعنی یہ جو اضافت "فی" کے معنیٰ میں ہوتی ہے یہ نہایت قلیل ہے۔ یعنی بہت قلیل استعمال ہوتی ہے۔ مثلُ مثال کے طور پر غلامِ زیدٍ غلام اس لئے پڑھا کہ یہ مثلُ کے تحت آ رہا ہے۔ اسی طرح آگے خاتمِ پڑھیں گے۔ اس مثال میں مضافٌ الیہ "زید" اپنے مضاف "غلام" کے لئے نہ جنس ہے اور نہ ہی ظرف۔ لہٰذا یہ اضافت لام کے ساتھ ہوگی۔ ای غلامٌ لِزیدٍ۔ و خاتمِ فضةٍ اس مثال میں یہ فِضَّة، خاتم کے لئے جنس ہے۔ یعنی انگوٹھی چاندی سے بنی ہے۔ یعنی مضاف اپنے مضاف الیہ سے بنا ہے۔ تو یہ اضافت "مِن" کے ساتھ ہوگی، ای خاتمٌ مِنْ فضةٍ۔ و ضَرْبِ الیومِ اس مثال میں "الیوم" یہ ظرف ہے "ضَرْب" کے لئے۔ تو یہ اضافت "فی" کے ساتھ ہوگی۔ ای ضربٌ فی الیومِ۔

آگے صاحب کافیہؒ اِضافت معنوی کے فائدے ذکر فرما رہے ہیں۔ اگر یہ معرفة کی طرف مضاف ہو تو یہ تعریف کا فائدہ دے گا، اور اگر نکرہ کی طرف مضاف ہو تو پھر یہ تخصیص کا فائدہ دے گا۔

و تُفیدُ تعریفا مع المعرفةِ اور اِضافتِ معنوی تعریف کا فائدہ دیتی ہے معرفة کے ساتھ۔ جیسا کہ "غلامُ زیدٍ" میں غلام نکرة ہے لیکن جب اسکی اضافت زید کی طرف کی گئی تو اس سے غلام بھی معرفة بن گیا۔ و تخصیصًا مع النکرةِ اور اضافت معنوی تخصیص کا فائدہ دیتی ہے نکرة کے ساتھ۔ جیسا کہ غلامُ رجلٍ میں نکرت کی اضافت نکرة کی طرف کی گئی، اس نے تخصیص کا فائدہ دیا۔ اور اس سے غلامُ امْرَءَةٍ نکل گیا۔ اسی طرح غلامُ مسلمٍ نے تخصیص کا فائدہ دیا اور اس سے غلامُ کافرٍ نکل گیا۔

و شرطُها اور اضافت معنوی کی شرط ہے۔ ها ضمیر راجع ہے اضافت معنوی کو۔ تجریدُ المضافِ من التعریفِ خالی کرنا مضاف کو تعریف سے۔ چونکہ اضافت معنوی نے تعریف کا فائدہ دینا ہے تو شرط یہ ہے کہ مضاف پہلے ہی سے معرفة نہ ہو۔ بلکہ مضاف پہلے سے معرفة ہو پھر اضافت معنوی کے ذریعے وہ معرفة بن جاتا ہے۔ اگر وہ اسم پہلے سے معرفة ہو تو اس اضافت کی تعریف ضائع چلی جائے گی۔ جیسا کہ "غلامُ زیدٍ" میں ہم نے غلام کی اضافت زید کی طرف اس لئے کی تا کہ یہ غلام متعین ہو جائے۔ اگر الغلام ہے، تو یہ تو پہلے ہی سے متعین ہے۔ لہٰذا "الغلام" میں پھر اضافت کی ضرورت نہیں۔

اور اگر معرفة کی اضافت نکرة کی طرف کی جائے، تو اس سے تخصیص پیدا ہو جائے گا۔ اور معرفة میں تعریف پہلے سے موجود ہے۔ اور تعریف یہ اعلیٰ ہے تخصیص سے۔ کیونکہ تعریف کے اندر ایک چیز پوری طرح سے متعین ہوتی ہے، جبکہ تخصیص کے اندر ایک چیز پوری طرح سے متعین نہیں ہوتی۔ تو اس صورت میں اعلیٰ کی اضافت ادنیٰ کی طرف ہو جائے گی۔ لہٰذا اضافتِ معنوی کے اندر مضاف کا معرفة سے خالی ہونا ضروری ہے۔

صاحبِ کافیہ ؒ کے نزدیک اضافت معنوی میں مضاف کا معرفة ہونا صحیح نہیں۔ لیکن کوفہ کے نحوی علماء ؒ فرماتے ہیں، کہ جب عدد کی اضافت کی جائے معدود کی طرف، تو عدد کا معرفة ہونا جائز ہے۔ جیسا کہ "اَلثَّلٰثَةُ الْاَثْوَابِ" میں دونوں معرفة ہیں۔

تین سے لے کر دس تک عدد کی تمیز جمع مجرور آتی ہے۔ جیسا کہ ثلاثةُ رجالٍ۔ یہاں پر اضافت ہے۔ ثلاثة کی اضافت ہو رہی ہے رجال کی طرف۔ ثلاثة نکرة ہونا چاہئے کیونکہ اس نے اگلے لفظ سے تعریف یا تخصیص اخذ کرنا ہے۔ لیکن اس کے اندر کوفہ والے فرماتے ہیں کہ "الثلاثةُ الرجالِ" کہنا بھی جائز ہے۔ کوفہ کے علماء ؒ فرماتے ہیں کہ یہ ثابت ہے کہ عرب کبھی کبھار عدد کے اندر معرفة لا کر اس کی اضافت کرتے ہیں۔

وَ ما اَجَازَهُ الْكُوفِيُّونَ اور وہ جس کی اجازت دی ہے کوفہ والوں نے | مِنْ | یہ "مِنْ" بیان ہے "ما" کا۔ یعنی کوفہ والوں نے کس چیز کی اجازت دی ہے۔ | اَلثَّلٰثَةُ الْاَثْوابِ | یہ جو اَلثَّلٰثَةُ الْاَثْوابِ کی اجازت دی ہے۔ | وَ شِبْهِهٖ | اور جو اِس کے مشابہ ہے۔ بھئی اس کے مشابہ کیا ہے۔ "مِنْ" آگے خود بیان ہے۔ | مِنَ الْعَدَدِ | یعنی کہ عدد۔ یعنی جہاں بھی عدد کی اضافت ہو معدود کی طرف، تو اس میں عدد کا معرفة لانا کوفہ والوں کے نزدیک جائز ہے۔ | ضَعِيفٌ | کوفہ والوں کا یہ قول صاحب کافیہ ؒ کے نزدیک ضعیف ہے۔ ای ضَعِيفٌ قیاسًا و استعمالاً۔ یعنی قیاس کے لحاظ سے بھی ضعیف ہے اور استعمال کے لحاظ سے بھی ضعیف ہے۔

اَلثَّلٰثَةُ الْاَثْوابِ قیاس کے لحاظ سے بھی یہ ترکیب ضعیف ہے۔ کیونکہ اَلثَّلٰثَةُ الْاَثْوابِ میں اِضافت کی تعریف یعنی مضاف کا معرفة بننا ضائع ہو رہا ہے۔ اور اَلثَّلٰثَةُ الْاَثْوابِ استعمال کے لحاظ سے بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ عرب کے جو بڑے بڑے فصیح اور بلیغ لوک ہیں اُن کے کلام میں ہم نے تلاش کیا، تو اس قسم کی ترکیبیں نہایت قلیل ملی۔ اور اُن فصیح و بلیغ لوگوں کا جو استعمال ہے، جب وہ عدد کو مضاف کرتے ہیں معدود کی طرف تو وہ عدد کو نکرة رکھتے ہیں۔

عام نحوی علماء ؒ فرماتے ہیں، کہ یہ دونوں اَلثَّلٰثَةُ الْاَثْوابُ موصوف صفت ہے یا مبدل منه اور بدل بنے گی۔ اَلثَّلٰثَةُ موصوف اَلْاَثْوابُ اسکی صفت۔ یا اَلثَّلٰثَةُ مبدل منهُ اور اَلْاَثْوابُ اس سے بدل۔ تو معلوم ہوا کہ

دونوں ہی مرفوع یا دونوں ہی منصوب یا دونوں ہی مجرور ہوں گے۔ جبکہ کوفہ کے نحوی ح فرماتے ہیں کہ اَلثَّلٰثَۃُ الْاَثْوابِ کہ ثانی اَلْاَثْوابِ مجرور ہی ہوگا کیونکہ وہ مضافٌ الیہ ہے۔ کیونکہ مضافٌ الیہ ہمیشہ مجرور ہوتا ہے۔ اور پہلا اَلثَّلٰثَۃُ عامل کے مطابق، مرفوع، منصوب یا مجرور ہو سکتا ہے۔

پس کوفہ والے یہ اجازت صرف عدد کے اندر دیتے ہیں۔ کہ اگر عدد معرف باللام ہو تو وہ آگے معرفۃ کی طرف مضاف ہو سکتا ہے۔ لیکن باقی نحوی حضرات ح کے مطابق کوفیوں کا یہ قول ضعیف ہے۔

و اللفیظیَّۃُ اَنْ یکونَ الْمُضافُ صفۃً مضافۃً الیٰ معمولِہا اور اِضافتِ لفظیہ ایسی صفت ہے کہ مضاف ایسی صفت ہو جو مضاف ہو رہی ہو اپنے معمول کی طرف۔ مثلُ ضاربُ زیدٍ اصل میں تھا، عمرٌو ضاربٌ زیدًا: عمرو پٹھائی کرنے والا ہے زید کا۔ تو "زید" یہ معمول ہے "ضاربٌ" کے لئے۔ یہ ضاربٌ کے لئے مفعول بن رہا ہے۔ ضاربٌ نے زیدًا کو نصب دیا ہے۔ اب اس "ضاربٌ" کی اضافت کر دو تو " عمرٌو ضاربُ زیدٍ" بن جائے گا۔ تو اب یہ صفت کا صیغہ اسکی اضافت ہو رہی ہے اپنے معمول کی طرف۔ و حَسَنُ الوجہِ زیدٌ حَسَنُ الْوَجْہِ۔ زید اچھے چہرے والا ہے۔ "حسنٌ" صفت مشبہ ہے اور "الوجہُ" اس کے لئے فاعل ہے۔ تو اس میں بھی صفت کی اضافت اپنے معمول کی طرف کی گئی تو یہ اضافتِ لفظی ہو گئی۔

و لا تفیدُ الا تخفیفًا فی اللفظِ اور یہ اضافتِ لفظی فائدہ نہیں دیتی مگر تخفیف کا لفظوں میں۔ یعنی لفظوں میں صرف تخفیف کا فائدہ دیتا ہے۔ جب "ضاربُ زیدٍ" کہا تو ضاربٌ سے تنوین گر گئی۔ یہی تخفیف ہے اور یہ اضافت لفظی صرف اس کا فائدہ دیتا ہے۔ باقی یہ تعریف اور تخصیص کا فائدہ نہیں دیتا۔ ضاربُ یہ زید کی طرف مضاف ہے لیکن اب بھی یہ نکرۃ کا نکرۃ ہے، جیسا کہ پہلے "ضاربٌ زیدًا" کے اندر نکرۃ تھا۔ حسنُ الوجہِ میں حسنُ اب بھی نکرۃ تھا اور اضافت سے پہلے حسنٌ بھی نکرۃ تھا۔ و مِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے۔ ثمّ اسم اشارہ بعید ہے۔ جازَ جائز ہے۔ مررتُ برجلٍ حَسَنِ الوَجْہِ میں گزرا ایک ایسے آدمی پر جو اچھے چہرے والا تھا۔ دیکھو! رجلٍ موصوف اور حسنِ الوجہِ مضاف مضاف الیہ ملکر صفت بن رہا ہے۔ اب دیکھو! رجل نکرۃ ہے اور حسن الوجہ بظاہر معرفۃ لگ رہا ہے۔ لیکن یہ معرفۃ نہیں، کیونکہ یہ اضافت لفظی ہے۔ تو حسن الوجہ جب نکرۃ ہے تو یہ رجل کے لئے صفت بن سکتا ہے۔ کیونکہ موصوف صفت میں تعریف اور تنکیر کے اندر مطابقت کا ہونا ضروری ہے۔

وَ امْتَنَعَ اور یہ ترکیب ممتنع ہے۔ مررتُ بزیدٍ حسنِ الوجہِ یہ ترکیب اس لئے ممتنع ہے کیونکہ اس میں زید موصوف بن رہا ہے اور یہ معرفۃ ہے۔ جبکہ حسن الوجہ کے اندر اضافت لفظی ہے اور یہ نکرۃ ہے۔ تو موصوف صفت میں تعریف اور تنکیر کے لحاظ سے مطابقت نہیں پائی گئی۔ اس لئے یہ ترکیب ممتنع ہے۔

درس 69۔

اضافت لفظی لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے۔ لہٰذا جہاں پر لفظوں میں تخفیف آجاتی ہے وہاں پر اضافت لفظی جائز ہوگی۔ اور جہاں پر لفظوں میں تخفیف نہیں آتی تو وہاں پر اضافت لفظی جائز نہیں ہوگی۔

و جاز الضاربا زیدٍ یہ اصل میں الضاربانِ زیدًا: وہ دو شخص پٹھائی کرنے والے زید کی۔ الضاربانِ یہ عامل ہے، اور زیدًا اس کے لئے مفعول یعنی معمول ہوا۔ اور پھر آپ نے اضافت کر دی، تو "الضاربا زیدٍ" بن گیا۔ تو اضافت کی وجہ سے "الضاربا" کا نون گر گیا۔ تو اس میں تخفیف حاصل ہو گئی۔ پس صیغہ صفت کا ہے، اور اپنے معمول کی طرف مضاف ہو رہا ہے۔ تو یہ اضافت لفظی ہوا۔ اور اس سے تخفیف بھی آگئی۔ تو یہ اضافت لفظی جائز ہے۔ اگر چہ یہاں معرف باللام کی اضافت ہو رہی ہے۔ لیکن یہ اضافت لفظی ہے اور لفظوں میں تخفیف آئی اس وجہ سے یہ جائز ہے۔

و الضاربو زیدٍ یہ اصل میں الضاربونَ زیدًا : وہ زید کی پٹھائی کرنے والے۔ الضاربونَ صیغہ اسم فاعل ہے۔ اور زیدًا اسکا مفعول یعنی معمول ہے۔ اور جب اس صفت کے صیغ کی اضافت اپنے معمول کی طرف کرے، تو "الضاربُو زیدٍ" بن جائے گا۔ اور اس سے الضاربونَ کا نون جمع گر گیا۔ تو اس اضافت لفظی سے لفظوں میں تخفیف آگئی۔ لہٰذا یہ اضافت لفظی جائز ہے۔ اگر چہ یہاں معرف باللام کی اضافت ہو رہی ہے۔ لیکن یہ اضافت لفظی ہے اور لفظوں میں تخفیف آئی اس وجہ سے یہ جائز ہے۔

و امتنعَ الضاربُ زیدٍ اور "الضاربُ زیدٍ" مُمتنع ہے۔ یہ اصل میں "الضاربُ زیدًا" تھا۔ یہاں الضاربُ صفت کا صیغہ ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اسکی اضافت اپنے معمول زید کی طرف کرے ، تو یہ " الضاربُ زیدٍ" بن جائے گا۔ لیکن اس اضافت نے لفظوں میں تخفیف کا فائدہ نہیں دیا۔ لہٰذا جو اضافتِ لفظیہ کا مقصد تھا وہ حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ اضافتِ لفظی جائز نہیں۔

خلافًا لِلْفَرَّاءِ بخلاف امام فرّاءؒ کے۔ امام فرّاءؒ کے نزدیک "الضاربُ زیدٍ" کہنا جائز ہے۔ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ امام فرّاءؒ کا یہ خیال تھا، کہ یہ اصل میں "ضاربٌ زیدًا" تھا۔ اور اضافت لفظی میں یہ "ضاربُ زیدٍ" بن گیا، اور تخفیف حاصل ہو گئی۔ اب اس اضافت نے تخفیف کا فائدہ دیا اور پھر اس پر الف لام آگیا، اور "الضاربُ زیدٍ" بن گیا۔ تو کہتے ہیں کہ شائد اُس کا خیال یہ ہے کہ یہ اضافت پہلے ہے اور الف لام بعد میں آیا ہے۔ لیکن کہتے ہیں کہ اُن کی یہ بات دُرست نہیں۔ کیونکہ اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ الف لام اضافت کے بعد آیا ہے۔ حالانکہ ظاہر یہ ہے کہ الف لام اضافت سے پہلے آیا ہے۔

وَ ضَعُفَ اور ضعیف ہے۔ اب صاحب کافیہ اضافت لفظیہ کے کچھ اور مسائل ذکر فرما رہے ہیں۔ اور اضافت لفظی کی کچھ اور صورتیں بتلا رہے ہیں۔

الواهبُ الْمِائَةِ الهِجَانِ و عبدِها :: واهب: عطا کرنے والا، هِجان: سفید اونٹنی، مفرد کے لئے بھی یہی هِجان مستعمل ہے اور جمع کے لئے بھی یہی هِجان مستعمل ہے۔ عبد: غلام، عبدها کی ها ضمیر راجع ہے المائة الهجان کی طرف۔ الواهبُ الْمِائَةِ الهِجَانِ و عبدِها: سو سفید اونٹنیاں اور اُن کے غلام عطا کرنے والا۔ شاعر کسی کی تعریف کر رہا ہے کہ سو اونٹنیاں بھی عطا کرنے والا ہے اور اُن اونٹنیوں کے غلام بھی عطا کرنے والا ہے۔ اشکال یہ ہوتا ہے کہ غلام تو اونٹنی کا نہیں ہوتا، بلکہ غلام تو کسی انسان کا ہوتا ہے۔ تو یہ اونٹنی کے غلام کا کیا معنیٰ؟ کہتے ہیں کہ "عبدِها" سے مراد اُس کے چرواہے ہیں۔ جس طرح غلام ہر وقت آقا کی خدمت کرتا ہے اسی طرح چرواہا بھی ہر وقت جانوروں کی خدمت کرتا رہتا ہے۔ اس لئے چرواہوں کو اُن کا غلام کہا۔

اَلْمِائَةِ الهِجَانِ یہ الثلاثةُ الاثواب کی طرح ہے۔ : کوفہ والوں کے نزدیک اس میں اَلْمِائَةِ مضاف ہے اور الهِجَانِ یہ معدود ہے اور مضافٌ الیہ ہے۔ کیونکہ کوفہ والوں کے نزدیک جب عدد مضاف ہو رہا ہو معدود کی طرف تو اس میں عدد کا معرفت لانا ٹھیک ہے۔ تو الواهبُ : مضاف، اَلْمِائَةِ : مضافٌ الیہ مضاف، الهِجَانِ : مضافٌ الیہ:

لیکن جمہور کے نزدیک اَلْمِائَةِ الهِجَانِ میں اَلْمِائَةِ کو موصوف بنائیں گے اور الهِجَانِ کو اس کی صفت بنائیں گے۔ یا اَلْمِائَةِ کو مبدل منہ بنائیں کے اور الهِجَانِ کو اسکی بدل بنائیں گے۔

اب دیکھئے! الواهبُ یعنی عطا کرنے والا، اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ تو کس چیز کو عطا کرنے والا، یہ اصل میں تھا، الواهبُ اَلْمِائَةَ الهِجَانَ۔ اور اَلْمِائَةَ الهِجَانَ یہ الواهب کے لئے مفعول ہوا۔ پھر اس الواهب کی اضافت کی گئی اَلْمِائَةَ الهِجَانَ کی طرف۔ تو صفت کے صیغ کی اضافت کی گئی اپنے معمول کی طرف۔ تو "الواهبُ اَلْمِائَةِ الهِجَانِ" بن گیا۔ تو یہ اضافت لفظیہ ہوا۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اضافت لفظیہ تو لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، لیکن یہاں تو کوئی تخفیف نہیں آیا۔

تو جواب یہ کہ آگے صاحب کافیہ بتلا رہے ہیں، کہ " و انما جاز الضاربُ الرجلِ" یہ ترکیب جائز ہے۔ اور یہ "الواهبُ اَلْمِائَةِ الهِجَانِ" محمول ہے "الضاربُ الرجلِ" پر۔ یعنی یہ ترکیب "الواهبُ اَلْمِائَةِ الهِجَانِ" جائز ہے۔

و عبدِ ها میں یہ عبدِ مجرور ہے۔ اس کا عطف اَلْمِائَةِ الهِجَانِ پر ہو رہا ہے۔ اور اَلْمِائَةِ الهِجَانِ مضافٌ الیہ ہے اور مجرور ہے تو اس لئے یہ "عبدِها" مجرور ہوا۔ کیونکہ معطوف کا وہی اعراب ہوتا ہے جو معطوفٌ علیہ کا ہوتا ہے۔

صاحبِ کافیہ ؒ فرماتے ہیں کہ شعر کے اندر یہ جو ترکیب آئی یہ ضعیف ہے۔ یاد رکھو! یہ قدیم زمانے کے شاعر کا شعر ہے۔ اور نحو کے اندر بطور استدلال کے پیش کیا جا رہا ہے۔ اور اُنکے اشعار سے لغت کے قوانین اخذ کئے جاتے ہیں۔ صاحب کافیہ اس کو اس لئے ضعیف قرار دیتے ہیں کہ عام جو فصحاء اور بلغاء

ہیں اُن کے کلام میں ایسا نہیں آیا ہے۔ اگر کہے ایک جگہ آئے تو اس سے کوئی قاعدہ اور ضابطہ نہیں بنایا جاتا۔ اور اس شاعر نے وہ طریقہ کلام اختیار کیا جو دوسرے سارے شاعروں نے اختیار نہیں کیا ہے۔ لہٰذا اس کو ضعیف قرار دیا۔

صاحب کافیہ نے اس کو اضافت لفظی کی وجہ سے ضعیف قرار نہیں دیا۔ بلکہ آگے عبدِھا جو معطوف آرہا ہے۔ اس پر اشکال ہے۔ معطوف ہوتا ہے معطوفٌ علیہ کے حکم میں۔ اب معطوفٌ علیہ کو ذرا اٹھاؤ اور اس کی جگہ معطوف رکھو، تو کلام یوں بن جائے گا، "الواھبُ عبدِھا"۔ اور یہ ترکیب جائز نہیں ہے۔ اس اعتبار سے صاحب کافیہؒ نے کہا کہ یہ ضعیف ہے۔

کیونکہ "الواھبُ الْمِائَۃِ الھِجَانِ" تو جائز تھی کیونکہ یہ "الضاربُ الرجلِ" کی طرح تھی۔ الضاربُ اسم فاعل ہے صفت کا صیغہ ہے۔ اور آگے الرجل آرہا ہے جو کہ اسم جنس ہے اور معرف باللام ہے۔ اسم جنس سے مراد یہاں جو ذاتِ مُبْہَم پر دلالت کرے۔ تو رَجُلٌ نے ذاتِ مُبہم پر دلالت کی۔ یا یوں کہے کہ نکرۃ آئے اور الف لام کی وجہ سے معرفۃ بنایا ہو۔ پس اسی طرح "الواھبُ الْمِائَۃِ الھِجَانِ" میں بھی الواھب اسم فاعل ہے صفت کا صیغہ ہے۔ اور المائۃ بھی اسم جنس ہے معرف باللام ہے۔ تو یہ دونوں ایک جیسے ترکیبیں ہوئی۔ اور یہ جائز ہیں۔

لیکن "الواھبُ عبدِھا" یہ ترکیب "الضاربُ الرجل" کی طرح نہیں۔ کیونکہ "الواھبُ عبدِھا" میں الواھب اسم فاعل تو ہے لیکن "عبدِ ھا" اسم جنس معرف باللام نہیں۔ لہٰذا یہ ترکیب "الواھبُ عبدِھا" کو "الضاربُ الرجل" پر محمول نہیں کر سکتے۔ تو فصاحت کے اعتبار سے یہ ترکیب کمزور ہوئی۔ پس "الواھبُ عبدِھا" یہ ترکیب "الضاربُ زیدٍ" کی طرح ترکیب ہوئی۔ "الضاربُ زیدٍ" بھی اضافت لفظی تھا لیکن لفظوں میں کسی قسم کی تخفیف کا فائدہ نہیں دیتا تھا، اسی طرح "الواھبُ عبدِھا" بھی اضافت لفظی ہے لیکن لفظوں کے اعتبار سے کسی قسم کی تخفیف کا فائدہ نہیں دیتا۔

پس جب "الواھبُ عبدِھا" یہ "الضاربُ زیدٍ" کی طرح ترکیب ہوئی۔ اور "الضاربُ زیدٍ" جائز نہیں پس لہٰذ اس "الواھبُ عبدِھا" کو صاحب کافیہؒ نے ضعیف قرار دیا۔ اس پر اشکال ہوتا ہے "الضاربُ زیدٍ" کو کہا کہ مُمتنع ہے۔ یعنی "الضاربُ زیدٍ" کی ترکیب جائز ہی نہیں۔ اور اس "الواھبُ عبدِھا" کو صرف ضعیف قرار دے رہے ہے۔ اس "الواھبُ عبدِھا" کو بھی مُمتنع کہنا چاہئے۔ تو جواب یہ کہ "الضاربُ زیدٍ" میں الضارب براہِ راست "زید" پر داخل ہو رہا ہے۔ اور یہاں پر "الواھبُ" براہِ راست "عبدِھا" پر داخل نہیں ہو رہا بلکہ "عبدِھا" تو معطوف ہے۔ اور کئی ایسی چیزیں جس کی معطوفٌ علیہ میں اجازت اور گنجائش نہیں ہوتی لیکن معطوف میں اُن کی گنجائش ہوتی ہے۔ مثلاً "یا الحارثُ" کہنا صحیح نہیں۔ کیونکہ الحارثُ منادیٰ ہے اور منادیٰ پر الف لام داخل ہوا ہے۔ اور جب منادیٰ معرف باللام ہو تو اس پر "یا" داخل نہیں ہو سکتی، کیونکہ الف لام بھی آلہ تعریف اور یا بھی آلہ تعریف۔ تو اس صورت میں خرابی یہ

آئیں گی که دو آله تعریف جمع ہو جائیں گے۔ لہٰذا "یا زیدُ" کہنا تو صحیح لیکن "یا الحارثُ" کہنا صحیح نہیں۔ اور پھر "یا ایُّها الحارثُ" کہیں گے۔ لیکن اگر "الحارثُ" کو میں معطوف بنانا چاہوں تو پھر یه ترکیب " یا زیدُ والحارثُ" جائز ہے۔ اور یہاں اس لئے جائز ہے کیونکه الحارثُ معطوف بن رہا ہے اور معطوف کے اندر اس کی گنجائش ہے۔

اسی طرح عربی میں کہتے ہیں، رُبَّ شَاةٍ و سَخْلَتِـهَا: بہت سی بھیڑ بکریاں اور اُن کے بچے۔ سَخْلَةٌ: بھیڑ بکری کے بچے۔ اب یاد رکھو! رُبَّ ہمیشه نکرة پر داخل ہوتا ہے۔ رُبَّ کو معرفة پر داخل کرنا جائز نہیں۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں یہاں پر که شاةٍ معطوفٌ علیه نکرة تو ہے۔ لیکن معطوف سَخْلَتِـهَا مضاف ہو رہا ہے ضمیر کی طرف اور معرفة بن رہا ہے۔ اور یه سخلتِها معطوف ہے شاة پر۔ اور شاة پر رُبَّ داخل ہو رہا ہے، تو گویا "سَخْلَتِهَا" پر بھی رُبَّ داخل ہو رہا ہے۔ تو گویا رُبَّ داخل ہوا معرفة پر۔ اور رُبَّ معرفة پر داخل نہیں ہوتا۔ پس اگر براہ راست رُبَّ سَخْلَتِهَا کہا جائے تو یه کہنا جائز نہیں۔ لیکن اگر سَخْلَتِهَا کو معطوف بنایا جائے تو پھر اس میں اس کی گنجائش ہے۔

تو یہاں پر بھی "الواهبُ عبدِها" کہا، اور "عبدِها" معطوفٌ علیه نہیں بلکه معطوف ہے۔ لہٰذا اگر یہاں "الواهبُ عبدِها" براہ راست ہوتا تو صاحب کافیهؒ اسکو ممتنع کہتے ، لیکن "الواهبُ عبدِها" یہاں براہ راست نہیں۔ اس لئے صاحب کافیهؒ نے اس کو ضعیف کہا۔

و انما جاز اَلضَّاربُ الرجلِ اور جائز ہے "الضاربُ الرجلِ" اضافت لفظی **حَمْلاً علی الْمُختارِ** محمول کرتے ہوئے اسکو مختار صورت پر **فی الْحَسَنِ الوَجْهِ** "الحسنُ الوجهِ" کے اندر۔

صاحب کافیهؒ فرماتے ہیں که "الضّاربُ الرجلِ" کی ترکیب جائز ہے۔ اس پر اشکال یه ہوتا ہے که یه تو اضافت لفظی ہے، اور اضافت لفظی تخفیف کا فائدہ دیتا ہے، اور یہاں کوئی تخفیف نظر نہیں آتا۔ تو صاحب کافیه فرماتے ہیں که "الضاربُ الرجلِ" کی ترکیب جائز ہے۔ کیونکه یه محمول ہے اَلْحَسَنُ الوجهِ پر۔ اور یه دونوں ترکیبیں ایک جیسی ہیں۔ جس کی تفصیل نیچھے درج ہیں۔

اور "الحسنُ الوجهِ" پر حمل کرتے ہوئے "الضّاربُ الرَّجلِ" کی ترکیب بھی جائز ہے۔ کہتے ہے که "الضّاربُ الرجلِ" بھی "الحسنُ الوجهِ" کی طرح ہے۔ جس طرح "الحسنُ الوجهِ" میں مضاف اَلْحسنَ صفت کا صیغه ہے اور اس پر الف لام آیا ہے، اسی طرح "الضّاربُ الرجلِ" میں بھی مضاف "الضارب" صفت کا صیغه ہے اور اس پر الف لام آیا ہے۔ اور "الحسنُ الوجهِ" میں مضافٌ الیه "اَلوَجْهِ" اسم جنس ہے جس پر الف لام آیا ہے۔ اسی طرح "الضّاربُ الرجلِ" میں "الرجل" بھی اسم جنس ہے جس پر الف لام آیا ہے۔ تو ثابت ہوا که "الضّاربُ الرجلِ" بھی "الحسنُ الوجهِ" کی طرح ہے۔

"الحسنُ الوجهِ" میں تخفیف کیسے پیدا ہوا؟ اسکی وضاحت:

الحسنُ صفت مشبه کا صیغه ہے۔ اور الوجه اسکا معمول ہے۔ اصل میں یوں تھا، "الحسنُ الوجهُ" پھر اسکی اضافت کر دی، تو اب یه اضافت لفظی ہوئی ، کیونکه صیغه صفت کا ہے اور مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول کی طرف۔ اس پر آپ کے ذہن میں فورًا اشکال آئے گا که اضافت لفظی تو تخفیف کا فائده دیتا ہے اور یہاں پر کسی قسم کا تخفیف حاصل نہیں۔ کہتے ہیں یہاں تخفیف حاصل ہوئی۔ یه الوجهُ اصل میں "وَجْهُهُ" تھا۔ الف لام نہیں تھا، بلکه اس کے آخر میں ضمیر لگی ہوئی تھی۔ اور کلام یوں تھا، "الحسنُ وَجْهُهُ" اچھا ہے اُس کا چہره۔ پھر اضافت کر دی گئی، تو "الحسنُ وَجْهِهِ" بن گیا۔ اور ها ضمیر کو تخفیف کرتے ہوئے حذف کیا گیا۔ اور ها ضمیر کی وجه سے وجْهٌ کا لفظ معرفة تھا، کیونکه اسکی اضافت ضمیر کی طرف تھی۔ اور جب "ها" ضمیر کو حذف کیا گیا تو پھر یه نکرة بن رہا تھا، لہٰذا اس پر الف لام لے آئے تا که اسکی تعریف ختم نه ہو۔ تو اضافت کی وجه سے "الحسنُ الوجهِ" ہوا، تو اس میں تخفیف آئی۔ پس اضافت لفظی تخفیف کا فائده دیتی ہے۔ اور کبھی یه تخفیف تنوین یا قائم مقامِ تنوین کے گرنے سے حاصل ہوتی ہے اور کبھی ضمیر کے گرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور "الحسنُ الوجهِ" میں بھی تخفیف حاصل ہوئی کیونکه ضمیر گر گئی ہے۔

بھئی یاد رکھو! یہاں تین ترکیبیں یعنی تین طرح پڑھنا جائز ہیں۔ پہلا: الحسنُ الوجهُ، تو الحسنُ صفت مشبه ہوئی اور الوجهُ اس کے لئے فاعل ہوا۔ دوسرا: اس میں "الحسنُ الوجهَ" پڑھنا بھی جائز۔ الحسنُ صفت مشبه ہے۔ اسکے اندر ضمیر اسکا فاعل ہوا، اور "اَلْوَجهَ" کو منصوب پڑھیں گے۔ تو یه شِبه مفعول ہوا۔ شبه مفعول صفت مشبه میں آتی ہے۔ کیونکه صفت مشبه فعل لازم سے بنتی ہے۔ اور فعل لازم صرف فاعل پر پورا ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے کوئی مفعول نہیں آتا۔ جب صفت مشبه کے لئے مفعول نہیں آتا تو یه کسی کو نصب نہیں دے سکتا۔ لیکن عبارات کے اندر آتا ہے که صفت مشبه نصب دیتے ہیں۔ تو یه "الوجهَ" مفعول تو ہے ہی نہیں "الحسنُ" کے لئے ، پس یه شبه مفعول ہوا۔ یعنی مفعول کے مشابه ہے۔ تیسرا یه که اس میں الحسنُ الوجهِ پڑھنا بھی جائز ہے۔ جسکی تفصیل اوپر گزر گئی۔ اس میں الحسن مضاف ہے اور اسکے اندر فاعل کی ضمیر آئیں گی۔

لیکن اس میں مختار یعنی پسندیده "الحسنُ الوجهِ" ہے اضافت کے ساتھ۔

و الضَّارِبُکَ اور جائز ہے "الضاربُکَ" بھی۔ اسکا عطف بھی الضَّاربُ الرجلِ پر ہے۔ اور عبارت، " وَ اِنَّما جازَ الضَّارِبُکَ" بن گیا۔ اور جائز ہے "الضاربُکَ" بھی

صورت مسئله یه ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، زیدٌ ضاربٌ عمرًوا۔ ضاربٌ یہاں اسم فاعل ہے اور صفت کا صیغه ہے۔ اور عمرًوا اسکا مفعول ہے۔ اب "عمرًوا" مفعول کے بجائے آپ مفعول مخاطَب کی ضمیر بنانا چاہتے ہیں۔ یعنی زید نے عمرو کی پٹھائی نہیں کی بلکه مخاطَب کی پٹھائی کی۔ تو پھر ضمیر لائیں گے۔ اور ضمیر کی پھر دو صورتیں ہیں۔ یا ضمیر متصل لائیں گے یا ضمیر منفصل لائیں گے۔ تو ضمیر متصل بھی لا

سکتے ہیں اور ضمیر منفصل بھی لا سکتے ہیں۔ اور بحث ہمارا ضمیر متصل کے ساتھ ہے۔ تو مفعول کے لئے ضمیر متصل "کاف" ضمیر ہے۔ اور "کاف" ضمیر متصل ہونے کی وجہ سے آتے ہی ضارب کے ساتھ جُڑ جائیں گی۔

پہلے کلام، "زیدٌ ضاربٌ عمرًوا" تھا۔ اب عمرًوا کو اُٹھائیں اور اسکی جگہ "کاف" ضمیر لائیں۔ اور یہ کاف ضمیر متصل ہونے کی وجہ سے آتے ہی ضاربٌ سے جُڑ جائیں گی۔ اور اسکے جُرنے کی وجہ سے ضاربٌ سے تنوین گر جائیں گی۔ اور کلام، "زیدٌ ضاربُکَ" بن جائے گا۔ عام نحوی حضرات ؒ اور صاحب کافیہ ؒ وغیرہ کے نزدیک یہ کاف ضمیر منصوب محلاً ہے اور ضارب صیغہ اسم فاعل کے لئے مفعول بہٖ ہے۔ اور اسی طرح "الضاربُکَ" ہے۔ الضارب صیغہ صفت کا ہے۔ اور کاف ضمیر منصوب محلاً آگے اسکا مفعول آ رہا ہے ضمیر متّصل کی صورت میں۔ تو یہاں کوئی اضافت نہیں۔ لہٰذ جمہور کے مطابق یہاں کوئی اشکال نہیں۔

لیکن امام سیبویہ ؒ وغیرہ فرماتے ہیں، کہ کاف ضمیر مفعول بہٖ کی ضمیر تھی۔ لیکن ضارب کے ساتھ جُڑنے کے بعد پھر اس کی اضافت کر دی گئی۔ اب یہ "کاف" ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیہ ہے، اب بھی یہ مفعول ہی ہے۔ اس پر پھر اشکال ہوتا ہے، کہ بھئی یہ تو اِضافتِ لفظی ہو گئی۔ یعنی صیغہ صفت کا ہے اور مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول کی طرف۔ اور اضافتِ لفظی تخفیف کا فائدہ دیتی ہے۔ اور یہاں کسی قسم کی کوئی تخفیف حاصل نہیں ہوئی، کیونکہ ضاربٌ سے تنوین تو اِضافت سے پہلے گر چکی تھی۔ کیونکہ جب کاف ضمیر متصل ضاربٌ کے ساتھ جُرنے کے لئے آیا، تو ملنے سے ضاربٌ سے تنوین گر گئی۔ اور اضافت تو تنوین گرنے کے بعد ہوئی۔ پس لہٰذا اس اضافت لفظی نے کسی بھی قسم کی تخفیف کا فائدہ نہیں دیا، اور اسی وجہ سے اسکو جائز نہیں ہونا چاہئے۔

امام سیبویہ ؒ جواب دیتے ہیں۔ کہ یہ ترکیب "ضاربُکَ" اضافت لفظی یہ جائز ہے۔ اس لئے کہ تنوین لفظوں سے گری تھی۔ اور اس لئے گری تھی کیونکہ ضمیر متصل ساتھ آئی تھی۔ لیکن تقدیرًا ابھی بھی تنوین موجود ہے۔ اور جب آپ اضافت کریں گے تو وہ جو تنوین مقدّر ہے وہ گر جائے گی۔ پس "ضاربُکَ" اضافت لفظی ہے اور اس نے تخفیف کا فائدہ دیا۔ لفظًا اگر چہ تخفیف نہیں آئی لیکن تقدیرًا تخفیف آئی، یعنی اضافتِ لفظی نے تنوین مقدرّہ کو گرایا۔

امام سیبویہ ؒ کا مذہب چل رہا ہے۔ اور جب ضاربُکَ جائز ہے تو یہ "الضاربُکَ" بھی اُس جیسی ترکیب ہے تو یہ بھی جائز ہے۔سوال یہ ہے کہ یہ "الضاربُکَ" کس طرح "ضاربُکَ" کی طرح ہے۔ فرماتے ہیں، کہ جیسے ضاربُکَ کے اندر ضارب سے تنوین گر گئی تھی قبل الاضافت، اور اسی طرح " الضاربُکَ" کے اندر ضارب سے تنوین گر گئی تھی قبل الاضافت الف لام کے آنے کی وجہ سے۔ اور جیسے ضاربُک کے ساتھ ضمیر متّصل ہے اور الضاربُکَ کے ساتھ بھی ضمیر متّصل ہے۔ پس دونوں میں تنوین اضافت سے

پہلے گر گئی ہے اور دونوں کے ساتھ ضمیر متّصل ساتھ جُڑی ہوئی ہے۔ نیز دونوں میں صفت کے ایسے صیغے کی اضافت ضمیر متصل کی طرف ہو رہی ہے جس کی تنوین قبلَ الاضافت گر گئی ہے۔ تو یہ دونوں ایک جیسے ہوئے۔ پس جب ضاربُکَ جائز ہے تو الضاربُکَ بھی جائز ہے۔

وشِبْهُهُ اور جو اس کے مشابہ ہے وہ بھی جائز ہے۔ اسکے مشابہ اس طرح بنائے کہ کاف ضمیر کی جگہ کوئی اور ضمیر متصل لائے۔ اور پھر ایسا اسم فاعل کا صیغہ لاؤ جس کی تنوین اضافت سے پہلے گر چکی ہو اور مضاف ہو رہا ہو ضمیر متصل کی طرف۔ مثلا، الضارِبی یا الضارِبُهُ۔

فیمن قال ای فی قولِ من قالَ۔ اُن لوگوں کے قول کے مطابق، جو یہ کہتے ہیں۔ قول کا لفظ مَن سے پہلے مضاف محذوف نکالا۔ **اِنَّهُ مضافٌ** یہ مضاف ہے۔ یہ جائز ہے اُن لوگوں کے قول کے مطابق بھی جو یہ کہتے ہیں کہ یہ "الضاربُکَ" مضاف ہے۔ باقی علماءؒ جو "الضاربُکَ" کو اضافت لفظی نہیں مانتے، اُن کے نزدیک تو ہے ہی جائز۔ لیکن وہ علماء جو "الضاربُکَ" کو اضافت لفظی کہتے ہے اُن کے نزدیک بھی جائز ہے۔ جس میں امام سیبویہؒ بھی جائز ہے۔ جسکی تفصیل اوپر گزر گئی۔ **حملاً علیٰ ضاربِکَ** بوجہ حمل کرتے ہوئے ضاربُکَ پر۔ اس کی تفصیل بھی اوپر گزر گئی۔

پس خلاصہ یہ ہوا، کہ صاحب کافیہؒ وغیرہ کے نزدیک الضاربُکَ میں سرے سے اضافت ہے ہی نہیں۔ لہٰذا کسی قسم کا کوئی اشکال نہیں۔ اور امام سیبویہؒ کے نزدیک " الضاربُکَ" میں اضافت لفظی ہے۔

درس 70۔ یاد رکھو! کوفہ والے نحوی علماءؒ فرماتے ہیں، کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف جائز ہے۔لیکن معنیٰ وہی رکھتے ہیں جو موصوف صفت کی صورت میں حاصل ہوتا تھا۔ تو یہ اضافت جائز ہے۔ جیسے "المسجدُ الجامعُ": وہ مسجد جو جمع کرنے والی ہے یعنی لوگوں کو۔ المسجدُ موصوف ہے اور الجامعُ اسکی صفت ہے۔ یہاں پر موصوف کی اضافت صفت کی طرف جائز ہے، جب یوں کہا جائے، "مسجدُ الجامِعِ"۔ جب "المسجدُ" کو مضاف بنانا ہے تو اس کو الف لام سے خالی کر دیا اور "الجامع" مضافٌ الیہ پر کسرۃ لایا۔ اور موصوف صفت کی صورت میں جو معنیٰ تھا اب بھی وہی معنیٰ حاصل ہو رہا ہے، یعنی وہ مسجد جو جمع کرنے والی ہے۔

اسی طرح کوفہ والوں کے نزدیک، صفت کی اضافت بھی موصوف کی طرف جائز ہے۔ مثلاً، "ثیابُ اخلاق"۔ اخلاق یہ جمع ہے خَلَقٌ کی۔ خلَق: پُرانا، تو "ثیابُ اخلاق" کے معنیٰ، ایسے کپڑے جو پرانے ہیں، یعنی پرانے کپڑے۔ تو یہاں ثیابٌ موصف ہے اور اخیافٌ صفت ہے۔ لیکن اس کے اندر صفت کی اضافت موصوف کے اندر جائز ہے۔ تو یوں کہنا، " اخلاق ثیابٍ" کہنا جائز ہے۔ اور معنیٰ اب بھی وہی ہے جو پہلے ترکیبِ وصفی میں حاصل ہوتا تھا، یعنی پرانے کپڑے۔

کوفه والے اس اضافت کو اس لئے جائز قرار دیتے ہیں، کہ اس سے تخفیف بھی حاصل ہوتی ہے، اور تعریف اور تخصیص بھی حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ "المسجدُ الجامعُ" سے "مسجدُ الجامعِ" بنایا۔ تو دیکھو المسجد سے الف لام گر گیا، تو اس سے تخفیف آگئی۔ اور نیز مسجد ہے نکرة اور الجامع ہے معرفة، تو جب نکرة کی اضافت معرفة کی طرف کیا تو اس سے تعریف بھی آئی اضافت کے اندر۔ جیسا کہ غلامُ زیدٍ میں غلام معرفة بن جاتا ہے۔ تو دیکھو "مسجدُ الجامعِ" اس اضافت نے تعریف کا بھی فائدہ دیا اور تخفیف کا فائدہ بھی دیا۔

اور اگر صفت کی اضافت موصوف کی طرف کر دے۔ موصوف صفت پہلے "ثیابٌ اخلاق" تھے۔ پھر اخلاق کو پہلے کر دیا ثیاب پر اور مضاف بنایا تو "اخلاق ثیابٍ" بنا۔ اور یہاں جب اضافت کی گئی تو اخلاق سے تنوین گر گئی۔ تنوین کے گرنے سے تخفیف حاصل ہوئی۔ اور نیز جب نکرة کی اضافت نکرة کی طرف کر دے تو تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ جیسا کہ غلامُ رجلٍ کہنے سے عورتوں کے غلام خارج ہوئے تو اس سے تخصیص آئی۔ تو یہاں بھی "اخلاق ثیابٍ" میں اخلاق بھی نکرة اور ثیاب بھی نکرة، تو یہ تخصیص کا فائدہ دے رہی ہے۔ اخلاق: پرانی، تو پرانی تو بہت سی چیزیں ہو سکتی ہیں۔ لیکن جب اس کی اضافت ثیاب کی طرف کر دی گئی تو اس سے تخصیص پیدا ہو گئی۔ پس لہٰذا اس میں تخفیف بھی آگئی اور تخصیص بھی آگئی۔ پس یہ جائز ہے۔

پس کوفہ والوں کے نزدیک صفت کی اضافت موصوف کی طرف جائز اور موصوف کی اضافت صفت کی طرف جائز ہوتی ہے۔

جبکہ علامہ ابن حاجب ؒ اور دوسرے نحوی علماء ؒ وغیرہ فرماتے ہیں، کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف نہیں جائز، اور صفت کی اضافت موصوف کی طرف نہیں جائز۔ وہ فرماتے ہیں! کہ ایک ہے ترکیب وصفی اور ایک ہے ترکیب اضافی۔ دونوں کے معنیٰ الگ الگ ہیں۔ جیسا کہ "المسجدُ الجامعُ" یہ ترکیب وصفی ہے۔ ایک موصوف ہے اور دوسرا صفت۔ اور ایک ترکیب اضافی ہے، جیسا کہ "مسجدُ الجامعِ"۔ فرماتے ہیں کہ دونوں کے فائدے الگ الگ ہیں۔ لہٰذا ایک ترکیب دوسرے کی قائم مقام نہیں ہو سکتی۔

مثلاً ترکیب وصفی: زیدٌ العالمُ: وہ زید جو عالم ہے۔ یہ ترکیب وصفی ہے اور یہ "اتِّصافُ الشیءِ بالشیءِ" کا فائدہ دیتا ہے۔ کہ ایک چیز مُتَّصِفٌ ہو رہی ہے دوسری چیز کے ساتھ۔ تو یہاں زید متصف ہو رہا ہے علم کے ساتھ۔

اور ایک ہے ترکیب اضافی، جیسا کہ "غلامُ زیدٍ"۔ ترکیب اضافی "نسبت" کا فائدہ دیتی ہے۔ کہ ایک چیز منسوب ہو رہا ہے دوسری چیز کی طرف۔ غلامُ زیدٍ نے یہ فائدہ دیا کہ یہ غلام منسوب ہے زید کی طرف۔ یعنی ترکیب اضافی سے "اضافةُ شیءٍ الی شیءٍ" کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

پس دونوں ترکیبوں کے فائدے الگ الگ ہیں۔ تو لہٰذا جب دونوں کے معنیٰ الگ الگ ہیں۔ تو ایک ترکیب دوسری کی قائم مقام نہیں ہو سکتی۔

پس وہ معنیٰ جو موصوف صفت کی ترکیب سے حاصل ہوتا ہے وہ مضاف مضافٌ الیہ کی ترکیب سے حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا " المسجدُ الجامعُ" میں "مسجدُ الجامع" جائز نہیں۔

و لا یُضَافُ موصوفٌ الی صفةٍ اور مضاف نہیں کیا جاتا موصوف کو صفت کی طرف و لا صفتٌ الی موصوفِها اور نہ ہی صفت کی اضافت کی جاتی ہے اپنے موصوف کی طرف۔

صاحب کافیہ ؒ نے یہاں دو ضابطے ذکر فرمائیں۔ پہلا ضابطہ یہ کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف جائز نہیں۔ یہاں صاحب کافیہ ؒ کے اس پہلے ضابطے پر ذیل کے مثالوں کی صورت میں اشکال ہوتا ہے۔ کہ اے صاحب کافیہ ؒ آپ تو فرماتے ہیں کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف نہیں کی جاسکتی۔ ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ، "مسجدُ الجامعِ" جو کہ اصل میں المسجدُ الجامعُ" تھا۔ اس میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف کی گئی ہے۔ اور اسی طرح "الجانبُ الغربِیُّ" تھا۔ پھر اس میں موصف کی اضافت صفت کی طرف کی گئی۔ اور "جانبُ العربِیِّ" بنا۔ اسی طرح "الصلوٰتُ الاولیٰ" تھا۔ پھر اس میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف کی گئی اور "صلوٰتُ الاولیٰ" ہو گیا۔ صلوٰتُ الاولیٰ کا معنیٰ ہے پہلی نماز یعنی فجر کی نماز۔ اسی طرح "البقلة الحمقاءُ" میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف کی گئی، تو " بقلةُ الْحَمْقَاءُ" بن گیا۔ تو اے صاحب کافیہ ؒ آپ کا قانون تو ٹوٹ رہا ہے ان مثالوں سے۔ بقلة الحمقاء: ساگ کی ایک قسم ہے۔

وَ مثلُ مسجدُ الجامع وَ جانبُ الغربیِّ و صلوٰتُ الأُولیٰ و بَقْلَةُ الْحَمْقَاء صاحب کافیہ جواب فرماتے ہیں۔ کہ ان ساری مثالوں میں تاویل کی گئی ہے۔ متأوَّلٌ یعنی اِن سارے مثالوں میں تاویل کی جائے گی، تو پھر یہ ہمارے ضابطے کے مطابق ہو جائیں گی۔

صاحب کافیہ ؒ نے دوسرا ضابطہ یہ ذکر فرمایا کہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف جائز نہیں۔ آگے آنے والے مثالوں سے صاحب کافیہ ؒ کے بیان کردہ اس دوسرے ضابطے پر اشکال ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں! کہ اے صاحب کافیہ ؒ آپ نے فرمایا کہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف جائز نہیں۔ ہم آپ ؒ کو دکھاتے ہیں، کہ کلام عرب کے اندر صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔ جیسا کہ "جردُ قطیفةٍ" میں جردُ مضاف ہے اور قطیفةٍ مضافٌ الیہ ہے۔ اور یہ اصل میں "قطیفةٌ جردٌ" تھا۔ قطیفةٌ موصوف ہے اور جردٌ اسکی صفت۔ اور اس میں عرب "جردُ قطیفةٍ" کہہ دیتے ہیں۔ اور اسی طرح "ثیابُ اخلاقٌ" کے اندر عرب اخلاقٌ جو کہ صفت ہے اسکی اضافت ثیابٌ کی طرف کرتے ہے۔ اور "اخلاقُ ثیابٍ" کہتے ہیں۔ تو اے صاحب کافیہ ؒ آپ کا دوسرا ضابطہ بھی ٹوٹ گیا۔

بھئی جو تاویل کی گئی ہیں اُن کو غور سے سنو! "مسجدُ الجامعِ" اصل میں "مسجدُ الوقفِ الجامعِ" ہے۔ اس میں مسجد کی اضافت "الوقف" کی طرف کی گئی ہے۔ الوقف موصوف ہے اور الجامع اسکی صفت ہے۔ موصوف صفت ملکر یہ مضافٌ الیہ ہوا مسجد مضاف کے لئے ۔ تو دیکھو! مسجد یہ مضاف ہے الوقف کی طرف نہ کہ الجامع کی طرف۔ اور یہ الجامع صفت ہے الوقف کی نہ کہ یہ صفت ہے مسجد کی ۔ تو دیکھا نہ موصف کی اضافت ہوئی اپنے صفت کی طرف اور نہ الجامع یہ مسبد کی صفت ہے۔

"جانبُ الغربِيِّ" صاحب کافیہ ؒ تاویل کر کے فرماتے ہیں، کہ "جانبُ المکانِ الغربِيِّ"۔

" صلوٰتُ الاولیٰ" اصل میں "صلوٰتُ ساعةِ الأُوْلیٰ" ہے۔ : پہلے گھڑی کی نماز۔

"بقلةُ الحمقاه" یہ اصل میں "بقلةُ البِذْرةِ الحمقاه" یا بقلةُ الحَبَّةِ الحمقاه۔ حبة اور بِذْرَة : دانه، بیج۔ بقلة: سبزی، ترکاری۔ حمقاه یہ حماقت سے ہے۔ یہ ساگ ایسی جگہ پر اُگتی ہے جہاں پر سیلاب کا پانی بہتا ہو۔

آگے آنے والے مثالوں سے صاحب کافیہ ؒ کے دوسرے ضابطے پر بھی اشکال ہوتا ہے، کہ دیکھو! یہاں صفت کی اضافت موصوف کی طرف کی گئی۔ و مثلُ: جردُ قطيفةٍ و اخلاقُ ثيابٍ متأوَّلٌ اس کا بھی صاحب کافیہ ؒ جواب فرماتے ہیں۔ کہ اس جیسے مثالوں میں تاویل کی گئی ہے۔

صاحب کافیہ ؒ فرماتے ہیں، کہ یہ اصل میں قَطِيْفَةٌ جَرْدٌ تھا۔ قطيفة: مخملی چادر۔ وہ کپڑا جس پر باریک سے بال ہوں اُس مخمل کہتے ہیں۔ اور پُرانی بوسیدہ بغیر بالوں والی چادر کو قطيفة جردٌ کہتے ہے۔ جَرْدٌ: بے بال، بغیر بالوں والا۔ اَجْرَدْ: گنجا۔ تو قطيفةٌ موصوف تھا اور جردٌ اسکی صفت تھی۔ پھر قطيفة کو حذف کر لیا گیا اور جَرْدٌ رہ گیا۔ اور جردٌ کامعنیٰ ہے پرانا یا پرانی، اور وہ کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے۔ تو اب اس جَرْدٌ میں عُموم تھا۔ لہٰذا آگے اس کی اضافت کر دی گئی قطيفةٌ کی طرف۔ اب اس میں تخصیص آ گئی۔

اسی طرح "اخلاقُ ثيابٍ" یہ اصل میں " ثيابٌ اخلاقٌ" تھا۔ ثيابٌ اخلاقٌ: ایسے کپڑے جو پرانے ہیں۔ اَخْلَاقٌ جمع ہے خَلَقٌ کی، لام کے فتحہ کے ساتھ۔ پھر ثياب کو حذف کیا گیا اور اخلاق رہ گیا۔ اخلاق یعنی پرانے، اور پرانے تو کوئی بھی چیز ہوا کرتی ہے۔ تو اب اس میں ابہام تھا۔ لہٰذا اب اس کی اضافت ثياب کی طرف کی گئی۔ تو معلوم ہوا کہ پرانی چیز کپڑے کے جنس میں سے ہے۔ تو اس سے تخصیص پیدا ہو گئی۔

صاحب کافیہ ؒ یہاں ایک اور ضابطہ بیان فرما رہے ہیں۔ فرماتے ہیں، کہ اگر دو اسم بالکل ایک جیسے ہوں عموم و خصوص کے اعتبار سے۔ یعنی پہلے اسم کے اندر جتنا عموم ہو، دوسرے اسم کے اندر بھی اُتنا ہی عموم ہو۔ یا پہلے اسم کے اندر جتنا خصوص ہو دوسرے اسم کے اندر بھی اُتنا ہی خصوص ہو۔ تو پھر اِن کی اضافت ایک دوسرے کی طرف نہیں کی جائیں گی۔ کیونکہ اضافت کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

مثلاً، لیث کا معنیٰ بھی شیر ہے۔ اور اسد کا معنیٰ بھی شیر ہے۔ عموم کے اندر دونوں برابر ہیں۔ اب میں اس کی اضافت کرتا ہے۔ جاءنِی لیثُ اسدٍ : میرے پاس شیر کا شیر آیا۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ کوئی تخصیص پیدا نہیں ہوا۔ یا جیسے منع کا معنیٰ بھی روکنا، اور حَبس کا معنیٰ بھی روکنا۔ یہ دونوں عموم میں برابر ہیں، اس لئے اسکی اضافت جائز نہیں۔ مثلاً، حَبْسُ مَنْعٍ: منع کرنے کا منع کرنا۔ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ و لا یضافُ اور اضافت نہیں کی جاتی اسمٌ ایسا اسم مُمَاثِلٌ لِلْمضافِ الیهِ جو مضافٌ الیه کے مشابه ہو۔ فی العُمُومِ و الْخُصُوصِ عموم اور خصوص میں مشابه ہو۔ تو اضافت نہیں کی جائیگی ایسے اسم کی جو عموم اور خصوص میں مضافٌ الیه کے مشابه ہو۔ کَلَیثٍ و اسدٍ جیسے لیث اور اسد۔ یه مثال ہے عین کی۔ عین وہ چیز جس کا وجود ہو۔ و حبسٍ و منعٍ یه دونوں بھی مترادف الفاظ ہیں۔ حبس کا معنیٰ ہے روکنا، اور منع کا معنیٰ بھی روکنا ہے۔ اور "روکنا" مصدر ہے۔ اور خارج میں مصدر کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ہاں جو مصدر آئے، خارج میں مصدر سے حاصل ہونے والا ہیئت ہے۔ دوڑنا ہمیں خارج میں نظر نہیں آتا بلکه دوڑ نظر آئے گی۔ ہنسنا ہمیں خارج میں نظر نہیں آئے گا بلکه ہنسی خارج میں نظر آئے گی۔ تو یه "حبس اور منع" یه معنیٰ کے قبیل سے ہے جسکا خارج میں کوئی وجود نہیں۔ لِعدمِ الفائدةِ تو ایسے اسماء مضاف نہیں کئے جائیں گے فائدہ کے نه ہونے کی وجه سے۔ بِخِلافِ کُلُّ الدَرَاهَمِ وَ عینُ الشَّیءِ بخلاف کُلُّ الدِراهم اور عین الشئ جیسے ترکیب جائز ہے۔ فانَّهُ یَخْتَصُّ بهِ اس لئے که اس سے مضاف، مضافٌ الیه کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے۔

صاحب کافیه ؒ یه بتلانا چاہتے ہیں که عموم و خصوص میں مضاف اور مضافٌ الیه دونوں برابر ہو تو پھر اضافت جائز نہیں۔ لیکن اگر مضاف عام ہو اور مضافٌ الیه خاص ہو تو پھر اضافت جائز ہے۔ جیسا که "کُل" یه عام ہے۔ اسکا معنیٰ، "ساری کی ساری چیز" یه کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے۔ اور "الدراهم" خاص ہے۔ تو "کل الدراهم" نے تخصیص کا فائده دیا۔ تو "اِضافةُ العام الی الخاص" جائز ہے۔

اسی طرح "عینُ الشَّئ" میں، عین وہ چیز جس کا وجود ہو۔ یه اضافت جائز ہے، اس لئے که اس میں پہلا عام ہے اور ثانی خاص ہے۔ "عین" کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے، کسی بھی چیز کا وجود ہو سکتا ہے۔ اور "الشئ" یه خاص ہے۔ عینُ الشئ: وہ متعیّن چیز۔ الف لام کے ذریعے متعَّین چیز کی طرف اشاره ہوا۔

اعرابی حکائی کی صورت میں کلُّ الدراهم پڑھنا بھی جائز۔ اور یه بخلاف کے لئے مضافٌ الیه ہے تو پھر کلِّ الدراهم وَ عینِ الشئِ پڑھنا بھی جائز۔

صاحب کافیه ؒ نے یه ضابطه بتلایا که دو اسم جب عموم اور خصوص کے اندر برابر ہوں، تو پھر اس کی اضافت جائز نہیں۔ اس پر اشکال ہوا، کے اے صاحب کافیه ؒ ہم آپ کو بتلاتے ہیں که دو اسم عموم اور خصوص میں برابر ہوں گے، لیکن پھر بھی اس میں ایک کی اضافت دوسری کی طرف کی گئی ہے۔

جیسا که عربوں سے ہم نے سُنا ہے، "سعیدُ کُرزٍ"۔ یاد رکھو! سعید ایک آدمی تھا۔ اور "کُرز" اُسکا لقب تھا۔ تو اب دیکھو، "سعید" سے بھی مراد وہی شخص ہے، اور "کُرز" سے بھی مراد وہی شخص ہے۔ تو یہ دونوں خصوص کے اندر برابر ہوئے۔ اور آپ نے بتلایا کہ جب عموم اور خصوص میں برابر ہو تو پھر اضافت جائز نہیں۔ لیکن یہاں تو "سعید" کی اضافت "کُرز" کی طرف ہو رہا ہے۔

و قولُهم اور عربوں کا کہنا سعیدُ کُرزٍ و نحوُهُ متأول صاحب کافیہ ؒ بتلاتے ہیں، کہ "سعیدُ کرزٍ" اور اس جیسے لفظ میں تاویل کی گئی ہے۔

کیسے تاویل؟ یاد رکھو! ایک ہے دال ایک ہے مدلول۔ جب میں نے کہا، "زید" تو اس نے ذات زید پر دلالت کی۔ یا یوں کہو، ایک ہے اسم ایک ہے مسمّیٰ۔ "زید" اسم ہے۔ اور وہ جو ذاتِ زید ہے وہ "مُسمّیٰ" ہے۔ جب میں نے کہ، زید آگیا۔ تو وہ ذات جو کہ زید کے ساتھ موسوم ہے وہ آگئی۔ تو اسم بول کر میں نے "مسمّیٰ" مراد لیا۔ ۔ ۔ میں کہتا ہوں، میں نے "زید" لکھا۔ تو اسکا معنیٰ یہ کہ میں نے "اسمِ زید" لکھا، اور ذات زید نہیں لکھا۔ تو کبھی اسم بول کر مسمیٰ مراد لیتے ہیں اور کبھی اسم بول کر اسم ہی مراد لیتے ہیں۔ میں نے کہا، "زید میرے پاس آیا۔" تو اس سے مسمّیٰ مراد ہوتا ہے۔ اور میں نے کہا، "میں نے زید لکھا۔" تو اس سے اسم مراد ہوتا ہے۔ یا یوں کہیں کہ اس میں ایک دال ہے اور دوسرا مدلول۔ تو "سعیدُ کُرزٍ" میں سعید بول کر مسمّیٰ یعنی ذات سعید مراد لی گئی۔ اور "کُرز" سے لفظ مراد لے لیا۔ مثلاً میں نے کہا، "جاءنی سعیدُ کُرزٍ"۔ یہاں سعید ذات یا مدلول کے معنیٰ میں ہے۔ اور کُرز سے مراد یہ لفظِ کُرز یعنی یہ اسم ہی مراد ہے۔ تو "جاءنی سعیدُ کرزٍ" کا معنیٰ یہ ہوا کہ اس لفظ "کُرز" کا مدلول میرے پاس آیا۔ اور کُرز کا مدلول وہ ذات ہے۔ ای جاءنی مدلولُ ھٰذَا اللفظِ۔ یا یوں کہو، "جاءنی مدلولُ کرزٍ" کہ جس پر کرز دلالت کرتا ہے وہ میرے پاس آیا۔

درس 71۔ باپ اضافت کی چل رہی تھی۔ اب صاحب کافیہ ؒ اضافت کے بارے میں چند اور باتیں آپ کو بتلانا چاہتے ہیں۔ کہ جب یائے متکلم کی طرف کسی چیز کی اضافت کی جائے تو اُسے کیسے پڑھیں گے۔

و اذا أُضیفَ الِاسْمُ الصحیحُ اور جب اضافت کر دی جائے اُس اسم کی جو صحیح ہو۔ اسم صحیح سے مراد یہاں علمِ نَحْوُ والا صحیح ہے۔ یعنی صحیح ایسا اسم ہے جس کے آخر میں حرف علّت نہ ہو۔ اس لئے کہ نحویوں نے بحث کرنا ہے اعراب سے۔ اور اعراب کسی کلمة کے آخری حرف پر ظاھر ہوتا ہے۔

اَوِ الْمُلْحَقُ بِهٖ ای مُلْحَقُ بالصَّحیح یا مُلحَق بالصَّحیح کی طرف اضافت کی جائے۔ یعنی جاری مجرائے صحیح۔ یعنی جو اعراب صحیح پر آتا ہے وہی اعراب ملحق بالصَّحیح پر بھی آتا ہے۔ جاری مجرائے صحیح وہ ہوتا ہے جس اسم کے آخر میں "واو" یا "یا" آجائے اور اسکا ماقبل ساکن ہو۔ جیسا کہ دَلْوٌ اور ظَبْیٌ۔ جیسے صحیح پر تینوں اعراب آتے ہیں اسی طرح جاری مجرائے صحیح پر بھی تینوں اعراب آتے ہیں۔ جیسا کہ، جاءنِی زیدٌ، رأیتُ زیدًا، مررتُ بزیدٍ اسی طرح جاءنِی دَلْوٌ، رأیتُ دَلْوًا، مررتُ بدَلْوٍ۔ اور جاءنِی ظَبْیٌ،

رَأیتُ ظَبْیً، مررتُ بظَبْیٍ۔ حالانکه یہاں پر آخر میں "واو" اور "یا" آتی ہے۔ لیکن اس سے ماقبل سکون آیا۔ اور اس سکون کی وجہ سے "واو" اور "یا" پر اب حرکت کا پڑھنا آسان ہے۔ اِلیٰ یاءِ الْمُتَکَلِّمِ جب صحیح یا جاری مجرائے صحیح کی اضافت یائے متکلم کی طرف کی جائے۔ کُسِرَ اٰخِرُہٗ تو جاری مجرائے صحیح اور صحیح کے آخر کو کسرہ دے دیں گے۔ یعنی غلامٌ کی اضافت "یا" کی طرف کرنی ہے۔ تو غلام کی آخر میں "میم" پر کسرہ آئے گا۔ یعنی غُلَامِیْ۔ کیونکہ "یا" اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتی ہے۔ اسی طرح دَلْوٌ کی اضافت "یا" کی طرف کرنی ہے تو دَلْوٌ کے آخری حرف "واو" کو کسرہ دو یعنی "دَلْوِیْ" پڑھنا ہے۔ والیاءُ مَفْتُوْحَۃٌ اَوْ سَاکِنَۃٌ اور "یا" مفتوح ہوگی یا ساکن ہوگی۔ تو اِس یائے متکلم پر فتحہ پڑھنا بھی جائز ہے اور اسکو ساکن پڑھنا بھی جائز ہے۔ یعنی غلامِیْ پڑھنا بھی جائز اور غلامِیَ پڑھنا بھی جائز۔ اسی طرح دَلْوِیَ پڑھنا بھی جائز اور دَلْوِیْ پڑھنا بھی جائز۔

فان کان اٰخِرُہٗ اِلِفًا اور اگر اُس اِسم کا آخر الف تھا۔ یعنی جس اسم صحیح یا اسم جاری مجرائے صحیح کی اضافت آپ "یائے متکلم" کی طرف کر رہے ہیں۔ اور اس کے آخر میں "الف" ہو۔ تُثْبَتُ تو وہ الف "ثابت" رکھا جائے گا۔ مثلاً "غلامانِ" کی اضافت "یائے متکلم" کی طرف کرنے میں "نونِ تثنیہ" تو اصافت کی وجہ سے گر جائے گا۔ اور "غُلَامَایَ" پڑھیں گے۔ تو اس صورت میں "یائے متکلم" پر فتحہ ہی پڑھیں گے۔ کیونکہ اگر "یا" کو ساکن رکھا جائے تو الف بھی ساکن اور "یا" بھی ساکن تو اجتماع ساکنین لازم آجائے گا۔ اسی طرح اسم مقصور "عصیٰ" کی اضافت جب "یائے متکلم" کی طرف کرے تو "عَصَایَ" پڑھیں گے۔ اور "رَھیٰ" کی اضافت "یائے متکلم" کی طرف کرنے سے "رَھَایَ" پڑھیں گے۔

وَ ھُذَیْلٌ تُقَلِّبُھا لِغَیرِ التَّثْنِیَۃِ یاءً تَقْلِبُھَا بھی پڑھ سکتے ہیں، اور اس میں "ھا" ضمیر راجع ہے "الف" کو۔ اور قبیلہ ھُذیل والے بدل لیتے ہیں "اُس الف" کو تثنیہ کے علاوہ میں یاء کے ساتھ۔

یعنی تثنیہ میں قبیلہ ھُذیل والے بھی "غلامَایَ" پڑھتے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ باقی صورتوں میں جب "الف" آخر میں آرہا ہو۔ تو وہ اِس "الف" کو "یا" سے بدلتے ہیں اور پھر "یا" کا "یا" میں ادغام کرتے ہیں۔ جیسا کہ "عَصَایَ" میں عَصَیَّ اور رَھَایَ میں رَھَیَّ پڑھتے ہیں۔

سوال۔ تثنیہ کے اندر قبیلہ ھذیل والے کیوں "الف" کو سلامت رکھتے ہیں؟ جواب یہ کہ تثنیہ کے اندر پھر التباس لازم آئے گا۔ تثنیہ کو ذرا حالتِ نصبی میں لے جاؤ، یعنی غلامانِ کی جگہ غلامَیْنِ ہو جائے گا۔ اب جب اس کی اضافت "یائے متکلم" کی طرف کی جائے، تو نون تو اضافت کی وجہ سے گر جائے گا، پھر غلامَیْ کے آخر میں بھی یا آگئے اور اس کے اضاف "یائے متکلم" ہے۔ تو پھر یاء کا یاء میں ادغام کریں گے اور اسکو غُلَامَیَّ پڑھیں گے۔ اور اگر وہ اسی طرح حالتِ رفعی اور حالت جرّی میں بھی غُلَامَیَّ پڑھتے، تو پھر

حالت نصبی کا التباس لازم آتا حالت رفعی اور حالت جرّی کے ساتھ۔ تو اس وجہ سے تثنیہ کے اندر وہ "الف" کو ثابت رکھتے ہیں تا کہ التباس لازم نہ آئے۔

وَ اِنْ کانَ یاءً اُدْغِمَتْ اور اگر اُس اسم جاری مجرائے صحیح کے آخر میں یاء آئے تو وہ پھر یاء کا یاء میں ادغام کرتے ہیں۔ جیسا کہ قاضِیْ کے آخر میں خود "یاء" آرہا ہے۔ اور جب اسکی اضافت "یائے متکلم" کی طرف کی جائے تو پھر وہ پہلی یاء کا دوسرے یاء میں ادغام کرتے ہیں۔ اور "قاضِیَّ" پڑھتے ہیں۔ اور تثنیہ کے اندر بھی کبھی حالت نصبی جرّی میں یاء آجاتا ہے۔ جیسا کہ غُلامَیْنَ کی اضافت جب یائے متکلم کی طرف کی جائے تو نون تثنیہ اضافت کی وجہ سے گر جائے گا، اور یاء کا یاء میں ادغام کیا جائے گا تو حالت نصبی اور جرّی میں "غُلَامَیَّ" پڑھیں گے۔ جمع کے اندر بھی کبھی آخر میں یاء آجاتی ہے۔ مسلمونَ کو جب حالت نصبی جرّی میں لے جائے تو مسلمیْنَ بن جاتا ہے۔ اور جب اسکی اضافت یائے متکلم کی طرف کی جائے تو نون جمع اضافت کی وجہ سے گر جاتا ہے، اور پھر یاء کا یاء میں ادغام کرنے سے حالت نصبی اور حالت جرّی میں "مُسْلِمِیَّ" بن جاتا ہے۔

و ان کان واوًا اور اگر آخر میں واؤ تھا۔ قُلِبَتْ یاءً واؤ کو "یا" سے بدل دیں گے۔ وَ اُدْغِمَتْ اور ادغام کیا جائے گا۔ مثلاً مُسلمونَ کے آخر سے اضافت کی وجہ سے نون گر جائے گا۔ تو آخر میں "واو" رہ جائے گا۔ اور جب "مُسْلِمُو" کی اضافت "یائے متکلم" کی طرف کرلے تو اس واؤ کو "یا" سے بدل دیں گے۔ اور پھر یا کا یا میں ادغام کریں گے تو مُسْلِمُیَّ بن جائے گا۔ پھر "یا" کی وجہ سے ماقبل حرف کو کسرہ دیں گے تو یہ "مُسْلِمِیَّ" بن جائے گا۔ اور اگر "یا" سے ما قبل فتحہ آئے تو پھر فتحہ کو برقرار رکھیں گے۔

اسی طرح مُصْطَفَوْنَ کی اضافت کرے "یائے متکلم" کی طرف۔ تو "نون" اضافت کی وجہ سے گر جائے گا۔ پھر "واو" اور "یا" جمع ہو گئے۔ تو واؤ کو یا کر کے "یا" میں ادغام کریں گے۔ تو "مُصْطَفَیَّ" بن جائے گا۔ اب یا کا ماقبل مفتوح ہے۔ لہٰذا فتحہ کو برقرار رکھیں گے۔

وَ فُتِحَتِ الیاءُ لِلسَّاکنین اور یا کو فتحہ دیا جائے گا ساکنین کی وجہ سے۔ یعنی اجتماع ساکنین کی وجہ سے "یا" پر فتحہ پڑھیں گے۔ ان تمام صورتوں میں ہم نے دیکھا۔ جیسا کہ گزرا، " عَصَیَّ، رَحَیَّ، غُلامَایَ، قَاضِیَّ، غُلَامَیَّ، مُسْلِمِیَّ اور مُصْطَفَیَّ"۔ ان ساروں میں "یا" پر فتحہ پڑھا۔ کیونکہ اگر "یا" پر فتحہ نہ پڑھے تو پھر اجتماع ساکنین لازم آئے گا۔

وَ اَمَّا الْاَسْماءُ السِّتَّةُ باقی اسمائے ستة جو ہیں۔ فَاَخِی و ابی جب اس کی اضافت یائے متکلم کی طرف ہو جائے تو اسے "اَخِی اور اَبِی" کی طرح پڑھیں گے۔ یاد رکھو! یہ جو اسمائے ستّة ہیں یہ محذوفَةُ الاَعْجَازْ ہیں۔ عَجُزْ کہتے ہیں آخری حصّہ۔ یعنی اِس کا پچھلا حصّہ محذوف ہیں۔ یعنی اِن کے آخری حرف محذوف ہیں۔ جیسا کہ "اَخٌ" اصل میں "اَخَوٌ" تھا۔ "اَبٌ" اصل میں "اَبَوٌ" تھا۔ "حَمٌ" اصل میں "حَمَوٌ" تھا۔ "هَنٌ" اصل میں "هَنَوٌ" تھا۔ "فَمٌ" اصل میں "فَوْهٌ" تھا۔ اور "ذُو" اصل میں "ذَوَوٌ" تھا۔ پھر ان سب کے واؤ کو خلافُ

القیاس حذف کیا گیا۔ جیسا کہ "اَخَوٌ" سے "واؤ" حذف کر کے "اَخٌ" بنایا۔ پھر اس کے آخری حرف پر اعراب جاری کر دیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوا، کہ جب اس کی اضافت "یا" ضمیر کی طرف کی جائے تو کیا وہ "حذف شدہ واؤ" واپس آئے گا کہ نہیں۔ تو کہتے ہیں کہ وہ واؤ جو حذف ہو چکا ہے وہ واپس نہیں آئے گا۔ لہٰذا جب اَخٌ کی اضافت "یا" کی طرف کریں گے تو اَخِی پڑھیں گے۔ اَبٌ کی اضافت "یا" کی طرف کریں گے تو "اَبِی" پڑھیں گے۔

وَ اَجَازَ الْمُبَرِّدُ اَخِیَّ وَ اَبِیَّ اور اجازت دی ہے امام مبردؒ نے "اَخِیَّ اور اَبِیَّ" کی۔ تو اُن کے نزدیک وہ "واو" واپس آجائے گا۔ پھر "واو اور یا" جمع ہو جائیں گے۔ تو واو کو یا کر کے اور پھر یا کا یا میں ادغام کریں گے۔ تو اَخِیَّ اور اَبِیَّ بن جائیں گا۔

و تَقولُ حَمِیٌ و هَنِیٌ اور کوئی عورت یوں کہیں گی حَمِیٌ اور هَنِیٌ۔ تقولُ واحد مؤنث غائبہ کا صیغہ ہے۔ خاوند کا باپ عورت کا حَمٌ ہوتا ہے۔ یعنی سُسَر۔ لہٰذا حَمٌ کی اضافت مذکر کی طرف نہیں ہوگی بلکہ مؤنث کی طرف ہوگی۔ هَنٌ یہ فَرْجُ الْمَرْأة یعنی عورت کی شرمگاہ کو بھی کہتے ہیں۔ اور نیز ہر اُس چیز کو بھی کہا جاتا ہے جس کا ذکر عیب ہو۔

اس کو صاحب کافیہ نے الگ ذکر کیا۔ یہ بھی اُسی طرح ہے، اَخی، اَبی، حمیٌ اور هَنی۔ ان دونوں کو الگ اس لئے ذکر کیا، کیونکہ "اَخِی اور اَبِی" میں امام مبرد کا اختلاف بتلانا تھا۔ اُن میں امام مبرد نے "ابیَّ اور اخیَّ" کی اجازت دی ہے۔ اور حمیٌ اور هنیٌ میں اجازت نہیں دی ہے۔ اس لئے ان کو الگ ذکر کیا۔

و یقالُ فِیَّ فی الاکثر وَ فَمِیٌ اور فِیَّ کہا جاتا ہے اکثر استعمالات میں، اور فَمِیٌ بھی کہتے ہیں۔ فَمٌ: منه، فَمٌ اصل میں فَوْهٌ تھا۔ پھر ها کو خلافُ القیاس حذف کر لیا گیا۔ کیونکہ یہ محذوفة الاعجاز میں سے ہیں۔ جیسا کہ یَدٌ اصل میں یَدَوٌ تھا، دَمٌ اصل میں دَمَوٌ تھا۔ تو وہاں سے بھی واؤ حذف ہوا۔ اور اِن اسمائے ستہ مکبرّہ سے بھی آخری حرف حذف ہوا۔

تو فَوْهٌ سے ها خلافُ القیاس حذف ہوا۔ اور نسیا منسیا ہو گیا۔ اب وہ واپس نہیں آئیں گی۔ تو "فَوٌ" بن گیا۔ اور آخری کلمہ پر اعراب جاری ہوتے ہے۔ اور جب اس "واؤ" پر اعراب نے جاری ہونا تھا، تو یہ واؤ بھی گر جاتا، لہٰذا ابھی سے اس کا اعلاج کیا گیا اور اس "واؤ" کو میم کر دیا گیا۔ کیونکہ "واؤ" اور "میم" میں مناسبت ہے۔ کیونکہ دونوں شفوی ہیں۔ یعنی شفتین یعنی ہونٹوں سے ادا ہوتے ہیں۔ پس دونوں میں مناسبت تھی تو "واؤ" کو "میم" سے بدلا اور "فَمٌ" بن گیا۔

سوال: "فَوٌ" سے یہ واؤ کیسے گرتی؟ جواب۔ اگر میں یوں کہوں، "هٰذا فَوٌ"، "رَأیتُ فَوًا" اور مررتُ بِفَوٍ"۔ تو دیکھا جب میں نے "فَوٌ" پڑھا۔ تو واؤ پر ضمہ پڑھا۔ یعنی فَوُنٌ۔ تو واؤ متحرک آیا۔ اور ضابطہ ہے کہ جب واؤ متحرک سے ماقبل فتحہ ہو تو اسکو الف سے بدلتے ہیں۔ تو یہ فَانٌ بن جاتا۔ اور پھر یہاں التقائے

ساکنین آجاتا۔ اور اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے الف گر جاتا تو "فَنْ یعنی فْ" رہ جاتا۔ یعنی صرف "فا" رہ جاتی۔ اس لئے "فَوْهٌ" سے ھا کو حذف کر کے واؤ کو میم کیا تو "فَمٌ" بن گیا۔

اب سوال یہ ہے کہ "فَمٌ" کی اضافت کرنے کے بعد اس میم کو واؤ سے بدلیں گے یا نہیں بدلیں گے۔ تو صاحب کافیہ کے نزدیک اکثر کے نزدیک وہ واؤ واپس آجائے گا۔ یعنی فَوٌ بن جائے گا۔ اور جب فَوٌ کی اضافت یائے متکلم کی طرف کریں گے، تو واو کو "یا" سے بدلیں گے۔ اور پھر "یا" کا "یا" میں ادغام کریں گے تو فِیَّ بن جائے گا۔ اور کبھی کبھی فَمِیْ بھی پڑھ دیتے ہیں۔ یعنی واؤ کو واپس نہیں لاتے ، میم کو برقرار رکھتے ہیں اور اسکی اضافت یائے متکلم کی طرف کرکے "فَمِیْ" کہتے ہیں۔

جب اسمائے ستة مکبرہ کو اضافت سے منقطع کریں تو اس صورت میں پھر کیسے پڑھیں گے۔ تو کہتے ہیں کہ پھر یوں پڑھیں گے۔ وَ اِذا قُطِعَتْ اور جب ان اسمائے ستة مُکَبَّرہ کو اضافت سے منقطع کرے۔ قیلَ تو کہا جائے گا اخٌ و ابٌ و حمٌ و هنٌ و فمٌ یہ پانچ ہو گئے۔ "ذُو" کی بات رہ گئی۔ آگے جا کر "ذو" کے بارے میں صاحب کافیہ بتلائیں گے۔ کہ "ذو" کو کبھی بھی اضافت سے منقطع نہیں کیا جا سکتا۔

"ذُو" کو اضافت سے کیوں منقطع نہیں کیا جاتا؟ اسکی وجہ سُنو! اسکی وجہ یہ کہ "ذو" کو وضع ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ اسم جنس کو نکرة کی صفت بنائے۔ فرض کرے میں "مال" کو "رجل" کی صفت بنانا چاہتا ہوں۔ تو "مال" تو ہے جنس اور اس کو "رجل" یعنی نکرة کی صفت بنانا چاہتا ہوں۔ اور یہ "مال" اس وقت صفت نہیں بن سکتا نکرة کی۔ یعنی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ "رجلٌ مالٌ" : آدمی مال ہے۔ تو "مال" یہ براہ راست "رجل" کی صفت بن نہیں سکتا۔ تو لہٰذا اُس کو "ذو" کے ذریعے صفت بنایا جاتا ہے۔ یعنی جاءنی رجلٌ ذو مالٍ۔ آیا میرے پاس مال والا آدمی۔ تو "ذو" نے یہ فائدہ دیا کہ اسم جنس کو نکرة کی صفت بنایا۔

تو لہٰذا "ذو" کو وضع ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ اس کی اضافت اسم جنس کی طرف ہو۔ لہٰذا "ذو" کو اضافت سے منقطع نہیں کیا جاتا۔

اخٌ اصل میں اَخَوٌ تھا۔ تثنیہ میں یہ واؤ واپس آجاتا ہے۔ یعنی اَخَوَانِ، ابٌ اصل میں اَبَوٌ تھا۔ تثنیہ میں واؤ واپس آجاتا ہے یعنی اَبَوَانِ۔ وغیرہ۔ معلوم ہوا ان سب کا آخر حذف ہوا ہے۔

وَ فَتْحُ الفاءِ اَفْصَحُ مِنْهُما اور فَمٌ کے اندر "فاء" کا فتحہ وہ زیادہ فصیح ہے ضمّہ اور کسرے سے۔ یاد رکھو! یہ جو فَمٌ ہے، اس میں تین لُغات ہیں۔ یعنی فَمٌ، فُمٌ اور فِمٌ۔ یعنی یہ مُثَلَّثُ الفاء ہے۔ یعنی فاء پر تینوں حرکتیں پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن اَفْصَحُ یعنی زیادہ فَصِیح لُغت فَمٌ ہے۔

و جاءَ حَمٌ مثلُ یَدٍ و خَبْءٍ و دَلْوٍ و عصًا مطلقًا اور حَمٌ کا لفظ یَدٌ کی طرح بھی آیا ہے، خَبْءٌ کی طرح بھی آیا ہے، دَلْوٌ کی طرح بھی آیا ہے، اور عَصًا کی طرح بھی آیا ہے، مطلقًا، مطلقًا کا مطلب یہ ہے کہ

چاہے بغیر اضافت کے ہو یا اضافت کے ساتھ ہو۔ یعنی حَمٌ کا لفظ حالتِ اِفراد میں یا حالتِ اضافت میں ان چار لفظوں یعنی ید، خبء، دلو اور عصا کی طرح آیا ہے۔

دیکھو! حَمٌ کیسے یَد کی طرح آیا ہے؟ یَدٌ کو ذرا بغیر اضافت کے پڑھے:جیسا کہ: جاءنی یدٌ، رأیتُ یدًا، مررتُ بِیَدٍ۔ اسی طرح حَمٌ کو بھی بغیر اضافت کے پڑھے۔ جاءنی حمٌ، رأیتُ حَمًا، مررتُ بِحَمٍ۔ تو اس پر تینوں اعراب یَدٌ کی طرح آئے۔

اب "ید" کی اضافت کرو۔ جیسا کہ: ھٰذا یَدُکَ، رَأیتُ یَدَکَ، مررتُ بِیَدِکَ۔ اسی طرح "حَمٌ" کے اندر بھی اضافت میں، ھٰذا حَمُکِ، رَأیتُ حَمَکِ، مررتُ بِحَمِکِ۔ تو اضافت میں بھی حَمٌ پر تینوں اعراب یَدٌ کی طرح آئے ہیں۔

اسی طرح حَمٌ یہ حبءٌ کی طرح بھی آیا ہے۔ اضافت کے ساتھ بھی اور بغیر اضافت کے بھی۔ تو اس صورت میں حَبْئٌ کی طرح حَمْئٌ پڑھیں گے۔ حَبْئٌ: پوشیدہ چیز۔ ھٰذا حَبْءٌ، رأیتُ حَبْءًا، مررتُ بِحَبْءٍ۔ اسی طرح ھٰذا حَمْءٌ، رأیتُ حَمْءً اور مررتُ بِحَمْءٍ پڑھو۔

اور اضافت کی صورت میں۔ ھٰذا حَبْئُکَ، رأیتُ حَبْئَکَ، مررتُ بِحَبْئِکَ۔ اسی طرح حَمْئٌ میں بھی پڑھو۔ ھٰذا حَمْئُکِ، رأیتُ حَمْئَکِ اور مررتُ بِحَمْئِکِ۔(کیونکہ حَمْئٌ کی اضافت مؤنث کی طرف کی جاتی ہے)

اور حَمٌ یہ دَلْوٌ کی طرح بھی آیا ہے۔ اضافت کے ساتھ بھی اور بغیر اضافت کے بھی۔ تو اس صورت میں حَمْوٌ پڑھیں گے۔ جیسا کہ بغیر اضاف کے ہم پڑھتے ہیں۔ ھٰذَا دَلْوٌ، رَأیتُ دَلْوًا ، مررتُ بِدَلْوٍ اور ھٰذَا حَمْوٌ، رَأیتُ حَمْوًا اور مررتُ بِحَمْوٍ۔

اور اضافت کی صورت میں یوں پڑھتے ہیں۔ ھٰذا دَلْوُکَ، رَأیتُ دَلْوَکَ، مررتُ بِدَلْوِکَ اور ھٰذا حَمْوُکِ، رأیتُ حَمْوَکِ اور مررتُ بِحَمْوِکِ۔

اور حمٌ یہ عَصًا کی طرح بھی آیا ہے۔ اضافت کے ساتھ بھی اور بغیر اضافت کے بھی۔ تو اس صورت میں حَمًا پڑھیں گے۔ جیسا کہ بغیر اضافت کے ہم یوں پڑھتے ہیں۔ ھٰذا عَصًا، رأیتُ عَصًا، مررتُ بِعَصًا تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہے۔ اسی طرح حَمًا میں بھی تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہیں۔ جیسا کہ ھٰذا حَمًا، رأیتُ حمًا، مررتُ حمًا۔

اور اضافت کی صورت میں یوں پڑھتے ہیں۔ ھٰذا عَصَاکَ، رأیتُ عَصَاکَ، مررتُ بِعَصَاکَ اسی طرح ھٰذا حَمَاکِ، رأیتُ حَمَاکِ، مررتُ بِحَمَاکِ

و جاء هَنٌ مثلُ یدٍ مطلقًا اور "هَنٌ" یہ مطلقًا "یَدٌ" کی طرح آیا ہے۔ یعنی حالت افراد اور حالت اضافت دونوں میں "یدٌ" کی طرح ہے۔ جیسا کہ یَدٌ بغیر اضافت کے ہم یوں پڑھتے ہیں، ھٰذا یَدٌ، رأیتُ یدًا،

مررتُ بِیَدٍ۔ تو "هَنٌ" کو بھی بغیر اضافت کے "یدٌ" کی طرح پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ، هٰذا هَنٌ، رأیتُ هَنًا اور مررتُ بِهَنٍ۔

اور "یَدٌ" کو اضافت کے ساتھ پڑھے تو، هٰذا یدُکَ، رأیتُ یَدَکَ، مررتُ بِیَدِکَ۔ اسی طرح هَنٌ کو بھی اضافت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ یعنی هٰذا هَنُکِ، رأیتُ هَنَکِ، مررتُ بِهَنِکِ۔

وَ ذُو لا یُضَافُ اِلیٰ مُضْمَرٍ اور "ذو" کی اضافت ضمیر کی طرف نہیں کی جاتی۔ کیونکہ "ذو" وضع ہی اس لئے ہے کہ یہ اسم جنس کی طرف مضاف ہے۔ جیسے مال اسم جنس ہے۔ اور پھر اُس اسم جنس کو نکرہ کے لئے صفت بناتا ہے۔ وَ لَا یُقْطَعُ اور "ذو" کو اضافت سے منقطع بھی نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ یہ وضع ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ مضاف ہو اور اسم جنس کو نکرہ کی صفت بنا دے۔

درس 72۔ ابھی تک بحث جو ہم پڑھ رہے تھے، یعنی مرفوعات، منصوبات اور مجرورات۔ اِن سب میں عامل براہ راست داخل ہوتا تھا، اور معمول کو رفع، نصب یا جرّ دیتا تھا۔ اب کچھ توابع ذکر ہوں گے۔ توابع پر عامل براہ راست اثر انداز نہیں ہوتا۔ لیکن اِن پر رفع آجاتا ہے جب اِن کے ماقبل پر رفع ہو، یا اِن پر نصب آجاتا ہے جب اِن کے ماقبل پر نصب ہو، یا اِن پر جرّ آجاتا ہے جب ان کے ماقبل پر جرّ ہو۔ جیسے، جاءنِی زیدُنِ العالمُ: آیا میرے پاس وہ زید جو عالم ہے۔ اب "زید" پر جو رفع آیا، تو اس کو براہ راست جاءَ نے فاعل بنایا اور اسکو رفع دیا۔ لیکن "العالم" پر جو رفع آرہا ہے یہ براہ راست جاءَ کی وجہ سے نہیں آیا، بلکہ یہ "زید" کے واسطے سے آیا۔ تو "العالم" تابع ہے "زید" کا۔ تو جو ماقبل میں ہے یعنی "زید" وہ متبوع کہلائے گا اور جو مابعد میں ہے یعنی "العالم" یہ تابع کہلائے گا۔ اب توابع کے بارے میں صاحب کافیہ ؒ ہمیں بتلائیں گے۔ اَلتَّوَابِعُ کُلُّ ثَانٍ توابع ہر دوسرا ہے۔ یعنی دوسرے درجے میں ہے۔ صفت بھی تابع میں سے ہیں۔ مثال کے طور پر " جاءنِی زیدُنِ العالمُ" میں اوّلِ درجہ میں موصوف یعنی "زید" ہے۔ اور دوسرے درجے میں صفت یعنی "العالمُ" ہے۔ یعنی "زید" کی طرف نظر کرتے ہوئے صفت یعنی "العالم" دوسرے درجے میں ہے۔ اسی طرح اگر کئی صفات اکھٹے ہو جائیں تو وہ بھی موصوف کی طرف نظر کرتے ہوئے دوسرے درجے والا کہلایا جائے گا۔ یعنی " جاءنِی زیدُنِ العالمُ العاقلُ الشریفُ" تو "العاقلُ" بھی زید کی طرف نظر کرتے ہوئے دوسرے درجہ میں ہے۔ اسی طرح "الشریفُ" بھی دوسرے درجے میں ہے زید کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ باعرابِ سابقِهٖ جو اپنے سے پہلے والے کے اعراب کے ساتھ ہو۔ من جهةٍ واحدةٍ ایک ہی جہت سے ہو۔ ایک ہی جہت میں ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ دونوں میں اعراب کا مُقتضی ایک ہی ہو۔ ای مِنْ مُقْتَضٍ واحدٍ۔ دیکھو! جاءنِی زیدُنِ العالمُ۔ آیا میرے وہ پاس جو عالم ہے۔ دونوں میں جو اعراب آرہا ہے وہ مُقتضی واحد سے آرہا ہے۔ "زید" پر رفع فاعلیت کی وجہ سے آرہا ہے۔ تو زید کی فاعلیت نے "رفع" کا تقاضا کیا۔ تو جس فاعلیت نے زید کے اندر رفع کا تقاضا کیا تو اُس فاعلیت

نے "العالم" کے اندر بھی فاعلیت کا تقاضا کیا۔ تو "زید" اور "العالم" دونوں میں اعراب کا مقتضی ایک ہوا۔ اور اس مُقتضی نے تقاضا کیا کہ "العالم" بھی زید کی طرح مرفوع ہونا چاہئے۔

میں نے جب کہا" جاءنِی زیدُنِ العالمُ "۔ تو میرا مقصد مَجِیئَتْ کی نسبت صرف مطلقِ زید کی طرف نہیں ہے، بلکہ میرا مقصد مجیئت کی نسبت "زیدُنِ العالمُ" کی طرف ہے۔ یعنی زید کے ساتھ ساتھ جو تابع ہے اُس کی طرف بھی ہے۔ پس دونوں میں مقتضی فاعلیت ہے۔ اسی طرح رأیتُ زیدَنِ العالمَ میں جس مفعولیت نے زید کے اندر نصب کا تقاضا کیا تو اُسی مفعولیت نے "العالم" کے اندر بھی نصب کا تقاضا کیا۔ تو دونوں میں اعراب کے مقتضی ایک ہی چیز ہے۔

اسی طرح مثلاً، "ضربتُ رجلاً جاھلاً"۔ میں نے ایسے شخص کی پٹھائی کی جو جاھل ہے ۔ تو رجلاً کے نصب کا تقاضا مفعولیت نے کیا۔ اور اسی مفعولیت نے صفت یعنی "جاھلاً" کے اندر بھی نصب کا تقاضا کیا۔

یہ جو مصنفؒ نے فرمایا کہ "من جِھۃٍ واحدۃٍ" اور جس کا میں نے ترجمہ کیا "من مقتضٍ واحدٍ"۔ تو اس قید کے ذریعے "خبر" کو نکالا۔ دیکھو! مبتدا ہے پہلے مرتبہ میں اور خبر ہے دوسرے مرتبہ میں ۔ مبتدا پر رفع آتا ہے اور خبر پر بھی رفع آتا ہے۔ اور مصنفؒ نے جب کہا، "کُلِّ ثانٍ باعرابِ سابقِہٖ": ہر وہ جو دوسرے مرتبہ میں ہو، اور اُسی اعراب کے ساتھ ہو جو تابع کا تھا۔ تو اس تعریف میں "خبر" بھی داخل ہو رہا تھا۔ کیونکہ خبر بھی دوسرے درجہ میں ہوتا ہے۔ اور خبر کا اعراب بھی وہی ہوتا ہے جو اس سے پہلے یعنی مبتدا کا تھا۔ لیکن آگے جب مصنفؒ نے فرمایا کہ "مِنْ جِھَۃٍ واحدَۃٍ": دونوں میں مقتضی ایک ہی ہو۔ اب اس قید سے خبر خارج ہوئی۔ اس لئے کہ مبتدا اور خبر دونوں میں مقتضی ایک نہیں ہوتا۔

وہ جو مقتضی ہے رفع کا مبتدا کے اندر وہ الگ ہے، اور وہ جو مقتضی ہے رفع کا خبر کے اندر وہ الگ ہے۔ مُبتدا میں رفع کا تقاضا "ابتدا" کر رہا ہے۔ اور خبر میں رفع کا تقاضا "ابتدا" کر رہا ہے۔ لیکن یہ دونوں "ابتدا" الگ الگ ہیں۔ مبتدا میں "ابتدا" اس اعتبار سے عامل ہے کہ یہ مُسند الیہ ہے۔ اور خبر میں یہی "ابتدا" عامل ہے لیکن اس اعتبار سے کہ یہ مسند ہے ۔ تو دونوں میں "ابتدا" کی حیثیت بدل گئی۔ تو مبتدا اور خبر میں مقتضی ایک نہیں ہوا بلکہ الگ الگ ہوئے۔

اسی طرح مفعول ثانی، مفعول ثالث بھی خارج ہوئے۔ مثلاً، اَعطیتُ زیدًا درھمًا، میں "زیدا" بھی مفعول اور "درھما" بھی مفعول۔ زیدًا مفعول اوّل اور درھمًا مفعول ثانی۔ اس درھمًا کو کوئی بھی تابع نہیں کہتا۔ کیونکہ یہ تابع کے تعریف میں داخل ہی نہیں۔ کیونکہ تابع کے تعریف میں ہم نے کہا، "کُلُّ ثانٍ: یعنی دوسرے مرتبے میں ہو"۔ تو مفعول ثانی بھی دوسرے مرتبہ میں ہے۔ پھر فرمایا " بِاعرابِ سابقِہٖ: اور اُس کا بھی وہی اعراب ہے جو سابق کا ہو"۔ تو مفعول ثانی کا بھی وہی اعراب ہے جو سابق یعنی مفعول اوّل کا ہے۔ یعنی "زیدًا" پر بھی نصب تھا تو درھمًا پر بھی نصب تھا۔ تو یہاں تک مفعول ثانی "تابع" کے تعریف

میں داخل ہے۔ لیکن جب مصنفؒ نے فرمایا کہ "مِن جهةٍ واحدةٍ"۔ یعنی دونوں میں اعراب کا مقتضی ایک ہی ہو۔ اور یہاں دونوں یعنی مفعول اوّل اور مفعول ثانی میں اعراب کا مقتضی الگ الگ ہیں۔ جو زید کے اندر اعراب کا تقاضا کرنے والی چیز ہے وہ ہے مفعولیت۔ لیکن کونسے مفعول ہونا؟ تو یہ مفعول اوّل ہونا۔ اور دِرهمًا کے اندر مفعولیت کا تقاضا کرنے والی چیز مفعول ثانی ہونا ہے۔ تو دونوں میں اعراب کا تقاضا کرنے والے مختلف چیزیں ہیں۔

اب مصنفؒ توابع کو شروع فرما رہے ہیں۔ پانچ توابع ہیں۔ اس میں سے پہلا صفت ہے۔

یہاں تین لفظ ہیں۔ ایک ہے نَعْتٌ، ایک ہے وَصَفٌ، ایک ہے صِفَةٌ۔ اِن تینوں کا ایک ہی معنیٰ ہے۔ البتہ "نَعت" اصطلاح ہے کوفہ والوں کی۔ جبکہ بصرہ والے نحویؒ "وصف اور صِفَةٌ" کا لفظ استعمال کر رہے ہیں۔ اسکو صِفَةٌ پڑھنا ہے، عربی میں صِفْتٌ نہیں۔ صِفَةٌ کے آخر میں گول تا آرہی ہے۔ اور پورے کلام عرب میں گول "تا" کا ماقبل مفتوح ہوتا ہے۔

یہاں پر صاحب کافیہؒ نے کوفہ والوں کے اصطلاح کو اختیار فرمایا۔

اَلنَّعْتُ تابِعٌ صِفَة وہ تابع ہے۔ یَدُلُّ علیٰ معنیً فی مَتْبُوعِهٖ جو دلالت کرتی ہے ایسے معنیٰ پر جو اِس کے متبوع میں پایا جائے۔ مثلاً جاءنِی زیدُنِ العالمُ میں یہ علم کی صفت زید کے اندر پایا جاتا ہے۔ تو یہ صفت "العالم" ایسا تابع ہے جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو اسکے متبوع یعنی "زید" میں پایا جاتا ہے۔

مُطلقا یعنی مطلق طور پر۔ یعنی کسی حالت کے ساتھ مُقَیَّد نہیں ہے۔ تو صاحب کافیہؒ نے مطلقًا کی قید کیوں لگائی۔ بعض علماءؒ نے فرمایا ہے، کہ "مطلقا" کے قید کے ذریعے "حال" کو نکالا ہے۔ کیونکہ "حال" بھی ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے، جو اُسکے متبوع کے اندر پایا جاتا ہے۔ مثلاً میں نے کہا، جاءنِی زیدًا راکبًا: آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ تو یہ "رُکُوب یعنی سوار ہونے کا معنیٰ" زید کے اندر پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ "رُکوب" کا معنیٰ زید کے اندر قید کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ یعنی آنے کی حالت میں وہ سوار ہے۔ یعنی مجیئت کی حالت میں وہ سوار ہے ۔ تو رُکوب کا معنیٰ زید کے ساتھ مطلقًا نہیں بلکہ یہ آنے کے حالت کے ساتھ مُقَیَّد ہے۔

تو جاءنِی زیدًا راکبًا کا یہ معنیٰ نہیں کہ "زید مطلقًا سوار ہے۔" بلکہ "زید آنے کی حالت میں سوار ہے۔"۔ تو جب صاحب کافیہؒ نے "نَعت" کی تعریف میں "مطلقًا" کی قید لگائی تو یہ "حال" خارج ہوا۔ کیونکہ یہ رُکوب مطلقًا نہیں بلکہ مُقَیَّد ہے مجیئت کے ساتھ۔ لہٰذا "حال" اس تعریف سے نکل گیا۔

لیکن شارحِ هندی فرماتے ہیں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اور حق بھی یہی ہے کہ یہ بات درست نہیں۔ یعنی مُطْلَقًا کے قید کے ذریعے "حال" کو نہیں نکالا جا رہا۔ اس لئے کہ بات چل رہی ہے توابع کی! اور "حال" توابع میں سے نہیں۔ توابع تو کُل پانچ ہیں۔ جن میں، نعت ہے، معطوف بحرف ہے، بدل ہے، تاکید

ہے اور عطفِ بیان ہیں۔ اور اُن میں سے کوئی ایک بھی حال نہیں۔ تو جب صاحب کافیہ ؒ نے کہہ دیا کہ "النعتُ تابعٌ" تو تابع کہہ کر "حال" کو نکال دیا۔ لہٰذا مطلقًا کے قید کے ذریعے "حال" سے احتراز نہیں۔

پھر "مطلقًا" کے قید کے ذریعے کس چیز سے احتراز ہے؟ تو شارح ھندی ؒ فرماتے ہیں کہ یہ "تاکید" سے احتراز ہے۔ مثلاً میں نے کہا، "جاءنِی القومُ کُلُّھُم": آئی میرے پاس وہ قوم ساری کی ساری۔ تو "کُلُّھُمْ" تاکید ہے قوم کے لئے۔ تو "کُلُّھُمْ" شُمُول اور اجتماع پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ شمول اور اجتماع "قوم" میں پایا جاتا ہے۔ تو لہٰذا اس پر بھی "نعت" کی تعریف صادق آئی۔ کہ یہ ایسا تابع ہے جو دلالت کر رہا ہے ایسے معنیٰ پر جو اُس کے متبوع میں ہے۔ تو "تاکید" بھی نعت کی تعریف میں داخل ہو رہا تھا۔ لہٰذا علامہ ابن حاجب ؒ نے "مطلَقًا" کی قید لگا کر تاکید کو نعت کی تعریف سے خارج کر دیا۔ اس لئے کہ یہ شُمول اور اجتماع جو قوم کے اندر پایا جاتا ہے یہ مطلَقًا نہیں بلکہ "نسبت" کے حالت میں ہے۔ جب مجیئت کی نسبت قوم کی طرف کی گئی تو اُس اعتبار سے ہے ۔ یعنی مجیئت کے اندر وہ قوم ساری کی ساری آئی۔ یعنی ساری قوم کے لئے مجیئت ثابت ہے۔ تو یہ شمول جو قوم کے اندر آیا یہ مطلقًا نہیں بلکہ نسبت کی حالت میں ہے۔

تو خلاصہ کلام یہ ہوا کہ مطلقًا کی قید "تاکید" کو نکالنے کے لئے لگائی گئی۔ کیونکہ "جاءنی القومُ کلُّھم" میں یہ کُلُّھم بھی ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا تھا جو اُس کے متبوع یعنی "قوم" کے اندر تھا۔ اور کلُّھم شمول اور اجتماع پر دلالت کرتا ہے اور یہ شمول اور اجتماع "قوم" کے اندر پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ شمول اور اجتماع صرف "آنے کے حالت" میں شمار ہے۔ تو یہ مطلَقًا نہیں رہا۔ بلکہ نسبت والا رہا۔ جب اُس قوم کی طرف مجیئت کی نسبت کی جائے تو پھر شمول اور اجتماع والا معنیٰ پایا جائے گا۔

اب صفت کا فائدہ کیا ہے؟ یاد رکھو! نکرہ کی بھی صفت آسکتی ہے اور معرفۃ کی بھی صفت آسکتی ہے۔ جب نکرہ کی صفت آجائے تو یہ تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔ اور جب معرفۃ کی صفت آئے تو "توضیح" کا فائدہ دے گی۔

و فائدتُہُ تخصیصٌ: تخصیص کہتے ہیں دیگر احتمالات کو ختم کرنا یا کم کرنا۔ مثلاً میں نے کہا، جاءنی رجلٌ: آیا میرے پاس ایک شخص۔ تو اس رجل میں عموم ہے۔ دنیا کے تمام رجل پر بولا جاتا ہے۔ اب نکرہ کے ساتھ صفت ملائے، جیسا کہ، جاءنِی رجلٌ عالمٌ: آیا میرے پاس عالم آدمی۔ اب اس صفت نے تخصیص کا فائدہ دیا۔ کیونکہ رجلِ عالم کا اطلاق دنیا کے تمام مردوں پر نہیں ہوتا، بلکہ جو غیرِ عالم ہے وہ اِس سے خارج ہوئے۔ تونکرہ کے صفت آنے سے احتمالات کم ہوئے۔

او توضیحٌ اور جب معرفۃ کی صفت آئے تو یہ توضیح کا فائدہ دیگا۔ توضیح کا معنیٰ یہ ہے کہ غیر کے احتمال کو ختم کریں گی۔ میں نے کہا "جاءنِی زیدٌ": آیا میرے پاس زید۔ تو اس زید کے اندر احتمال ہے عالم ہونے کا بھی اور عالم نہ ہونے کا بھی۔ اور جب میں نے کہا، جاءنِی زیدُنِ العالمُ۔ اب "العالم" یہ

معرفة کی صفت آیا۔ اور معرفة کی صفت توضیح کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی غیر کے احتمال کو ختم کرتا ہے۔ تو اس "العالم" نے غیرِ عالم کے احتمال کو ختم کیا۔

بعض علماءؒ نے "توضیح" کا اور معنیٰ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ توضیح کا معنیٰ ہے "اشتراک" کو ختم کرنا۔ بعض اوقات ایک ہی نام دو، تین آدمیوں کا ہوتا ہے۔ مثلاً زید دو آدمیوں کا نام تھا۔ البتہ اُس میں ایک عالم ہے اور ایک تاجر۔ تو جب میں نے کہا، "جاءنِی زیدٌ" میرے پاس زید آیا۔ تو اس سے یہ پتہ نہ چلا کو "عالم زید" آیا ہے یا "تاجر زید" آیا ہے۔ اور جب میں نے آگے "العالمُ" صفت لگائی تو اِس صفت نے زید کے اندر اشتراک کو ختم کر دیا۔ اور بتلا دیا کہ وہ "تاجر زید" یہاں پر مراد نہیں بلکہ "عالم زید" مراد ہے۔

و قد یکونُ لِمُجَرَّدِ الثَّناءِ اور کبھی "نعت" محضِ ثناء کے لئے آتی ہے۔ میں نے کہا، توضیح کا معنیٰ یہ ہے کہ غیر کے احتمال کو ختم کرے۔ "بسم اللهِ الرّحمانِ الرَّحیم"۔ لفظِ اللہ موصوف ہے، الرحمان صفت اوّل ہے، الرحیم صفت ثانی ہے۔ تو دیکھو معرفہ کی صفت آرہی ہے۔ لفظ اللہ معرفة ہے۔ اور اَعرَفُ المعارف ہے علی الاطلاق۔ اور معرفة کی صفت توضیح کے لئے آتی ہے۔ اور توضیح کا معنیٰ ہے غیر کے احتمال کو ختم کرنا۔ لیکن یہاں یہ توضیح کے لئے نہیں۔ کیونکہ ذات باری تعالیٰ تو رحمان ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ کے اندر غیر رحمان ہونے کا امکان ہی نہیں۔ تو پھر یہ صفت یہاں صرف مدح و ثناء کے لئے آئی۔ اور "الرحیم" یہ صفت بھی صرف مدح کے لئے آئی۔ کیونکہ ذات باری تعالیٰ کے اندر غیر رحیم ہونے کا امکان ہی نہیں۔ کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ تو "ارحمُ الرَّاحمین" ہے۔

اَوِ الذَّمِّ یا کبھی "نعت" محضِ ذم کے لئے آتی ہے۔ جیسے اعوذُ باللهِ مِن الشیطٰنِ الرجیم۔ الشیطان موصوف اور الرجیم صفت۔ اور یہ صفت معرفة کی آئی۔ اور معرفة کی صفت توضیح کے لئے ہوتی ہے۔ اور توضیح یعنی غیر کے احتمال کو ختم کرنا۔ اور یہاں پر غیر کا احتمال نہیں۔ یعنی شیطان مردود ہی ہے اس میں غیر مردود ہونے کا امکان ہی نہیں۔ جب غیر مردود ہونے کا امکان ہی نہیں تو پھر یہ صفت "ذم" کے لئے لائی گئی۔

بھئی یہ پتہ کیسے چلے گا کہ معرفة کی صفت کبھی توضیح کے لئے ہوتی ہے، کبھی مدح کے لئے اور کبھی ذم کے لئے۔ تو یاد رکھو! اگر صفت کا آپ کو پہلے سے پتہ نہ ہو تو یہ صفت توضیح کے لئے ہوگی۔ اور اگر صفت کا پہلے سے پتہ ہو تو پھر یہ مدح یا ذم کے لئے ہوگی۔

مثلاً میں نے کہا، "جاءنِی زیدُنِ العالمُ"۔ اگر آپ کو پہلے سے پتہ تھا کہ زید عالم ہے تو یہ صفت مدح کے لئے ہے۔ کیونکہ جب آپ کو پتہ ہے کہ زید عالم ہے تو اب آپ کے نزدیک اس میں غیر عالم ہونے کا احتمال نہیں۔ اور پھر بھی وہ صفت لے آیا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ صفت مدح کے لئے ہے۔

اَوِ التَّوْكِيْدِ یا کبھی "نعت" محضِ تاکید کے لئے آتی ہے۔ نَحوُ نَفْخَةٌ واحدةٌ : ایک دفعه کا پھونکنا۔ اس میں نفخة موصوف اور واحدة اسکی صفت۔ نفخة کے اندر یه "تا" وحدت کی آرہی ہے۔ اس "تا" نے بتلایا که ایک دفعه کا پھونکنا مراد ہے ۔ پھر یه واحدة اسکے لئے صفت لائی گئی۔ تو یه بتلا رہے ہیں که یه "تاکید" کے لئے ہے۔ وہی "ایک" والا معنیٰ جو پہلے سے حاصل ہو رہا تھا، اس "واحدة" نے آکر اُس کو پختہ کر دیا۔ یعنی اس میں تاکید پیدا کر دی۔

یا مثلاً میں کہتا ہوں، جاءنِی رجلٌ واحدٌ۔ یہاں رجلٌ میں وہی ایک والا معنیٰ معلوم ہو رہا تھا۔ پھر یه واحدٌ والی صفت اس "ایک" کے معنیٰ کو پختہ کرنے کے لئے یعنی تاکید کے لئے لایا گیا۔

بھئی اب تک تمام نحوی علماءؒ یه کہتے آرہے ہیں که صفت مشتق ہوگی۔ یعنی صفت جب بھی آئیگی وہ مشتق کا صیغه ہوگا۔ مُشتق ہو ہوتا ہے جو مصدر سے بنا ہو۔ مثلاً "ضاربٌ" یه مشتق ہے۔ ضَرَبَ، یَضْرِبُ وغیرہ یه سب مشتق ہیں۔ تو صفت عموماً مشتق کا صیغه ہوتا ہے۔ جیسا که، "جاءنی زیدُ نِ العالمُ" میں یه "العالمُ" مشتق کا صیغه ہے۔ اسی طرح "رأیتُ رجلاً قائمًا" میں یه قائمًا مشتق کا صیغه ہے۔ تو آپ غور کریں! که عموماً صفت مشتق کا صیغه ہوگا۔

اور کبھی کبھی صفت غیر مشتق بھی آجایا کرتا ہے۔ تو پھر وہ علماء جو اس بات کے قائل ہیں که صفت غیر مشتق نہیں ہوتا، پھر وہ اِس غیر مشتق کو مشتق کی تاویل میں کر دیتا ہے۔

صاحب کافیهؒ فرماتے ہیں که کوئی تاویل کی ضرورت نہیں، صفت بھی مشتق بن سکتا ہے اور غیر صفت بھی مشتق بن سکتا ہے۔ تو دیکھئے صاحب کافیهؒ آکے یه بات کر رہے ہیں۔

وَ لا فَصْلَ بينَ اَنْ يَّكونَ مُشْتَقًّا اَوْ غَيْرَهُ اور کوئی فرق نہیں اس بات کے درمیان که وہ صفت مشتق ہو یا مشتق نه ہو۔ اذا كان وَضْعُهُ جب که اُس غیر مشتق کی وضع، ها ضمیر غیر مشتق کو راجع ہے۔ لِغَرَضِ الْمَعْنٰى اُس معنیٰ کی عرض کے لئے ہو۔ یعنی وہ معنیٰ جو متبوع میں پایا جاتا ہے۔ المعنیٰ میں الف لام آیا ہے۔ اور الف لام کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ اور "المعنیٰ" کا ترجمه یہاں پر "اُس معنیٰ" کرے۔ اور کونسا معنیٰ مراد ہے۔ یعنی وہ معنیٰ جو متبوع میں پایا جاتا ہے۔

یعنی غیر مشتق بھی صفت بن سکتا ہے جب اُس غیر مشتق کی وضع اُس معنیٰ کے لئے ہو جو اُس کے متبوع میں پایا جاتا ہو۔ بھئی جب ایک چیز کی وضع اُس معنیٰ کے لئے ہوجو اُس کے متبوع میں پایا جاتا ہو تو وہ صفت بن سکتی ہے۔ عُمُومًا عموم کے طریقے پر۔ یعنی تمام استعمالات میں۔ بھئی دیکھو! بعض الفاظ ایسے معنیٰ کے لئے وضع کئے گئے ہیں، که وہ تمام استعمالات میں صفت بن کر استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی وہ تمام استعمالات کے اندر ایسے معنیٰ پر دلالت کرتے ہیں جو اُس کے متبوع میں پایا جاتا ہے۔ جبکه

بعض الفاظ ایسے نہیں۔ وہ ہمیشہ ایسے الفاظ پر دلالت نہیں کرتا جو غیر میں یعنی متبوع میں پایا جاتا ہے۔ ہاں کبھی کبھی وہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرتے ہیں جو اُس کے متبوع میں پائے جاتے ہیں۔

تو بعض الفاظ ایسے ہیں کہ ہمیشہ صفت کے طور پر استعمال ہوں گے اور بعض الفاظ ایسے ہیں کہ ہمیشہ صفت کے طور پر استعمال نہیں ہوں گے۔

اب صاحب کافیہ ؒ ایسے الفاظ کو ذکر فرما رہے ہیں جو تمام استعمالات میں صفت کے طریقے پر استعمال ہوتے ہیں۔ نحوُ تَمِیۡمِیٌّ بنو تمیم والا۔ یاد رکھو! یہ اسم منسوب کہلاتا ہے۔ کسی اسم کے آخر میں یائے مشدَّد لگائی جاتی ہے نسبت کے لئے۔ جیسا کہ لاھور کے آخر میں یائے مشدد لگایا جائے تو "لاھوریٌّ" یعنی لاھور والا۔ اسم منسوب کے اندر ہمیشہ نائب فاعل ہوتا ہے۔ تو "تَمِیۡمِیٌّ" ہمیشہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو غیر میں پایا جاتا ہے۔ تو یہ ہمیشہ صفت کے طور پر استعمال ہوگا۔ اور اسکا موصوف کبھی عبارت کے اندر مذکور ہوگا اور کبھی مُقَدَّر ہوگا۔ و ذی مالٍ یہ "ذی مالٍ" بھی ہمیشہ صفت کے طریقے پر استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے کہ لفظِ "ذو" کو وضع ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ اسم جنس کو نکرہ کی صفت بنا دے۔ جب "مال" کو رجلٌ کی صفت بنانا چاہے، تو "مال" ویسے تو "رجل" کی صفت نہیں بنتا، تو "ذو" کے ذریعے اسے رجل کا صفت بنایا گیا۔ یعنی "رجلٌ ذو مالٍ"۔ یعنی "تَمِیۡمِیٌّ" اور "ذو مالٍ" ہمیشہ صفت کے طور پر استعمال ہوں گے۔

تو دیکھو! نہ " تَمِیۡمِیٌّ" مشتق ہے اور نہ ہی "ذو مال" مشتق ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ تمام استعمالات میں صفت ہی استعمال ہوتے ہیں۔ اور ہمیشہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو اسکے غیر میں پایا جاتا ہے۔

او خُصوصًا اور یا خاص استعمالات میں۔یعنی ہمیشہ ایسے معنیٰ پر دلالت نہیں کرتے جو غیر میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی ایسے معنیٰ پر دلالت کریں گے جو غیر میں پائے جائیں گے، تو اِس صورت میں صفت کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ مثلُ مررتُ برجلٍ اَیِّ رَجُلٍ میں گزرا ایک شخص پر جو بڑا ہی کامل تھا۔ یعنی میں بڑے کامل آدمی پر گزرا۔ یاد رکھو! یہ "ایٌّ" کئی معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسم موصول کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے، استفہام کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے وغیرہ اور کبھی صفت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ تو یہاں پر "اَیِّ رجلٍ" میں اَیِّ صفت ہے رجل کی۔ اور یہ "کمال" پر دلالت کرنے کے لئے نکرہ کی صفت بنایا جاتا ہے۔ تو یہاں "کامل ہونے" کے معنیٰ پر "اَیٌّ" نے دلالت کی۔

"اَیٌّ" ہمیشہ اس معنیٰ پر دلالت کرنے کے لئے وضع نہیں کیا گیا ہے۔ بعض استعمالات میں وہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو یہاں کیا۔

ترکیب۔ رجلٍ موصوف، اَیِّ رجُلٍ مضاف اور مضافٌ الیہ ملکر صفت۔

و مررتُ بِهٰذَا الرَّجُلِ اور میں گزرا اِس شخص پر۔ هٰذا موصوف ہے اور "الرجل" اسکی صفت ہے۔ تو "الرجل" یہاں پر غیر مشتق ہے۔ اور یہ صفت بن رہا ہے اسم اشارہ "هٰذا" کے لئے۔ اور یہ تمام استعمالات میں صفت نہیں بنتا بلکہ کبھی کبھار صفت بنتا ہے۔ جیسے اس موقع پر یہ هٰذا کے لئے صفت بنتا ہے۔ اور یہ "رَجُلِّیة" کا معنیٰ "هٰذا" مشارٌ الیہ کے اندر پایا جاتا ہے۔ پس "هٰذا" موصوف ہے اور "الرجل" صفت ہے۔ اور صفت ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو اس کے متبوع میں پایا جائے۔ تو یہاں پر "الرجل" نے رجلیة پر دلالت کی اور یہ رجلیة کا معنیٰ اُسکے متبوع "هٰذا" کے اندر پائی گئی ہے۔

و بزیدٍ هٰذا ای مررتُ بزیدٍ هٰذا: یہاں پر "زیدٍ" موصوف اور "هٰذا" اسکی صفت۔ اب یہاں "هذا" ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو "زید یعنی هٰذا کے متبوع" میں پایا جاتا ہے۔ هٰذا دلالت کرتا ہے مشارٌ الیہ پر اور یہ مشارٌ الیہ کا معنیٰ زید میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ مشارٌ الیہ زید ہے۔

تو دیکھئے! تَمِیْمِیٌّ یہ بھی غیرِ مشتق، ذی مالٍ یہ بھی غیر مشتق، اَیٌّ یہ بھی غیرِ مشتق، اَلرَّجُل یہ بھی غیرِ مشتق، هٰذا یہ بھی غیرِ مشتق، لیکن یہ سارے صفت بن رہے ہیں۔ اب اور نحوی علماءؒ اِن میں تاویلیں کر کے اُس کو مشتق کی تاویل میں کر دیتے ہیں۔ صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کوئی مشتق کی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور صفت مشتق بھی ہو سکتی ہے اور غیر مشتق بھی ہو سکتی ہے۔

پس یہ ہے کہ غیر مشتق صفت اُس وقت بنے گی جب اِس کی وضع ایسے معنیٰ کے لئے ہو جو اُس کے متبوع میں پایا جائے۔ چاہے یہ وضع عام ہو یعنی تمام استعمالات میں ہو چاہے یہ وضع خاص ہو یعنی خاص استعمالات میں ہو۔ اور "تَمِیْمِیٌّ اور ذو مال" وضع ہی اس معنیٰ کے لئے کئے گئے ہیں کہ اس کا معنیٰ غیر میں پایا جاتا ہے۔ تو یہ ہمیشہ صفت کے طور پر استعمال ہوں گے۔ ہاں اس کا موصوف کبھی عبارت میں مذکور ہوگا اور کبھی محذوف نکالنا پڑے گا۔ اور باقی جو مثالیں ذکر کی، یعنی "اَیٌّ" ، "الرجل" اور "هٰذا" یہ تمام استعمالات میں ایسے معنیٰ پر دلالت نہیں کرتے جو اس کے متبوع میں پایا جائے۔ تو یہ ہمیشہ صفت نہیں بنیں گے۔ لیکن جب اسکا معنیٰ اسکے متبوع میں پایا جائے تو یہ اُس وقت صفت بنیں گے۔

درس 73۔ وَ تُوْصَفُ النَّکِرَةُ بالجملةِ الخبریةِ اور وصَف بیان کیا جاتا ہے، نکرة کا، جملہ خبریہ کے ساتھ۔ چاہے جملہ فعلیہ ہو یا چاہے جملہ اسمیہ ہو۔ اور جملہ انشائیہ کے ساتھ وصف بیان نہیں کیا جاتا۔ اگر جملہ انشائیہ وصف بن بھی جائے تو ہمیں اس میں تاویل کرنا پڑھتا ہے مفعول فیہِ کے ساتھ۔ جیسا کہ "مررتُ برجلٍ اضرِبْهُ" میں "اِضْرِبْهُ" جملہ انشائیہ ہے، اور یہ "رجل" کی صفت بن رہی ہے۔ لیکن یہ تو جملہ انشائیہ ہے اور جملہ انشائیہ صفت نہیں بنتا، لہٰذا ہمیں اس میں تاویل کرنا پڑتا ہے۔ یعنی، "مررتُ برجلٍ اقولُ فیهِ اِضْرِبْهُ": میں ایسے آدمی کے پاس سے

گزرا ، که میں اُس کے بارے کہتا ہوں، اُس کی پٹھائی کرو۔ تو جملہ انشائیہ اُس وقت صفت بنتا ہے جب اس میں "اَقولُ فیه" کی تاویل کیا جائے یا "مَقُولٌ فیه" کی تاویل کیا جائے۔

جملة نکرة کے حکم میں ہوتا ہے۔ لہذا جملة نکرة کی صفت بنتا ہے۔ تو صفت کبھی مفرد آتا ہے جیسا کہ، "جاءنِی رجلٌ عالمٌ" میں رجلٌ موصوف ہے اور عالمٌ اسکی صفت ہے۔ اور عالمٌ مفرد کا صیغہ ہے۔ لیکن کبھی کبھار اس کے لئے جملہ بھی لاتے ہیں۔ جیسا کہ "جاءنِی رجلٌ ضربَکَ": میرے پاس ایسے آدمی آیا جس نے آپ کی پٹھائی کی تھی۔ ترکیب میں "ضربَکَ" جملہ ہے جس کے اندر ھو ضمیر راجع ہے موصوف "رجلٌ" کو۔ پھر موصوف صفت ملکر جاءَ کے لئے فاعل بنتا ہے۔

وَ یَلْزَمَ الضَّمِیْرُ اور اُس کے ساتھ ضمیر لازم ہے۔ بھئی جملے کا اپنا مستقل مفہوم ہے۔ وہ اپنا معنیٰ ادا کرنے میں غیر کا محتاج نہیں ہوتا۔ یعنی کسی کے ساتھ جُڑنے کا محتاج نہیں۔ اور آپ اسکو کسی کے ساتھ جُڑنا چاہتے ہیں۔ تو لازمی بات ہے کہ اس کے اور موصوف کے درمیان ربط ہونا چاہئے۔ اور وہ ربط عموماً ضمیر کی صورت میں ہوتا ہے۔ اور اسکو عائد کہتے ہیں۔

آگے مصنفؒ صفت بحالهٖ اور صفت بحالِ متعلّقِهٖ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ جب صفت کا معنیٰ اُسکے متبوع میں پایا جائے تو اسے صفت بحالِهٖ کہتے ہیں۔ اور کبھی صفت کا معنیٰ اُس کے متبوع میں نہیں بلکہ متبوع کے متعلّق میں پایا جاتا ہے۔ تو اسے صفت بحالِ متعلّقِهٖ کہتے ہیں۔ جیسا کہ جاءنِی رجلٌ عالمٌ کے اندر عالمٌ صفت ہے۔ اور اس عالمٌ نے ایک معنیٰ علم پر دلالت کی، اور یہ معنیٰ اُس کے ماقبل موصوف یعنی رجلٌ میں پایا جاتا ہے۔ تو اسے صفت بحالِهٖ کہتے ہیں۔ اور "جاءنِی رجلٌ عالمٌ ابوهُ" : آیا میرے پاس ایسا آدمی کہ اُس کا باپ عالم ہے۔ یہاں "ابوهُ" یہ متعلق ہے رجلٌ سے۔ اور یہ علم کی صفت یہاں پر "رجلٌ" کے اندر نہیں بلکہ "رجلٌ کے متعلق ابوهُ" میں پایا جاتا ہے۔ تو اسے صفت بِحالِ متعلّقِهٖ کہتے ہیں۔

وَ تُوصَفُ بِحالِ الْمَوصوفِ اور صفت بیان کیا جاتا ہے اُس حال کے ساتھ جو اُس موصوف میں ہے۔ حال کا معنیٰ حالت اور ھَیْئَت کے ہے۔ یعنی وصف بیان کیا جاتا ہے موصوف ہی کے حالت اور ھَیْئَتْ کے ساتھ۔ جیسا کہ، "رأیتُ رجلاً قائمًا"۔ اس قائمًا نے رجل کی حالت اور ھَیْئَت بتا دی۔ تو اسے صفت بحالِهٖ کہتے ہیں۔ وَ بِحالِ مُتَعَلِّقِهٖ اور صفت بیان کیا جاتا ہے اُس حال کے ساتھ جو اُس موصوف کے متعلق میں ہو۔ یعنی وصف بیان کیا جاتا ہے موصوف کے متعلق ہی کے حالت اور ھَیْئَتْ کے ساتھ۔ جیسا کہ "رأیتُ رجلاً قائمًا ابوهُ" میں قائمًا نے رجل کے متعلق "ابوه" کے حالت اور ھیئت کو بیان کیا۔ تو اسے صفت بحالِ متعلقهٖ کہتے ہیں۔

نحو مررت برجلٍ حَسَنٍ غلامُهُ : میں گزرا ایک ایسے آدمی پر کہ اُسکا غلام اچھا ہے۔

ترکیب۔ مررتُ فعل با فاعل،(مَرَّ فعل ہے) با جارّہ رجلٍ مجرور لفظًا موصوف، حسنٍ مجرور لفظًا صفت مشبہ، غلامُ مرفوع لفظًا مضاف، ھا ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیه جو کہ لوٹ رہی ہے موصوف رجل کو،

مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر فاعل ہوا صفت مشبہ حسن کا، صفت مشبہ اپنے فاعل سے ملکر صفت ہوا۔ موصوف اپنے صفت سے ملکر مجرور ہوا، جار مجرور ملکر متعلق ہوئے فعل مررتُ کے ساتھ۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ ہوا۔ (حسنٍ لفظوں کے اعتبار سے رجلٍ کی صفت ہے اور معنیٰ کے اعتبار سے غلام کی صفت ہے۔ یعنی صفت بحالِ متعلِّقِہٖ وہ ہوتا ہے جو لفظوں میں ایک کی صفت ہو اور معنیٰ میں دوسرے کی صفت ہو۔)

یاد رکھو! وہ صفت جو صفت بحالِہٖ ہو وہ اپنے موصوف کے ساتھ دس چیزوں میں مطابقت رکھتا ہے۔ اور وہ صفت جو صفت بحالِ متعلِّقِہٖ ہو وہ اپنے موصوف کے ساتھ پانچ چیزوں میں مطابقت رکھتا ہے۔

فَالْاَوَّلُ پس پہلی قسم جو ہے۔ یعنی صفت بحالِہٖ جو ہے۔ يَتْبَعُهُ تابع ہوتی ہے۔ ھا ضمیر موصوف کو راجع ہے۔ یعنی وہ صفت جو صفت بحالِہٖ ہے وہ اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے۔ فی الاعرابِ اور وہ صفت جو صفت بحالِہٖ ہے وہ اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے اعراب میں، یعنی رفع، نصب اور جرّ میں۔ تو یہ تین چیزیں ہو گئیں۔ اگر موصوف مرفوع ہوتا ہے تو صفت بھی مرفوع، اگر موصوف منصوب ہوتا ہے تو صفت بھی منصوب اور اگر موصوف مجرور ہوتا ہے تو صفت بھی مجرور۔ وَ التَّعْرِيفِ و التَّنْكِيرِ اور وہ صفت جو صفت بحالِہٖ ہے وہ اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے تعریف اور تنکیر میں بھی۔ اگر موصوف معرفۃ ہو تو صفت بھی معرفہ ہوں گی، اور اگر موصوف نکرہ ہو تو صفت بھی نکرہ ہوں گی۔ تو یہاں تک پانچ چیزیں ہو گئیں جس میں صفت اپنے موصوف کے تابع ہے۔ وَ الْاِفْرَادِ وَ التَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ اور وہ صفت جو صفت بحالِہٖ ہے وہ اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے مفرد، تثنیہ اور جمع ہونے میں بھی۔ یعنی موصوف مفرد تو صفت بھی مفرد، موصوف تثنیہ تو صفت بھی تثنیہ اور اگر موصوف جمع ہو تو صفت بھی جمع ہوں گی۔ تو یہاں تک آٹھ چیزیں ہو گئیں جس میں صفت بحالِہٖ اپنے موصوف کے تابع ہے۔ والتذكيرِ والتَّانيثِ اور وہ صفت جو صفت بحالِہٖ ہے وہ اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے تذکیر اور تانیث میں بھی۔ اگر موصوف مذکر تو صفت بھی مذکر اور اگر موصوف مؤنث تو صفت بھی مؤنث۔ تو یہاں تک دس چیزیں ہو گئیں جس میں صفت بحالِہٖ اپنے موصوف کے تابع ہے۔

تو یوں کہو! چار چیزوں میں مطابقت ضروری ہے۔ رفع، نصب اور جرّ میں سے ایک آئے گا، تعریف اور تنکیر میں سے ایک آئے گا، مفرد، تثنیہ اور جمع میں سے ایک آئے گا اور تذکیر و تانیث میں سے ایک آئے۔ تو گویا ایک ہی وقت میں موصوف اور صفت میں چار چیزوں میں مطابقت ضروری ہے۔ اور تفصیلی کلام کرو تو گویا دس چیزوں میں مطابقت ضروری ہے۔

والثانی اور دوسری قسم جو ہے۔ یعنی صفت بحالِ مُتَعَلِّقِہٖ جو ہے۔ يَتْبَعُهُ وہ تابع ہوتی ہے موصوف کے۔ فی الخمسةِ الْاُوَلِ پہلی پانچ چیزوں میں۔ یعنی وہ صفت جو صفت بحالِ متعلقہٖ ہے وہ

اپنے موصوف کے پانچ چیزوں میں تابع ہوتی ہے۔ اور وہ پانچ چیزیں رفع، نصب ، جرّ، تعریف اور تنکیر ہیں۔ جیسے مررتُ برجلٍ حسنٍ۔ تو دیکھو "حسن" مطابق ہے "رجل" کے ساتھ اعراب میں بھی اور تعریف و تنکیر میں بھی۔ رجل مجرور ہے تو حسن بھی مجرور ہے۔ رجل نکرہ ہے تو حسن بھی نکرہ ہے۔ و فی

البَواقی کالفِعلِ اور یہ صفت بحالِ متعلقِہٖ باقی پانچ چیزوں میں فعل کی طرح ہے۔ صفت بحالِ متعلقِّہٖ وہ ہوتا ہے جو لفظوں میں تو صفت ہو موصوف کی اور معنیٰ میں صفت ہو اُس کے متعلق کی۔ تو باقی چیزوں سے مراد مفرد، تثنیہ، جمع، تذکیر اور تانیث ہیں۔ تو اِن پانچ چیزوں میں یہ فعل کی طرح ہے۔

فعل کا فاعل اگر اسم ظاہر ہو تو فعل کو ہمیشہ مفرد ہی لاتے ہیں۔ چاہے اسم ظاہر مفرد ہو، تثنیہ ہو یا جمع ہو۔ مثلاً آپ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے پٹھائی کی۔ تو آپ یوں کہیں گے، "ضربَ رجلٌ"، آپ نے کہا دو آدمیوں نے پٹھائی کی تو آپ کہیں گے، "ضربَ رجلانِ"، آپ نے کہا کئی آدمیوں نے پٹھائی کی، تو آپ یوں کہیں گے، "ضربَ رجالٌ"۔ تو یہ صفت بحالِ متعلقِہٖ بھی فعل کی طرح ہوگی۔ یعنی اگر صفت بحالِ متعلقِہٖ کا فاعل آگے اسم ظاہر آرہا ہو تو یہ صفت بحالِ متعلقِہٖ ہمیشہ مفرد رہے گی۔

اور اگر فاعل مذکر ہو تو فعل بھی مذکر لاتے ہے، جیسا کہ "ضربَ رجلٌ" یا "ضربَ زیدٌ" اور اگر فاعل مؤنث حقیقی ہو تو فعل بھی مؤنث لاتے ہے، جیسا کہ "ضربتْ ھندٌ" اور اگر فاعل مؤنث غیر حقیقی ہو تو پھر فعل مذکر بھی لا سکتے ہے اور مؤنث بھی لا سکتے ہیں، جیسا کہ "طَلَعَ الشمسُ" اور "طَلَعَتِ الشَّمْسُ"۔ تو یہ صفت بحالِ متعلقِہٖ بھی اسی طرح ہوگی۔ یعنی اگر فاعل اسم ظاہر مذکر ہو تو پھر "حسن" لایا جائے گا۔ اور اگر فاعل اسم ظاہر مؤنث حقیقی ہو تو پھر "حسنة" لایا جائے گا۔ اور اگر فاعل مؤنث غیر حقیقی ہو تو پھر "حسن اور حسنة" دونوں لائے جا سکتے ہیں۔

وَ مِنْ ثَمَّ حَسُنَ اور اسی وجہ سے اچھی ہے۔ یعنی یہ مثال اچھی ہے۔ یعنی یہ مثال بہتر ہے، ثَمَّ اسم اشارہ ہے۔ قام رجلٌ قاعِدٌ غِلْمَانُهُ کھڑا ہوا ایسا آدمی کہ بیٹھے ہوئے ہیں اُس کے غلام۔ یہاں پر "قاعدٌ" لفظوں میں صفت ہے "رجل" کی اور معنیٰ کے لحاظ سے یہ صفت ہے "غلاموں کی"۔ یعنی یہ قعود غلاموں میں پایا جاتا ہے اور رجل کے اندر نہیں پایا جاتا۔

ترکیب۔ قامَ فعل، رجلٌ مرفوع لفظًا موصوف، قاعدٌ مرفوع لفظًا صیغہ اسم فاعل، غِلْمَانُ مرفوع لفظًا مضاف، ھا ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیہ، مضاف اپنے مضافٌ الیہ سے ملکر فاعل ہوا قاعدٌ صیغہ اسم فاعل کے لئے، صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت ملکر فاعل، فعل فاعل ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

اور اِنہوں نے کہا تھا کہ یہ صفت بحالِ متعلقِہٖ باقی پانچ چیزوں میں فعل کی طرح ہے۔ اور فاعل جب اسم ظاہر تھا تو فعل ہمیشہ مفرد ہی لایا جاتا۔ تو دیکھو یہاں پر "غِلمانُهُ" اسم ظاہر ہے جمع کا صیغہ ہے اور اس کے لئے صفت بحالِ متعلقِہٖ "قاعدٌ" مفرد لایا گیا۔ نیز آپ یہ بھی کہہ سکتے

ہیں، "قاعدَةٌ غِلْمَانُهُ" کیونکہ غلمان جمع ہے اور جمع بتاویل جماعَةٌ کے واحد مؤنث ہے۔ اور جب اسم ظاہر واحد مؤنث کے حکم میں ہو تو اس کے لئے صفت بحالِ متعلقِہٖ "قاعدَةٌ" مؤنث لایا جا سکتا ہے۔ پھر ہم یوں کہتے کہ، "قامَ رجلٌ قاعدَةٌ غلمانُهُ"، اب قاعدَةٌ لفظوں میں صفت "رجل" کی۔ اور رجل مذکر ہے۔ لیکن ہم نے پہلے بتایا تھا کہ یہ جو صفت بحالِ متعلقِہٖ اپنے موصوف کے ساتھ صرف پانچ چیزوں میں مطابقت رکھتا ہے۔ اور اُن پانچ چیزوں میں تذکیر و تانیث نہیں تھی۔ اُن پانچ چیزوں میں اعراب تھے یعنی رفع، نصب اور جرّ۔ اور وہ اب بھی ہے۔ رجلٌ مرفوع تو قاعدةٌ بھی مرفوع۔ اور اُن پانچ چیزوں میں تعریف اور تنکیر تھے۔ تو دیکھئے رجلٌ نکرة ہے تو قاعدَةٌ بھی نکرة ہے۔ باقی مفرد، تثنیہ،جمع، تذکیر اور تانیث میں مطابقت ضروری نہیں۔ یعنی "رجلٌ" مذکر اور "قاعدةٌ" مؤنث تو پھر بھی یہ صفت بن سکتی ہے "رجل" کے لئے۔

وَ ضَعُفَ اور ضعیف ہے یہ مثال۔ قاعدون غِلْمَانُهُ ای قامَ رجلٌ قاعدون غلمانُهُ یہ مثال ضعیف اس لئے ہے کہ جب فاعل اسم ظاہر آرہا ہو، چاہے مفرد ہو، تثنیہ ہو یا جمع تو فعل ہمیشہ مفرد لایا جا سکتا ہے۔ چونکہ صفت بحالِ متعلقِہٖ بھی فعل کی طرح ہے۔ تو یہاں بھی "قاعدٌ" مفرد کا صیغہ لانا چاہئے تھا۔ یعنی "قاعدٌ غِلمانُهُ" تو کہہ سکتے ہیں اور "قاعدُونَ غلمانُهُ" نہیں کہہ سکتے۔ صاحب کافیہؒ نے یہ فرمایا کہ یہ ضعیف ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ یہ جائز ہی نہیں۔

یاد رکھئے! فعل کے اندر "الف" یہ تثنیہ کی علامت بھی ہے اور فاعل بھی ہے۔ اسی طرح فعل کے اندر "واؤ" یہ جمع کی علامت بھی ہے اور فاعل بھی ہے۔ جیسا کہ ضربا میں "الف" تثنیہ کی علامت ہے اور فاعل بھی ہے۔ اور ضربوا میں "واؤ" جمع کی علامت بھی ہے اور فاعل بھی ہے۔ نیز یہ "الف" اور "واؤ" ضمیریں ہیں۔ اور ضمیر کسی بھی حالت میں نہیں بدلتا چاہے حالت رفعی ہو، حالت نصبی ہو، یا حالت جرّی۔ لیکن اسم کے اندر جب "الف" آجائے تو یہ تثنیہ کی علامت ہوتی ہے جبکہ ضمیر نہیں ہوتی۔ جیسا کہ رجلانِ میں یہ الف تثنیہ کی علامت ہے اور ضمیر نہیں۔ کیونکہ حالت نصبی جرّی میں یہ الف "یا" سے تبدیل ہوتا ہے۔ جیسا کہ رأیتُ رجلَیْنِ۔ اور اسی طرح مسلمونَ کے اندر یہ واؤ جمع کی علامت تو ہے لیکن ضمیر نہیں۔ کیونکہ یہ حالت نصبی جرّی میں "یا" سے تبدیل ہوتا ہے جیسا کہ رأیتُ مسلمِیْنَ۔ پس اگر "الف" اور "واؤ" تثنیہ اور جمع میں ضمیریں ہوتی تو پھر یہ حالت نصبی اور جرّی میں نہ بدلتے اور اپنے حالت پر رہتے۔ نیز اگر یہ "الف" اور "واؤ" فاعل ہوتے تو پھر اسم مشتق میں آتے اور اسم جامد میں نہ آتے۔

چنانچہ یہ "قاعدُونَ" ضعیف ہے۔ اگر فعل ہوتا تو ہم کہتے جائز ہی نہیں۔ یعنی "یقعدونَ غِلمانُهُ" جائز ہی نہیں۔ کیونکہ یقعدونَ کے اندر "واؤ" بھی فاعل اور آگے "غلمانُهُ" بھی فاعل، اور ایک فعل کے لئے دو فاعل نہیں آسکتے۔ اور "غلمانُهُ" اگرچہ جمع ہے لیکن اسم ظاہر ہے تو اس کے لئے فعل مفرد لانا پڑتا ہے،

اور یوں کہنا پڑتا ہے، "یقعدُ غلمانُهُ"۔ تو پھر "قاعدُونَ غلمانُهُ" میں بھی آپ کو کہنا چاہئے تھا کہ یہ جائز نہیں؟ لیکن آپ نے اسے ضعیف کہا۔ کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ صفت بحالِ متعلقِہٖ فعل کی طرح ہے۔ تو جب فعل کی طرح ہوا تو فعل کی صورت میں "یقعدونَ غلمانُهُ" جائز ہی نہیں تو پھر "قاعدونَ غلمانهُ" میں بھی کہنا چاہئے تھا کہ یہ جائز نہیں۔ لیکن آپ نے اسے صرف ضعیف قرار دے دیا۔ فرماتے ہیں کہ فرق ہے۔ ابھی بتلایا کہ فعل کے اندر "واؤ" فاعل ہوتا ہے جبکہ اسم فاعل کے اندر "واؤ" فاعل نہیں ہوتا بلکہ صرف جمع کی علامت ہوتی ہے۔ اس لئے فرمایا کہ یہ صرف ضعیف ہے البتہ جائز ہے۔

وَ یَجُوزُ اور یہ جائز ہے۔ قُعودٌ غِلْمَانُهُ ای قامَ رجلٌ قعودٌ غلمانُهُ کہنا جائز ہے۔ قُعُود یہ بھی جمع ہے قاعدٌ کی لیکن یہ جمع مکَسَّر ہے۔ "قاعدُون" جمع مذکر سالِم تھی۔ جس میں مفرد "قاعد" کا وزن برقرار تھا۔ اور "قعودٌ" میں مفرد "قاعدٌ" کا وزن ٹوٹ گیا۔

یہاں پر سوال یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب فاعل اسم ظاہر ہو تو فعل مفرد لایا جاتا ہے۔ اور "یقعدونَ غلمانُهُ" میں آپ فرماتے ہیں کہ یہ جائز ہی نہیں۔ اور آپ نے فرمایا کہ یہ صفت بحالِ متعلقِہٖ فعل کی طرح ہوتا ہے۔ تو یہاں بھی یہ کہنا چاہئے تھا کہ "قعودٌ غلمانُهُ" جائز نہیں جس طرح "یقعدون غلمانه" جائز نہیں۔ یا یوں کہنا چاہئے تھا کہ یہ "قاعدُونَ غلمانُهُ" کی طرح ضعیف ہے۔ لیکن آپ اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ اسے جائز قراد دیتے ہیں؟

کہتے ہیں کہ یہ ضعیف نہیں، اس لئے کہ اس کی مُناسبت فعل سے ختم ہوئی۔ کیونکہ وزن ہی ہم نے توڑ دیا اور ایک نیا وزن بنا دیا۔ اور فعل کے اندر فعل کو توڑ کر نیا وزن نہیں بنایا جا سکتا۔ اُس فعل میں تعلیل وغیرہ تو کیا جاتا ہے لیکن اُس کو بالکل توڑ کر ایک نیا لفظ نہیں بنایا جاتا۔ تو یہ جمع مکسّر ہے اور جمع مکسّر گویا مفرد کے حکم میں ہے۔ اور جب مفرد کے حکم میں ہوا تو پھر یہ جائز ہوا۔ یہ اسی طرح ہے جس "قاعدٌ غلمانُهُ" آپ نے کہا۔

وَالْمُضْمَرُ لَا یُوْصَفُ و لا یُوصَفُ بِهٖ اور ضمیر جو ہے نہ تو اُس کا وصف بیان کیا جاتا ہے اور نہ اُس کے ساتھ کسی کا وصف بیان کیا جاتا ہے۔ بتلانا یہ چاہتا ہے کہ ضمیر نہ موصوف بنتی ہے نہ صفت بنتی ہے۔ اس لئے کہ ضمیر تو معرفہ ہے۔ اور معرفہ کی صفت توضیح کے لئے لایا جاتا ہے۔ اور ضمیر تو "اعرفُ المعارَف" ہے۔ جیسا کہ "انا" متکلم کی ضمیر، انسان سب سے زیادہ اپنے نفس سے واقف ہوتا ہے۔ تو "انا" کے اندر کوئی دوسرا ابہام اور احتمال نہیں۔ اور صفت توضیح کے لئے لایا جاتا ہے۔ اور جب یہاں کوئی اور احتمال ہی نہیں تو صفت لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسی طرح "انت" مخاطَب کی ضمیر۔ اور مخاطب تو انسان کے سامنے ہوتا ہے۔ اور جو سامنے ہوتا ہے اُسے انسان اچھی طرح پہچان لیتا ہے۔ لہٰذا وہاں بھی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اور غائب کی ضمیر وہ محمول ہے اسی مخاطَب اور متکلم کی ضمیر پر۔

تو لہٰذا ضمیر کی صفت نہیں لائی جاتی کیونکہ ضمیر نہایت واضح ہے۔ اسکی توضیح کی ضرورت نہیں۔

اور یہ ضمیر صفت بھی نہیں بنتی۔ کیونکہ صفت کی ابھی ہم نے تعریف پڑھی کہ صفت وہ تابع ہے جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو متبوع یعنی موصوف میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ "جاءنِی زیدُ نِ العالمُ"۔ یہ العالمُ زید کی صفت ہے۔ اور یہ "العالم" صفت علم پر دلالت کرتا ہے اور یہ "علم" زید کے اندر پایا جاتا ہے۔ جبکہ ضمیر ایسا نہیں۔ ضمیر تو ایسے معنیٰ پر دلالت نہیں کرتی جو غیر میں پایا جائے۔ بلکہ یہ تو خود ذات پر دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا یہ صفت نہیں بن سکتی۔

درس 74۔ آنے والے متن کو سمجھنے سےپہلے ایک بات سمجھ لیں۔ بھئی آپ نے معرفة کی کئی اقسام پڑھی ہیں۔ یاد رکھو! اِن سب میں تعریف ایک درجے کے نہیں۔ بعض تعریف کے اندر اعلیٰ ہیں اور بعض تعریف کے اندر ادنیٰ ہیں۔ یعنی بعض کے اندر تعریف زیادہ ہیں اور بعض کے اندر تعریف کم ہیں۔

تو یاد رکھو! معرفوں کے اندر سب سے زیادہ تعریف ضمیروں میں ہیں۔ اور ضمیروں کے اندر پھر سب سے زیادہ تعریف متکلِّم کے ضمیر میں ہے۔ پھر اُس کے بعد مُخاطَبْ کے ضمیر میں ہے اور پھر غائب کے ضمیر میں ہے۔ پھر اُس کے بعد دوسرا درجہ عَلَم کا ہے۔ عَلَم کے اندر تعریف ضمیروں سے کم ہوتی ہے لیکن معرفة کے جو باقی اقسام ہیں اُن سے زیادہ ہے۔ پھر تیسرے درجے پر تعریف اسم اشارہ کے اندر ہے۔ اور چوتھے درجے میں دو ہیں۔ ایک مُعَرَّف باللام اور ایک اسمِ موصول۔ یعنی "الرَّجُلُ اور الذی" دونوں کی تعریف برابر درجے کے ہیں۔

ایک اور معرفة وہ ہے جو اِن سب کی طرف مضاف ہو۔ جیسا کہ "غلامُہُ یا غلامِی" میں یہ "غلام" ضمیر کی طرف مضاف ہے۔ اسی طرح "غلامُ زیدٍ" میں "غلام" زید یعنی عَلَم کی طرف مضاف ہے۔ اور "غلامُ ھٰذا" میں "غلام" اسم اشارہ کی طرف مضاف ہے۔ یا "غلامُ الرَّجُلِ" میں "غلام" معرف باللام کی طرف مضاف ہے۔ یا "غلامُ الذی ضربَکَ: غلام اُس شخص کا جس نے آپ کی پٹھائی کی تھی۔" تو اس میں "غلام" اسم موصول کی طرف مضاف ہے۔ تو اِس معرفة کا کیا حکم ہے؟ یعنی یہ معرفة کس درجہ میں ہے۔ اوپر کے چار درجوں میں تو اس معرفة کا ذکر نہیں آیا۔ تو یاد رکھو! مُضاف اُسی درجے کا ہوگا جس درجے کا مضافٌ الیہ ہوگا۔ مضاف بھی مضافٌ الیہ سے تعریف اخذ کرتا ہے۔

غلامُہُ کے اندر غلام میں پہلے درجے کی تعریف ہے۔ یعنی جو درجہ ضمیر کا تھا وہی درجہ مضاف کا ہوا۔ غلامُ زیدٍ کے اندر غلام میں دوسرے درجے کی تعریف آگئی۔ کیونکہ عَلَم دوسرے درجہ کا معرفة ہے۔ "غلامُ ھٰذا" میں غلام میں تیسرے درجے کی تعریف آگئی۔ کیونکہ اسم اشارہ تیسرے درجے کا معرفہ ہے۔ "غلامُ الرجلِ" میں غلام میں چوتھے درجے کی تعریف آگئی۔ کیونکہ معرف باللام چوتھے درجے کا معرفہ ہوتا ہے۔ یا "غلامُ الذی ضربَکَ" میں غلام کی اضافت اسم موصول کی طرف ہے۔ تو اس نے اسم موصول سے چوتھے درجے کی تعریف اخذ کی۔

تو خلاصه یه که مضاف اپنے مضافٌ الیه سے تعریف اخذ کرتا ہے اور مضاف کے اندر اُسی درجے کی تعریف آجاتی ہے جو مضافٌ الیه کے اندر ہو۔

اب اِن سے ضمیریں تو نکل گئی۔ کیونکه ضمیر نه موصوف بنا کرتی ہے اور نه ہی صفت بنا کرتی ہے۔ باقی رہ گیا، عَلَم، اسم اشاره، اسم موصول اور معرف باللام اور اِن میں سے کسی ایک کی طرف مضاف۔ اور اگر ضمیر کی طرف مضاف ہو تو وه بھی آگیا۔ اب اِن کا کیا حکم، اور اسکی صفت کس درجے کی آسکتی ہیں۔ کون کس کے لئے صفت بن سکتا ہے؟

دیکھو! موصوف جب معرفه ہو تو صفت بھی معرفة لانا ہوگا۔ تو صفت کس درجه کی لا سکتے ہوں؟ صاحب کافیه ؒ اب ضابطه بتلا دینا چاہتا ہے۔ صاحب کافیه ؒ بتلاتے ہیں که

وَ الْمَوْصُوفُ اَخَصُّ اَوْ مُساوٍ که موصوف صفت سے اخصّ ہوگا یا صفت کے برابر ہوگا تعریف میں۔ یعنی موصوف اپنے صفت سے تعریف کے اندر اخصّ ہوگا یا برابر ہوگا۔ یعنی موصوف کی تعریف اپنے صفت سے اعلیٰ ہونی چاہئے یا کم از کم برابر ہونی چاہئے۔ کیونکه موصوف اور صفت میں سے اصل موصوف ہوتا ہے۔ اور صفت تابع ہے۔ اور اصل کو اعلیٰ ہونا چاہے تعریف میں تابع سے۔ اگر اعلیٰ نہیں تو کم از کم برابر ہونا چاہئے اُس سے ادنیٰ نہیں ہونا چاہئے۔ وَ مِن ثَم اور اسی وجه سے لَمْ یُوصَفْ ذواللامِ موصوف نہیں کیا جاتا ذو اللام کو۔ یعنی معرف باللام کو موصوف نہیں کیا جاتا۔ اِلّا بِمِثْلِهٖ مگر اُسی کے مثل کے ساتھ۔ ذو اللام کے مثل خود ذواللام بھی ہے اور اسم موصول بھی ہے۔

چونکه معرف باللام چوتھے درجے کا معرفه ہے، تو لہٰذا جب معرف باللام موصوف بن جائے تو اسکی صفت معرف باللام ہی آسکتا ہے نیز اسم موصول بھی معرف باللام کے لئے صفت بن سکتا ہے کیونکه اسم موصول بھی چوتھے درجے کا ہے، اور اسم اشاره یا علم اسکی صفت نہیں آسکتی۔ اور اگر کوئی اسم معرف باللام یا اسم موصول کی طرف مضاف ہو تو وه بھی معرف باللام کی صفت بن سکتی ہے۔

تو "الرجل" کی صفت معرف باللام بھی آسکتی ہے۔ یعنی که "الرجلُ العالمُ"۔ نیز اسم موصول بھی "الرجل" کی صفت آسکتی ہے۔ یعنی که " الرجلُ الذی ضربَکَ"۔ اس میں "الرجل" موصوف اور "الذی ضربک" اسکی صفت۔ نیز جب کوئی اسم معرف باللام کی طرف مضاف ہو تو وه بھی "الرجل" کی صفت بن سکتی ہے، کیونکه یه مضاف بھی چوتھے درجے کا معرف ہوا۔ جیسا که "الرجلُ صاحبُ الفَرَسِ": "الرجل" موصوف اور "صاحبُ الفرس" اُسکی صفت۔ نیز اسی طرح اگر کوئی اسم اسم موصول کی طرف مضاف ہو جائے تو وه بھی چوتھے درجے کا معرفة بن جاتا ہے۔ اور پھر وه "الرجل" کے لئے صفت بن سکتا ہے۔ جیسا که " الرجلُ غلامُ الذی ضربَکَ" تو یه "الرجل" موصوف اور "غلام الذی ضربکَ" اُسکی صفت۔

خلاصہ یہ کہ معرف باللام کی صفت چار قسم کے لفظ آسکتے ہیں۔ اوّل معرف باللام ہی آسکتا ہے اور معرف باللام کی طرف جو مضاف ہو وہ بھی آسکتا ہے۔ اسم موصول بھی آسکتا ہے اور اسم موصول کی طرف جو مضاف ہو وہ بھی آسکتا ہے۔

اَوْ بِالْمُضَافِ اِلیٰ مِثْلِہٖ اور موصوف نہیں کیا جائے گا معرف باللام کو مگر وہ جو مضاف ہو اسکے مثل کی طرف۔ یعنی جو ذواللام کی طرف مضاف ہو یا اسم موصول کی طرف مضاف ہو تو وہ معرف باللام کے لئے صفت بن سکتے ہیں۔ جس کی تفصیل اوپر گزر گئی۔

یا ذو اللام سے مراد "معرَّف باللام" نہ لے، بلکہ جس پر "الف لام" آئے وہ مراد لے لیں۔ جیسا کہ "الرجل" پر بھی الف لام آیا ہے اور "الذی" پر بھی الف لام آیا ہے۔ الرجل میں الف لام نے تعریف کا فائدہ دیا لیکن الذی میں الف لام نے تعریف کا فائدہ نہیں دیا اور یہ الف لام زائد ہے۔ کیونکہ اسم موصول پہلے سے معرفۃ ہے۔ تو ذواللام کی صفت یا تو ذواللام آئیگی اور یا جو ذواللام کی طرف مضاف ہو وہ ذواللام کی صفت آئیگی۔

یہ صاحب کافیہؒ پر ایک اشکال ہوتا ہے اُس کا جواب ذکر کر رہے ہیں۔ صاحب کافیہؒ نے فرمایا کہ موصوف کی تعریف صفت سے اعلیٰ ہوگی یا کم از کم صفت کے برابر ہوگی۔ معلوم ہوا جو اُسی کے درجے کا ہے وہ بھی اُس کے لئے صفت بن سکتا ہے اور جو اُسی سے نچلے درجے کا ہے وہ بھی اُسی کا صفت بن سکتا ہے۔ تو لہٰذا ضابطہ کے مطابق اسم اشارہ کی صفت چھ قسم کی چیزیں بننی چاہیئے۔ اسم اشارہ تیسرے درجے کا ہے۔ تو جو تیسرے درجے میں ہیں وہ بھی اس کے صفت بن سکتے ہیں۔ اور چوتھے درجے میں جو ہیں وہ بھی اسم اشارہ کے لئے صفت بن سکتے ہیں۔

پس تعریف کے مطابق اسم اشارہ بھی اسم اشارہ کا صفت بن سکتا ہے۔ اور جو اسم اشارہ کی طرف مضاف ہو وہ بھی اسم اشارہ کا صفت بن سکتے ہیں۔ معرف باللام بھی اسم اشارہ کا صفت بننا چاہیئے اور جو معرف باللام کی طرف مضاف ہو وہ بھی اسم اشارہ کا صفت بننا چاہیئے۔ اسم موصول کو بھی اسم اشارہ کا صفت بننا چاہیئے اور جو اسم موصول کی طرف مضاف ہو اُسے بھی اسم اشارہ کا صفت بننا چاہیئے۔ تو یہ کُل چھ چیزیں ہو گئیں جسے اسم اشارہ کا صفت بننا چاہیئے۔

لیکن آپ نحوی حضراتؒ فرماتے ہیں کہ اسم اشارہ کی صفت صرف معرف باللام آسکتا ہے یا اسم موصول آسکتا ہے۔ اور چھ میں سے باقی چار اسم اشارہ کی صفت نہیں آسکتے۔ یعنی اسم اشارہ کی صفت اسم اشارہ بھی نہیں آسکتا، اور جو اسم اشارہ کی طرف مضاف ہو وہ بھی اسم اشارہ کی صفت نہیں آسکتا۔ جو معرف باللام کی طرف مضاف ہو وہ بھی اسم اشارہ کی صفت نہیں آسکتا اور جو اسم موصول کی طرف مضاف ہو وہ بھی اسم اشارہ کی صفت نہیں آسکتا۔ تو آپ فرمائیں کہ اسکی کیا وجہ ہے؟ تو صاحب کافیہؒ اِس کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

وَ اِنَّمَا الْتُزِمَ اور التزام کیا گیا ہے وَصْفُ بَابِ هٰذا بابِ هٰذا کا وصف بیان کرنا۔ بابِ هٰذا سے مراد اسم اشارہ کا باب ہے۔ بذی اللام ذواللام کے ساتھ۔ یعنی بابِ هٰذا کا وصف ذواللام کے ساتھ بیان کرنے کا التزام کیا گیا ہے۔ ذواللام سے مراد معرف باللام اور اسم موصول دونوں ہیں۔صاحب کافیہؒ نے صرف "معرف باللا" کو ذکر کیا اور اسم موصول کو ذکر نہیں کیا۔ اس لئے کہ جب اسم موصول اپنے صلہ سے ملتا ہے تو وہ معرف باللام کی حکم میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ "الذی ضربَ" یہ "الضارب" کے معنیٰ میں ہے۔ تو دیکھو! موصول اپنے صلہ کے ساتھ ملکر معرف باللام کے معنیٰ میں ہوا۔ پس اسم موصول بھی معرف باللام میں داخل ہو گیا۔ "بذی اللام" جار مجرور کو متعلق کرو "وصف" کے ساتھ۔ لِلْاِبْهَامِ بوجہ اِبْہَام کے۔ کیونکہ اسم اشارہ کے اندر ابہام ہوتا ہے۔

یعنی اسم اشارہ کے اندر ابہام کی وجہ سے ہم نے یہ حکم لگا دیا ورنہ چھ کے چھ جائز ہونا چاہئے تھا۔ تو اسم اشارہ تقاضا کر رہا ہے کہ اس کے ابہام کو دور کیا جائے جنس بیان کرنے کے ساتھ۔ بھئی "هٰذا" کے ذریعے تو ہر چیز کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔هٰذا کے ذریعے میں دیوار کی طرف بھی اشارہ کر سکتا ہوں، هٰذا کے ذریعے میں کتاب کی طرف بھی اشارہ کر سکتا ہوں، هٰذا کے ذریعے میں انسان کی طرف بھی اشارہ کر سکتا ہوں، تو کیا صرف هٰذا کہنے سے جنس کا تَعَیُّنْ ہو سکتا ہے؟ تو اس کا جواب نہیں میں ہے۔ یعنی هٰذا کہنے سے جنس کا پتہ نہیں چلتا۔

پس هٰذا کے اندر ابہام ہوتا ہے۔ جنس کا پتہ نہیں چلتا، تو یہ چاہتا ہے کہ میرا کوئی ایسی صفت آئے جو میرے اس ابہام کو دور کر دے اور جنس کو بیان کر دے۔ اور اُن چھ چیزوں میں سے جو اِس "هٰذا" کے ابہام کو دور کرے اور جس کے ذریعے جنس بیان ہو جائے اُس کو هٰذا کی صفت بنانا جائز اور باقیوں کو صفت بنانا جائز نہیں۔ اور اُن چھ میں سے صرف معرَّف باللام کے ذریعے اور اسم موصول کے ذریعے هٰذا کے جنس کو بیان کیا جا سکتا ہے۔

باقیوں کے ذریعے! کہتے ہیں ابہام دور ہی نہیں ہوتا۔ جب ابہام ہی دور نہیں ہوتا تو پھر اُن کو صفت بنانا بھی جائز نہیں۔ باقی چار کے ذریعے ابہام کیوں دور نہیں ہوتا۔ ذرا دیکھئے اُن چار میں۔

1۔ جب اسم اشارہ کی صفت اسم اشارہ لایا جائے۔ تو اسم اشارہ میں تو ابہام ہے لہٰذا ابہام دور نہیں ہوا۔

2۔ وہ جو اسم اشارہ کی طرف مضاف ہو، اُس کو اسم اشارہ کی صفت لائے۔ بھئی جو مضاف ہے اُس نے تو خود تعریف اسم اشارہ سے اخذ کی ہے، تو وہ خود محتاج ہے دوسرے سے تعریف مانگتا ہے۔ تو اِس کے ذریعے اسم اشارہ کے ابہام کو دور نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا جو مضاف ہو اسم اشارہ کی طرف اُس کو بھی اسم اشارہ کی صفت بنانا صحیح نہیں۔

3۔ اسی طرح وہ جو معرف باللام کی طرف مضاف ہو، وہ بھی اسم اشارہ کی صفت نہیں بنایا جا سکتا۔ کیونکہ اُس نے تو خود اپنا تعریف معرَّف باللام سے اخذ کی ہے تو اِس سے بھی اسم اشارہ کے ابہام کو دور

نہیں کیا جس سکتا۔ جیسا کہ، "غلام" کے اندر ابہام تھا۔ آگے "الرجل" نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔ تو "غلامُ الرجلِ" میں غلام کے ابہام کو دوسرے نے دور کر دیا۔ جب اسکے ابہام کو خود دوسرے نے دور کیا تو یہ خود اسم اشارہ کے ابہام کو کیسے دور کریگا۔

4۔ اسی طرح جو اسم موصول کی طرف مضاف ہے وہ بھی اسم اشارہ کی صفت نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ اس مضاف نے خود اپنا ابہام دوسرے کے ذریعے دور کیا ہے تو یہ اسم اشارہ کے ابہام کو کیسے دور کریگا۔

و مِن ثَم اور اسی وجہ سے ضَعُفَ ضعیف ہے یہ آنے والا ترکیب مررتُ بهذَا الْاَبْـيَـضِ ترکیب۔ مررتُ فعل با فاعل، با جارّہ هٰذا اسم اشارہ موصوف، الابیض اُسکی صفت، تو اسم اشارہ کی صفت معرَّف باللام آئی۔ و حَسُنَ اور اچھی ہے یہ آنے والا ترکیب بِهٰذَا الْعَالِمِ ای مررتُ بِهٰذا العالِمِ۔ ترکیب۔ مررتُ فعل با فاعل، با جارّہ هٰذا اسم اشارہ موصوف، العالِمِ اُسکی صفت، تو هٰذا اسم اشارہ ہے اور اُسکی صفت معرَّف باللام آئی۔ تو معرَّف باللام اسم اشارہ کی صفت لانا جائز ہے۔ تو لہٰذا یہ دونوں ترکیبیں جائز ہوئی۔ البتہ پھر بھی اِن دونوں ترکیبوں میں فرق ہے۔ پہلی ترکیب ضعیف ہے۔ اور دوسرا کلام بغیر ضعف کے صحیح ہے۔

اب اسکی کیا وجہ کہ ایک ترکیب ضعیف ہے اور دوسرا ترکیب اچھی ہے۔ ہم نے کہا تھا کہ معرّف باللام اسم اشارہ کی صفت اس لئے لاتے ہیں تا کہ اسم اشارہ کے اندر جو ابہام ہوتا ہے وہ دور ہو جائے۔ تو معرّف باللام آکر اسم اشارہ کی جنس بیان کرتا ہے اور اس کی ابہام کو دور کر دیتا ہے۔ تو لہٰذا اگر اسم اشارہ کی صفت ایسا معرَّف باللام آئے جو اسم اشارہ کی جنس کی تعیین کر دے، تو یہ تو ٹھیک ہے۔ اگر ایسا معرَّف باللام آئے جو جنس کی تعیین ہی نہیں کر رہا، تو پھر ایسا کلام ضعیف ہوگا۔

تو دیکھو! پہلی مثال میں اسم اشارہ کی صفت "اَلْاَبْيَضْ" آئی، اور اسکا معنیٰ ہے "سفید"۔ اور اس سے جنس کی کوئی تعیین نہیں ہوئی۔ سفید تو کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے۔ سفید تو بستہ بھی ہو سکتا ہے، سفید تو دیوار بھی ہو سکتی ہے، سفید تو حیوان بھی ہو سکتا ہے وغیرہ۔ اور اسم اشارہ تو تقاضا کر رہا تو اسے کے ابہام کو دور کر دیا جائے اور جنس کو بیان کیا جائے۔ اور الابیض نے جنس بیان نہیں کیا۔ تو لہٰذا "مررتُ بهٰذا الابيضِ" یہ ترکیب ضعیف ہے۔ اور "مررتُ بهٰذا العالِمِ" یہ ترکیب صحیح ہے۔ کیونکہ العالِم نے آکر اسم اشارہ کے ابہام کو دور کر دیا اور جنس بیان کر دی کہ یہ جو مشارٌ الیہ ہے یہ انسان کی جنس میں سے ہے۔ کیونکہ علم "انسان" کے پاس ہوتا ہے۔ اور پھر یہ بھی متعیّن کر دیا کہ انسانوں میں سے "رجل" میں سے ہے۔

درس 75۔ العطفُ تابعٌ عطف وہ تابع ہے۔ اس سے مراد معطوف بالحرف ہے۔ مقصودٌ بالنسبةِ جو مقصود ہو نسبت کے ساتھ۔ مَعَ مَتْبُوعِهٖ ساتھ اپنے متبوع کے۔ یعنی تابع بھی مقصود بالنسبة ہوتا

ہے اور متبوع بھی مقصود بالنسبة ہوتا ہے۔ تو اس تعریف کے ذریعے باقی چاروں توابع خارج ہوئے۔ تو یہ جامع مانع تعریف ہوئی۔ جس کی وضاحت نیچے دی گئی ہے۔

معطوف بالحرف کے علاوہ باقی توابع چار ہیں۔ یعنی کہ صفت، تاکید، بدل اور عطف بیان۔

تو دیکھئے! صفت تابع ہے اور متبوع موصوف ہے۔ تو اِن میں موصوف مقصود ہوا کرتا ہے اور صفت تو وضاحت وغیرہ کے لئے آتی ہے۔ تو اس میں موصوف مقصود بالنسبة ہو گیا۔ اب بدل اور مبدل منہُ کو دیکھئے۔ تو ان میں بدل مقصود بالنسبة ہوتا ہے اور مبدل منه کو ویسے تمہید کے طور پر ذکر کر دیتا ہے۔ اب آئیں مؤکد تاکید کی طرف۔ مثلاً جاءنِی القومُ کُلُّھُم۔ اس میں قوم "مؤکد" ہے اور "کلھم" اُسکی تاکید۔ تو اس میں "قوم" یعنی مؤکَّد مقصود بالنسبة ہے نہ کہ تاکید۔ آگے عطفِ بیان آیا۔مثلاً جاءنِی ابُو حفصٍ عمرُؓ ۔ آئے میرے پاس ابو حفص یعنی کہ عمرؓ۔ تو عمرؓ کی لفظ نے آکر ابو حفص کی وضاحت کر دی۔ تو یہ "ابو حفص" معطوفٌ علیه ہے اور "عمرؓ" یہ عطفِ بیان ہے۔ اس میں مقصود بالنسبة "ابو حفص" ہے۔ اور عمرؓ کو صرف وضاحت کے لئے لایا گیا۔

تو دیکھا آپ نے جتنے بھی توابع پڑھے اُن میں سے یا تو صرف تابع مقصود بالنسبة ہوا کرتا ہے یا صرف متبوع مقصود بالنسبة ہوا کرتا ہے۔ متبوع مقصود بالنسبة ہوگا صفت کے اندر بھی، تاکید کے اندر بھی اور عطفِ بیان کے اندر بھی۔ اور تابع مقصود بالنسبة ہوگا بدل کے اندر۔

لیکن عطف کے اندر تابع بھی مقصود بالنسبة ہوتا ہے اور متبوع بھی مقصود بالنسبة ہوتا ہے۔ لہٰذا صاحب کافیہؒ نے تعریف ایسے کی جس نے باقی سارے توابع کو خارج کر دیا۔

آگے صاحب کافیہؒ اس کی شرط بیان فرما رہے ہیں۔ وَ یَتَوَسَّطُ کہ درمیان میں آئے بینَهُ و بینَ متبوعِه تابع اور متبوع کے درمیان احدُ الْحُروفِ الْعَشَرَةِ دس حروف میں سے کوئی ایک حرف۔ عطف کے دس حروف ہیں۔ یعنی معطوفٌ علیه اور معطوف بحرف کے درمیان دس حروف میں سے کوئی ایک حرف آئے گا۔ و سَیَأتِیْ اور وہ دس حروف عنقریب آجائیں گی حروف کی بحث میں ان شاء اللہُ تعالیٰ۔ مثلُ قام زیدٌ و عمرٌو کھڑا ہوا زید اور عمرو۔ تو دیکھا! عمرٌو کا عطف زید پر ہو رہا ہے۔ تو زید معطوفٌ علیه ہے او عمرٌو معطوف ہے۔ اور دونوں کے درمیان ایک حرفِ عطف ہے۔

و اذا عُطِفَ عَلَی الْمَرفُوعِ الْمُتَّصِلِ اُکِّدَ بِمُنْفَصِلٍ ای وَ اِذَا عُطِفَ علَی الْمُضْمَرِ الْمَرْفُوْعِ المُتَّصِلِ اُکِّدَ بِمُنْفَصِلٍ ۔ مرفوع سے مراد ضمیر ہے تو المضمر موصوف محذوف نکال دے۔ اور جب عطف کیا جائے ضمیر مرفوع متصل پر تو اِسکی تاکید لائی جائے گی ضمیر منفصل کے ساتھ۔ مثلُ ضربتُ انا و زیدٌ

دیکھو! میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ میں نے بھی پٹھائی کی اور زید نے بھی پٹھائی کی۔ تو میں کہوں گا، "ضربتُ" اب ضربتُ میں یہ "تا" ضمیر، ضمیر مرفوع متصل ہے اور فاعل کی ضمیر ہے۔ اب اس پر میں

عطف کرنا چاہتا ہوں زید کا۔ تو "زید" کا اس پر عطف کرنا صحیح نہیں۔ یعنی "ضربتُ و زیدٌ" یہ کہنا صحیح نہیں۔ یہ صحیح اس لئے نہیں کہ ضمیر مرفوع متصل جُزِ کلمہ کی طرح ہے لفظوں کے اعتبار سے بھی اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی۔ اور جُزِ کلمہ پر تو عطف کرنا صحیح نہیں۔ تو یہاں "ضربتُ و زیدٌ" میں زید کا عطف "تا" ضمیر پر کر رہا ہوں۔ اور تا ضمیر تو جز کلمہ کی طرح ہے لفظوں کے اعتبار سے بھی اور معنیٰ کے لحاظ سے بھی۔

لفظوں کے اعتبار سے جُزِ کلمہ اس طرح ہے کہ ضمیر مرفوع متصل اکیلی نہیں رہ سکتی۔ ضربتُ کی "تا" ضمیر کبھی اکیلے نہیں آسکتی۔ اسی طرح ضربا کی "الف" ضمیر کبھی اکیلے نہیں آسکتی۔ وغیرہ

معنیٰ کے اعتبار سے بھی یہ جُزِ کلمہ کی طرح اس طرح ہے کہ یہ فعل کے لئے فاعل ہے۔ اور فعل فاعل کے ساتھ مل کر پورا ہوتا ہے۔

تو جب یہ ضمیر مرفوع متصل جز کلمہ کی طرح ہوا، تو جُزِ کلمہ پر تو اسم کا عطف کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ لفظِ زید کا "دال"۔ یہ "دال" زید کے لئے جز کلمہ ہے اور اس پر تو عطف نہیں کیا جا سکتا۔ تو جب مرفوع متصل پر عطف کرنا جائز نہیں تو پھر اس صورت میں اِس ضمیر کی تاکید لاتے ہیں ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ۔ اور یوں کہیں گے، ضربتُ انا و زیدٌ۔ اس میں ضربتُ فعل با فاعل ہے۔ "تا" ضمیر ہے مؤکد اور "انا" ضمیر اسکی تاکید ہے۔ اور اس تاکید کی وجہ سے اب "تا" ضمیر کے اندر قوّت آگئی۔ اب اس "تا" ضمیر پر عطف کرنا صحیح ہوا۔ اور یہ نہ کہنا کہ زیدٌ کا عطف "انا" ضمیر پر ہے، بلکہ زیدٌ کا عطف "تا یعنی تُوٌ" ضمیر پر ہے۔

"انا" ضمیر پر عطف اس لئے نہیں ہو سکتا کیونکہ "انا" ضمیر تو تاکید ہے، اور آگے صاحب کافیہ ضابطہ بتلائیں گے کہ معطوف، معطوف علیہِ کے حکم میں ہوا کرتا ہے۔ تو جب آپ زید کا عطف "انا" ضمیر پر کریں گے، تو "انا" ضمیر تو تاکید ہے اور پھر زید بھی تاکید بن جائے گا۔ اور یہ تو صحیح نہیں۔ تو لہٰذا زیدٌ کا عطف ضربتُ کی "تُوٌ" ضمیر پر ہے۔

آپ نے پڑھا ہے کہ ضمیر تین قسم پر ہے۔ یا مرفوع ہوگی، یا منصوب ہوگی یا مجرور ہوگی۔ پھر یہ جو مرفوع ہے یہ دو قسم پر ہے۔ یا متّصل ہوگی یا منفصل ہوگی۔ ضمیر مرفوع متّصِل صرف فعل کے ساتھ آئے گی۔ جیسا کہ ضربَ میں ھوَ ضمی، ضربتُ میں "تا" ضمیر، وغیرہ ضمیر مرفوع متصل ہے۔ مرفوع اس لئے کیونکہ یہ فاعل ہے۔ اور ایک قسم ہے ضمیر مرفوع منفصل یعنی، "انا، نحنُ، انتَ، انتما، انتم، انتِ، انتما، انتُنَّ، ھُو، ھما، ھم، ھی، ھما، ھنَّ"۔ یعنی مقامِ رفع میں الگ لانا ہو تو پھر یہ ضمیر لائیں گے۔ مثلاً "انا قائمٌ"۔ نصب والے مقام میں منصوب ضمیر لایا جائے گا۔ اور جرّ والے مقام میں مجرور ضمیر لایا جائے گا۔

اسی طرح منصوب بھی دو قسم پر ہے۔ یا منصوب متّصل ہوگی یا منصوب منفصل ہوگی۔ جیسے "ضَرَبَتُکَ" میں یہ کاف ضمیر، ضمیر منصوب متصل کی ہے۔ کیونکہ یہ ترکیب کے اندر مفعول بنتا ہے۔

اسی طرح اِنَّکَ میں اِنَّ کے ساتھ ضمیر ملی ہوئی ہے۔ اور یہ ضمیر متصل ہے۔ اور اِنَّ کا اسم منصوب ہوا کرتا ہے۔ تو معلوم ہوا یہ ضمیر منصوب متصل ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ضمیر منصوب متصل فعل کےساتھ بھی ملتی ہے اور حرف کے ساتھ بھی ملتی ہے۔

اور ضمیر منصوب منفصل، " اِیَّایَ، اِیَّانَ، اِیَّاکَ، اِیَّاکُمَا، اِیَّاکُمْ، اِیَّاکِ، اِیَّاکُما، اِیَّاکُنَّ، اِیَّاہُ، اِیَّاھما، اِیَّاھم، اِیَّاھَا، اِیَّاھُما، اِیَّاھُنَّ" یہ ہیں۔ اور جب ضمیر کو عامل سے الگ ذکر کرنا ہو اور وہ نصب کا مقام ہو تو پھر اِن کو الگ لایا جاتا ہے۔ جیسے کہ قرآن مجید میں آیا ہے، " اِیَّاکَ نَعْبُدُ"۔ اصل میں یوں ہونا چاہئے تھا، "نَعْبُدُکَ": اے اللہ ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں۔ تو نَعْبُدُ کے اندر نحنُ ضمیر فاعل کی ہوئی اور یہ کاف ضمیر مفعول بہ کا ہوا۔ تو یہ "کاف" ضمیر منصوب متصل ہے۔ پھر اس ضمیر کو حَصَر پیدا کرنے کے لئے نَعْبُدُ پر مقدَّم کر دیا گیا۔ اور جب مقدَّم کیا تو اب متصل نہیں لایا جا سکتا، تو ضمیر منفصل ہوگی۔ اور جب ضمیر منفصل ہو گئی تو پھر ضمیر منصوب منفصل لائیں گے۔ کیونکہ مفعول منصوب ہوتی ہے۔ اور "کاف" ضمیر کے مطابق ضمیر منصوب متصل " اِیَّاکَ" ہے۔ تو یوں کہا، " اِیَّاکَ نَعْبُدُ": اے اللہ ہم تیرے ہی عبادت کرتے ہیں۔ دیکھا! عبادت کو بند کر دیا گیا، ذاتِ باری تعالیٰ کے اندر۔ یہ حصر کا فائدہ تقدیم نے دیا۔ نَعْبُدُکَ میں غیر کی نفی نہیں تھی۔ اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں غیر کی نفی ہے۔

اور ایک ہے ضمیر مجرور۔ ضمیر مجرور صرف متّصل آتی ہے اور منفصل نہیں آتی۔

تو صاحب کافیہؒ اِن میں سے فرماتے ہیں کہ جب عطف کیا جائے ضمیر مرفوع متّصل پر ۔ اور ضمیر مرفوع متّصل صرف فعل کے ساتھ آتی ہے۔ تو اُسکی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ لائی جائے گی۔ اور یہ ضمیر منفصل مرفوع ہوگی۔ کیونکہ مرفوع ضمیر کی تاکید بھی مرفوع لائی جاسکتی ہے۔

اِلّا اَنْ یَقَعَ فَصْلٌ مگر یہ کہ فصل واقع ہو جائے۔ فَیَجُوزُ تَرْکُہُ تو ترک کرنا بھی جائز ہے۔ یعنی ضمیر منفصل لانا بھی جائز اور ترک کرنا بھی جائز۔ مثلُ ضربتُ الیومَ و زیدٌ اب یہاں دیکھئے، زیدٌ کا عطف ضربتُ کے اندر "تُوٌ" ضمیر پر ہو رہا ہے۔ اور وہ تو ضمیر مرفوع متصل ہے۔ اور جب ضمیر مرفوع متصل پر عطف کیا جائے تو تاکید کا لانا ضروری تھا۔ لیکن یہاں پر فصل "الیومَ" مفعول فیہ آگیا۔ تو اس فصل کی وجہ سے تاکید کا لانا ضروری نہیں۔ لہٰذا "ضربتُ الیومَ و زیدٌ" کہنا جائز ہوا، اور یہ بھی جائز "ضربتُ انَا الْیَومَ و زیدٌ"۔ یعنی تاکید کے ساتھ لانا بھی جائز اور بغیر تاکید کے بھی جائز۔ اور تاکید کو حذف کرنا اس لئے جائز قرار دیا کہ درمیان میں فصل آنے کی وجہ سے کلام لمبا ہو گیا۔ پس بہتر یہ ہے کہ اب کلام کو مختصر کیا جائے اور "انا ضمیر یعنی تاکید" کو حذف کیا جائے۔

خلاصہ: معلوم ہوا کہ ضمیر مرفوع متّصل پر عطف کرنے کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ یا تو فصل کا ہونا ضروری ہے یا تاکید کا لانا ضروری ہے۔ اگر فصل نہیں تو تاکید کا لانا ضروری ہے۔ اور اگر فصل ہے تو تاکید کو چھوڑ بھی سکتے ہیں۔

و اذا عُطِفَ اور جب عطف کیا جائے۔ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ ضمیر مجرور پر أُعِيدَ الخَافِضُ تو اعادہ کیا جائے گا "جرّ" دینے والے کا، یعنی وہ عامل جو جرّ دیتا ہے اُس کا اِعادہ کیا جائے گا۔ نحو مررت بک و بزیدٍ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں، میں آپ پر اور زید پر گزرا۔ اگر میں یہ کہتا، "میں آپ پر گزرا، تو میں "مررتُ بِکَ" کہوں گا۔ اب میں اس "کاف" ضمیر مجرور پر "زید" کا عطف کرنا چاہتا ہوں۔ اور ضمیر مجرور بھی جُزِ کلمہ کی طرح ہوتی ہے۔ کیونکہ ضمیر مجرور صرف متّصل آتی ہے۔ تو یہ مجرور ہوگی یا مضافٌ الیہ ہونے کی وجہ سے یا حرف جرّ داخل ہونے کی وجہ سے۔

تو اب یہ ضمیر مجرور جُزِ کلمہ کی طرح ہے اور جُزِ کلمہ پر تو عطف جائز نہیں۔ اور ہم اس پر عطف کرنا چاہتے ہیں۔ تو پھر ایک صورت یہ تھی کہ اُس ضمیر متصل کی تاکید لائی جائے ضمیر منفصل کے ساتھ۔ اور ضمیر مجرور منفصل تو کوئی ہے ہی نہیں۔ لہٰذا اب ایک ہی صورت رہ گئی، اور وہ یہ ہے کہ وہی عامل جو اِس ضمیر پر داخل ہوا ہے اُس عامل کو دوبارہ لایا جائے۔ اور "بِکَ" میں کاف ضمیر کو "با" نے جرّ دیا، تو یہی "با" اب زید پر بھی داخل ہوگا۔ اور یوں کہیں گے، مررتُ بکَ و بِزَیدٍ۔

چاہے جرّ دینے والا اسم ہو تو پھر بھی اُس اسم کا اعادہ کیا جائے گا۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "المالُ بَیْنِی و بینَ زیدٍ"۔ تو زید کا میں عطف کرنا چاہتا تھا بینِی کے ساتھ جویائے متکلم ہے اس پر۔ تو "یا ضمیر متکلم" کو جرّ بَیْنَ اسم نے دے دیا۔ تو اس بینَ اسم کو زید پر بھی لایا جائے گا۔

بھئی یاد رکھو! یہ علمائے بصرہ کا مذہب ہے۔ اُن کے نزدیک بغیر اعادہ خافض کے ضمیر مجرور متصل پر عطف قبیح ہے۔ البتہ علمائے کوفہ فرماتے ہیں جائز ہے۔ علماءِ بصرہ فرماتے ہیں کہ بغیر اعادہ خافض کے عطف تو کر سکتے ہیں لیکن نا پسندیدہ ہے۔ اور علماءِ کوفہ ؒ کے نزدیک بغیر قبح کے بھی جائز ہے۔ مثال جیسا کہ، "صلّی اللّٰہُ علیہِ و آلِہٖ وسلَّم"۔ یہاں "علیہ" میں علیٰ "ھا" ضمیر پر داخل ہوا جو کہ ضمیر مجرور متّصِل ہے۔ اور آلِہٖ میں "آل" کا عطف مجرور متّصل پر ہو رہا ہے، اور یہ عطف بغیر اعادہ خافض کے ہوا۔ یعنی "علیٰ" دوبارہ نہیں آیا۔

وَ الْمَعْطُوفُ فِی حُکمِ المعطوفِ علیہ اور معطوف، معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ حرف عطف سے پہلے والا معطوفٌ علیہ کہلاتا ہے۔ اور حرف عطف کے بعد والا معطوف کہلاتا ہے۔ معطوفٌ علیہ: اُس پر عطف کیا گیا ہے۔ یعنی اگر معطوفٌ علیہ فاعل تھا تو معطوف بھی فاعل ہوگا۔ اگر معطوفٌ علیہ مفعول ہو تو معطوف بھی مفعول ہوگا اور اگر معطوفٌ علیہ خبر ہو تو معطوف بھی خبر ہوگا وغیرہ۔ جیسا کہ جاءنِی زیدٌ و عمرٌو۔ زید جاءَ کے لئے فاعل بن رہا ہے۔ اور عمرٌو کا عطف زید پر ہوا تو یہ عمرٌو بھی جاءَ کے لئے فاعل بن رہا ہے۔ اور ضربتُ زیدًا و عمرًوا، میں زیدًا یہ مفعول بہٖ بن رہا ہے ضربتُ فعل کے لئے، اور عمرًوا کا عطف زیدًا پر ہو رہا ہے تو یہ عمرًوا بھی مفعول بنے گا ضربتُ فعل کے لئے۔

وَ مِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے لم یَجُزْ جائز نہیں ہے فی ای فی هٰذَا الکلامُ اس کلام کے اندر یعنی ما زیدٌ بِقائمٍ اَو قائمًا و لا ذاهبٌ عمرٌو جائز نہیں مگر اس کے اندر "ذاهبٌ" پر صرف رفع جائز ہے۔ ما زیدٌ بِقائمٍ اَو قائمًا و لا ذاهبٌ عمرٌو یہ دو مثالیں ہیں جو صاحب کافیہ نے اکھٹے ذکر فرمائی۔ یعنی کہ "ما زیدٌ قائِـمًا و لا ذاهبٌ عمرٌو" یہ ایک مثال ہوا اور "ما زیدٌ بِقائمٍ و لا ذاهبٌ عمرٌو" یہ دوسرا مثال ہوا۔ اِلّا الرَّفْعُ مگر رفع جائز ہے۔ صاحب کافیہ رح فرماتے ہیں کہ آپ اِن دونوں مثالوں میں "ذاهبٌ" پر صرف رفع پڑھ سکتے ہیں۔ نصب یا جرّ نہیں پڑھ سکتے۔ تفصیل نیچے ملاحظہ کیجئے۔

دیکھو یہ "ما" مشابہ بلیسَ ہے۔ اور "ما" مشابہ بلیسَ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب دیتا ہے۔ جیسا کہ، ما زیدٌ قائمًا: زید کھڑا نہیں ہے۔ لیکن اسی "ما مشابہ بِلیسَ" کے خبر پر کبھی "با" زائدہ لے آتے ہیں اور کلام میں تاکید پیدا کرتے ہیں۔ اور یوں کہتے ہیں، "ما زیدٌ بِقائمٍ"۔ اور یاد رکھو! یہ حروفِ جارّہ زائدہ کسی سے متعلق نہیں ہوتے۔ اور "بِقائمٍ" میں یہ "با" جارّہ زائدہ ہوئی، اور قائمٍ مجرور ہوا لفظوں کے اعتبار سے اور منصوب ہوا محل کے اعتبار سے، کیونکہ یہ "ما" مشابہ بِلیس کی خبر ہے۔

جس طرح فعل معروف کے لئے فاعل چاہئے، فعل مجہول کے لئے نائب فاعل چاہئے تو اسی طرح اسم فاعل کے لئے بھی فاعل چاہئے۔ وہ الگ بات ہے وہ فاعل آپ کو کم ہی نظر آئے گا، عموماً اُسی کے اندر ضمیر چھپی ہوئی ہوگی۔ تو یہاں "قائمٌ" آیا، اور قائِـمٌ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اور اسم فاعل کے لئے ہمیشہ فاعل چاہئے۔ اور آگے کوئی اسم ظاہر تو ہے ہی نہیں جو اسکا فاعل بن جائے، تو معلوم ہوا کہ وہ فاعل اس کے اندر ضمیر ہے ۔ اور وہ فاعل "هو" ضمیر ہے اور وہ "زید" کو راجع ہے۔ کیونکہ یہ قائمٌ خبر ہے اور خبر کو مبتدا سے جوڑا جاتا ہے۔

پس دونوں یعنی "ما زیدٌ بقائمٍ" اور "ما زیدٌ قائمًا" میں قائمًا کے اندر ایک ضمیر ہے جو کہ زید کو راجع ہے۔ اور زید "ما" مشابہ بلیس کا اسم ہے۔

تو یہ دو جملے ہیں۔ صاحب کافیہ رح نے دو مثالیں اکھٹی ذکر کر لی۔ "بقائمٍ اور قائمًا" میں ایک ہی آسکتا ہے۔ تو کلام یوں بن جائے گا، "ما زیدٌ بِقائمٍ و لا ذاهبٌ عمرٌو" اور یا بقائمٍ کی جگہ قائمًا رکھ دے۔ تو "ما زیدٌ قائمًا و لا ذاهبٌ عمرٌو" بن جائے گا۔ تو صاحب کافیہ رح فرماتے ہیں، کہ ان دونوں صورتوں میں آپ "ذاهِبٌ" پر صرف رفع پڑھ سکتے ہیں، نصب اور جرّ نہیں پڑھ سکتے۔

یہ نصب اور جرّ کیوں نہیں پڑھ سکتے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ فرماتے ہیں اس لئے، فرض کریں آپ، "ما زیدٌ قائِـمًا و لا ذاهبٌ عمرٌو" یہ کہنا چاہتے ہیں۔ تو ذاهبٌ کا عطف آپ قائِـمًا پر کرنا چاہتے ہیں۔ اور قائِـمًا منصوب ہے تو ذاهِبًا کو بھی آپ منصوب لانا چاہتے ہیں۔ تو فرماتے ہیں کہ جائز نہیں۔ یعنی "ما زیدٌ قائِـمًا و لا ذاهبًا عمرٌو" جائز نہیں۔ ذاهِبًا کا عطف آپ قائمًا پر نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ ابھی ہم نے آپ کو ضابطہ بتلا دیا کہ معطوف، معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہوا کرتا ہے۔ اور "قائِـمًا" تو خبر بن رہا ہے زید

کے لئے۔ اور "قائمًا" کے اندر ایک ضمیر ہے جو زید کی جانب لوٹ رہی ہے۔ جبکہ "ذاهبٌ" کے اندر کوئی ضمیر نہیں جو زید کو لوٹے، کیونکہ اسکے آگے اسم ظاهر یعنی عمرو فاعل خود آرہا ہے۔ پس ذاهبٌ کے اندر ضمیر نہیں، تو یہ خبر نہیں بن سکتا، اور اس لئے یہ عطف بھی جائز نہیں۔

اب دوسری صورت "ما زیدٌ بِقائمٍ و لا ذاهبٌ عمرٌو" کی طرف دیکھئے۔ یہاں آپ ذاهِبٌ کا عطف "قائمٍ" پر کرنا چاہتے ہیں۔ اور قائمٍ مجرور ہے تو آپ ذاهبٌ کو بھی مجرور پڑھنا چاہتے ہیں۔ یعنی آپ "ما زیدٌ بِقائمٍ و لا ذاهبٍ عمرٌو" پڑھنا چاہتے ہیں۔ صاحب کافیہ ؒ فرماتے ہیں کہ آپ اس کو مجرور بھی نہیں پڑھ سکتے۔ کیونکہ معطوف، معطوفٌ علیه کے حکم میں ہوا کرتا ہے۔ اور یہاں پر معطوفٌ علیه "قائِمٍ" کے اندر ضمیر موجود ہے جو کہ زید کو لوٹ رہی ہے، اور ذاهبٌ کے اندر کوئی ضمیر نہیں بلکہ آگے اسکا فاعل عمرو خود آرہا ہے۔ اس لئے اس پر عطف کرتے ہوئے "ذاهبٌ" پر جرّ پڑھنا جائز نہیں۔

لا ذاهبٌ عمرٌو کی ترکیب۔ یہ مبتدا کی قسم ثانی ہے۔ یہاں ذاهبٌ پر نظر رکھئے۔ صیغه صفت کا ہو، اور حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد آئے۔ اور یہ رفع دے رہا ہو اسم ظاہر کو۔ تو یہاں "ذاهِبٌ" صفت کا صیغه ہے، حرف نفی کے بعد آرہا ہے اور آگے اسم ظاهر کو رفع دے رہا ہے۔ تو ترکیب یوں ہوگی۔ ذاهِبٌ صیغه اسم فاعل، عمرٌو اس کے لئے فاعل جو قائم مقام خبر کے ہے۔ صیغه اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر یہ مبتدا ہوا۔ تو یہ ایسا مبتدا ہے جس کی خبر کوئی نہیں۔

آگے صاحب کافیہ ؒ ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں۔ صاحب کافیہ ؒ نے ابھی ضابطه بتلایا کہ اگر معطوفٌ علیه کے اندر ضمیر ہو تو معطوف کے اندر بھی ضمیر کا ہونا ضروری ہے۔ تو اے صاحب کافیہ ؒ ہم آپ کو مثال دکھلاتے ہیں، کہ معطوفٌ علیه کے اندر تو ضمیر موجود ہے لیکن معطوف کے اندر ضمیر موجود نہیں۔ تو اے صاحب کافیہ ؒ آپ کے قانون کے مطابق تو یہ جائز نہیں ہونا چاہئے تھی لیکن یہ بالاتفاق جائز ہے۔ تو آپ کا ضابطه تو ٹوٹ گیا۔ دیکھئے! "الذی یَطِیْرُ": وہ چیز جو اُڑتی ہے۔ طارَ یطِیرُ: اُڑنا، یطیرُ کے اندر ھو ضمیر ہے جو الذی کو راجع ہے۔ یہ "یطیرُ" صلہ ہے اسم موصول کا۔ اور موصول کے صلے کے اندر ایک ضمیر کا ہونا ضروری ہوتا ہے جو اسم موصول کو لوٹے۔ تو یہ "یطیرُ" معطوفٌ علیه ہوا۔ اور اس معطوفٌ علیه کے اندر ضمیر موجود ہے۔ اس پر "فا" کے ذریعے عطف ہوا۔ اور آگے "یَغْضَبُ زیدٌ": تو زید غصے ہوتا ہے۔ تو "یَغْضَبُ" کے لئے زید فاعل بنتا ہے۔ جب فاعل آگے آگیا تو اب "یَغْضَبُ" کے اندر ضمیر نہیں۔ پورا معنیٰ: "وہ چیز جو اُڑتی ہے تو زید غصّے ہوتا ہے۔" "الذُّبابُ": وہ مکھی ہے۔ اور یہ خبر ہے مبتدا کے لئے۔

اب دیکھئے! اشکال صاحب کافیه پر یہ ہو رہا ہے، کہ صاحب کافیہ ؒ نے بتلایا کہ جب معطوفٌ علیه کے اندر ضمیر ہو تو پھر معطوف کے اندر بھی ضمیر کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن یہاں "یطیرُ" کے اندر تو

ضمیر ہے اور "یَغْضَبُ" کے اندر کوئی ضمیر نہیں کیونکہ اس کے لئے تو فاعل زید خود آرہا ہے۔ حالانکہ یہ کلام تو بالکل صحیح ہے۔

صاحب کافیہؒ بتلاتے ہیں کہ یہ تو ہمارے بحث ہی سے خارج ہے۔ ہم بات کر رہے ہیں عطف کی، اور یہ جو "فا" آئی یہ "فا سببیہ" ہے عطف کے لئے نہیں۔

وَ اِنَّمَا جازَ اور جائز ہے یہ ترکیب الذی یَطِیْرُ فَیَغْضَبُ زیدُ الذُّبَابُ مکھی وہ چیز ہے جو اُس کے اُڑنے کی سبب سے زید کو غصّہ چڑھتا ہے۔ لانہا فاءُ السببیۃِ اس لئے کہ یہ فائے سببیۃ ہے۔

جاءَنِی زیدٌ و عمرٌو۔ یہاں جاءَ عامل ہے۔ زیدٌ بھی معمول ہے اور عمرٌو بھی معمول ہے۔ تو یہاں ایک معمول کا عطف دوسرے معمول پر ہو رہا ہے۔ تو کبھی ایک معمول کا عطف ہو رہا ہے ایک معمول پر۔ اور کبھی دو یا زیادہ معمولوں کا عطف ہو رہا ہے دو یا زیادہ معمولوں پر ایک ہی حرفِ عطف کے ذریعے۔ مثلاً میں نے کہا، ضربَ زیدٌ عمرًا۔ تو زید کو رفع ضرب فعل نے دیا اور عمرو کو نصب بھی ضربَ فعل نے دیا۔ تو زید اور عمرو دونوں کے اندر عامل ضرَبَ ہے۔ ایک کو ضربَ نے رفع دیا ہے اور فاعل بنایا ہے اور دوسرے کو ضربَ نے نصب دیا ہے اور مفعول بنایا ہے۔ اب یہ دو معمول ہیں ایک ہی عامل کے۔ جیسے یہ دونوں معمول ہیں اسی طرح دو اور معمول لاتے ہیں اور ایک ہی حرف عطف کے ذریعے اس پر عطف کرتے ہیں۔ مثلاً، "ضربَ زیدٌ عمرًا وَ خالدٌ بَکرًا"۔ پٹھائی کی زید نے عمرو کی اور خالد نے بکر کی۔ تو خالدٌ کا عطف زیدٌ پر ہوا اور بکرًا کا عطف عمرًا پر ہوا۔ تو یہاں پر دو معمولوں کا عطف ہو رہا ہے دو معمولوں پر ایک ہی حرف عطف کے ساتھ۔ اور اِن دونوں معمولوں کے اندر عامل ایک ہی ہے۔ تو یہ عطف ہوا، "عطف علیٰ معمولَیْ عاملٍ واحدٍ": عاملِ واحد کے معمولین پر عطف کرنا۔ یاد رکھو! یہ بالاتفاق جائز ہے۔ وجہ یہ کہ یہ حرف عطف "واؤ" نائب ہوتا ہے عامل کا۔ تو حرف عطف ایک ہی عامل کا نائب بن سکتا ہے۔

لیکن اگر عطف کیا جائے دو ایسے معمولوں کا دو ایسے معمولوں پر جن میں عامل مختلف ہوں یعنی الگ الگ ہوں۔ تو اس میں اختلاف ہیں، یہاں پر تین مذاہب ہیں۔ ایک مذہب ہے امام فرّاءؒ کا، ایک مذہب ہے امام سیبویہؒ کا اور ایک مذہب ہے جمہور نحوی علماءؒ کا۔

امام سیبویہؒ کا مذہب یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ یعنی کہ دو معمولوں کا عطف کیا جائے دو ایسے معمولوں پر جن میں عامل مختلف ہوں تو یہ جائز نہیں۔ مثلاً آپ کہتے ہیں، اَتَحْسَبُ کُلَّ سَوْدَاءَ تَمْرَۃً وَ بَیْضَاءَ شَحْمَۃً : کیا تو گمان کرتا ہے کہ ہر کالی چیز کھجور ہے اور ہر سفید چیز چربی ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی تیرا یہ گمان کرنا صحیح نہیں۔ جیسا کہ ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہوتا۔

ترکیب۔ ہمزہ استفہام، تحسَبُ فعل اور انت ضمیر اسکے اندر فاعل، کُلَّ منصوب ہے اور مفعول بن رہا ہے، سوداءَ غیر منصرف ہے اور کُلَّ کے لئے مضافٌ الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ (الف تانیث آیا اور

یه قائم مقام دو سببوں کے ہیں۔ یه اَسْوَدُ کی تانیث ہے۔ اور غیر منصرف کا جرّ نصب کے ساتھ آتا ہے۔) تو کُلَّ سوداءَ مفعول اوّل ہے تَحْسَبُ فعل کے لئے اور تمرةً یه مفعول ثانی ہے تحسبُ فعل کے لئے۔ کیونکه تَحْسَبُ افعال قلوب میں سے ہے، اور افعال قلوب دو مفعول چاہتے ہیں۔ تو یہاں پر ایک مفعول "کُلَّ سَوْدَاءَ" ہوا اور دوسرا مفعول "تَمْرَةً" ہے۔ اب آگے "واؤ" حرف عطف کے ذریعے بَیْضَاءَ کا عطف سَوْدَاءَ پر کیا، اور شَحْمَةً کا عطف تَمْرَةً پر ہے۔

تو دیکھو! دو معمولوں کا عطف ہو رہا ہے دو معمولوں پر لیکن دونوں کے عامل مختلف ہیں۔ دیکھو بَیْضَاءَ کا عطف ہو رہا ہے سَوْدَاءَ پر۔ اور سَوْدَاءَ ہے مجرور اور اسکے اندر عامل کُلٌّ ہے۔ کُلَّ مضاف ہے اور اس نے سوداءَ کو جرّ دیا۔ اور آگے شَحْمَةً کا عطف تَمْرَةً پر ہوا۔ اور تَمْرَةً کو نصب "تَحْسَبُ" فعل نے دیا ہے۔ تو دیکھو! دو معمولوں کا عطف دو معمولوں پر ہوا لیکن دونوں کے عامل مختلف ہیں۔ سَوْدَاءَ میں عامل ہے "کُلٌّ" اور تمرَةً میں عامل ہے "تَحْسَبُ"۔ تودو معمولوں کا عطف ہوا دو ایسے معمولوں پر جن کے عامل مختلف ہیں۔ امام سیبویہؒ فرماتے ہیں که یه جائز نہیں۔

امام سیبویہؒ کی دلیل: آپ نے پڑھا ہے که حرف عطف نائب ہوا کرتا ہے عامل کا۔ اور یه ضعیف ہے یعنی حرف ہے۔ اور یه حرف ایک عامل کا تو نائب بن سکتا ہے لیکن دو عاملوں کا نائب نہیں بن سکتا۔ جب آپ نے کہا تھا، جاءنِی زیدٌ و عمرٌو، تو آپ نے عمرٌو کا عطف زیدٌ پر کیا۔ اور اس میں حرف عطف "واؤ" نائب بن گیا "جاءَ" کا جو که عامل ہے زیدٌ میں۔ تو یه حرف عطف اگر چه ضعیف ہے لیکن ایک کا نائب بن سکتا ہے اس میں کوئی مسئله نہیں۔

اسی طرح جب دو عاملوں کا عطف دو عاملوں پر کیا تھا، لیکن عامل ایک ہی تھا، جیسے "ضربَ زیدٌ عمرًوا و بکرٌ خالدًا"۔ تو یہاں پر بھی دو معمولوں کا عطف دو معمولوں پر ہوا لیکن حرف عطف نائب بنا ایک ہی معمول کا۔ تو حرف عطف ایک ہی عامل کا نائب بن سکتا ہے۔

لیکن جب آپ دو معمولوں کا عطف دو ایسے معمولوں پر کرتے ہیں جن میں عامل مختلف ہوں، تو امام سیبویہؒ فرماتے ہیں که یه جائز نہیں۔ کیونکه حرف عطف نائب ہوتا ہے عامل کا، اور یه حرف ہونے کی وجه سے ضعیف ہے۔ ایک عامل کا نائب تو بن سکتا ہے لیکن دو عاملوں کا نائب نہیں بن سکتا۔ لہٰذا یه اُن کے نزدیک جائز نہیں۔ تو لہٰذا امام سیبویہؒ کے نزدیک، "عطف علیٰ معمولَیْ عامِلَیْنِ مختلفینِ" جائز نہیں۔ یعنی عطف کرنا دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر یه جائز نہیں ہے۔

امام فرّاءؒ کا مذہب: وہ فرماتے ہیں که یه مطلَقًا جائز ہے۔

جمہور علماءؒ کا مذہب: وہ فرماتے ہیں که اُس وقت جائز ہے جب اِن دو معمولوں میں سے مجرور مقدّم ہو۔ اور اگر مجرور مقدَّم نہیں تو پھر یه جائز نہیں۔ لہٰذا جمہور کے نزدیک یه مثال اَتَحْسَبُ کُلَّ سَوْدَاءَ تَمْرَةً وَ بَیْضَاءَ شَحْمَةً جو اوپر ذکر کیا گیا ہے جائز ہے۔ یہاں بَیْضَاءَ اور شَحْمَةً کا عطف ہو رہا ہے اور اس میں

سے مقدَّم بَیْضَاءَ ہے جو کہ مجرور ہے۔ کیونکہ ان دونوں معمولوں میں سے پہلے آنے والا معمول مجرور ہے۔ اور بعد والا معمول جو بھی ہو اُس سے ہمارا بحث نہیں۔

تو جمہور امام سیبویہ ؒ کو جواب دیتے ہیں، کہ آپ کی بات ٹھیک ہے، کہ حرف عطف نائب ہوتا ہے عامل کا اور یہ دو عاملوں کا نائب نہیں بن سکتا۔ لیکن یہاں پر بات ہے سِماع کی۔ ہم نے بڑے فصیح و بلیغ عربوں سے یہی سُنا ہے جب مجرور مقدَّم ہو تو عطف کر دیا کرتے ہیں۔ تو جمہور کے نزدیک "عطف علیٰ معمُولَیْ عاملین مختلفینِ" یہ جمہور کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ مجرور مقدَّم ہو۔ تو جمہور کا مذہب خلافُ القیاس ہے۔ اور یہ اپنے مَوْرِدْ پر بند رہے گا۔ اور قیاس اس پر نہیں کر سکتا۔ نیز مرفوع مقدَّم ہو یا منصوب مقدَّم ہو تب بھی اسکی اجازت نہیں دی جاتی۔

جبکہ امام فرّاء ؒ کے نزدیک "عطف علیٰ معمُولَیْ عاملین مختلفینِ" ہر صورت میں جائز ہے۔ اُس کی دلیل یہ ہے کہ جب عربوں سے ہم نے یہ سنا کہ مجرور مقدَّم ہو تو پھر یہ جائز ہوتا ہے۔ تو اسی پر قیاس کرتے ہوئے باقی دو صورتوں میں بھی یہ جائز قرار دیا گیا۔ کیونکہ مسئلہ تو یہی تھا کہ حرف عطف دو کا نائب نہیں بن سکتا۔ لیکن جب آپ نے خود سُن لیا کہ جب مجرور مقدَّم ہو تو عرب عطف کر دیا کرتے ہیں۔ اور اس حالت میں حرف عطف کو دو عاملوں کا نائب بنا دیا۔ تو جب "مجرور" کی حالت میں وہ دو عاملوں کا نائب ہو سکتا ہے تو باقی دو حالتوں یعنی منصوب اور مرفوع میں بھی حرف عطف دو عاملوں کا نائب بن سکتا ہے۔

جمہور علماء ؒ امام فرّاء ؒ کو جواب دیتے ہیں۔ کہ یہ مسئلہ سِماع کا ہے۔ یعنی یہ مسئلہ خلافُ القیاس ثابت ہوا ہے۔ اور صرف اُسی صورت میں جائز قرار دیا جائے گا جس کا ہم نے عربوں سے سِماع کیا ہے اور باقی صورتوں میں جائز قرار نہیں دیا جائے گا۔ اور جو مسئلہ خلافُ القیاس ہو تو وہ اپنے مُورِد میں بند رہتا ہے۔

وَ اِذا عُطِفَ علیٰ عاملین مختلفین عبارت اصل میں یوں ہے۔ وَ اِذَا عُطِفَ علیٰ مَعْمُوْلَیْ عَامِلَیْنِ مُخْتَلِفَیْنِ۔ عاملین سے پہلے مَعْمُوْلَیْ کا لفظ محذوف ہے۔ اصل میں معمولینِ تھا۔ نون تثنیہ اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ اور جب عطف کیا جائے دو مختلف عاملوں کے معمولوں کا لم یَجُزْ تو یہ جائز نہیں۔ یہ جمہور کا مذہب ہے۔ خلافا للفراءِ ؒ بخلاف امام فرّاء ؒ کے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک مطلقًا جائز ہے۔ جس کی تفصیل اوپر گزر گئی۔ اِلَّا فِی نَحْوِ مگر اس صورت کے اندر۔ جمہور کے نزدیک جائز نہیں مگر اس قسم کے مثالوں میں جائز ہے۔یہ "الّا فی نحوِ" "لم یجز" کے ساتھ جوڑ لو۔ جمہور کا مذہب یوں ہوگا: وَ اِذا عُطِفَ علیٰ عاملین مختلفین لم یجُزْ الّا فی نحوِ: جمہور کے نزدیک "عطف علی معمُولَیْ عاملین مختلفینِ" جائز نہیں ہے مگر اس قسم کے مثالوں میں فی الدار زیدٌ والحجرةِ عمرٌو اس صورت میں

"عطف علی معمُولَیْ عاملین مختلفینِ" جائز ہے۔ کیونکہ اس صورت میں دیکھئے جو معمول مجرور ہے وہ مقدّم ذکر کیا ہے۔ فی الدار زیدٌ وَ الحجرةِ عمرٌو میں دیکھئے۔ الدارِ مجرور ہے اور "فی الدارِ" یہ خبر مقدَّم ہے۔ اور زیدٌ یہ مبتدا مؤخر ہے۔ آگے "حجرة" کا عطف "الدار" پر ہو رہا ہے اور عمرٌو کا عطف زیدٌ پر ہو رہا ہے۔ اور یہاں دیکھئے، الدار کے اندر عامل "فی" ہے اور زید مبتدا ہے اور اس کے اندر عامل "ابتدا" ہے، یعنی عامل معنوی ہے۔ تو دیکھا یہ دونوں معمول ہیں اور اس کے عامل الگ الگ ہیں۔ اِن پر حجرة اور عمرو کا عطف کیا گیا۔ تو جمہور کے نزدیک یہ اُس وقت جائز ہے جب جمہور مقدّم ہو۔ اور "والحجرةِ عمرٌو" میں مجرور مقدّم ہے۔ تو جمہور کے نزدیک یہ جائز ہوا۔

خلاصہ یہ کہ جمہور کے نزدیک "عطف علی معمُولَیْ عاملین مختلفینِ" جائز نہیں، مگر اس قسم کے مثالوں میں "فی الدار زیدٌ والحجرةِ عمرٌو" میں جائز ہے کیونکہ یہاں مجرور مقدّم ہے۔

خلافا لسیبویه برخلاف امام سیبویہ ؒ کے۔ یعنی اُس کے نزدیک مطلقًا جائز نہیں چاہے مجرور مقدّم ہی کیوں نہ ہو۔ اور دلیل اُن کی یہ ہے کہ حرف عطف نائب ہوتا ہے عامل کا۔ اور یہ حرف عطف ضعیف ہے۔ یہ ایک عامل کا تو نائب بن سکتا ہے لیکن دو عاملوں کا نائب نہیں بن سکتا۔

سوال: علامہ ابن حاجب ؒ نے وَ اِذا عُطِفَ علیٰ عاملین مختلفین کے اندر مَعْمُوْلَیْ کا لفظ کیوں حذف کیا؟ وجہ اس کی یہ کہ علامہ ابن حاجب ؒ بہت بڑے نحوی ہے۔ اور اگر معمولین یہاں ذکر کر دیا جاتا۔ تو عبارت یوں بنتا "عطف علی معمُولَیْ عاملین مختلفینِ" تو "معمول" کا لفظ "عامل" کے لفظ پر مقدّم ہو جاتا۔ اور نحو کے اندر ترکیب میں "معمول" کا "عامل" پر مقدّم ہونا پسندیدہ نہیں۔ لہٰذا اُنہوں نے بھی یہ پسند نہیں کیا کہ "معمول" کے لفظ کو "عامل" کے لفظ پر مقدّم کیا جائے۔ اسی وجہ سے معمولَین کے لفظ کو حذف کیا۔

دوسری وجہ یہ کہ صاحب کافیہ ؒ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ کا سارا دارومدار عامل پر ہے اور معمول پر نہیں۔ اس لئے معمول کو حذف کیا اور عامل کو ذکر کیا۔ مسئلہ کا دارومدار عامل پر اسی طرح ہے کہ اگر عامل ایک ہو تو پھر یہ تو بالاتفاق جائز ہے۔ اور اگر عامل مختلف ہو تو پھر اختلاف ہے اس مسئلہ کے اندر۔ تو مسئلے کا سارا دارو مدار عاملوں پر ہے۔ اور جب عامل دو سے زیادہ ہوں تو یہ بات بالاتفاق جائز نہیں۔

درس 76۔ توابع کی اقسام میں سے ہم نے معطوف بالحرف کو پڑھا، جس میں تابع بھی مقصود بالنسبة ہوتا ہے اور متبوع بھی مقصود بالنسبة ہوتا ہے۔ اس پر ایک اشکال ہوتا ہے۔ کہ حروف عاطفہ میں سے ایک "بَلْ" بھی ہے، ایک "اَوْ" اور "اَمْ" وغیرہ بھی ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں، جاءنِی زیدٌ بل عمرٌو۔ میرے پاس زید آیا بلکہ عمرو آیا۔ تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ "عمرو" آیا ہے میرے پاس۔ کیونکہ آپ نے "بل" کے

ذریعے زید کو چھوڑ دیا اور عمرو کی بحث شروع کی۔ تو دیکھو! یہاں دونوں مقصود نہیں بلکہ صرف تابع یعنی عمرو مقصود ہے۔ اور اے صاحب کافیہ آپ نے کہا تھا کہ دونوں مقصود ہوتے ہیں۔

نیز ایک "اَوْ" بھی ہے اسی طرح۔ جاءنِی زیدٌ اَوْ عمرٌو۔ آپ کسی کو بتانا چاہتے ہیں کہ میرے پاس زید اور عمرو دونوں میں سے ایک آیا تھا۔ تو دیکھو! "اَوْ" حرف عطف تو ہے لیکن یہاں پر دونوں مقصود نہیں بلکہ ایک ہی مقصود ہے۔ اور آپ نے تو کہا تھا کہ تابع بھی مقصود ہوتا ہے اور متبوع بھی مقصود ہوتا ہے۔

تو جواب یہ کہ "بَلْ" کے اندر متبوع بھی مقصود ہے اور تابع بھی مقصود ہے لیکن متبوع مقصود تھا ابتِداءً اور تابع مقصود ہے انتہاءًا۔ اسی طرح "اَوْ" کے ذریعے بھی دونوں مقصود ہیں لیکن علیٰ سبیلِ البدل۔

یہ تیسرا تابع ہے۔ ایک "نعت" گزری اور ایک "عطف بالحرف" گزرا۔ التاکیدُ تابعٌ تاکید وہ تابع ہے۔ یُقَرِّرُ اَمْرَ الْمَتْبُوْعِ جو متبوع کے حال کو پکّا کر دیتا ہے۔ امر سے مراد "حال" ہے۔ فی النسبةِ نسبت میں اَوِ الشُّمُولِ یا شُمول کے اندر ۔ یعنی نسبت کے اندر متبوع کے حال کو پکّا کر دیتا ہے۔ یا شمول کے اندر متبوع کے حال کو پکّا کر دیتا ہے۔

نسبت کے اندر: مثلاً میں کہتا ہوں۔ جاءنِی امیرُ المؤمنین امیرُ المؤمنین۔ میں نے کہا میرے پاس امیرُ المؤمنین تشریف لائے۔ آپ نے خیال کیا کہ امیرُ المؤمنین تو بڑے آدمی ہیں۔ وہ کہاں آئے، اپنے کسی سیکرٹری وغیرہ کو بھیج دیا۔ یا اپنے کسی خاص آدمی کو بھیج دیا۔ تو چونکہ وہ بہت خاص آدمی ہے، تو گویا متکلم نے یہ تعبیر کیا کہ امیرُ المؤمنین خود میرے پاس آئے۔ تو گویا یہاں پر احتمال تھا کہ میں کلام مجازًا کر رہا ہوں۔ یعنی امیرُ المؤمنین تو نہیں آیا لیکن اُس کا کوئی خاص آدمی آیا ہو۔ اور میں نے کہا، "جاءنِی امیرُ المؤمنین"۔ لیکن میں پھر کہتا ہوں "امیرُ المؤمنین"۔ تو دوبارہ اس "امیرُ المؤمنین" کو لاتا ہوں تا کہ مجاز کا احتمال ختم ہو جائے۔ اور مجیئت کی نسبت جو امیرُ المؤمنین کی طرف ہو رہی ہے یہ مجازًا نہیں ہے بلکہ حقیقتًا ہے۔ تو دیکھو اس تاکید نے نسبت کو پکّا کیا۔

شمول کے اندر: میں کہتا ہوں، جاءنِی طلبةُ الدَّرجةِ الثالثةِ۔ میرے پاس درجة ثالثه والے طلباء آئے۔ آپ نے سوچھا، دو چار چھ یا دس آئیں ہوں گے۔ میں نے کہا "کُلُّھُمْ" یعنی سارے کے سارے آئیں ہیں۔ تو اس "کُلٌّ" نے شُمول کا فائدہ دے دیا۔ کہ یہاں جو طلبة ثالثه مراد ہیں اِن میں بعض افراد مراد نہیں بلکہ سارے افراد مراد ہیں۔ تو یہاں تاکید نے شمول کا فائدہ دیا۔

خلاصہ یہ کہ تاکید وہ تابع ہے جو پکّا کرتا ہے متبوع کے حال کو نسبت میں یا شُمول میں۔

یاد رکھو! تاکید کے تین فائدے ہیں۔ پہلا فائدہ: سامِع سے غفلت کے ضرر کو دور کرنا۔ میں نے "جاءنِی امیرُ المؤمنین امیرُ المؤمنین" میں امیرُ المؤمنین کو دو دفعہ ذکر کیا۔ یہ دو مرتبہ کیوں ذکر کیا؟ تا کہ سامع

غافل نہ ہو جائے کہ یہ مجیئت کی نسبت کس کی طرف ہو رہا ہے۔ تو اس غفلت سے جو نقصان ہو رہا تھا اس کو ختم کرنے کے لئے میں نے امیرُ المؤمنین کو دو دفعہ ذکر کیا۔

دوسرا فائدہ: غلطی کے وہم کو دور کر دیتا ہے۔ میں نے جب دوسرے مرتبہ امیرُ المؤمنین کہا، تو اس نے سامع کے غلطی کے وہم کو دور کر دیا۔ ہو سکتا ہے کہ سامع یہ سمجھا ہو کہ اُس نے یہ کہنا تھا کہ "جاءنِی زیدٌ" اور غلطی سے منہ سے امیرُ المؤمنین کا لفظ نکل آیا۔

تیسرا فائدہ: مجاز کے احتمال کو ختم کرتا ہے۔ جب میں نے کہا، "جاءنی امیرُ المؤمنین"۔ اُسے وہم ہو سکتا تھا کہ امیرُ المؤمنین تو خود نہیں آئے ہوں گے، اُس نے اپنا کوئی خاص آدمی بھیجا ہو۔ اور یہ جو مجیئت کی نسبت امیرُ المؤمنین کی طرف ہے یہ حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ مجازًا ہے۔ خود تو امیرُ المؤمنین نہیں آئے ہوں گے بلکہ اپنے کسی خاص آدمی کو بھیجا ہوگا۔ تو اس مجاز کے وہم کو ثانی امیرُ المؤمنین لانے سے دور کر دیا۔

وَ هُوَ لَفْظِیٌّ وَ مَعْنَوِیٌّ اور تاکید دو قسم پر ہے۔ ایک لفظی ہے اور ایک معنوی ہے۔ فا للفظی تکریرُ اللفظِ الاَوَّلِ پس لفظی وہ ہے جو اوّل لفظ کا تکرار کیا جائے۔ اور یہ اسم، فعل، حرف سب میں جاری ہوتی ہیں۔ اور بعینِہٖ اُسی لفظ کے ساتھ ہوگا۔ مثلاً جاءنی زیدٌ زیدٌ، ضربَ ضَربَ زیدٌ: پٹھائی کی پٹھائی کی زید نے۔ اسی طرح ضربتَ انتَ بھی تاکید لفظی ہے۔ لیکن حقیقتًا تاکید لفظی نہیں بلکہ حُکمًا تاکید لفظی ہے۔ اس لئے کہ "تا" ضمیر مرفوع متّصل ہے اور اسکو دوبارہ لانا ممکن نہیں تھا۔ اس لئے اس کی جگہ ضمیر مرفوع منفصل تاکید کے لئے لایا۔ پس تاکید لفظی دو قسم پر ہوا۔ یا تو حقیقتًا وہی لفظ آئے گا یا حکمًا وہی لفظ آئے گا۔ نحو جاءنی زیدٌ زیدٌ مثلاً جاءنی زیدٌ زیدٌ ویجری فی الالفاظِ کُلِّہا اور یہ تمام قسم کے الفاظ میں جاری ہوتی ہے۔ تاکید لفظی اسم میں بھی جاری ہوتی ہے، فعل میں بھی جاری ہوتی ہے اور حرف میں بھی جاری ہوتی ہے۔

وَ الْمَعْنَوِیُّ بِالفاظٍ محصورةٍ اور تاکید معنوی چند الفاظ کے ساتھ ہے۔ محصورۃ: گِنے ہوئے۔ اور وہ نو لفظ ہیں۔ وھی اور وہ الفاظ یہ ہیں۔ [1]نفسُہ و [2]عینُہ و [3،4]کلاھُما و [5]کُلُّہٗ و [6]اَجْمَعُ و [7]اَکْتَعُ و [8]اَبْتَعُ و [9]اَبْصَعُ۔ کلاھما میں صرف مذکر کو ذکر کیا۔ جب اصل کو ذکر کیا تو فرع خود بخود ساتھ آ گئی۔ یعنی کِلْتَاھُما خود بخود آ گئی۔ تو یہ کل نو الفاظ ہو گئے۔

یہ نو الفاظ متبوع کی تاکید کے لئے آتے ہیں۔ اور متبوع کبھی مفرد ہوگا، کبھی تثنیہ اور کبھی جمع۔ تو تاکید کبھی مفرد کی آئیگی، کبھی تثنیہ کی اور کبھی جمع کی۔ تو یہ سارے الفاظ ہر ایک کے لئے نہیں آتے۔ آگے متن میں صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ کس کس کے ساتھ آئیں گے۔ تو آگے صاحب کافیہؒ تفصیل بتلاتے ہیں۔

فَالْاَوَّلانِ یَعُمَّانِ پس اِن میں سے پہلے دو عام ہیں۔ یعنی نفسُہُ اور عینُہُ عام ہیں۔ یعنی یہ مفرد کی تاکید کے لئے بھی آسکتے ہیں، تثنیہ کی تاکید کے لئے بھی آسکتے ہیں اور جمع کی تاکید کے لئے بھی آسکتے ہیں۔

بِاخْتِلَافِ صیغتِہِمَا انکے صیغوں کے اختلاف کے ساتھ۔ و ضمیرِھِما اور ضمیروں کے اختلاف کے ساتھ۔ بھئی صیغہ بھی بدلے گا اور ضمیر بھی۔ مفرد کے لئے مفرد کا صیغہ اور ضمیر بھی مفرد کا ہو جائے گا، تثنیہ کے لئے صیغہ بھی تثنیہ کا ہو جائے گا اور ضمیر بھی تثنیہ کی ہو جائے گی، جمع کے لئے صیغہ بھی جمع کا اور ضمیر بھی جمع کا ہو جائے گا۔ مثلاً میں کہتا ہوں، جاءنِی زیدٌ نفسُہُ: زید خود میرے پاس آیا۔ یہ نفسُہُ تاکید ہے زید کی۔ زید مرفوع تو نفسُہُ بھی مرفوع آیا، اور دیکھئے مفرد ہے زید تو نفس کا لفظ بھی مفرد اور ساتھ "ھا" ضمیر بھی مفرد۔ تثنیہ کی صورت میں، "جاءنِی الزیدانِ نفسا ھُما"۔ نفسانِ تثنیہ تھا اور اضافت کی وجہ سے نونِ تثنیہ گر گیا۔ یہاں ہم نے تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف کر دی۔ اور عربوں کے ہاں تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف پسندیدہ نہیں۔ تو اس صورت میں وہ پہلے تثنیہ کو جمع سے بدل دیتے ہیں۔ اور یوں کہتے ہیں، "جاءنِی الزیدانِ انفُسُھُما"۔ دیکھئے قرآن مجید میں بھی آیا ہے، "السَّارِقُ و السَّارِقَۃُ فاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا"۔ یہاں پر "ھما" ضمیر تثنیہ کی ہے تو "یَدٌ کی تثنیہ یَدَیْنِ" آنا چاہئے تھا اور "یَدَیْھِمَا" ہونا چاہئے تھا۔ یَدَیْنِ کی نون اضافت سے گر جاتا۔ لیکن یہاں پر یَدَیْنِ کو اَیْدِیَھُمَا سے بدلا، کیونکہ کلام عرب میں تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف پسندیدہ نہیں۔

اور جمع کی صورت میں، جاءنِی الزیدُونَ اَنْفُسُھُمْ کہیں گے۔ یہاں متبوع الزیدونَ جمع کا صیغہ ہے۔ تو اَنْفُس جمع کا صیغہ لایا اور "ھُم" ضمیر بھی جمع کی لائی گئی۔

اسی طرح مؤنث کی صورت میں، جاءنِی ھندٌ نفسُھا، تثنیہ کی صورت میں جاءنِی الھندانِ اَنْفُسُھُمَا اور جاءنِی الھنداتُ اَنْفُسُھُنَّ۔ تقول نَفْسُہُ واحد مذکر کے لئے و نَفْسُہا واحد مؤنث کے لئے و اَنْفُسُھُما اور تثنیہ مذکر و مؤنث میں اَنْفُسُھُما کہیں گے۔ نفساھما بھی بعض کے نزدیک جائز ہے لیکن پسندیدہ نہیں۔ و اَنْفُسُھُم جمع مذکر میں اَنْفُسُھُمْ کہیں گے۔ و اَنْفُسُھُنَّ اور جمع مؤنث میں اَنْفُسُھُنَّ کہیں گے۔ اِن سب کی مثالیں اوپر گزر گئی۔

اسی طرح "عین" بھی ہے "نفس" کی طرح۔ تو متبوع کے مطابق آپ یوں کہیں گے، "عینُہُ، عینُھا، اَعْیُنُھُما، اَعْیُنُھُمْ اور اَعْیُنُھُنَّ"۔ تو "عین" کو بھی "نفس" پر قیاس کریں۔

والثانی للمُثَنّٰی اور دوسرا یعنی "کِلَا" تثنیہ کی تاکید کے لئے آئے گا۔ تقول کلاھما و کلتا ھما مذکر کے لئے "کلا ھما" اور مؤنث کے لئے "کِلْتَا ھُما" آئے گا۔ مثلاً، جاءنِی الزیدانِ کِلَاھُمَا یا یوں کہے، جاءنِی زیدٌ و عمرٌو کِلَاھُمَا۔ مؤنث کے لئے، جاءَتنِی ھندٌ و زینبُ کِلْتَاھُمَا۔

والباقی لِغَیْرِ الْمُثَنّٰی اور باقی پانچ غیر مُثَنّٰی کی تاکید کے لئے آئیں گے۔ یعنی یا تو مفرد کی تاکید کے لئے آئیں گے یا جمع کی تاکید کے لئے آئیں گے۔ یعنی تثنیہ کے علاوہ کے لئے۔ باقی پانچ سے مراد " کُلُّ و اَجْمَعُ ، اَکْتَعُ ، اَبْتَعُ اور اَبْصَعُ " ہے۔ تو یہ پانچ یا تو مفرد کی تاکید کے لئے آئیں گے یا جمع کی تاکید کے لئے آئیں گے۔ اب اس کے لانے کی صورت کیا ہوگی۔ نفس اور عین میں تو بتلا دیا تھا کہ صیغہ بھی بدلے گا اور ضمیر بھی بدلیں گی۔

"کُلُّہٗ" کے بارے صاحب کافیہؒ بتلاتے ہیں کہ اس میں صرف ضمیر بدلیں گے اور "کُل" کے لفظ کو آپ نے نہیں چھیڑنا۔ یعنی مفرد کے لئے مفرد کی ضمیر اور جمع کے لئے جمع کی ضمیر لاؤ۔ مذکر کے لئے مذکر کی ضمیر اور مؤنث کے لئے مؤنث کی ضمیر۔ باختلاف الضمیر ضمیر کے اختلاف کے ساتھ۔ فی کُلِّہٖ و کُلِّھَا و کُلِّھِم و کُلِّھِنَّ مفرد مذکر کے لئے کُلُّہٗ، مفرد مؤنث کے لئے کُلُّھَا، جمع مذکر کے لئے کُلُّھم اور جمع مؤنث کے لئے کُلُّھُنَّ۔ مفرد کی صورت میں مثال: اِشْتَرَیْتُ الغلامَ کُلَّہٗ : میں نے پورے کا پورا غلام خرید لیا۔ اِشْتَرَیْتُ الجارِیَۃَ کُلَّھَا: میں نے پوری کی پوری باندھی خرید لی۔ اور جمع مذکر کی تاکید کے لئے۔ جاءنِی القومُ کلُّھم۔ اور جمع مذکر کی تاکید کے لئے۔ جاءَتِ النِّساءُ کُلُّھُنَّ۔

و الصیغ فی البواقی ای باختلاف الصِّیَغِ فِی البَوَاقِی: اور باقی میں صیغوں کے اختلاف کے ساتھ۔ یعنی کلّہ میں تو کُلُّ نے تبدیل نہیں ہونا تھا اور ضمیر نے تبدیل ہونا تھا۔ اب باقی چار " اَجْمَعُ ، اَکْتَعُ ، اَبْتَعُ اور اَبْصَعُ" جو رہ گئے اِن میں ضمیر تو کوئی نہیں، لہٰذا اِن میں صیغوں کا اختلاف ہوگا۔ مفرد کے لئے مفرد کا صیغہ،جمع کے لئے جمع کا صیغہ، مذکر کے لئے مذکر کا صیغہ اور جمع کے لئے جمع کا صیغہ۔ یہ چار بھی تثنیہ کے لئے تاکید نہیں بنتے۔ تقول اَجْمَعُ و جَمْعَاءُ و اجمعون و جُمَعُ واحد مذکر کے لئے اَجْمَعُ، واحد مؤنث کے لئے جَمْعَاءُ، اور جمع مذکر کے لئے اجمعونَ، اور جمع مؤنث کے لئے جُمَعُ۔ تاکید کے لئے لائے جائیں گے۔ اب تین رہ گئے یعنی " اَکْتَعُ ، اَبْتَعُ اور اَبْصَعُ" تو یہ تین بھی اجمعُ پر قیاس کریں اور اسی طرح آئیں گے۔ اَکْتَعُ کے اندر " اَکْتَعُ، کَتْعَاءُ، اکتعُوْنَ اور کُتَعُ" آئیں گے۔ اَبْتَعُ کے اندر "اَبْتَعُ، بَتْعَاءُ، اَبْتَعُوْنَ اور بُتَعُ" آئیں گے۔ اور اَبْصَعُ کے اندر "اَبْصَعُ، بَصْعَاءُ، اَبْصَعُوْنَ اور بُصَعُ" آئیں گے۔

و لا یؤکَّدُ بِکُلُّ وَ اَجْمَعُ اور تاکید نہیں لائی جائیں گی "کُلُّ اور اَجْمَعُ" کے ساتھ۔ اِلّا ذُو اجزاءٍ مگر اجزاء والے کی۔ یَصِحُّ افْتِرَاقِھا حِسًّا او حُکْمًا ایسے اجزاء کی صحیح ہو اُس کا جُدا ہونا حِسًّا یا حُکمًا۔ حِسًّا یعنی جو آنکھوں سے نظر آئیں۔ یعنی حقیقتًا۔ بھئی یاد رکھو! کُلُّ اور اَجْمَعُ یہ شُمول کا فائدہ دیتا ہے۔ تو شُمول وہی پر آئے گا جہاں پر اجزاء ہو۔

بعض صورت میں اجزاء تو ہوں گے لیکن وہ آپس میں جُدا نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ "جاءنِی زیدٌ کُلُّھُم" کہنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ زید کے تو اجزاء ہیں لیکن وہ زید سے جدا نہیں ہو سکتے۔ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا

که زید کا ہاتھ آیا ہو وغیرہ۔ تو زید کے اجزاء نہ حقیقتًا الگ الگ ہو سکتے ہیں اور نہ ہی حُکمًا الگ الگ ہو سکتے ہیں۔

بعض صورت میں حقیقتًا تو الگ نہیں ہو سکتے لیکن حُکمًا الگ ہو سکتے ہیں۔ مثلاً غلام یا باندی ہے۔ تو غلام کو نصف بھی کوئی خرید سکتا ہے، ثُلث بھی کوئی خرید سکتا ہے، ربع بھی کوئی خرید سکتا ہے۔ یعنی دو آدمیوں نے ایک غلام کو خریدا تو ہر ایک کا نصف حصّہ ہوا۔ وغیرہ۔ تو یہاں اجزاء حقیقتًا تو الگ نہیں ہوئے مگر حکمًا الگ ہوئے ہیں۔

تو بس مؤکّد کم از کم اجزاء والا ہونا چاہئے، اور وہ اجزاء بھی ایسے ہو جو ایک دوسرے سے جُدا ہو سکے، چاہے حقیقتًا جدا ہو سکے یا حُکمًا جدا ہو سکے۔ پھر ہی کُلٌّ اور اَجْمَعُ شمول کا فائدہ دیں گے۔ اگر اُس کے اجزاء آپس میں جُدا ہو ہی نہیں سکتے، یعنی الگ الگ ہو ہی نہیں سکتے، نہ ہی حقیقَتًا الگ ہو سکتے ہیں اور نہ ہی حکمًا الگ الگ ہو سکتے ہیں۔ تو لہٰذا اس صورت میں شمول کا فائدہ تو بے کار ہوا۔ پس اس صورت میں کُلٌّ اور اجمَعُ تاکید کا فائدہ نہیں دیگا۔

اسی طرح قوم ہے۔ قوم کم از کم تین افراد کو کہتے ہیں۔ اور یہ تین افراد ایک دوسرے سے حقیقتًا جدا ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اس قوم کی تاکید "کلٌّ" اور "اجمع" کے ساتھ کرنا صحیح ہے۔ کیونکہ یہ ذو اجزاء ہے۔ اور اجزاء ایسے ہیں کہ اِن کا ایک دوسرے سے جدا ہونا صحیح ہے حِسًّا۔

مثلُ اکرمتُ القومَ کلَّھُم میں نے ساری کی ساری قوم کا اکرام کیا۔ دیکھو! القومَ منصوب ہے تو اس کی تاکید "کلَّ" بھی منصوب لایا۔ کیونکہ "تاکید" تابع ہے اور تابع اور متبوع کا اعراب ایک ہوتا ہے۔

و اشتریتُ العبدَ کلَّهُ : اور میں نے سارا غلام خرید لیا۔ اَلْعَبْد کے اجزاء حِسًّا تو جدا نہیں ہو سکتے لیکن حُکمًا جدا ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا کُلٌّ کے ذریعے تاکید لانا صحیح ہوا۔ بخلافِ جاءَ زیدٌ کلُّهُ یہ کہنا صحیح نہیں۔ کیونکہ زید کے اجزاء نہ تو حقیقتًا جدا ہو سکتے ہیں اور نہ ہی حُکمًا جدا ہو سکتے ہیں، اس لئے یہاں کُلٌّ کے ذریعے تاکید لانا صحیح نہیں۔

جب آپ ضمیر متّصل کی تاکید "نفس یا عین" کے ساتھ لانا چاہتے ہوں تو اس کا طریقہ کیا ہوگا۔ صاحب کافیہ ؒ بتلاتے ہیں کہ براہ راست "نفس یا عین" کو تاکید نہ بنانا، بلکہ اُس ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ لاؤ پھر "نفس یا عین" کے ساتھ لاؤ۔ اور قاعدہ وہی ہوگا کہ فعل کے مطابق "نفس یا عین" کا صیغہ بھی بدلے گا اور ساتھ ضمیر بھی بدلے گا۔ مثلاً ضَرَبَ کے اندر جو "ھو" ضمیر ہے اور اسکی تاکید میں نفس کے ساتھ لانا چاہتا ہوں تو یوں کہوں گا، "ضربَ ھُوَ نفسُهُ"۔ اسی طرح ضَرَبَتْ کے اندر "تا" ضمیر ہے اور اسکی تاکید میں نفس کے ساتھ لانا چاہتا ہوں تو یوں کہوں گا، "ضربْتَ انتَ نفسُکَ"۔ تو فعل کے مناسبت سے نفس کے ساتھ ضمیر بھی "کاف" لایا۔ اسی طرح ضَرَبَتْ کے لئے "ضَرَبَتْ ھِیَ نَفْسُھا"۔ اور متکلم کی صورت میں "ضَرَبْتُ انا نَفْسِیْ": میں نے خود پٹھائی کی۔ نَفْسٌ یہاں پر یائے

متکلم کی طرف مضاف ہے، اور جو بھی اسم یائے متکلم کی طرف مضاف ہو تو اسکا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے۔ تو نفسٌ کا اعراب مرفوع تقدیرًا ہے۔ تو صاحب کافیه یہی بات کر رہے ہیں۔ وَ اِذا أُكِّدَ الضميرُ المرفوعُ المتصلُ بالنفسِ والعينِ اور جب تاکید لائی جائے ضمیر مرفوع متّصل کی "نفس" اور "عین" کے ساتھ أُكِّدَ بِمُنْفَصِلٍ تو اُس کی تاکید لائی جائے گی ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ۔ مثلُ ضربتَ انتَ نفسُكَ نفسٌ یہاں پر "انتَ" ضمیر کی تاکید ہے۔ اور اَنْتَ ضمیر فاعل کی ہے۔ تو یہ نفسٌ فاعل کا تاکید ہوا۔ اور تاکید تابع ہوتا ہے تو اِس پر وہی اعراب آئے گا جو متبوع پر آئے گا، اور متبوع یہاں پر فاعل ہے۔ تو فاعل مرفوع ہوتا ہے اس لئے نفسٌ بھی یہاں مرفوع ہی ہوگا۔ کتابت کی غلطی سے نفسَکَ لکھا ہے۔ یہ ضابطہ جو صاحب کافیہ ؒ نے ابھی بیان کیا یہ صرف مرفوع متصل میں ہے۔ منصوب متصل وغیرہ میں نہیں۔

یا درمیان میں فصل آجائے، یعنی ضمیر مرفوع متّصل اور نفس یا عین کے درمیان فصل آجائے تو پھر ضمیر مرفوع منفصل کا لانا ضروری نہیں۔ اور یہ فصل اگر ایک حرف کے ذریعے بھی ہو تو پھر بھی ٹھیک ہے۔ مثلاً، زیدٌ ضربَ بِنَفْسِهٖ۔ زید نے خود پٹھائی کی۔ تو ضربَ کے اندر ھو ضمیر ہے۔ اور آگے جو نفسٌ کا لفظ آیا ہے یہ اُسی ھُوَ کی تاکید ہے۔

ترکیب۔ زیدٌ مرفوع لفظًا مبتدا، ضربَ فعل، اسکے اندر ھو ضمیر مؤکد جو کہ لوٹ رہی ہے مبتدا کو، با جارّہ زائدہ نَفْسِ مجرور لفظًا اور مرفوع محلاً مضاف، ھا ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر تاکید، مؤکد تاکید ملکر فاعل ہوا ضربَ فعل کے لئے،

اب یہ جو لفظ آتے ہیں اَجْمَعُ، اَبْتَعُ، اَكْتَعُ، اَبْصَعُ، اس کے بارے میں صاحب کافیہ ؒ بتلانے لگے ہیں۔ کہ یہ الفاظ کس طرح استعمال ہوں گے۔ اسکا کیا طریقہ کار ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ یہ جو تین لفظ ہیں، " اَبْتَعُ، اَكْتَعُ، اَبْصَعُ" یہ اَجْمَعُ کے تابع ہے۔ تو یہ تین لفظ جب بھی استعامل ہوں گے تو اَجْمَعُ کے تابع ہو کر استعمال ہوں گے۔ اَجْمَعُ آئے گا تو یہ تین لفظ آسکتے ہیں اور اگر اَجْمَعُ نہیں تو یہ بھی نہیں آسکتے۔ اور ان تینوں کا اَجْمَعُ کے بغیر کوئی معنیٰ نہیں۔ اور نیز یہ تینوں اَجْمَعُ پر مقدَّم بھی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اَجْمَعُ متبوع ہے۔ اور متبوع مقدَّم ہے۔ پھر نیز ان میں ایک اور بات یاد رکھو! چاہے اسکو اَجْمَعُ کے ساتھ ذکر کرو یا نہ کرو۔ چاہے اِن میں دو کو ذکر کرو یا چاہے اِن میں تین کو ذکر کرو۔ تو صاحب کافیہ آگے یہی بات بتلانا چاہتے ہیں۔ وَ اَكْتَعُ وَ اَخَوَاهُ اور اکْتَعُ اور جو اُس کے دو اخوان ہے۔ یعنی اَبْتَعُ اور اَبْصَعُ۔ اَتْبَاعٌ لِاَجْمَعُ یہ تینوں یعنی " اَبْتَعُ، اَكْتَعُ، اَبْصَعُ " تابع ہیں اَجْمَعُ کے فلا تَتَقَدَّمُ عليهِ پس لہٰذا یہ تینوں اجمعُ پر مقدَّم نہیں ہو سکتے۔ وَ ذِكْرُهَا اور ان تینوں یعنی " اَبْتَعُ، اَكْتَعُ، اَبْصَعُ " کا ذکر دونَهُ عِلاوہ اَجْمَعُ کے۔ ھا ضمیر راجع ہے اَجْمَعُ کے ضَعِيْفٌ ان تینوں یعنی " اَبْتَعُ، اَكْتَعُ، اَبْصَعُ " کا ذکر اَجْمَعُ کے

علاوہ ضعیف ہے۔ بعض علماءؒ نے اِس کو جائز قراد دیا ہے۔ لیکن یہ ضعیف ہے۔ کیونکہ تابع بغیر متبوع کے یعنی بغیر اصل کے آنا صحیح نہیں۔

درس 77۔ توابع کی بحث میں آج ہم چوتھا تابع یعنی بدل پڑھیں گے۔ اس سے پہلے ہم نے تین توابع پڑھیں۔ جن میں نَعت، معطوف بالحرف اور تاکید شامل ہیں۔ نیز نَعت، تاکید اور عطف بیان میں متبوع مقصود بالنسبة ہوتا ہے۔ جبکہ بدل میں تابع مقصود بالنسبة ہوتا ہے۔ اور معطوف بالحرف میں متبوع اور تابع دونوں مقصود بالنسبة ہوتے ہیں۔ بدل کے بارے میں صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ اَلْبَدَلُ تابِعٌ بدل ایسا تابع ہے مَقْصُوْدٌ کہ وہ مقصود ہوتا ہے۔ بِمَا اُس چیز میں نُسِبَ اِلَی المتبوع جسکی نسبت کی گئی ہے متبوع کی جانب۔ جس چیز کی نسبت متبوع کی جانب کی گئی ہے اُس میں بدل مقصود ہوتا ہے۔ تو اس تعریف سے نعت، عطف بیان اور تاکید خارج ہو گئے۔ کیونکہ ان تینوں میں متبوع مقصود بالنسبة ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی اس میں معطوف بالحرف داخل تھا۔ کیونکہ اُس میں متبوع بھی مقصود بالنسبة ہوتا ہے اور تابع بھی مقصود بالنسبة ہوتا ہے۔ جیسا کہ جاءنِی زیدٌ و عمرٌو میں زید بھی مقصود بالنسبة ہے اور عمرو بھی مقصود بالنسبة تھا۔ تو معطوف بالحرف ابھی بھی تعریف میں داخل تھا۔ لیکن آگے صاحب کافیہؒ نے "دونَهُ" کہہ کر معطوف بالحرف کو "بدل" کی تعریف سے نکالا۔ تو یہ جامع مانع تعریف ہوا۔ دونَهُ ای دونَ المتبوعِ نہ کہ متبوع۔ ھا ضمیر راجع ہے متبوع کو۔ یعنی متبوع مقصود نہیں ہوگا بلکہ تابع مقصود ہوگا۔

یاد رکھو! اس میں سے جو پہلے آتا ہے یعنی متبوع وہ "مُبدَل منهُ" کہلاتا ہے۔ اور جو تابع ہوتا ہے وہ بدل کہلاتا ہے۔ تو مبدَل منهُ اور بدل میں "بدَل" مقصود بالنسبة ہوتا ہے۔ اور مبدَل منه کو صرف تمہید کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔ میں نے کہا، "سُلِبَ زیدٌ ثَوْبُهُ" : چھینا گیا زید اُس کے کپڑے۔ "ثَوْبُهُ" یہ بدل الاشتمال ہے۔ اور یہاں پر یہ "زید" مبدَل منهُ کو جو ذکر کیا گیا اسے صرف تمہید کے طور پر ذکر کیا گیا۔

و هو بدلُ الکُلِّ و البعضِ وَ الِاشْتِمَالِ و الغلَطِ بدل کی چار قسمیں ہیں۔ اور وہ "بدلُ الکُل"، بدلُ البعض، بدلُ الاشتمال اور بدلُ الغلط ہیں۔

اب صاحبِ کافیہ اِن چاروں کی تعریف فرماتے ہیں۔ فالْاَوَّلُ پس پہلا جو ہے یعنی بَدَلُ الکُل۔ مَدْلُوْلُهُ اُس کا جو مدلول ہے۔ ھا ضمیر راجع ہے اَوّل کو یا یہ کہہ دیں کہ یہ بدلُ الکل کو راجع ہے۔ مَدْلُولُ الاوَّلِ وہ اوّل کا مدلول ہوتا ہے۔ یعنی متبوع کا مدلول۔ اِس اوّل سے مراد "متبوع" ہے۔ کیونکہ متبوع پہلے آتا ہے اور تابع بعد میں آتا ہے۔ یعنی بَدَل الکل کا مدلول وہ مبدل منه کا مدلول ہوتا ہے۔ مدلُول: جس پر وہ لفظ دلالت کرے۔ میں نے کہا، "زید"۔ اس لفظِ زید نے ذاتِ زید پر دلالت کی۔ مثلاً زید آپ کا ساتھی

ہے تو میں نے جیسے زید کہا تو آپ کے ذہن میں زید کا تصوُّر آیا۔ تو لفظِ زید نے ذاتِ زید پر دلالت کی۔ تو یہ لفظِ زید ہوا "دال" اور ذات زید ہوا "مدلول"۔

یعنی جس چیز پر مبدل منہُ دلالت کرتا ہے تو بدلُ الکل بھی اُس چیز پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی دونوں کا مدلول ایک ہوگا۔ یعنی مبدل منہُ اور بدل کی ذات ایک ہی ہوتی ہے۔ مثلاً میں نے کہا، جاءنِی زیدٌ اخوکَ۔ آیا میرے پاس زید تمہارا بھائی۔ تو "زید" نے بھی اُسی ذات پر دلالت کی، "اخوک" کے لفظ نے جس پر دلالت کی۔ زید کیا ہے؟ آپ کا بھائی ہے۔ تو پہلے میں ایک اسم لایا، اور اُس کے بعد میں نے اخوکَ کہا۔ تو زید نے اُسی ذات پر دلالت کی جو آپ کا بھائی ہے۔ اور "اخوکَ" کے لفظ نے بھی اُسی ذات پر دلالت کی جو آپ کا بھائی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جو پہلے آیا یعنی مبدَل منہ اور جو بعد میں آیا یعنی بدل الکل، دونوں نے ایک ہی ذات پر دلالت کی۔ تو دونوں کا مدلول ایک ہوا۔

و الثانی جُزْءُهُ اور دوسرا یعنی بَدَلُ البعض کا مدلول متبوع کا جُز ہوگا۔ پورا عبارت اس طرح ہے، "والثانی مدلُولُهُ جُزْءُ الْاَوَّلِ"۔ جُزْءُهُ میں ها ضمیر "الاوَّل" کو راجع ہے۔ یعنی بدل البعض، مبدَل منہ کا جز ہوتا ہے۔ الاوَّل سے مراد مبدَل منہُ ہے۔ مثلاً ضربتُ زیدًا رَأسَهُ: میں نے زید کو مارا اُس کے سر کو۔یعنی اُس کے سر پر مارا۔ تو یہ رأسٌ مبدل منہُ یعنی زید کا جُز ہے۔ تو یہ ثانی یعنی رأس یہ بدَلُ البعض ہے۔ اور یہ زید کے جُز پر دلالت کرتا ہے۔

و الثالثُ اور تیسرا جو ہے یعنی بدلُ الاشتمال۔ **بینَهُ** اُس کے درمیان، یعنی بدَل کے درمیان **و بینَ الاوَّلِ** اَوَّل سے مراد متبوع یعنی مبدَل منہ، یعنی تابع اور متبوع کے درمیان یا یوں کہے مبدَل منہ اور بدل کے درمیان **مُلَابَسَةٌ** تعلق ہوگا۔ **بِغَیْرِهِما** اِن دونوں کے علاوہ۔ یعنی بدل اور مبدل منہ کے درمیان تعلق ہوگا اِن دونوں مذکورہ تعلقوں کے علاوہ۔ مذکورہ تعلقوں کی تفصیل نیچے دیکھئے۔

بھئی اوپر جو یہ تعلق ذکر ہوا۔ پہلی قسم یعنی بدل الکل میں بدل کا اپنے مبدل منہ سے کُلیَّت والا تعلق ہوتا ہے۔ یعنی بدل اپنے مبدل منہ کا کُل ہوتا ہے۔ جیسا کہ "جاءنِی زیدٌ اَخُوْکَ" میں یہ اَخوکَ پورے زید پر دلالت کرتا ہے۔ اور دوسری قسم یعنی بدل البعض میں، میں نے کہا، ضربتُ زیدًا رأسَهُ میں یہ رأس، زید کا جُز ہے۔ تو بدل البعض میں جُزئیت کا تعلق ہے۔

تو ایک تعلق تو کُلِیَّت والا ہے جو اوپر ذکر ہوا اور ایک تعلق جُزئیت والا ہے جو اوپر ذکر ہوا۔ تو بدلُ الاشتمال میں اس کے علاوہ کا تعلق ہوگا۔ یعنی ثانی اوّل کا کُل بھی نہیں ہوتا اور جُز بھی نہیں ہوتا۔ یعنی بدلُ الاشتمال اپنے مبدَل منہ کا کُل بھی نہیں ہوتا اور جز بھی نہیں ہوتا۔ مثلاً سُلِبَ زیدٌ ثَوْبُهُ: چھینا گیا زید اُس کے کپڑے۔ تو یہاں پر ثانی یعنی بدل الاشتمال "ثَوْب" ہے۔ اور یہ ثوب مبدَل منہ یعنی زید کا نہ جُز

ہے اور نہ ہی کُل ہے۔ لیکن ثَوْب کا ایک تعلق ہے زید کے ساتھ۔ مگر کُلیّت اور جُزئیت والا تعلق نہیں ہے۔

بدل الاشتمال کی ایک اور تعریف۔ بدل الاشتمال وہ ہے کہ مبدَل منہُ محل نہ ہو وقوع فعل کا۔ ذہن منتظر رہتا ہے کہ کوئی ایسا لفظ ذکر کیا جائے گا جو وقوع فعل کا محلّ بن سکے۔ یعنی فعل کو قبول کر سکے۔ میں نے کہا سُلِبَ زیدٌ : چھینا گیا زید، تو زید کو چھینا نہیں جاتا۔ تو یہاں پر زید وقوع فعل کو قبول ہی نہیں کرتا۔ تو اب ذہن منتظر ہے کوئی اور کلمہ آنا چاہیئے کہ فعل کو قبول کر لے۔ اور وہ لفظ محل بن جائے وقوع فعل کے لئے۔ چنانچہ " ثَوْبُهُ " آگے بدلُ الاشتمال آگیا۔

دوسری مثال: اَعْجَبَنِی زیدٌ عِلْمُهُ: تعجب میں ڈالا مجھے زید نے اُس کے علم نے۔ اب یہ علمُهُ بدل الاشتمال ہے زید سے۔ جب آپ نے کہا اَعْجَبَنِیْ زیدٌ: تعجب میں ڈالا مجھے زید نے، تو ابھی بھی ذہن منتظر ہے کہ کوئی کلمہ ایسا آجائے جو وقوع فعل کو قبول کرے۔ اس لئے کہ کسی کی ذات "مِنْ حیثُ الذات" کسی کو تعجب میں ڈالنی والی نہیں ہوتی۔ اُس ذات کا کوئی وصف ہوگا کوئی فعل ہوگا جو دوسرے انسان کو تعجب میں ڈالے گا۔ اور آگے "علمُهُ" نے فعل کو قبول کیا۔ کیونکہ اُسکا علم ایک ایسا صفت ہے جو کسی انسان کو تعجب میں ڈال دیں۔

والرابعُ اور چوتھا یہ ہے۔ بدل کی چوتھی قسم یعنی بدلُ الغلط۔ اَنْ تَقْصِدَ الیه کہ آپ ارادہ کرے اُس کا۔ یعنی آپ ارادہ کرے اُس بدل الغلط کا۔ بعدَ اَنْ غَلَطْتَّ بعد اُس کے کہ آپ نے غلطی کی بِغَیر ہٖ اُس کے غیر کے ساتھ۔ یعنی متبوع کے ساتھ۔ نیچے والے مثال میں وہ زید جو متبوع آیا تھا اُس میں آپ نے غلطی کی تھی۔

آپ نے کہا جاءنِی زیدٌ عمرٌو۔ تو آپ کہنا تو یہ چاہتے تھے "جاءنِی عمرٌو" غلطی سے منہ سے "زید" کا لفظ نکل گیا۔ یعنی "جاءنِی زیدٌ" پھر آپ فورًا صحیح لفظ لائے "عمرٌو" ۔ اور یوں کہا "جاءنِی زیدٌ عمرٌو" تو یہ عمرو بدل الغلط ہے ۔

بدلُ الغلط کا یہ معنیٰ نہیں کہ یہ غلط ہے ۔ بلکہ اس کو بدل الغلط اس لئے کہتے ہیں کہ غلطی اس کا سبب بنی۔ آپ نے غلطی سے زید کہا، تو آپ کی یہ غلطی اس بدل کے لانے کی سبب بنی۔ اس لئے اسکو بدلُ الغلط کہتے ہیں۔

و یکونانِ معرفَتین و نکرتین و مُخْتَلِفَیْنِ اور یہ دونوں یعنی مبدل منہ اور بدل معرفة بھی ہو سکتے ہیں، دونوں نکرة بھی ہو سکتے ہیں اور مختلف بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی مبدل منہ معرفة ہو اور بدل بھی معرفة ہو ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مبدل منہ نکرة ہو اور بدل بھی نکرة ہو۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مبدل منہُ معرفة ہو اور بدل نکرة ہو۔ اور ایسا بھی ہو سکتا ہے مبدل منہُ نکرة ہو اور بدل معرفة ہو۔ تو یہ کُل چار صورتیں ہوئی۔

و اذا کان نکرةً مِنْ مَعرفةٍ اور جب نکرة آئے معرفة سے۔ یعنی جب نکرة بدل آئے معرفة سے۔

مبدل منه اور بدل میں مقصود بالنسبت بدل ہوتا ہے۔ یعنی ثانی مقصود بالنسبة ہوتا ہے اور اوّل یعنی مبدَل منه تو صرف تمہید کے لئے ذکر کیا جاتا ہے۔ جب ثانی مقصود ہو تو اسے اوّل سے اعلیٰ ہونا چاہئے۔ اور اگر ثانی اعلی نہیں تو کم از کم اوّل کے برابر ہونا چاہئے اور ادنیٰ درجه کا نہیں ہونا چاہئے۔

تو لہٰذا اگر مبدَل منهُ معرفة اور اس سے بدل بھی معرفة آیا تو بھی مسئله ٹھیک۔ کیونکه ثانی اعلیٰ نہیں تو ادنیٰ بھی نہیں کم از کم برابر ہے۔ اور اگر مبدل منه اور بدل دونوں نکرة ہو تو پھر بھی ٹھیک ہے۔ کیونکه جو مقصود ہے وہ اعلیٰ نہیں تو کم از کم برابر تو ہے۔ تیسری صورت یه که اگر مبدل منه نکرة ہو اور بدل معرفة ہو۔ تو یه صورت تو بالکل مطلوب ہے۔ کیونکه بدل مقصود بالنسبة ہے اور اوّل سے اعلیٰ بھی ہے۔

لیکن اگر اسکا عکس ہو جائے مبدل منه معرفة ہو اور بدل نکرة آجائے تو پھر یه تو عکس ہو گیا مطلوب کا۔ کیونکه ثانی مقصود ہے اور وہ نکرة آرہا ہے۔ یعنی ادنیٰ آرہا ہے۔ تو غیر مقصود اعلیٰ ہوا اور مقصود ادنیٰ ہوا۔ لہٰذا اس صورت میں اس نکرة کی صفت لانا واجب ہے۔ کیونکه صفت کی وجه سے نکرة کے اندر تخصیص آجاتی ہے۔ اور تخصیص سے وہ معرفة تو نہیں بنا لیکن معرفة کے قریب ہوا۔ اور "قریب الی الشیئ فی حکم الشیئ" ہوتا ہے۔ تو لہٰذا یه بھی معرفة ہی کے حکم میں ہوگیا۔ لہٰذا اب اسکا بدل بنانا صحیح۔

فالنعتُ ای فالنعتُ واجبٌ خبر محذوف ہے۔ تو صفت لانا واجب ہے۔ یعنی جب نکرة بدل آئے معرفة سے تو اس صورت میں نکرة کی صوت لانا واجب ہے۔ وضاحت اوپر گزر گئی۔ اور یه قاعده صرف بدلُ الکل میں ہے۔

مثلُ مثال کے طور پر قرآن مجید میں آیا ہے۔ بالناصیةِ ناصیةٍ کاذبةٍ لَنَسْفَعًا بالناصیةِ: ہم کھینچیں گے اُن کو پیشانی کے بالوں سے ناصیةٍ ایسی پیشانی کاذبةٍ جو جھوٹ بولنے والی ہے۔ ناصیة: سر کے اگلے حصّے کے بال۔ الناصیة یه مبدل منهُ ہے۔ اور ناصیةٍ اس سے بدل آرہا ہے۔ اور بدل ہے نکرة اور مبدل منه ہے معرفة تو اس صورت میں بدل کا لانا واجب۔ تو اسی وجه سے بدل کی صفت "کاذبة" لائی گئی۔ اللہ ہم سب کی جہنم سے حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

و یکونانِ ظاهِرَیْنِ وَ مُضْمَرَیْنِ وَ مُخْتَلِفَیْنِ اور دونوں اسم ظاهر ہوں گے اور دونوں ضمیریں ہوں گی اور دونوں مختلف بھی ہوں گے۔ یعنی مبدَل منهُ اور بدل دونوں اسم ظاہر بھی سکتے ہیں۔ جیسا که "جاءنِی زیدٌ اخوکَ" اس مثال میں مبدل منه"زید" یه بھی اسم ظاہر ہے اور بدل "اخوک" بھی اسم ظاہر ہے ۔ اور مبدل منه اور بدل دونوں ضمیریں بھی ہو سکتے ہیں۔ اور مبدل منه اور بدل دونوں مختلف بھی ہو

سکتے ہیں۔ یعنی مبدل منه اسم ظاہر ہو اور بدل ضمیر ہو۔ یا اس کا عکس ہو۔ یعنی مبدل منه ضمیر ہو اور بدل اسم ظاہر ہو۔ تو یہ کل چار صورتیں بن گئیں۔

وَ لا یُبْدَلُ ظاهرٌ مِنْ مُضْمَرٍ اور اسم ظاہر کو اسم ضمیر سے بدل نہیں لایا جائے گا بَدَلُ الْکُلِّ جب کہ وہ بدلُ الکلّ ہو اِلَّا مِنَ الْغَائِبِ ای اِلَّا مِنَ الْمُضْمَرِ الْغَائِبِ: مگر غائب کی ضمیر سے۔ یعنی بدل الکل میں جب مبدل منه ضمیر ہو اور آپ بدل کو اسم ظاہر لانا چاہتے ہو تو اس صورت میں مبدل منه غائب کی ضمیر ہونا چاہئے۔ نَحْوُ ضربتُهُ زیدًا میں نے اُس کی پٹھائی کی زید کی۔ تو ضربتُهُ ایک مفعول چاہتی ہے اور "ھا" ضمیر منصوب متصل ساتھ آگئی۔ ضربْتُهُ: میں نے اُس کی پٹھائی کی۔ ضربتُهُ میں غائب کی ضمیر ہے۔ تو اس سے اسم ظاہر کو بدل لانا جائز ہے۔ اور آپ یوں نہیں کہہ سکتے، ضربْتُکَ زیدًا۔ اور یوں بھی نہیں کہہ سکتے، "ضربْتَنِی زیدًا"۔

وجہ اسکی یہ ہے کہ بدل مقصود ہوتا ہے۔ اور مقصود کو غیر مقصود سے اعلیٰ ہونا چاہئے۔ اور اگر مقصود اعلیٰ نہ ہو غیر مقصود سے تو کم از کم برابر ہونا چاہئے۔ اور اگر یہاں مبدل منهُ کو مخاطَب یا متکلم کی ضمیر کو بنائیں تو پھر بدل اُس سے ادنیٰ ہو جائے گا۔ کیونکہ متکلِّم کی ضمیر میں سب سے زیادہ تعریف ہوتا ہے۔ اس کے بعد مخاطَب کی ضمیر میں سب سے زیادہ تعریف ہوتا ہے۔ اور "ھُو" کی ضمیر میں کچھ ابہام ہے۔ تو اس کے لئے مرجع چاہئے۔ اس وجہ سے غائب کی ضمیر کا درجہ اِن دونوں سے کم ہے۔ اور اسم ظاہر کا درجہ تو اِن سے کم ہے۔

لہٰذا اسم ظاہر کو غائب کی ضمیر سے تو بدل لایا جا سکتا ہے۔ اور کسی اور ضمیر سے بدل نہیں لایا جا سکتا، ورنہ پھر مقصود یعنی بدل ادنیٰ ہو جائے گا اور غیر مقصود یعنی مبدل منه اعلیٰ ہو جائے گا۔

ایک دو باتیں بدل کی اور یاد رکھئے! یاد رکھو! بدل ہمیشہ اسمِ جامد ہوگا اور یہ مشتق نہیں آتا۔ بدل مشتق کا صیغہ آئے یہ کلام عرب میں نہایت نادِر ہے۔ نیز ایک نہایت اہم ضابطہ ہمیشہ یاد رکھنا۔ یہ بدل تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے۔ گویا کہ اس پر عامل دوبارہ داخل ہو رہا ہو۔ تو اس کے لئے عامل کو مقدَّر مانا جاتا ہے۔ مثلاً، جاءنِی زیدٌ اخوکَ: میرے پاس آیا زید آپکا بھائی۔ اور یہ "اخوکَ" بدل الکل ہے۔ اور بدل تکرار عامل کے حکم میں ہوتا ہے۔ یعنی اس کے لئے عامل کو دوبارہ مقدّر نکالا جاتا ہے۔ تو یہاں پر زیدٌ کو رفع "جاء" نے دیا۔ تو آگے "اخوکَ" کے لئے ایک اور "جاءَ" نکالنا پڑے گا۔ یعنی "جاءنِی زیدٌ جاءنِی اخوکَ"۔ تو دیکھا یہ دو جملوں کے حکم میں ہوا۔

عطفُ البیانِ توابع میں سے آخری تابع عطفُ البیان ہے۔ تابعٌ ایسا تابع ہے غیرُ صِفَةٍ جو صفت سے غیر ہوتا ہے۔ یُوَضِحُ مَتْبُوعَهُ اپنے متبوع کی وضاحت کرتا ہے۔ مثلُ اَقْسَمَ بِاللّٰهِ ابو حَفْصٍ عُمَرُ قسم کھا لی اللہ کی ابو حفص نے عمر رض نے۔ تو دیکھو! ابو حفص اس سے عُمر عطف بیان آیا۔ اور

جو عطف بیان سے پہلے ہوتا ہے اُس معطوفٌ علیه کہتے ہے۔ تو "ابو حفص" معطوفٌ علیه ہے اور "عمر رض" اس سے عطف بیان ہے۔ اب دیکھئے! "ابو حفص" جب متکلم نے کہا تو پتہ نہ چلا کہ "ابو حفص" سے کون مراد ہے۔ کیونکہ یہ کنیت "ابو حفص" زیادہ مشہور نہیں۔ اور حضرت عمر رض اپنے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ تو "ابو حفص" جب کہا تو اس سے پتہ نہ چلا، تو آگے جب "عمر" کہا تو معلوم ہوا کہ اس سے حضرت عمر رض مراد ہے۔

اسی لئے کہا کہ عطف بیان ایسا تابع ہے جو صفت کے علاوہ ہو اور اپنے متبوع کی وضاحت کرتا ہے۔ بھئی غیرُ صفةٍ کی قید لگائی۔ کیونکہ آپ کو پتہ ہے کہ جب معرفة کی صفت آئے تو وہ توضیح کا فائدہ دیتی ہے۔ تو صفت بھی وضاحت کے لئے آتی ہے اور عطف بیان بھی وضاحت کے لئے آتا ہے۔ تو وہ بھی تعریف کے اندر داخل ہو رہی تھی، تو "غیرُ صفةٍ" کی قید لگا کر صفت کو عطف بیان کی تعریف سے نکال دیا۔

عطف بیان کے بارے میں مصنف رح نے فرمایا کہ عطفِ بیان کے ذریعے متبوع کی وضاحت ہوتی ہے۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ عطف بیان زیادہ واضح ہوگا اپنے متبوع سے۔ یہ ضروری نہیں۔ بس دونوں کے ملنے سے وضاحت حاصل ہو جاتی ہو۔ مثلاً تین آدمی ہیں۔ ایک کا نام عبدُاللہ ہے، دوسرے کا نام بھی عبدُاللہ ہے اور تیسرے کا نام زید ہے۔ اور یاد رکھو! یہ زید کی کنیت بھی ابو بکر ہے۔ اور ایک عبدُاللہ کی کنیت بھی ابوبکر ہے۔ اب میں کہتا ہوں، "جاءنِی عبدُاللہِ" تو اس سے پتہ نہ چلا کو کونسا عبدُاللہ آیا۔ اسی طرح میں کہتا ہوں، "جاءَنِی ابو بکرٍ" تو اس سے بھی پتہ نہیں چلا کہ کون آیا۔ کیونکہ ابو بکر یہ دو لوگوں کی کنیت ہے۔ پس اگر "ابو بکر" اکیلا کہتا ہوں تو بھی پتہ نہیں چلتا اور اگر "عبد اللہ" اکیلا کہتا ہوں تو بھی پتہ نہیں چلتا۔ اب میں کہتا ہوں "جاءنِی عبدُاللہِ ابو بکرٍ"۔ اب تعیین ہوا کو کونسا عبدُاللہ مراد ہے۔ اور کونسے کنیت والا ابو بکر مراد ہے۔ اور وہ عبد اللہ خارج ہوا جس کی کنیت ابوبکر نہیں تھا اور وہ ابوبکر بھی خارج ہوا جس کا نام عبداللہ نہیں تھا۔ تو اس مثال میں نہ تو ابوبکر زیادہ واضح تھا اور نہ عبداللہ زیادہ واضح تھا مگر دونوں کے ملنے سے وضاحت ہو گئی۔

تو دیکھا! عطف بیان نے اشتراک کو ختم کر دیا۔ یعنی وضاحت سے مراد اشتراک کو ختم کرنا ہے۔ جیسے صفت کے اندر بعض لوگ یہ فرماتے ہیں کہ اس سے اشتراک ختم ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک زید تاجر ہے اور ایک زید عالم ہے۔ اب میں کہتا ہوں، جاءنِی زیدٌ۔ تو اس سے پتہ نہ چلا کہ کونسا زید آیا۔ اور آگے جب "العالمُ" کو صفت لایا تو اس صفت نے آکر اشتراک کو ختم کر دیا۔ اور بتلا دیا کہ وہ زید آیا ہے جو کہ عالم ہے اور وہ زید مراد نہیں جو کہ تاجر ہے۔

تو یہاں پر عبداللہ کے اندر بھی اشتراک تھا اور ابو بکر کے اندر بھی اشتراک تھا ۔ تو لہٰذا جب میں نے کہا "عبداللہ ابو بکر" تو اس ابو بکر نے آکر اُس اشتراک کو ختم کر دیا۔

وَ فَصْلُهُ اور عطف بیان کا فرق۔ ها ضمیر راجع ہے عطفِ بیان کو۔ مِنَ البَدَلِ بدل سے لفظًا فی مثلِ لفظوں کے اعتبار سے اس قسم کے مثالوں میں ہوگا۔ بھئی معنیٰ کے اعتبار سے تو عطف بیان اور بدل دونوں میں تو فرق ہیں۔ لیکن لفظوں کے اعتبار سے کیسے پتہ چلے گا۔ بھئی یاد رکھو! یہ عطف بیان اور بدل میں فرق بڑا مشکل ہے۔ یعنی عطف بیان اور بدل الکل میں فرق بڑا مشکل ہے۔ یہاں تک کہ علّامہ رَضِی فرماتے ہیں جنہوں نے کافیہ کی مشہور ترین شرح لکھی۔ تمام علماء کافیہ کی تشریح کی سلسلے میں اُس کی طرف رُجوع کرتے ہیں۔ اور یہ شرح کئی جلدوں میں ہے۔ اور اُس میں وہ لکھتے ہیں کہ ابھی تک مجھے "بدلُ الکُل" اور "عطفِ بیان" میں کوئی خاص فرق معلوم نہیں ہوا۔ بلکہ میں نے جب بھی عطف بیان میں غور کیا تو وہ مجھے بدلُ الکل معلوم ہوا۔ جیسا کہ "ابو حفص" اور "عمر" دونوں کا مدلول ایک ہے۔ دونوں کے درمیان صرف اعتباری فرق ہے۔ کیسے؟

بدلُ الکل اور مبدل منہ میں بدلُ الکل مقصود ہوتا ہے اور مبدَل منہ وہاں پر غیرِ مقصود ہوتا ہے۔ یعنی ثانی مقصود ہوتا ہے۔ اور عطفِ بیان میں معطوفٌ علیہ یعنی متبوع مقصود ہوتا ہے اور عطف بیان کو وضاحت کے لئے لایا جاتا ہے۔ یعنی ثانی کو وضاحت کے لئے لایا جاتا ہے۔ تو ثانی اگر مقصود ہو تو اُس صورت میں وہ بدل کہلائے گا۔ اور اگر ثانی کو وضاحت کے لئے ذکر کیا تو یہ عطف بیان ہو جائے گا۔ اور اگر ثانی کو ذکر کیا اِس لئے کہ وہی مقصود ہے تو وہ بدل الکل ہے۔

تو یہی "ابو حفصٍ عمرُ" بدل کی بھی مثال بن سکتی ہے اگر اس سے مقصود ثانی یعنی "عمر رض" ہو۔ اوّل کو تمہید کے طور پر ذکر کیا اور ثانی مقصود بالنسبۃ تھا۔ تو یہ بدلُ الکل بن گیا۔ اور اگر اوّل مقصود تھا اور ثانی کو وضاحت کے لئے ذکر کیا گیا تو پھر یہ عطف بیان بن جائے گا۔ تو یہ معنیٰ کے لحاظ سے فرق ہوا۔ اور لفظوں کے لحاظ سے فرق اس قسم کے مثالوں میں ہوگا۔

انا ابنُ التَارِکِ الْبِکْرِیِّ بِشْرٍ انا ابنُ میں بیٹا ہوں اُس شخص کا التَارِکِ الْبِکْرِیِّ بِشْرٍ کہ وہ کر چھوڑنے والا ہے بِکْرِی بِشْر کو۔ شاعر کہتا ہے کہ میں اُس شخص کا بیٹا ہوں، جس نے بکری بشر کو مرنے کے قریب حالت میں جنگل میں چھوڑ آگیا تھا۔ اور پرندے اس انتظار میں تھا کہ کب اِس بکری بِشر کی روح نکل جائے اور ہم اُس کا گوشت کھائیں۔

تو دیکھئے! یہاں اَلْبِکْرِی معطوفٌ علیہ ہے اور بِشْرٍ اُس سے عطف بیان ہے۔ اور یہ بِشْرٍ وضاحت کے لئے لایا گیا۔ کہ بِکری سے کون مراد ہے۔ یعنی وہ بکری جو بشر ہے۔ اب یہاں دیکھئے! یہ بِشْرٍ عطفِ بیان ہے بِکْرِی سے۔ لیکن اِس کو بدل بنانا جائز نہیں۔ اس لئے کہ بدل تَکرار عامل کے حُکم میں ہوتا ہے۔ گویا کہ اُس پر عامل دوبارہ داخل ہوتا ہے۔ اور جب آپ "بِشر" کو "بکری" سے بدل بنائے۔ تو بِکری کے اندر عامل "التارک" ہے۔ "التارکِ البکرِیِّ" یہ مضاف مضافٌ الیہ ہے۔ مضاف صفت کا صیغہ ہے۔ تارِکٌ اسم فاعل ہے۔ اور مضافٌ الیہ پر بھی الف لام داخل ہو رہا ہے۔ تو یہ "الضاربُ الرجلِ" کی طرح ہوا۔ (الضاربُ

الرجلِ، الحسنُ الوجهِ الضاربُ زیدٍ اس کی وضاحت مجرورات کے بحث میں اضافت کے بحث میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔ جس میں الضاربُ زیدٍ والا صورت جائز نہیں تھا۔ تفصیل وہاں پر دیکھ سکتے ہیں۔ یہ دونوں مثالیں " الواهب المائة الهجان و عبدها" کے آگے پیچھے گزرے تھے۔) تو "الضاربُ الرجلِ" اضافت لفظی ہے اور یہ جائز ہے۔ اور اسی طرح "التارِکِ البکرِیِّ" بھی اضافت لفظی ہے تو یہ جائز ہوا۔ اور اب ہم اگر "بشرٍ" کو بدل بنائیں اور بدل تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے۔ اور بکری میں عامل "التارک" تھا تو گویا وہ "التارِک" بشرِ پر دوبارہ داخل ہوا۔ تو یہ "التارکِ بِشْرٍ" بن جائے گا۔ تو عبارت یوں ہوں گی، " انا ابنُ التَارِکِ الْبِکْرِیِّ التارِکِ بِشْرٍ" تو التَارِکِ الْبِکْرِیِّ کہنا تو جائز، اور "التارِکُ بِشْرٍ" یہ تو "الضاربُ زیدٍ" کی طرح ہوا۔ جس میں مضاف تو صفت کا صیغہ ہے لیکن مضافٌ الیہ پر الف لام داخل نہیں۔ اور یہ صورت تو جائز نہیں۔ تو لہٰذا اب اسکو بدل بنانا جائز نہیں۔ اور پھر یہ عطفِ بیان بنے گا۔ کیونکہ بدل بنانے کی صورت میں یہ "الضاربُ زیدٍ" کی طرح بن جائے گا اور "الضاربُ زیدٍ" کہنا تو جائز نہیں۔ تو یہ فرق ہوا لفظوں کے اعتبار سے۔

تو عطف بیان میں ایک بڑی قیمتی بات یاد رکھو! عطفِ بیان ہمیشہ اسم جامد ہوگا مشتق نہیں ہوگا۔ اور ہمیشہ معرفة ہوگا۔ اور کبھی بھی جملہ نہیں ہو سکتا۔